(۲)

بنام تمکین کاظمی

شفیقی و مکرمی! تسلیم

حسب وعدہ نظم ملفوف کی جاتی ہے۔ اس کے متعلق دو باتیں واضح کی جاتی ہیں۔ اولاً یہ کہ اس میں اس بات کا مطالعہ
کیا گیا ہے کہ ایک تعلیم یافتہ نوجوان جب پہلی دفعہ ایک اجنبی لڑکی سے بہ حیثیت اجنبی لیکن شادی کی ذمہ داریوں کا بوجھ اپنے اوپر لے کے
آمنے سامنے بیٹھا ہے تو اس وقت کس طرح قفل خاموشی توڑنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ مکالمہ کی کھڑکی سے اپنی اور طرف ثانی
کی روحیں ایک دوسرے سے روشناس ہوں۔ ہمارے ہاں کی ۹۹ فی صدی شادیاں اب بھی اجنبی دولہا دلہن کی ہوتی ہیں ان
[illegible] مختلف حالات میں ایک انگریزی تعلیم یافتہ نوجوان کا مطالعہ کرنا چاہا ہے۔ ثانیاً یہ کہ اس نظم کی بحر ایجاد بندہ ہے۔ اس کے
ارکان حسب ذیل ہیں:

فَ عِ لُن | فا عِ لُ | فا عِ لُن

— ۷ — | ۷ ۷ — | — ۷ ۷

م ری نے   نو ہیں س   ما ؤ تم

ترجیعی مصرع بندوں کے سروں سے دگنا ہے۔ بیچ میں انشرام ہے۔

مری نینوں میں سماؤ تم   مرے من میں بسو آؤ تم

اس وضاحت کے بعد اگر نظم نئے سرے سے پڑھی جائے تو نہایت سریلی چیز معلوم ہوگی۔ بہرحال اگر آپ کو انگریزی عروض سے
دلچسپی ہے تو یہ ایک اردو میں انگریزی رنگ ڈھنگ کا تجربہ ہے۔

اب آپ کو اختیار ہے جس رسالہ میں آپ مناسب سمجھیں اس نظم کو بھیج دیں۔ اگر بحر کی وضاحت ہو جائے تو ہر
شخص کو سہولت ہوگی۔

بفضلہ تعالیٰ اب میری صحت ذرا بہتر ہے۔ امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے اور اس سمع خراشی سے
نہ اکتائیں گے۔

نیازمند: محمد عظمت اللہ خاں۔ حیدرآباد (دکن)

۱۲ امرداد سنہ ۱۳۳۶ ف مطابق ۱۸ جون ۱۹۲۷ء

نوٹ: عظمت اللہ خاں کا یہ خط میرے نام ہے انہوں نے اس کے ساتھ جو نظم بھجوائی تھی۔ میں نے اسے رسالہ
"نیرنگ خیال" لاہور میں اپنے اسی وضاحتی نوٹ کے ساتھ چھپوایا تھا۔ اب وہی نظم جو عظمت نے اپنے
خط کے ساتھ بھجوائی تھی اس نقل کے ساتھ منسلک کر رہا ہوں۔ اس نظم کے آخر میں عظمت کے دستخط ہیں
(تمکین کاظمی)

پہلا آمنا سامنا

۱

نہیں منہ یوں نہ چھپاؤ تم
میں یہاں معطلانہ لجاؤ تم
مجھے صورت تو دکھاؤ تم
ذرا گھونگھٹ یہ ہٹاؤ تم
مری نینوں میں سماؤ تم مرے من میں بسو آؤ تم

۲

بڑی اس ملاپ کی تھی آرزو
کہ ہوں اس رنگ سے روبرو
تو پھر دل کھول کے گفتگو
ابھی بس شرم اٹھاؤ تم
مری نینوں میں سماؤ تم مرے من میں بسو آؤ تم

۳

یہ ہے اک پھول سا ہاتھ نرم
لگی مہندی ہے گرم گرم
بھلا اب مجھ سے کہاں کی شرم
ذرا آنکھیں تو ملاؤ تم
مری نینوں میں سماؤ تم مرے من میں بسو آؤ تم

۴

بہت آگاہ ہے اس پہ جی
تمہیں پاس میں کہ ملو گی
ذرا آئے جو تمہیں ہنسی
مجھے ہنس ہنس کے ہنساؤ تم
مری نینوں میں سماؤ تم مرے من میں بسو آؤ تم

۵

دیا جب ہاتھ میں ہاتھ ہے
یہ تو اک عمر کا ساتھ ہے
خوشی نت چاہ کے ساتھ ہے
ذرا دل سے دل لگاؤ تم
مری نینوں میں سماؤ تم مرے من میں بسو آؤ تم

۶

ذرا سوچو وہ ہے وصل کب
رہو دلوں میں ہے فصل جب
یہی ہاں بات ہے اصل اب
کہ مجھے دل میں بساؤ تم
مری نینوں میں سماؤ تم مرے من میں بسو آؤ تم

۷

نہیں اب رہو نہ یوں الگ
مرے بس آؤ گلے لگو
مجھے دل سے کہو مری بنو
مجھے یوں اپنا بناؤ تم
مری نینوں میں سماؤ تم مرے من میں بسو آؤ تم

عظمت

(۳)

بنام تمکین کاظمی

شفیق و کرمی! تسلیم

دو خطوں کے جواب کا اس خط کے ذریعہ قرض ادا کر رہا ہوں اور شرمندہ ہوں۔ کچھ طبیعت کی بدمزگی کچھ حیدرآباد کی گڑبڑ
اور کچھ دفتر کی گھس گھس اور امتحان مڈل کے نتیجہ کا فوراً اشاعت کرانا غرض ان سب باتوں نے آپ کو خط لکھنے سے روکا۔
حالانکہ جی چاہتا تھا کہ تفصیلی خط لکھوں۔

آپ مزید اس رنگ میں طبع آزمائی کیجئے۔

"تجلی" میں آپ کی نظم "مرا سہاگ رہنے دے" میں نے دیکھی اور مجھے یقین ہے کہ آپ کامیاب رہیں گے۔ کبھی
آپ سے ملاقات ہوگی تو ہندی کے متعلق بات چیت ہوگی۔

حامد اللہ افسر ذہین آدمی ہیں اور خوب لکھتے ہیں صرف ذرا محنت اٹھا کر پرانی عروض کے جوئے سے اپنے کو آزاد
کر لیں تو میرا خیال ہے کہ اس نئے رنگ میں نام کریں گے۔

میری نئی نظم آپ اس دفعہ کے مجلہ عثمانیہ میں پائیں گے۔

مجھے خوشی ہوگی کہ میری نظم آپ کو پسند آئی۔ یہ میں بالکل آپ پر چھوڑتا ہوں کہ کس رسالہ میں اسے شائع کیا جائے۔

میں آئندہ بشرط فرصت طول طویل خط لکھوں گا اور اس میں ادبی بحث ہوگی۔

میں اپنی نظموں اور مضامین کو جمع کر چکا ہوں۔ نستعلیق ٹائپ کے تیار ہوتے ہی انشاء اللہ چھپوانا شروع کر دوں گا
آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ انشاء اللہ تعالیٰ نستعلیق ٹائپ دو تین مہینے میں کامیابی سے بن جائے گا اور اس کا CASE انگریزی
سے بھی کم ہوگا یعنی صرف ۲۶۰ حروف اور جوڑ ہوں گے۔ انگریزی میں CASE ۲۷۵ کا ہے۔ اگر نستعلیق کے ۲۷۵ بھی رہتے
تو کیا کہنے۔

نیازمند محمد عظمت اللہ خاں۔ حیدرآباد دکن ۱۵ اردیبہشت ۱۳۳۶ف
مطابق ۲۱ جون ۱۹۲۷ء

(۴)

بنام تمکین کاظمی

شفیق و کرمی!

تسلیم۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے خط کا جواب نہ دے سکا۔ آپ نے جن طالب علم کا ذکر کیا ہے ان کے
متعلق دفتر کے کھلنے کے بعد جواب دے سکوں گا۔

---

[1] عظمت کے خط میں جس نستعلیق ٹائپ کا ذکر ہوا ہے وہ مطبع سرکار عالی (گورنمنٹ پریس حیدرآباد) کا ہے جو اپنے نوک پلک کی نزاکت
وجہ سے ناقص ثابت ہوا۔ (تمکین کاظمی)

یہ چند سطریں آپ کو اس لئے لکھ رہا ہوں کہ آپ کو خط کے پہنچنے نہ پہنچنے کا تردد نہ رہے۔ میری طبیعت بفضلہ تعالیٰ بہ صحت ہوتی جاتی ہے لیکن بہت ہی بتدریج۔

ہاں مدیر صاحب نیرنگ خیال دو تین پرچے رسالے کے اپنی عنایت سے بھیجے ہیں۔ ایک میں آپ کی نظم "سلوہ" خوب چیز ہے۔ میں پڑھ کر بہت محظوظ ہوا۔ باقی حالات مستوجب شکر!

نیازمند محمد عظمت اللہ خاں - حیدرآباد دکن

۳ شہریور ۱۳۳۶ف مطابق ۱۰ جولائی ۱۹۲۷ء

---

(۵)

بنام تمکین کاظمی

مشفق و مکرمی!

تسلیم۔ آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ میں بہت یاد آوری کا شکر گزار ہوں۔

یہاں آکر بفضلہ تعالیٰ میری طبیعت رو بہ صحت ہے۔ لکھنے کی اجازت نہیں لیکن آپ کی عنایت کی وجہ سے خود ہی جواب دے رہا ہوں۔

جناب بسمل صاحب کو سلام فرما دیجئے اور کہئے کہ وہ ابھی لکھنے کی اجازت کا انتظار کریں۔ میں ان کے عنایت نامہ کا بھی ممنون ہوں۔

آپ کا نیازمند محمد عظمت اللہ خاں - اروگیا ورم - ۱۸ ستمبر ۱۹۲۷ء

نوٹ: عظمت اللہ خاں کا یہ آخری خط میرے نام ہے اس کے بعد ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کے مضامین کا مجموعہ اور نظموں کا مجموعہ انتقال کے بعد طبع ہوا ہے۔ (تمکین کاظمی)

سر راس مسعود

(۱)

بنام محمد امین زبیری

جناب مولوی محمد امین صاحب!

تسلیم۔ آپ کے دونوں خط مجھے پچھلی ڈاک سے یہاں ملے۔ امید ہے کہ اب آپ سمجھ جائیں گے کہ جناب کو جواب جلد کیوں نہیں ملا۔ آپ نے جو سر سید مرحوم کے خطوط کی بابت لکھا وہ میں نے بغور پڑھا۔ آپ کی مہربانی ہے کہ آپ اس کام کرنے کے لئے تیار ہیں۔ میں انشاء اللہ ۲۰ اگست تک حیدر آباد واپس آجاؤں گا۔ اس وقت جناب کو اس کی بابت مفصل جواب دے سکوں گا۔ آپ کی رائے ٹھیک ہے کہ بہتر یہی ہے کہ سب صاحبوں کے خطوط سیریز کی طرح پبلک کے سامنے پیش ہوں۔

خاکسار: سر سید راس مسعود۔ یوکوہاما (جاپان) ۲۵ مئی ۱۹۲۲ء

سر سید کے کوئی خطوط ابھی آپ نہ چھپوائیں ورنہ وقت ہو جائے گی۔

(۲)

بنام علامہ کیفی چریا کوٹی مرحوم

مخدومی و مکرمی زاد مجدکم!

وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ آپ کا گرامی نامہ مجھے چند روز ہوئے ملا۔ آپ کے اور میرے خاندان کے تین پشت سے تعلقات قائم ہیں۔ جناب دادا صاحب قبلہ مرحوم و مغفور اور جناب والد صاحب قبلہ مرحوم و مغفور سے آپ کے والد ماجد اور چچا صاحب مرحوم سے خاص تعلقات اور روابط تھے۔

آپ کا خاندان علمی تبحر کے لحاظ سے سارے ہندوستان میں ممتاز ہے۔ جناب مولانا محمد فاروق صاحب مرحوم و مغفور اور جناب مولانا عنایت رسول صاحب مرحوم و مغفور اپنے زمانے کے جید عالم گزرے ہیں اور ہندوستان کے مسلمان ان بزرگ ہستیوں پر فخر کریں تو بالکل بجا ہے آپ کا اور مجھ سے بھی خدا کے فضل و کرم سے ویسے ہی مخلصانہ تعلقات ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ رہیں گے۔

مجھے امید ہے کہ آپ برابر مجھے اپنے حالات سے مطلع فرماتے رہیں گے۔

خاکسار: سید راس مسعود، حیدر آباد دکن یکم اگست ۱۹۲۷ء

(۳)

بنام نصیر الدین ہاشمی

ڈیر نصیر الدین!

بعد دعا کے معلوم ہو کہ تمہارا خط مورخہ ۴ دسمبر ۱۹۲۹ء مع یورپ کے صداقت ناموں کی نقل کے ملا۔ مجھے یہ دیکھ کر نہایت خوشی ہوئی کہ وہاں تمہارے کام کی بابت لوگوں نے اس عمدگی سے تمہارا شکریہ ادا کیا۔ جس دن سے کہ میں نے یہاں اپنا کام شروع کیا ہے کثرتِ کار کی وجہ سے ناممکن ہو گیا ہے کہ میں کسی کے خط کا بھی جواب وقت پر دے سکوں، لہٰذا امید کرتا ہوں کہ تمہارے خط کے جواب میں جو دیر لگی ہے اس کو معاف کر دو گے۔

بد قسمتی سے ہمارے کتب خانہ کی حالت یہاں ایسی عمدہ نہیں ہے جیسی کہ مسلمانوں کی مرکزی درس گاہ کے کتب خانہ کی ہونی چاہیئے۔ تاہم تم جو کچھ دریافت کرنا چاہتے ہو وہ (IBRARIAN) مسلم یونیورسٹی لائبریری علی گڑھ کو لکھ کر دریافت کر سکتے ہو۔

مجھے خود اس کا علم ہے کہ جناب نواب سر حیدر نواز جنگ کو تم میں کافی دلچسپی ہے اور میری رائے یہ ہے کہ تم ان سے گاہے گاہے ملتے رہو اور صاف طرح سے جو کچھ بھی تمہاری مشکلات ہوں ان کا اظہار ان کے سامنے کرو۔ سوائے ان کے اور کوئی تمہیں صلاح نہیں دے سکتا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ جس وقت موقع نکلے گا نواب صاحب ممدوح تمہاری مدد کرنے سے دریغ نہ فرمائیں گے۔

خاکسار: سید راس مسعود۔ علی گڑھ ۱۰ دسمبر ۱۹۲۹ء

(۴)

بنام نصیر الدین ہاشمی

ڈیر نصیر الدین ہاشمی!

بعد دعا کے معلوم ہو کہ تمہارا عنایت نامہ و کتاب مجھے کل ملے۔ جب وقت ملے گا تو تمہاری جدید تصنیف کو ضرور پڑھوں گا۔ تم ان چند لوگوں میں سے ہو جو حیدر آباد میں مجھے ابھی تک بھولے نہیں۔ یہاں کا نظام تعلیم میں بدلنا چاہتا ہوں، خواہش یہ ہے کہ اس ریاست میں بھی قومی تعلیم جاری ہو جائے۔ افسوس کہ میری صحت ایسی خراب ہو گئی ہے کہ میں اب ۴ گھنٹے سے زیادہ کام نہیں کر سکتا۔ جرمنی حاشیہ علاج کرانے گیا تھا لیکن قلب کی بیماری کا سوا آرام کے اور کوئی علاج نہیں ہے۔ جو کچھ بھی میری صحت تھی وہ علی گڑھ کے نذر کر چکا۔ یہ صرف نواب صاحب بھوپال کی محبت تھی کہ وہ مجھے یہاں کھینچ لائی۔ یہ ایک نہایت دانشمند بادشاہ ہیں اور خدا نے چاہا تو ان سے مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچے گا۔ یہ ریاست بھی ان شاء اللہ جلد علم کا مرکز بن جائے گی

مجھے یہ بتاؤ کہ اب تم کیا کام کرتے ہو اور کیا تنخواہ پاتے ہو۔ عبد السلام مرحوم [1] کے والد کو میرا سلام کہہ دینا۔ خدا کرے اس مرحوم کے بچے خیریت سے ہوں۔

میں ہوں تمہارا سچا خیر طلب: سید راس مسعود۔ بھوپال ۲۲ نومبر ۱۹۳۴ء

نوٹ: یہ خط خود سید صاحب کا لکھا ہے۔

---

[1] عبد السلام مرحوم میرے پھوپھی زاد بھائی اور تعلیم میں ناظر تھے۔

مرزا محمد ہادی عزیزؔ لکھنوی

(۱)

بنام وؔل شاہجہان پوری

دام مجدکم!

آسان نہیں کہ میں اپنے حالات آپ کو لکھوں۔ ایک سال سے بیمار ہوں۔ میڈیکل کالج میں مدقوق تجویز کیا ہے کھانسی بہت شدت سے ہے۔ کسی وقت حرارت بھی رہتی ہے۔ لکھنؤ گیا تھا آپ کا دعوت نامہ دیکھا تھا۔ غرض کہ صاحب فراش ہوں ایسی حالت میں آپ سے معذرت چاہتا ہوں۔ آپ کے خلوص اور محبت پر نظر کرتے ہوئے امید ہے کہ آپ معاف فرمائیں گے اور میری غیر حاضری کو محمول کسی عذر بارد پر نہ فرمائیے گا۔

عزیزؔ لکھنوی۔ محمود آباد ضلع سیتاپور

(۲)

بنام وؔل شاہجہان پوری

مکرمی!

تسلیم۔ گرامی نامہ پہنچا منت پذیر یاد آوری ہوا۔ مرض کی حالت بدستور ہے کبھی کم کبھی زیادہ طاقت روز بروز جواب دے رہی ہے اگر کوئی مجرب نسخہ ہو تو مرحمت فرمائیے۔ مشاعروں کی شرکت سے اب احتراز کرتا ہوں اوّل تو فضا بدل گئی دوسرے تمام رات اس زحمت کو برداشت کرنے کے قابل نہیں رہا۔ دیوان کی اشاعت کافی ہوئی مجھ کو ادبی کساد بازاری کا تجربہ ہے اس کو دیکھتے ہوئے یہ اشاعت اتنے زمانے میں کافی ہے۔ بجا ہے اگر کتب فروش طلب کرتے ہیں تو ان کو ضرور دیجئے کمیشن زائد ہی سہی مگر وہ اشتہارات دے کر کتاب نکال دیں گے۔ یہ تمام زحمتیں آپ سے نہیں ہوں گی یہ بھی تو عہد کر لیا ہے کہ اب اپنی کوئی کتاب اپنی رقم سے نہیں چھپاؤں گا، اس میں برابر نقصان ہے میری کتابوں کی الماری میں دیمک لگ گئی اس میں ایک کتاب پر میری جدید غزلیں تھیں جس کا بالکل کھا لیا نشان بھی باقی نہ رہا چند ایسی غزلیں جن کے مسودات موجود ہیں چاہتا ہوں کہ آپ کے پاس بھیج دوں جس کو جناب صرف انتخاب کر دیں، کیا یہ ممکن ہے؟ شبیر حسن سلمہٗ کو دعا ان کی کامیابی سے دلی مسرت ہوئی۔

مخلص: عزیزؔ

مجھ سے بھی ممکن ہے اور ناقد سے بھی۔ اب آپ انصاف سے ایک محاکمہ اس پر کر دیجئے تاکہ جو در اصل اغلاط ہیں تیسرے ایڈیشن میں ان کی تصحیح کر دی جائے اگرچہ تیسرا ایڈیشن بھی چھپ گیا ہے مگر آخری غلط نامہ لگا دینا ممکن ہے۔ میں دشمنوں کی نظر سے بعض اوقات فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں بعض اوقات ان کی کمزوریوں کا علم حاصل کرتا ہوں۔ میری غزل کا ایک شعر ؎

دشمن پہ بھی نگاہ رہے عیب بیں ہے وہ

یہ کیا صرف چلنے والوں کو دیکھئے۔ انہی بزرگ نے میرے قصائد پر بھی رسالہ تسنیم اور سرفراز اخبار میں اعتراضات شائع کئے ہیں جس کے دنداں شکن جوابات میں نے لکھ کر ایک دوسرے شخص کے نام سے شائع کرا دئے ہیں۔ وہ مباحث میں آپ کو دکھاؤں گا۔ رسالہ "نگار" میں جو اعتراضات ہیں ان میں بعض باتیں مجھ کو صحیح معلوم ہوتی ہیں لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ میں اپنی ذات کو عصمت مآب سمجھوں۔ آپ چونکہ بالغ نظر اور صاحب فن ہیں اگر تصدیق فرماویں تو میں تصحیح کرا دوں۔ اس نمبر کے علاوہ پہلا نمبر بھی دیکھ لیجئے گا۔

جواب کا منتظر رہوں گا۔ دیوان غزلیات و مجموعۂ منظومات مرتب کر رہا ہوں ختم کے بعد آپ کو بغرض انتخاب بھیجوں گا۔

نغمۂ دل کی بابت میری رائے ہے پنجاب کی کسی تعلیمی درسگاہ میں داخل ہونا چاہئے۔ شبیر حسن سلمہٗ کو دعا۔ اصلاحوں سے قطع نظر کیجئے گا اس کی گنجائش بڑے بڑے اساتذہ کے کلام میں نکل آئے گی صرف اغلاط پر نظر رہے مگر تعمق نظر کی ضرورت ہے۔ نیاز صاحب کے نوٹ بعض جگہ صحیح نہیں۔

عزیزا!

خواجہ عزیز الدین عزیز لکھنوی

(۱)

بنام منشی محمد الدین فوق

مکرمی دام مجدکم!

تسلیم۔ پہلے ہیں شکریہ جناب ڈاکٹر محمد اقبال صاحب بالقابہ کا ادا کرتا ہوں کہ آپ کو محرک تحریر نامہ محبت خامہ ہوئے۔ من بعد آپ کا سپاس گذار ہوں کہ آپ کی ذات ہوا خواہ قوم ہے اور بالفاظ دیگر خادم القوم جس کی شان سے خادم القوم مخدوم — اللہ تعالےٰ آپ کی تائید اور مدد کرے۔

عزیز ناچیز مطالعہ سے دونوں رسالوں (کشمیری، میگزین) کے نہایت مسرور ہے اور بہ دل و جان ترقی خواہ قوم کا بہی خواہ ہے۔ یہ جو تحریر ہوا کہ اپنا حال لکھو، تو اس استخوان فروشی سے خموشی بہتر ہے جس کی صورت سیرت ننگ بنی نوع انسان ہو اس کے اظہار کی کیا ضرورت۔ البتہ عزیز ناچیز کو شوق شعر و سخن روز ازل سے ہے اور باوجود قحط سالی سخن کبھی کبھی طبع آزمائی کرتا رہا لیکن چار پانچ برس سے ایسے امراض میں مبتلا رہتا ہے کہ مصداق اس شعر کا ہے ؎

چناں قحط سالی شد اندر دمشق — کہ یاراں فراموش کردند عشق

بایں ہمہ بموجب الامر فوق الادب ایک مخمس کی نقل مرسل ہے۔ میرے گمان میں دلچسپی ناظرین سے خالی نہ ہوگا۔ اگرچہ بشمول مثنوی ید بیضا طبع ہوا ہے۔ لیکن کسی اخبار یا رسالہ میں طبع نہیں ہوا۔ مگر آنکہ تالیف و تصنیف درکنار اب بوجہ بیماریوں کے کتب بینی بھی دشوار ہے۔ زیادہ کیا لکھوں۔ جناب ڈاکٹر صاحب کو تسلیم!

عزیز الدین عزیز از لکھنؤ سبزی منڈی۔ ۲۰ اکتوبر ۱۹۰۹ء

مخمس

وزد بر غزارہا ہوائے نوبہارہا — نہ سروہا چنارہا ز ضو فشاں قطارہا

چکاروہا و سارہا چو راقصاں بکارہا — بوجد شاخسارہا ز نغمۂ ہزارہا

بہ از صدائے تارہا نوائے زیر۱ و زارہا

۱؎ آواز پست و بلند

جہاں دل بہ پیچ شدہ مراں ثبات شمس و فے — گوی از قباد[1] کے بپرس از عراق و رے
بروزگار روکارہ سے نبردہ کس سُراغ وے — کنوں کہ رفت فصل دے بیا دہے بنائے وے
بنوش مے کجا و کے بباغ در بہار ہا

چمن شدہ سپہر شاں جدا وشں چو کہکشاں — شگوفہ ہے رو بدنشاں کمال حسن مہ وشاں
نسیم را چو سرخوشاں ہوا برکشاں کشاں — چو گل چو لالہ سرخوشاں بکش ایں قدح کش آں
کنند بو کہ مے کشاں تلافی خمار ہا

ز طائراں فرق فرق سحرگہاں ہے بہ ادحق — غزل سرابداں نسق کہ کودکان ہم سبق
شقیق لعل گوں وشق چناں کہ در افق شفق — شگفتہ گل بہ ورق ورق بسی ابر در عرق
بہر ورق طبق طبق گہر کنند نثار ہا

بہار گشتہ گل فشاں جہان کہنہ شد جواں — در نغمہ ایگاں بگاں زدہ زدہ زماں زماں
بجنبش آمدہ چناں کہ مہد خواب کودکاں — چہ فرودیں چہ مہرگاں ہوا چو دایہ مہرباں
کشادہ غنچہ ہا دہاں چو طفل شیرخوار ہا

بہا گل از چمن ببر چو من چمن چمن ببر — شقیق از دمن ببر عقیق از یمن ببر
رحیق از انجمن ببر رفیق ہم چو من ببر — بنفشہ یاسمن ببر شگوفہ بے ثمن ببر
سمن دمن سمن ببر ز طرف کشت و کار ہا

بسیج جو شبار کن بسرو بن گذار کن — کرشمہ اش بکار کن بہ جلوہ شرمسار کن
بقدر خود دو چار کن چو سرب بے قرار کن — بلطف در کنار کن چو سرکشد کنار کن
بگیر و پس بدار کن خوش ست گیر و دار ہا

ز راست بخت روز بہ بہ بخت آفریں فزہ — غلام تو چہ کہ چہ مہر بہ عشق ناز نین بنہ
ز ہر دو زلف پر گرہ بدوش بر فگن زرہ — کمان عشوہ ساز زہ بہ تیغ غمزہ آب دہ
کہ دل بجائے شہر دہ دہند شہر یار ہا

دو زلف اگر بہم زنی بہ این اسیر افگنی — بہ یاں درع و جوشنی سفند یار و بہمنی
بجلوہ برق خرمنی بغمزہ شیر او زنی — حریف صد تہمتنی چہ جائے رطل دہ منی
بیک کرشمہ بشکنی خمار ذوالخمار ہا

مراد من از یں چمن نہ سرو ہست و یاسمن — مدام ہست چشم من بہ نو بہار علم و فن
چہ علم شمع انجمن سہیل مطلع یمن — عیار حق نہ قلب ظن بہار جاں نہ برگ تن
رحیق دیں نہ للائے دن بلائے میگسار ہا

[1] کیقباد

حدیقۂ ازل ابد شمامۂ قبول و رد | گل ارغواں نہ صد نہ و صد چمن سبد سبد
سمن بیان سرو قد سہی قدان لالہ خد | مثال نیک و نقش بد ز رست و لی بہ پیرہ

چہ باشد آں نگار خود کہ بندہ ایں نگارہا

عزیز نا ادیب شد عزیز ہر ادیب شد | انیس ہر حبیب شد حبیب ہر لبیب شد
بہر کجا خطیب شد ز سامعاں شکیب شد | مقابل حبیب[1] شد رقیب عندلیب شد

حریف دلفریب شد بہ نغمہ ازہزارہا

بموجب ارشاد گرامی یہ ہرزہ درائی دسع نیاز نامہ ہوئی کہ تعمیل امر ہو جائے۔ اگر مناسب جانئے تو رسالہ میں شائع کیجئے۔ چونکہ نظم ہے تصحیح کا خیال رہے[2]۔ فقط!

---

[1] حبیب اللہ قاآنی شیرازی

[2] بارہ بند کا یہ مخمس منشی محمد الدین فوق مرحوم مدیر کشمیری میگزین لاہور کو ۱۹۰۹ء میں بغرض اشاعت موصول ہوا تھا۔ مگر منشی صاحب یہ نظم کہیں رکھ کر بھول گئے اور باوجود تجسس و تلاش کے اسے دوبارہ حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ یہ مخمس خواجہ عزیز مرحوم کی مثنوی "ید بیضا" کے ساتھ بھی شائع ہوا تھا اور رطبات میں بھی چھپ گیا ہے۔ پیش نظر مسودے اور مطبوعہ میں خاصا فرق ہے۔

بہتر ہے۔

مبند دل بہ ہیچ شے، مداں ثبات شمس و فے | مگو ے از قباد و کے، مپرس از عراق و رے
ز چرخ و انقلاب وے، | زمان وسے بہ گشت طے بیاد ہے بناو نے

بہ نوش مے کجاو کے، چراغ در بہارہا

مفتی کفایت اللہ

(۱)

بنام غلام رسول مہر

جنابِ مکرم دام مجدہم!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ محبت نامہ نے مسرور فرمایا۔ یاد آوری کا شکریہ آپ کی دعا کی برکت اور خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے سفر حجاز نہایت راحت، اطمینان و عافیت کے ساتھ پورا ہوا۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔

یہاں میں تو انتہائی سعی کر رہا ہوں اور کروں گا کہ مسلمانوں میں افتراق و شقاق کی خلیج زیادہ وسعت پذیر نہ ہو۔ اس کی موجودہ حیثیت ہی تباہی لانے کے لئے کیا کم ہے کہ وسعت پذیری کا خوف نہ کیا جائے مگر خدا جانے ہندوستانیوں کی بدقسمتی کی انتہا کب ہوگی اور ان کی فلاح کے لئے کون سا وقت مقدر ہے کہ جس طرف توقع کی نظر ڈالو اُدھر ہی یاس کی ظلمت نظر کو خیرہ کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ دستگیری فرمائے اور ہماری حالتِ زار پر رحم کرے۔

مولانا عبد الحلیم صاحب، مولانا محمد عرفان صاحب سفر میں ہیں۔ مولانا احمد سعید صاحب سلام فرماتے ہیں۔

محمد کفایت اللہ غفرلہ۔ دہلی ۵ر ستمبر ۲۶ء

(۲)

بنام مہر صاحب

جنابِ محترم!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ حسب اعلان سابق ۱۵ر اگست ۱۹۲۶ء کو مسلمان دہلی کا ایک جلسہ اس غرض سے منعقد ہوا کہ انبیاء و پیشوایانِ مذاہب کی توہین کو روکنے کے لئے مستقل جدید قانون وضع کرانے کے وسائل پر غور کیا جائے۔ جمعیۃ مقننہ کے اراکین میں سے آنریبل نواب سر ذوالفقار علی صاحب و آنریبل نواب محمد اسماعیل خاں صاحب و آنریبل مولانا محمد شفیع صاحب داؤدی شریکِ جلسہ ہوئے اور مولانا محمد علی کے وضع کردہ مسودہ پر غور کیا گیا۔

تبادلۂ خیالات کے بعد یہ رائے قرار پائی کہ ہندوستان کے تمام صوبوں سے وکلاء و علماء و دیگر اہل الرائے مسلمانوں

کی ایک معزز اور منتخب جماعت شملہ میں مجتمع ہو اور ارکان اسمبلی کے ساتھ مل کر زیر تجویز قانون کے تمام پہلوؤں پر غور و بحث کرے اور اگر کسی ترمیم کی ضرورت ہو تو ترمیم کرکے اسے منظور کیا جائے۔ پھر ارکان اسمبلی کے واسطے سے یا اگر ضرورت ہو تو ایک وفد کے ذریعہ سے عالی جناب وائسرائے کو اس امر پر آمادہ کیا جائے۔ ہمیں جناب والا سے توقع ہے کہ اس ضروری اور نہایت اہم معاملہ میں پوری توجہ فرما کر اپنی زریں رائے سے اس مسئلہ کے حل کرنے میں امداد فرمائیں گے۔ یہ اجتماع ۲۸ اگست ۱۹۲۶ء کو شملہ میں ہوگا جس کے لئے کوئی مناسب مقام وہیں متعین کیا جائے گا۔ اطلاع دہی کی سہولت کے لئے ضروری ہے کہ جناب اپنے شملہ پہنچنے اور جائے قیام کی اطلاع مولانا محمد شفیع داؤدی ممبر اسمبلی کو فرما دیں۔ کوشش کی جا رہی ہے کہ جو حضرات اپنی جائے قیام کا انتظام نہ فرما سکیں ان کے لئے انتظام کر دیا جائے۔ لیکن ابھی تک نہیں کہا جا سکتا کہ انتظام ہو سکے گا یا نہیں۔

ہماری درخواست ہے کہ ۲۸ اگست کی صبح تک جناب ضرور شملہ پہنچ جائیں تاکہ اسی روز کسی مناسب وقت میں اجتماع ہو سکے۔

محمد کفایت اللہ (صدر جمعیۃ العلماء) دہلی۔ اگست ۱۹۲۶ء

(۳)

بنام سید دل محمد صفا

مولانا دام مجدہم!

بعد سلام مسنون۔ جناب کا عنایت نامہ موصول ہوا۔ میں گو شعر و شاعری سے نابلد ہوں اور مجھے اس پر قلم اٹھانا زیبا نہ تھا تاہم آپ کے ارشاد کی تعمیل میں اپنا مختصر خیال پیش کر دیا ہے۔ جانتا ہوں کہ یہ درخور توجہ و التفات نہ ہوگا۔

جوابی کارڈ سے مضمون زیادہ ہونے کی وجہ سے لفافہ ارسال خدمت کیا گیا ہے۔ لفظ 'شروع' عربی لفظ ہے اور مصدر ہے اس میں الف تا بڑھا کر شروعات جمع کا صیغہ بنا لیا گیا ہے۔ مصدر سے اگر مصدری معنی مراد لئے جائیں تو اس کی جمع بنانا خلاف اصل ہے کیونکہ المصدر لایثنی ولا یجمع مسلمہ قاعدہ ہے لیکن جبکہ لفظ مصدر سے مصدری معنی مراد نہ ہوں بلکہ حاصل بالمصدر کے معنی مراد ہوں یا مصدر سے اسم مفعول کے معنی مراد ہوں یا مصدر کے انواع بتانے مقصود ہوں تو مصدر کی جمع بنالی جاتی ہے جیسے رکعۃ، رکعات۔ سجدہ، سجدات۔ قول، اقوال۔ طہارۃ، طہارات۔ اجارہ، اجارات، امانۃ، امانات۔ دیانۃ، دیانات وغیرہا۔

رہا یہ سوال کہ فعول کی جمع الف تا کے ساتھ فعولات آتی بھی ہے یا نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ فعول کے وہ مصادر جو ذوات التاء ہیں ان کی جمع تو الف تا کے ساتھ مطرد ہے جیسے نبوۃ، نبوات۔ خصومۃ، خصومات۔ حکومۃ، حکومات۔ وسہولۃ، سہولات اور جو مصادر غیر ذوات التاء ہیں جیسے شروع، رکوع، سجود، نزول، ہبوط، صعود، سکون، قعود، جلوس، وجود۔ ان کی جمع فعولات پر اگرچہ مطرد نہیں لیکن ان میں سے بعض مصادر کی جمع فعولات پر بنائی اور استعمال کی گئی ہے۔ جیسے مصاحف میں رکوع کی جمع رکوعات اور اکثر شعروں میں مستعمل ہے اور جیسے وجود کی جمع وجودات، ہبوط و صعود کی جمع ہبوطات و صعودات استعمال کی گئی ہے۔ دیہ یاد رہے کہ یہ جمع مصدری معنی کے لحاظ سے نہیں بلکہ اسم مصدر یا حاصل بالمصدر کے معنی کے لحاظ سے ہے مگر لفظ مصدر کی جمع ہے، اسی طرح شروع کو حاصل بالمصدر کے معنے (آغاز) میں لے کر اس کی جمع شروعات بمعنی آغازہا یا ابتداہا بن سکتی ہے۔

عبدالرحمٰن بجنوری

بنام مولوی عبدالحق

مخدوم و معظم تسلیم بہ صد تعظیم

مولانا ہاشمی صاحب سے یہاں ملاقات ہوئی انہوں نے آپ کے دفعتاً حیدرآباد چلے جانے کے متعلق کہہ زبانی فرمایا نہایت افسوس ہے کہ آپ سے ملاقات کا یہ قریب ترین اور عمدہ موقع ہاتھ سے جاتا رہا آئندہ ماہ نومبر کے آغاز سے میں بھی تین ماہ کے لئے دورہ پر جاؤں گا۔ لیکن امید ہے کہ زمانہ کرسمس میں علی گڑھ یا لکھنؤ جہاں آپ کا ارشاد ہوگا ضرور حاضر ہو سکوں گا۔

آپ نے باوجود میرے استفسار کے کہ انجمن ترقی اردو کا اجلاس کہاں ہوگا تفصیلات سے کچھ بھی اطلاع نہیں بخشی اخباروں میں چرچا ہے اور آپ خاموش ہیں۔ جو مضمون میں نے انجمن ترقی اردو کے متعلق لکھ کر گذشتہ سال آپ کی خدمت میں بمبئی روانہ کیا تھا اس کے متعلق ایک مہربان کا یہ خیال ہے کہ اگر انجمن کا اجلاس لکھنؤ میں ہو تو اس کو وہاں پڑھوں۔ اگر آپ کی رائے میں یہ مناسب ہو تو میں تیار ہوں۔ لیکن اس مضمون کا آخری اور مکمل مسودہ آپ ہی کے پاس ہے میرے پاس چند پراگندہ اجزا پڑے ہوئے ہیں اگر وہ موجود ہو اور آپ میرے پاس روانہ فرمادیں تو میں اس کو دوبارہ دیکھ لوں گا۔ اور اگر آپ کا مشورہ ہوگا تو اس عرصے میں اس کو چھپوا بھی لوں گا۔ یہ میں قطعاً آپ کے مشورے پر چھوڑتا ہوں۔

مولانا ہاشمی صاحب کی گفتگو سے کچھ ایسا معلوم ہوا کہ شاید آپ کا ارادہ ہے کہ دیوان غالب کو لکھنؤ الناظر پریس میں ہی طبع کرالیا جائے۔ گو مجھ کو اس بات کا باور نہیں ہوتا۔ لیکن اس خبر نے مجھ کو نہایت مشوش کر دیا ہے اور میں نہایت مضطربانہ التجا کرتا ہوں کہ ایسا ہرگز نہ فرمائیے گا ورنہ تمام محنت برباد ہو جائے گی۔ جو دیوان لکھنؤ میں کتابت ہوا ہے نہایت عمدہ ہے۔ لیکن اگر اس کی چھپائی کے لئے کسی نہایت اعلیٰ درجے کے کلکتے کے پریس میں انتظام نہ کیا گیا تو کتنا ہی عمدہ کاغذ لگایا جائے حروف پھیل جائیں گے سطریں غیر متوازی ہو جائیں گی اور تمام صورت اور نقشہ بگڑ جائے گا۔

میری رائے یہ ہے کہ اول تو لکھنؤ کے خوش نویس کے لکھے ہوئے مسودہ (کاپی) کو فوٹو کرانے کی کوشش کی جائے۔ یو۔ اے، کلکتہ کا کارخانہ دنیا کے عمدہ کارخانوں میں شمار ہوتا ہے اس میں صرف ایک قباحت ہے اور وہ یہ کہ لاگت بہت

سی اصطلاحات کو مثلاً ارائیمی بانیڈ، رجن وغیرہ) ویسا کا ویسا ہی اپنی زبان میں لے لیا ہے۔ یہ محض ان کی پست ہمتی اور نارسی کی دلیل ہے جو منوں نے جو علمی حیثیت سے انگریزوں کے مقابلہ میں ایک نئی قوم ہے۔ ایسا نہیں کیا بلکہ سب اصطلاحات کو اپنی زبان میں وضع کر لیا ہے۔ اردو یونیورسٹی کو اس بارہ میں جرمنوں کی تقلید کرنی چاہئے۔

لیکن اردو کے لئے جس طرح انگریزی یا لاطینی اصطلاحات کا اختیار کرنا غلط ہے عربی اصطلاحات کا اختیار کرنا بھی درست نہیں۔ عربی اصطلاحات کے اختیار کرنے میں یہ فائدہ ضرور ہے کہ بیروت اور مصر میں جو کام ہوا ہے۔ اس سے اردو یونیورسٹی فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ لیکن اردو یونیورسٹی کے پاس ماشاء اللہ چالیس لاکھ روپیہ کا سرمایہ موجود ہے اور اعلیٰحضرت حضور نظام خلد اللہ ملکہ کی سرپرستی کا شرف حاصل ہے۔ اردو یونیورسٹی کو کس بات کی کمی ہے کہ معاون دوسروں کی دست نگر ہو۔

عربی اصطلاحات کے اختیار کرنے سے وہی قباحت جو انگریزوں کو لاطینی اصطلاحات کی وجہ سے باقی رہتی ہے اردو آسانی جو جرمنوں کو خاص اصطلاحات سے پیدا نہیں ہوتی۔ اصطلاحات علمیہ کی خوبی یہ ہے کہ ہر شخص ان کو بآسانی سمجھ لے اگر اردو یونیورسٹی ایسی اصطلاحات وضع کرے گی جن کا مفہوم پانے کے لئے اول عربی زبان کا سیکھنا لازمی ہوگا تو اردو یونیورسٹی کا کام کسی طرح ہماری زبان اور ہمارے ملک کے لئے مفید ثابت نہ ہوگا۔

انجمن ترقی اردو نے ایک کتاب حیوانیات کے متعلق شائع کی ہے اس میں قابل مصنف نے مفصلۂ ذیل اصطلاحات کا استعمال کیا ہے۔

کثیرۃ الرجل۔ اخطبوطیہ۔ شوکیتہ الجلد۔ مستعلج الجلد۔ سلحفیہ۔ مستقیمتہ الاجنحہ۔ میں دریافت کرتا ہوں کہ کون شخص ایسا ہے جو عربی زبان جانے بغیر ان الفاظ کے معنی سمجھ سکتا ہے۔ اس سے تو کہیں بہتر ہوتا کہ انگریزی اصطلاحات ہی اختیار کر لی جاتیں۔ گو ایسا کہنا فخر کا باعث نہیں لیکن ہمارے ملک کے لوگ انگریزی الفاظ سے کم از کم ان الفاظ کی نسبت زیادہ واقف ہیں۔ اگر ان ہی تمام اصطلاحات کا ترجمہ کثیر پا۔ خار پشت۔ گداز جلد۔ غلاف پوش اور راست پر کیا جاتا تو کیا حرج تھا۔ ہر شخص ان الفاظ کے معنی سمجھتا ہے۔ بس اردو یونیورسٹی کو ایسی اصطلاحات وضع کرنی چاہیئں جو درجۂ قبول کو پہنچ سکیں۔

مجھے نہایت افسوس ہے کہ میں اصطلاحات کی مرسلہ فہرست کے متعلق رائے لکھنے سے اس وقت معذور ہوں۔

عبدالرحمٰن ایجوکیشنل ایڈوائزر بھوپال اسٹیٹ

۲۶-۲-۱۸ء

(۲)

(۱)

(۴)

(۵)

(۷)

(۶)

(الف)

(۵۱)

FEMININE MASCULINE

(۱۶)

بنام سید امتیاز علی تاج

بھائی جان تسلیم!

بعد انتظارِ شدید و مدید عنایت نامہ کے درشن ہوئے۔ مشکور ہوں۔ کتابیں آپ نے غالباً کانپور بھیج دی ہوں گی۔ وہاں کل مجھے ملنے پر وہاں سے آپ کی خدمت میں ۵۰ جلدیں اور پہنچیں گی۔ آپ بھی ان کے پہنچنے پر تین سو اور جلدیں بھیج دیجئے گا۔ سرورق کا مجھے سخت افسوس ہے۔ یہ مہتمم صاحب پریس کی عنایت کا نتیجہ ہے۔ ممکن ہو تو آپ سرورق دوسرا لگوا لیں۔ قیمت مجھ سے وضع کر لیں۔

سیرِ درویش اور پریم پچیسی کی ایک جلد بھی میرے پاس نہیں۔ زیادہ تصحیح کی ضرورت نہیں۔ کتابت یا پروف کے ساتھ ساتھ تصحیح بھی ہوتی جائے گی۔ بس کاتب نے پیراگراف الگ نہیں کئے ہیں۔ اکثر دو پیراگراف ملا دئے ہیں۔ اس کے سوا مجھے تو زیادہ اغلاط نہیں معلوم ہوتے۔ آپ کتابت شروع کروا دیں اور دونوں بازارِ حسن ہی کے سائز پر چھپوائیں۔ مجھے بھی ایک ہی سائز کی کتابیں پسند ہیں۔ آپ ان دونوں کتابوں کا کاپی رائٹ چاہتے ہیں یا محض دوسرے ایڈیشن کا حقِ اشاعت؟

میں نے ادھر دو تین قصے لکھے ہیں۔ ایک صبحِ امید میں ہے "بعد از مرگ" دوسرا زمانہ میں ہے "نوک جھونک" ایک اور زمانہ میں رکھا ہوا ہے "مسرت حیات" ایک چوتھا میرے پاس ہے "دوست غیب" پانچواں زیرِ تحریر ہے جس میں نان کوآپریشن کا رنگ نظر آئے گا۔ ان کے متعلق میں آپ کی نکتہ چینی کا شوق سے انتظار کروں گا۔ آپ کو میری تحریر میں جب نقص نظر آئیں ضرور اظہارِ خیال کر دیا کریں۔ اس سے مجھے روحانی تسکین ہوتی ہے۔ ان قصوں کے علاوہ ایک ناول "ناکام" صاف کر رہا ہوں جو تصنیف سے کم جاں سوز کام نہیں ہے۔ یہ ختم ہو جائے تو ڈراما میں ہاتھ لگاؤں۔ اس کا پلاٹ تیار ہے۔ چار ہی ایکٹ میں ختم ہو جائے گا مگر سین پندرہ سولہ سے کم نہ ہو سکیں گے۔ کامیاب ہو سکوں گا یا نہیں ایشور ہی جانیں۔ "ناکام" ابھی ہی تیار ہوا آپ کے ملاحظہ کے لئے بھیجوں گا۔ میں اپنی کتابوں کی ترمیم اشاعت کے اعتبار سے پنجاب کے کسی رسالے میں لکھنا چاہتا ہوں لیکن کہکشاں کے بعد اب مجھے کوئی ایسا رسالہ نظر نہیں آتا۔ اب آپ کا شغل کیا رہتا ہے؟

میرے ایک دوست آپ کی کتاب "بھارت سپوت" کا ہندی ترجمہ کرانا چاہتے ہیں ان کا ارادہ اسے بانگ ہزار چھاپنے کا ہے۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو اس کتاب کی ایک جلد میرے پاس بھیج دیں۔ جو نسخہ آپ نے دیا تھا کوئی صاحب اڑا لے گئے۔ یوں ہندی میں گاندھی جی کی کئی سوانح عمریاں موجود ہیں لیکن آپ کی تصنیف میں ادبی لطف ہے۔ اسی وجہ سے میرے دوست موصوف اسے ہندی جامہ پہنانے کے شائق ہیں۔ اور کیا لکھوں سکیا میری اور آپ کی ملاقات کبھی نہ ہو سکے گی۔ دنیا میں میرے صرف گنے گنائے دوست ہیں۔ آپ بھی اس نہایت محدود تعداد کے رکنِ خاص ہیں مگر افسوس کہ ابھی تک صورت آشنائی بھی نہیں۔ اور نہ ہو تو اپنا فوٹو ہی بھیج دیجئے اسی سے تسکین دے لوں۔ زیادہ والسلام!

ہاں ہم خرما و ہم ثواب، کشنا وغیرہ میری ابتدائی تصانیف ہیں۔ پہلی کتاب لکھنؤ کے نامی پریس نے شائع کی تھی۔ دوسری کتاب بنارس کے میڈیکل ہال پریس نے۔ یہ غالباً ۱۹۰۱ء کی تصانیف ہیں۔ میرے پاس ان میں سے ایک جلد بھی نہیں اور نہ شاید پبلشروں کے ہی یہاں نکل سکیں اور نہ ان کے دیکھنے کی ضرورت ہی ہے۔ نو مشقی کے سارے عیوب ان میں موجود ہیں۔

آپ کا دھنپت رائے، نارمل سکول گورکھپور، ۲۹ جنوری ۱۹۲۱ء

مولانا امتیاز علی صاحب قبلہ کی خدمت میں دست بستہ آداب فرما دیجئے گا۔

(۱۷)

بنام سید امتیاز علی تاج

بھائی جان تسلیم!

تصویر ملی۔ بہت ممنون ہوا۔ اس نے ملاقات کی آرزو دوچند کر دی۔ آپ کی بابت ذہن میں جو تصویر بنتی وہ کچھ اور ہی تھی میں اگر مصور ہوتا تو "شعر" اور "ادب" کی غالباً یہی تصویر بناتا۔ مہاتما گاندھی بھی ملے[۱]۔ (آج یہاں ان کی آمد آمد ہے)

آپ نے شاید ابھی تک پریم پچیسی حصہ دوم کی جلدیں کانپور نہیں ارسال فرمائیں۔ وہاں کی فرمائشیں تو کئی ہوئی ہیں۔ براہ کرم اب تاخیر نہ فرمایئے۔ اگر مال گاڑی سے نہ بھیج سکیں تو فی الحال ۱۰۰ جلدیں ہی روانہ فرمائیں۔

اس سے پہلے کے خط کے جواب کا منتظر ہوں۔ والسلام!

دھنپت رائے ۸ رفروری ۱۹۲۱ء

(۱۸)

بنام مولوی عبدالحق صاحب

جناب مشفق و مکرم بندہ تسلیم

یاد آوری کا ممنون ہوں۔

چند در چند موانعات کے باعث تعمیل ارشاد سے قاصر ہوں۔ موضوع مضمون نہایت بسیط ہے اور اس پر جامع مضمون لکھنے کے لئے بہت تحقیق اور مطالعہ کی ضرورت ہے اور میں ترکِ موالات کا پیرو ہونے کے باعث فی الحال اس کے لئے کافی وقت نہیں نکال سکتا۔ میرے خیال میں اس کے لئے اگر آپ منشی اقبال ورما سحر ہتگامی۔ مختار کلکٹری فتح پور یا منشی رام بہادر صاحب نگوڑا ایم اے۔ ایل ایل بی وکیل فتحپور کو تکلیف دیں تو وہ دونوں اصحاب اسے زیادہ خوبصورتی سے انجام دے سکیں گے مگر بہترین شخص جسے میں جانتا ہوں پنڈت پدم سنگھ شرما ہیں۔ انہیں ہندی ادبیات کی عمیق واقفیت ہے اور اردو ادب کے بھی ماہر ہیں۔ ان کا پتہ ہے بجنور۔ ڈاک خانہ نگینہ۔

نیاز مند: دھنپت رائے (پریم چند)

دفتر گیان منڈل کاشی۔ ۲۷ رمئی ۱۹۲۱ء

(۱۹)

بنام سید امتیاز علی تاج

برادرم!

تسلیم! خط کئی دن ہوئے آیا۔ میرا قصہ پسند نہ آیا، مجھے خود بھی یہی خوف تھا۔ اس کی تنقید آپ نے مناسب کی ہے بے شک قصہ دب گیا ہے۔ آئندہ احتیاط رکھوں گا۔ زمانہ کے جولائی نمبر میں لال چند ایک قصہ ہے۔ اس کے متعلق بھی اپنی رائے تحریر فرمایئے گا۔ کیا اب کی بار بھی قصہ دب گیا یا میں کچھ کامیاب ہوا۔ کم سے کم میں نے کامیاب ہونے کی کوشش ضرور کی تھی

[۱] یعنی مہاتما گاندھی نامی کتاب ملی۔

(۲۲)

بنام سید امتیاز علی تاج

بھائی جان! تسلیم

آپ کا خط ملا۔ مخزن اور ہمایوں میں آپ کے مضامین دیکھے۔ صدق دل سے داد دیتا ہوں۔ "زبیدہ" میں زور قلم زیادہ ہے اور تخیل نہایت بلند۔ مگر میرے خیال میں ہیروئن کی نازک فلاسفی اچھی طرح واضح نہیں ہوئی۔ اس کے جذباتی فلسفہ کا تو علم ہو جاتا ہے لیکن ذہن میں ایک اڑتے ہوئے خاکہ کے سوا اور کوئی اثر نہیں ہوتا۔ انداز تحریر میں جدت ہے، تاثیر ہے، عمق ہے، گہرے جذبات کی توضیح ہے لیکن شیرینی نہیں۔ کہیں کہیں ایسے الفاظ ثقیل آجاتے ہیں جو نغمہ کی روانی میں مارج ہو جاتے ہیں۔ بعض بعض مقامات پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کسی جذبہ کی توضیح کرنے کی کوشش کی ہے مگر ادا کرنے میں ناکام رہے مثلاً "...[1]...... کر آسمان کو ایک وہم بنا دیں۔" انجام بھی بہت جلد ہوا۔ کوئی چھوٹا موٹا واقعہ آجاتا تو زبیدہ کے طرز عمل سے اس کے خیالات اور روشن ہو جاتے۔ بہرحال ان معمولی سے قطع نظر قصہ محض قصہ ہی نہیں بلکہ ایک نغز معنی ہے۔ آپ 'نابینا جوان' کا سا قصہ لکھنے کی پھر کوشش کیجئے، وہ لاجواب چیز تھی۔ مخزن میں جو قصہ ہے وہ مجھے جچا نہیں۔ مجھے یاد آتا ہے کہ میں نے ایک جگہ کچھ اسی قسم کا ایک قصہ دیکھا تھا۔ انجام ضرور ڈرامیٹک ہے۔ میں آپ سے یہ بھی گزارش کر دینی چاہتا ہوں کہ اختراعیت کے دامن میں پھنسیے۔ سلاست اور روانی ہاتھ سے نہ جائے۔ آج کل لوگ ایک عجیب طرز بیان اختیار کرتے جاتے ہیں جس میں سلوگی اور نیچرل پن کو چھوڑ کر خواہ مخواہ شوکت بیان پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

میرا ہندی ناول ختم ہو گیا، اب اردو کا کام جلد ہوگا۔ جب تک بازار حسن پریس سے نکلے گا شاید نئے ناول کا حصہ اول آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائے۔

'نور جہاں' کا ترجمہ میں خود تو نہیں کر سکتا کیونکہ مجھے فرصت نہیں ہے۔ خود بھی ایک ڈراما لکھنے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن میرے چند احباب بنگلہ زبان کے ماہر ہیں ان کی مدد سے یہ کام ہو سکتا ہے۔ اور یجنل سے ترجمہ کرنے میں زیادہ آسانی ہوگی۔ اور کیا عرض کروں۔

نیازمند: دھنپت رائے ۱۶ر فروری ۱۹۲۲ء

(۲۳)

بنام سید امتیاز علی تاج

محبی! تسلیم

'انار کلی' اردو کا پہلا ڈرامہ ہے جسے میں نے اوّل سے آخر تک ایک ہی سانس میں پڑھا۔ یہ تو میں نہیں کہتا کہ میں نے اردو کے سب ڈرامے پڑھ ڈالے ہیں مگر جتنے پڑھے ہیں ان میں مجھے جتنی کشش 'انار کلی' میں ہوئی وہ اور کسی ڈرامے

---

[1] یہ لفظ پڑھا نہیں گیا۔

میں نہیں ہوئی ہیں تو اسے انگریزی کے بہترین ڈراموں کے مقابل رکھنے کو تیار ہوں۔ 'دورِ جدید' اس کے ایک ایک لفظ میں منقوش ہے 'پارسی' طرز کی زنجیروں سے آپ نے ڈرامہ کو یک لخت ؎ کر دیا۔ کہیں کہیں تو آپ نے نزاکتِ فہمی کا کمال کر دکھایا ہے۔ "انار کلی" مجھے بہت عرصہ تک یاد رہے گی۔ اکبر کا کریکٹر مجھے بہترین معلوم ہوا۔ بس اگر شکایت ہے تو یہی کہ آپ نے جہانگیر کے ہاتھوں دل آرام کا قتل کرا کے میرے دل کو سخت صدمہ پہنچایا۔ حتیٰ کہ اس ڈرامہ والے جہانگیر سے مجھے نفرت ہو گئی۔ کوئی سچا عاشق اتنا ظالم ہو سکتا ہے اسے دل نہیں تسلیم کرتا۔ معاف کیجئے گا۔ والسلام!

مخلص: پریم چند گنیش گنج، لکھنؤ ۵ر مارچ ۱۹۲۲ء

(۲۴)

بنام سید امتیاز علی تاج

مہربان بندہ تسلیم!

ممنون ہوں۔ شاہکار کا اب تک منتظر ہوں۔ میں نے تو سمجھا تھا آپ نے وہ ارادہ ترک کر دیا۔ میں غالباً ۱۵ر اگست تک اپنا افسانہ خدمتِ عالی میں ضرور بالضرور حاضر کر دوں گا۔ میں تو منتظر تھا اور شاید ایک بار دریافت بھی کیا تھا کہ رسالہ جاری ہوا یا نہیں۔ 'ہنس' اب آل انڈیا لٹریری رسالہ ہونے جا رہا ہے جس میں گجراتی، مراٹھی، تامل، تیلگو، کناری، بنگلہ سبھی زبانوں کے ادیب اپنے مضامین بھیجیں گے۔ چونکہ اس میں ایک حصہ اردو کے لئے لازمی طور پر مخصوص ہے اور نہایت ممتاز حصہ۔ اس لئے میں چند منتخب اور مستند اردو رسائل سے ہنس کا تبادلہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ شاہکار سے ہنس کا تبادلہ منظور فرمائیں اور اگست کا پرچہ بھیج دیں۔ میں بھی اگست کا پرچہ روانہ کر دوں گا۔ اس کے ساتھ ہی وہ پمفلٹ روانہ کرتا ہوں جو آل انڈیا ادبی تحریک کی جانب سے انگریزی میں شائع ہوا ہے اور اس کے ساتھ یہ خط بھی اور آپ سے یہ استدعا کروں گا کہ آپ اس آل انڈیا تحریک میں شرکت فرمائیں اور اس میں عملی حصہ لیں۔ تحریک کے اغراض اور مقاصد اس پمفلٹ سے جناب پر واضح ہو جائیں گے۔ اس کے ساتھ علیحدہ ایک خط ارسال ہے جس کی نقل اردو کے ادیبوں کی خدمت میں وعزت کے طور پر ارسال کی گئی ہے۔ مجھے امید ہے کہ جناب اس قومی ادبی خدمت میں نہ فاقی طور پر بلکہ اپنے اثر سے بھی امداد فرمائیں گے۔

احقر: پریم چند دفتر ہنس، بنارس ۶ر اگست ۱۹۳۵ء

(۲۵)

بنام سید امتیاز علی تاج

برادرم تسلیم!

آپ کے دو نوازش نامے ایک ساتھ آئے مشکور ہوں۔ قارد مضامین کا مجھے افسوس اس لئے ہے کہ آپ کا قصہ ادھورا رہ گیا، اور خوشی اس لئے کہ ہمارے درمیان کوئی روحانی یا باطنی تعلق ضرور ہے ورنہ او رعل کر وہی باتیں کیوں نہیں سوجھتیں۔ پہ آپ

؎ یہاں ایک لفظ پڑھا نہیں گیا۔

اپنا قصہ ضرور تمام کریں۔ ہر گلے را رنگ و بو دیگر۔

سنسکرت لٹریچر پر لکھنے کا میں نے ارادہ کیا تھا مگر اس کے لئے جو مواد جمع کیا تھا وہ سب ادھر ادھر ہو گیا۔ اب بہاری کے متعلق کوئی مضمون عنقریب بھیجوں گا۔ پریم پچیسی کے لئے آپ نقد حساب کریں تو زیادہ بہتر۔ کل قیمت پر ۲۰ فی صد کمیشن اور محصول وضع کر لیں۔ یوں ۲۰ نکلیں گے۔ قصہ کا حساب ملا کر ۳۰ کا منی آرڈر ارسال فرما دیں تو عین عنایت ہو۔

میں اب تک آپ سے اپنے مضمونوں کے لئے ۳ لیا کرتا تھا۔ مجھے اب بھی کوئی انکار نہیں ہے مگر چونکہ بعض دیگر رسائل اس سے بہتر شرائط کرنے پر آمادہ ہیں اس لئے مجھے احتمال ہے کہ میرا نفس کہیں ان شرائط پر فریفتہ نہ ہو جائے اور مجھے اپنی خواہش کے خلاف اپنے اچھے مضامین ان کے پاس بھیجنے کے لئے مجبور نہ کرے۔ صبح امید کے متواتر خطوط آ رہے ہیں اور وہ مجھے ۵ سے ۸ تک نذر کر رہا ہے۔ اب مجھے مجبوراً اس کے شرائط قبول کرنے پڑے۔ ورنہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ میں نے اب تک اس میں ایک سطر بھی نہ لکھا تھا۔ اب کس حیلہ سے انکار کروں۔ یہ سب ذکر آپ سے محض دلی تعلق کے باعث کر رہا ہوں۔ میں حاشا یہ نہیں کہتا کہ آپ بھی مجھے ۵ دیا کریں۔ اپنے قدیم معاوضے پر قانع و شاکر ہوں۔ پر اگر میرے مضامین صبح امید میں نکلیں اور مجھ جیسا سست قلم آدمی کہکشاں میں اس سے بھی زیادہ تساہل کرے تو مجھے معذور خیال فرمائیے گا۔

میری وضع قطع اور شکل و شباہت کے متعلق آپ نے جو قیاس کیا ہے اس سے روحانی تعلق کا گمان اور بھی پختہ ہو جاتا ہے بے شک میرا سن چالیس سال ہے۔ میں بند کالر کا کوٹ اور سیدھا پاجامہ پہنتا ہوں اور پگڑی باندھتا ہوں۔ ایک پوربی آدمی کا پہناوا غلط کیپ ہے آپ نے پگڑی کا گمان کیوں کیا۔ کیا آپ کو القا ہوا ہے؟ میں اپنے مسلمہ اصولوں کے خلاف اپنا ایک فوٹو بھی ارسالِ خدمت کرتا ہوں۔ اس شرط پر کہ وہ بعد ملاحظہ واپس کر دیا جائے اور یا اگر آپ بطور ایک دوست کی یادگار کے رکھنا چاہیں تو اس کا کسی آرٹسٹ سے ایک بڑے پیمانہ کا بسٹ بنوا لیں۔ اور کیا عرض کروں۔ کہکشاں کا انتظار ہے۔ ربندرا بابو کی کون کون سی تصانیف کے ترجمے جناب کے دفتر سے شائع ہونے والے ہیں۔ اب کی زمانہ جولائی میں ربندر پر ایک دلچسپ مضمون نکل رہا ہے۔ آپ کی نظر سے گذرے گا۔

جناب قبلہ سید ممتاز علی صاحب کی خدمت میں دست بستہ آداب قبول ہو۔

نیاز مند: پریم چند۔ نارمل سکول گورکھپور ۲۴ر جولائی

(۲۶)

بنام سید امتیاز علی تاج

جناب شفیق تسلیم!

نوازش نامہ صادر ہوا۔ آپ اپنے سلسلۂ اشاعت کی توسیع کرنی چاہتے ہیں یہ امر میرے لئے خاص طور پر باعثِ اطمینان ہے۔ اردو میں رسالے اور اخبارات تو بہت نکلتے ہیں، شاید ضرورت سے زیادہ، اس لئے کہ مسلمان ایک اخبار بین قوم ہیں اور ہر تعلیم یافتہ شخص اپنے تئیں مصنف ہونے کے قابل سمجھتا ہے لیکن پبلشروں کا یکسر قحط ہے۔ سارے قلمرو ہند میں ایک بھی ڈھنگ کا پبلشر موجود نہیں۔ بعض جو ہیں ان کا عدم وجود برابر ہے کیونکہ ان کی ساری کائنات چند ردی ناول ہیں جن سے ملک یا زبان کو کوئی

فائدہ نہیں۔ عرصہ ہوا 'دائرۃ الادب' دہلی میں قائم ہوا تھا اور بڑے طمطراق سے چلا لیکن تھوڑے ہی دنوں میں اس کے ناظم صاحب کا جوش فرو ہو گیا اور وہ کچھ اس طرح غائب ہو گئے کہ معاملہ داروں کا حساب تک نہ صاف کیا۔ اس لئے میں آپ کی اس تحریک سے بہت مطمئن ہوں لیکن معاف فرمائیے گا ایک ادبی رسالہ کا بار اپنے سر پر رکھے ہوئے آپ اپنی نئی تجاویز میں کامیاب ہو سکتے ہیں اس میں مجھے شک ہے۔ ایک اوّل درجہ کا اردو رسالہ ایک آدمی کو ہمہ تن مصروف رکھنے کے لئے کافی سے زیادہ ہے۔ ورنہ اس کا معیار سے گر جانا یقینی ہے۔ ایسی حالت میں آپ دونوں کام کامیابی کے ساتھ نہیں کر سکتے تاوقتیکہ آپ کو کوئی ہوشیار اسسٹنٹ نہ مل جائے اور چونکہ آج کل لاہور میں بلا معقول معاوضہ کے ہوشیار آدمی مل نہیں سکتا اور کہکشاں کے لئے یہ بار شاید ناقابل برداشت ہو اس لئے آپ کو اس کے سوا اور مفر نہیں کہ یا تو اشاعت کے ہوں یا کہکشاں کے۔ میری ناچیز رائے ہے کہ اگر آپ اشاعت کا کام سر انجام دے سکتے ہیں تو کہکشاں کو خیرباد کہئے۔ کہکشاں جو کام کر رہا ہے وہی کام اور بھی کئی ممتاز رسالے کر رہے ہیں یا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں مگر پبلشنگ کا میدان بالکل خالی ہے اور زبان کی خدمت کرنے کے جتنے موقعے اشاعت کتب کے ذریعے مل سکتے ہیں، ماہوار رسالہ سے ممکن نہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ماہوار صحائف سے زبان کی خدمت نہیں ہوتی، مگر رسائل کے وسائل محدود ہوتے ہیں اور اس کے حدود اسے تصنیف کے اکثر شعبوں سے بے فیض رکھتے ہیں۔ اردو رسالوں میں آپ کوئی ضخیم اور محققانہ تاریخی تصنیف نہیں شائع کر سکتے تاوقتیکہ وہ آپ کے روبرو خورد بینی صورت میں نہ پیش کی جائے۔ علیٰ ہذا فلسفہ، شعر، نظریات، کیمیات وغیرہ وغیرہ سبھی اصناف کلام کا دروازہ آپ کے لئے بند ہے۔ آپ کو چلتے ہوئے مضامین، تفریح بخش چٹکلے، دلچسپ شاعرانہ تذکرے رنگین قصے چاہئیں۔ یہاں تک کہ آپ کوئی ضخیم ناول ہاتھ میں لیتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ تو جناب چٹ پٹے مضامین سے ناظرین کی ضیافت طبع چاہے ہو جائے لیکن زبان کی کوئی مستقل خدمت نہیں ہو سکتی۔ ایسے مضامین سے زبان کے مستقل سرمایہ میں کوئی قابل قدر اضافہ نہیں ہوتا۔ اردو کو ہر ایک شعبہ کی اچھی اور مستند کتابوں کی جتنی ضرورت ہے وہ محتاج بیان نہیں اور حالانکہ اس بے بضاعتی کا باعث ایک بڑی حد تک ہماری سیاسی بے دست و پائی ہے۔ تاہم ہم نے اپنے لٹریچر کی طرف ابھی اتنی توجہ نہیں کی جس کا وہ مستحق ہے۔ اگر ہمیں اپنی لاج رکھنی ہے تو اپنے لٹریچر کو فروغ دینا پڑے گا اور چاہے یہ کام افراد کریں یا مجموعۂ افراد مگر اسے کاروباری اصولوں پہ کئے بغیر استحکام نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ ایک مشترکہ سرمایہ سے کوئی پبلشنگ کا کام جاری کر سکیں تو کیا کہنا۔ لاہور جیسے تجارتی مقام پر ایسی کمپنی کھولنی بہت مشکل نہ ہونی چاہئے۔ بہر حال اگر آپ اشاعت کے کاروبار میں ہاتھ ڈالنا چاہتے ہیں تو کہکشاں کو بند کیجئے بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ آپ کو اس کے جاری رکھنے میں سراسر خسارہ ہے یہی میری دوستانہ صلاح ہے۔ امید ہے آپ میری صاف گوئی کو معاف فرمائیں گے۔

خاکسار، پریم چند۔ گورکھپور ۲۵ اگست

(۲۷)

بنام سید امتیاز علی تاج

بھائی جان تسلیم

خط انتظار کے بعد ملا۔ مشکور ہوں۔ یتیمی چھپ گئی شکریہ۔ بازار حسن کی کتابت ہونے لگی بڑی خوشی کی بات ہے۔

حصہ اول ابھی تک منشی دیانرائن صاحب کی بے توجہی کے سبب معرضِ التوا میں پڑا ہوا ہے مگر امید ہے کہ حصہ دوم کا شائع ہونا تازیانہ کا کام دے گا اور یہی میری غرض تھی۔

کہکشاں آپ بند کرنا چاہتے ہیں۔ جب نقصان ہوتا ہے تو ضرور بند کیجئے۔ جب آپ کو ولایت جانے کا موقع ملے تو اس سے فائدہ نہ اٹھانا اپنے اوپر اور قوم کے اوپر ظلم کرنا ہے۔ یہ امنگ کے دو چار سال نکل جائیں گے تو میری طرح آپ کو بھی پچھتانا پڑے گا۔ کاش میں نے اوائل عمر میں ایم۔ اے تک حاصل کر لیا ہوتا تو یہ کس پرسی کی حالت نہ ہوتی۔ ورنہ عمدہ نثاً فسانہ نگاری کے نذر ہوا اور اب ضرورتیں ڈگری کے لئے مجبور کرتی ہیں۔ آپ بی۔ اے پنجاب سے کیجئے اور فوراً ولایت کا سفر کیجئے۔ دو تین سالوں میں آپ پانچ چھ سو روپے حاصل کرنے کے مستحق ہو جائیں گے اور اگر اخبار نویسی کی طرف مائل ہوں گے تو یہاں بھی اول درجہ کا انگریزی رسالہ نکال سکیں گے۔ اخلاقی اور ذہنی فوائد جو حاصل ہوں گے ان کی کوئی قیمت نہیں۔ میں نے اپنی جانب سے ایک دوستانہ خط لکھا ہے۔ مناسب سمجھیں تو اسے شائع کر دیجئے۔ مجھے اس نرغہ سے خوبصورتی سے نکل جانے کا اس کے سوا اور کوئی راستہ نظر آیا۔ لطائف الحیل کے فن میں میں بھی اُمی ہوں۔ صاف صاف کہنا جانتا ہوں۔

بتیسی اور دیگر کتب ضرور روانہ کریں۔ آپ نے گاندھی کے حالات لکھے تھے اس کی کتنی جلدیں نکل گئیں۔ پریم بتیسی آپ کے یہاں سے کتنی نکل جائے گی۔ اب تو کہکشاں کا ذریعہ اشتہار بھی نہ رہے گا۔

یہاں بارش قبل از وقت بند ہو گئی۔ فصل کا نقصان ہو رہا ہے۔
میں نے کلکتہ کے ایک ہندی پریس میں شرکت کر لی ہے۔ ۱۱ میرے ایک دوست کا ہوگا اور ۵ میرا۔ مجھے اپنے حصہ کے روپوں کی فکر کرنی ہے۔ اگر کام چل گیا تو پچاس ساٹھ روپے ماہوار کا فائدہ ہو سکے گا۔ اگر آپ کو تردد نہ ہو تو ستمبر میں مشروطہ حساب طے فرما دیجئے گا۔ کل پریس ۱۶ ہزار کا ہے۔ تعزیت کے لئے مشکور ہوں۔ دو بچے تھے۔ ایک نے مفارقت کی۔ اب ایک چار سالہ شیرخوار رہ گیا اور ایک لڑکی۔ پرماتما انہی دونوں کو زندہ رکھے۔ غم جو کچھ ہونا تھا ہو چکا مشیت یہی تھی۔ مجھے بھی اب اس کی مصلحت نظر آ رہی ہے۔ شاید مجھے علائق کی زنجیر گراں سے کچھ آزاد کرنا مقصود تھا۔ خط جلد لکھئے گا۔ آپ کے خطوط سے تسکین ہوتی ہے۔

آپ کے والد صاحب بزرگوار نے جن الفاظ میں مجھے تلقین صبر اور توکل فرمایا ہے ان کے لئے تہ دل سے ممنون ہوں۔ عید الضحیٰ کا دن ہے دو چار احباب ملنے آتے ہوں گے اس لئے اب رخصت۔ عید مبارک! خیال میں آپ سے بھی بغل گیر ہو رہا ہوں۔ والسلام!

دھنپت رائے۔ گورکھپور ۱۶؍ اگست

(۲۸)

بنام سید امتیاز علی تاج

بندہ نواز تسلیم

عنایت نامہ ملا۔ کہکشاں بھی نمبر اول سے بہتر ہے۔ مبارک باد۔ دیگر رسائل پر نوٹ لکھنے کی فکر ضرور کیجئے، اس سے ما

مقبول نہ ہوگا۔

ایک قصہ ہیجنک کا "دیوالہ" جاتا ہے۔ لمبا ہوگیا ہے۔ دیکھئے پسند آئے تو رکھ لیجئے۔ دو نمبروں میں نکل جائے گا۔ قصہ روکھا ہے۔ جذبات نہیں آنے پائے۔

ناول کے متعلق تصویروں کی رائے فسخ ہوگئی۔ ہندی کا پبلشر اسے جلد نکالنا چاہتا ہے۔ دوسرے ایڈیشن میں تصویریں دی جائیں گی اس لئے فی الحال ان کا ذکر فضول۔ رہا معاوضہ، وہ قصہ پڑھ لینے پر آپ خود طے کر لیں گے۔ ہندی والوں نے مجھے چار سو روپے دئے ہیں۔ اردو سے مجھے اتنی امید نہیں۔ مگر ۲۱ سطری صفحہ کے ۲ ؍ کے حساب سے قبول کر لینے میں مجھے تامل نہ ہوگا۔ یہ میرا پہلا ضخیم ناول ہے۔ مجھے اس کی اشاعت کی فکر ہے۔ دوسرا ناول بھی شروع کر چکا ہوں۔ اور کیا عرض کروں۔

سید ممتاز علی قبلہ کی خدمت میں آداب قبول ہو۔

جواب سے یاد کیجئے گا۔ والسلام!

دھنپت رائے۔ گورکھپور۔ ۱۰ ؍ نومبر

اصغر گونڈوی

(۱)

بنام علامہ کیفی چریاکوٹی

جناب مولینا - السلام علیکم

آپ نے کل مجھ سے ملنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ مگر اس وقت مجھے خیال ہؤا کہ ممکن ہے آپ کو یاد نہ رہے اور آپ بالا ہی بالا تشریف لے جائیں۔ اس لئے آپ کو مطلع کر دینا چاہتا ہوں۔ کہ بھگوتی سہائے (کرشن سہائے کے بھائی) اور شارق ایمانی پرسوں آپ سے ملنے کے لئے آنے والے ہیں۔ ان لوگوں کے پیش نظر جو مراحل ہیں وہ آپ معلوم ہیں۔ اگر آپ کہیں تشریف لے گئے اور آپ کے قیمتی مشوروں سے یہ لوگ مستفید نہ ہو سکے تو کرشن سہائے کو جو شکایت ہوگی اس کا آپ خود ہی اندازہ کرلیں۔ میری بابت آپ جانتے ہیں کہ اس قسم کے کاموں کے متعلق کتنے حوصلہ شکن اور متشائم خیالات رکھتا ہوں۔ گھر کی رونق جن جن ہنگاموں پر موقوف ہے وہ بجھی ہوئی طبیعتوں سے ممکن نہیں۔ آپ موجود ہوں گے تو بعید نہیں کہ آپ کے زور میں بے حس و حرکت مال گاڑیاں بھی گھسٹ چلیں۔ اس لئے کم از کم آپ کو پرسوں تک اپنا ارادہ ملتوی رکھنا چاہئے۔

۳ راپریل ۱۹۳۰ء

احقر اصغر

(۲)

بنام ڈاکٹر ندو

دی ہندستانی اکیڈیمی یونائیٹڈ پرونسز، الٰہ آباد

مکرم - سلام و رحمتہ۔ نامۂ گرامی صادر ہؤا جس کے لئے ہمہ تن سپاس ہوں۔ "ہندستانی زبان کی ابتدا" کوئی شک نہیں کہ نہایت اچھوتا اور نفیس موضوع ہے۔ ایسے ہی موقعوں پر شاید یہ لوگ پڑھ دیا کرتے تھے ع

پسلی پھڑک اٹھی نگہ انتخاب کی

ہندستانی اکیڈیمی کے رسالے کے لئے اس سے بہتر اور کوئی مضمون ہو سکتا ہے؟ رسالہ دسمبر میں طبع ہو جائے گا۔ اس لئے اسے براہ کرم نومبر تک مرحمت فرما دیجئے۔

یورپ کے کتب خانوں کے اردو مخطوطات اور نادر کتابوں کی فہرست بہت ضروری ہے۔ اسی کے ساتھ آپ کا مشورہ بھی کہ ان میں کونسی چیزیں کام کرنے کے قابل ہیں۔ حضرت مرزا مظہر جانجاں[1] کے دیوان کی ترتیب

[1] اصل نام جانجاں ہے۔ لیکن جانجاناں کے نام سے مشہور ہیں۔

فی الحال میرے پیش نظر ہے۔ کچھ اس کے بارے میں بھی مشورہ دیجئے۔ معلوم نہیں آپ کا قصد ہندستان کا کب تک ہے۔ ہمارے ایک مشترک دوست محمد حفیظ سید بھی لندن تشریف لے گئے ہیں۔ ممکن ہے۔ آپ سے ملاقات ہو۔ ڈاکٹر زبید احمد صاحب[1] بحمد اللہ بخیریت ہیں۔

"میرے اشعار سے یورپ میں بیٹھ کر لطف اٹھانے" کا حال معلوم کر کے مجھے بھی کافی لطف آگیا۔ مشاعروں کی واہ وا اور سبحان اللہ سے محروم نفس کو بہرحال غذا کا کچھ نہ کچھ سامان مل ہی گیا۔ مضمون اور گرامی نامے کا بے چینی کے ساتھ منتظر ہوں گا۔

۲۴ / اکتوبر ۱۹۳۰ء　　　　نیاز کیش احقر اصغر

(۳)

بنام ڈاکٹر زبید

ہندستانی (ماہی رسالہ)

مکرمی تسلیم و نیاز۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کا کوئی مضمون ہمارے پہلے نمبر میں نہ نکل سکا۔ دوسرے نمبر کی تیاری شروع ہو گئی ہے اور اب آپ کے مضمون کا پھر انتظار ہے۔ رسالے کا پہلا نمبر آپ کی خدمت میں روانہ کیا جا رہا ہے۔ ممکن ہو تو چند سطریں اس کے بارے میں بھی لکھئے۔ تاکہ مجھے اپنی خامیوں کی اطلاع ہو اور آئندہ میں اس کی اصلاح کر سکوں۔

"ہندوستانی صوتیات[2]" پر آپ کا انگریزی رسالہ موصول ہوا ہے اس پر یا تو زبید صاحب یا اور کوئی صاحب ریویو لکھیں گے۔ امید ہے کہ "اردو شہ پارے" پر بھی اس نمبر میں ریویو ہو۔

حضرت مرزا مظہر جانجاں کے اردو کلام کے بارے میں میں نے سنا ہے کہ انڈیا آفس یا برٹش میوزیم میں کوئی نسخہ موجود ہے۔ میرے پاس ان کتب خانوں کی کوئی فہرست موجود نہیں ہے۔ یہ خبر جو مجھے ملی ہے اگر صحیح ہو تو میں وہاں سے اس کے فوٹو کے لئے کوشش کروں۔ اس کے متعلق میں نے سر تیج بہادر سپرو کو بھی ولایت میں لکھا ہے لیکن شاید راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کی مصروفیتوں سے انہیں فرصت نہیں ملی کہ اس کی تحقیق کر کے مجھے جواب دیتے۔

میں ایک مدت سے انتظار کر رہا ہوں کہ یورپ کے اردو مخطوطات کے بارے میں آپ سے معلومات حاصل کروں تاکہ کوئی کام شروع کیا جائے۔ اب تو آپ حیدرآباد تشریف لے آئے وہاں اپنے احباب کے ذریعہ سے کوشش کیجئے کہ رسالے کے لئے کچھ اچھے مضامین بھیجیں۔ ہمارے یہاں ادبی مضامین کی بہت کمی ہے۔ زیادہ ضرورت اس قسم کے مضامین کی ہے۔ مضامین کا معقول معاوضہ بھی دیا جاتا ہے۔ اس لئے میں نہیں سمجھتا کہ لوگ ہم خرما و ہم ثواب کے لئے کیوں نہ تیار ہوں گے۔ والسلام　احقر اصغر　۲۰ / جنوری ۱۹۳۱ء

---

[1] استاد عربی تھے الٰہ آباد یونیورسٹی میں۔ لندن میں میرے ساتھ تھے اور غالباً ۱۹۳۰ء میں ہندوستان واپس ہوئے۔

[2] یہ انگریزی کتاب ہندستانی فونیٹکس ۱۹۲۹ء میں پیرس سے شائع ہوئی تھی۔

م مولوی ضیاء احمد صاحب بدایونی

(۴)

ہندستانی اکیڈیمی، صوبہ متحدہ الہ آباد - نمبر ۸۶۹ - J - ۲/۲۲

جناب مکرم - تسلیم و نیاز

"ہندستانی" کا ایک نمبر جناب کی خدمت میں ارسال کیا گیا تھا، غرض یہ تھی کہ آپ کوئی مضمون اس کے لئے مرحمت فرمائیں، مگر اب تیسرا نمبر نکل رہا ہے مگر اب تک ادہ آپ کے مضمون سے محروم۔

ایک بار مولینا احسن مارہروی کے یہاں آپ سے شرف نیاز حاصل ہو چکا ہے، شاید آپ کو یاد ہو۔ اس بنا پر میں سمجھتا ہوں کہ اس درخواست کے لئے مجھے کافی حق حاصل ہے ورنہ اس کے بعد پھر ڈاکٹر زبیر احمد صاحب کو سفارش کی تکلیف دوں گا۔

مضمون کے لئے کوئی سا ادبی موضوع تجویز کر لیجئے، ہندستانی اکیڈیمی مضامین کا معقول معاوضہ بھی دیتی ہے

۱۳ر جون ۱۹۳۱ء — والسلام نیازمند احقر اصغر

(۵)

بنام ڈاکٹر زور

ہندستانی اکیڈیمی، صوبہ متحدہ - الہ آباد - — ہندستانی (تماہی رسالہ)

مکرم - السلام علیکم - مدت کے بعد گرامی نامہ صادر ہوا - شکریہ - شاہ حاتم پر آپ کا مضمون نکل گیا جنوری کا رسالہ دو تین روز میں پہنچ جائیگا - دہلی میں زبان اردو کا ارتقاء نہایت عمدہ موضوع ہے - اپریل نمبر کے لئے مضامین پریس میں دئے جا رہے ہیں مگر میں آپ کے مضمون کے لئے گنجائش رکھوں گا - مگر مضمون ذرا زیادہ طویل نہ ہو تو اچھا ہے۔

حضرت مظہرؒ کا اردو کلام میرے پاس وہی ہے جو عام طور پر تذکروں میں ملتا ہے - آبحیات - گل رعنا - شعر الہند - تذکرہ میر - چمنستان - اور بس - ان کا فارسی دیوان بھی ہے - یہ ہے کل کائنات مواد اور مسالے کی - اس کے علاوہ آپ جو کچھ دیں گے اس کا ممنون ہوں گا - مگر جو کچھ دیجئے وہ اب بھیج ہی دیجئے انتظار کی حد ہو چکی کیا کانفرنس میں الہ آباد آنے کا قصد ہے - مارچ میں کانفرنس ہوگی - والسلام

۵ر جنوری ۱۹۳۲ء — احقر اصغر

(۶)

بنام ڈاکٹر زور

ہندستانی (تماہی رسالہ)

مکرم - سلام مسنون - گرامی نامہ معہ سید محمد صاحب[۱] کے تبصرہ کے موصول ہوا - سید سلیمان صاحب[۲] نے اپنے مضمون میں کہیں جدید اکتشاف کا دعویٰ نہیں کیا ہے بلکہ "بعض تحریرات" کا اشارہ کر کے دیوان

[۱] عثمانیہ یونیورسٹی کالج آف آرٹس میں اردو کے ریڈر ہیں۔

[۲] مولانا سید سلیمان ندوی۔

ہاشم علی کے متعلق کچھ نئے معلومات کا اضافہ کیا ہے ۔ اس کے علاوہ انہوں نے یہ مضمون اثنائے سفر میں لکھا ہے ممکن ہے کہ کسی مضمون میں ان کو ہاشم علی کے متعلق کچھ باتیں مل گئی ہوں ۔ لیکن انہوں نے رسالہ اردو کا مضمون اور شہ پارے کا وہ حصہ جہاں ہاشم علی کا ذکر ہے یقیناً نہیں دیکھا ورنہ ممکن تھا کہ ان مضامین سے بھی فائدہ اٹھاتے اور اس کا ذکر اپنے مضمون میں بھی کر دیتے ۔ مذکورہ مضامین میں ایڈنبرا والے نسخہ سے مدد لی گئی ہے سید سلیمان صاحب کے مضمون کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے ایک ہندستانی نسخہ سے اپنا مضمون تیار کیا ہے ۔ اس کے علاوہ ہاشم علی کا نام ۔ متروکات کی تفصیل ۔ مراسم تعزیت کا بیان بعض نئے انتخابات مثلاً کس کا جھلاون پالنا وغیرہ سے مضمون کو خاصا مفید اور دلچسپ بنا دیا ہے ۔

سید محمد صاحب کے مضمون سے یہ مترشح ہے کہ سید سلیمان نے آپ کے مضامین سے فائدہ اٹھایا اور ذکر نہیں کیا ۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے ۔

آپ سید محمد صاحب کو سمجھا دیجئے ۔ میں نے براہِ راست ان کو نہیں لکھا ہے ۔ صرف اس لئے کہ اصل چیز آپ ہیں ۔

۱ ستمبر ۱۹۳۱ء — نیازمند احقر اصغر

(۷)

بنام ڈاکٹر زور

ہندوستانی اکاڈیمی (صوبہ متحدہ) الہ آباد

مکرم ۔ سلام مسنون ۔ آپ نے مجھے اور "ہندستانی" دونوں کو بھلا دیا ۔ "ہندستانی" کے لئے ایک زمانہ ایسا آگیا تھا کہ مضامین کا مطلقاً کوئی معاوضہ نہیں دیا جاتا تھا ۔ ایسی صورت میں میں نے خیال کیا کہ اب احباب کا فرض ہے کہ وہ مضامین بھیجنے کے مسئلہ پر غور کریں ۔ مجھے تقاضا کرنے کا کوئی حق نہیں ہے ۔ لیکن اسی کے ساتھ میں اپنی کوشش سے بھی غافل نہ تھا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ معاوضہ تو منظور نہیں ہوا مگر یہ طے پا گیا کہ (۱۵) روپے کی ایک اعزازی رقم مضمون نگاروں کی خدمت میں پیش کر دی جایا کرے ۔ یہ رقم اگرچہ بہت حقیر ہے تاہم پہلی صورت سے تو بہر حال بہتر اور غنیمت ہے ۔ اب میں نے خیال کیا کہ آپ کو بھی ادھر توجہ دلاؤں ۔ امید ہے کہ کوئی مضمون مرحمت فرما کر ممنون بنائیں گے ۔

"دیوان زادۂ حاتم" کے ابتدائی اوراق بھی آپ نے ابھی نہیں بھیجے[1] ۔ اس لئے یہ کام بھی رکا ہوا ہے ادھر بھی توجہ فرمائیے ۔ "مجلۂ عثمانیہ" میں آپ کا مضمون جواہر سخن پر نکلا ہے ابھی بالاستیعاب دیکھنے کی نوبت نہیں آئی ۔ فرصت میں اطمینان سے دیکھوں گا ۔ آج کل قصد ہو رہا ہے کہ "نشاط روح" کے بعد جو اشعار ہیں ان کو "روح نشاط" کے نام سے طبع کراؤں ۔ اس پر مولوی ابوالکلام آزاد نے بھی لکھا ہے ۔ کتاب طبع ہو

[1] دیوان زادہ حاتم کا جو مسودہ میں نے اکیڈیمی کو بھیجا تھا ۔ اس کے ابتدائی اوراق وہاں غائب ہو گئے تھے اور بعض کے صفحات کے پروف آئے تھے ۔ میں نے اعتراض کیا تو دوبارہ یہ صفحات طلب کئے گئے تھے ۔

جائے گی تو آپ کی خدمت میں بھی پیش کی جائے گی۔ اس سلسلہ میں کوئی مفید مشورہ ہو تو اس سے دریغ نہ فرمایئے گا۔

۱۵ ستمبر ۱۹۳۲ء　　والسلام مع الاکرام احقر اصغر

ڈاکٹر زور

(۸)

مکرم جناب ۔ سلام مسنون ۔ شاید ہی جناب مجھ سے واقف ہوں ۔ اس لئے ایک تعارفی خط کے ساتھ حاضر ہوا ہوں ۔ میں ہندستانی اکیڈیمی میں کام کرتا ہوں ۔ یہاں سے ایک سہ ماہی رسالہ نکلنے والا ہے۔ اس کی ادارت مجھے سپرد کی گئی ہے ۔ اس کے علاوہ بھی اور متفرق کام میرے ذمہ ہیں ۔

جناب کا "شہ پارہ" اکیڈیمی میں آیا ہے ۔ عنقریب اس پر ریویو کیا جائے گا ۔ ہاں سب کچھ ہوا مگر اس تعارفی یا سفارشی خط کی غرض ابھی میں نے نہیں عرض کی ۔ اس لئے ایک "بحث نگار" کی طرح نمبروار عرض کرتا ہوں ۔

۱ ۔ ایک مضمون رسالے کے لئے مرحمت فرمایئے ۔ اور وعدہ فرمایئے کہ وقتاً فوقتاً اس میں مضامین دیتے رہیں گے ۔ اکیڈیمی چونکہ گورنمنٹ کی ہے اور کام یہ میرا ذاتی نہیں ہے اس لئے یہ عرض کرنے پر مجھے معاف فرمایئے گا کہ مضامین کا اعزازی معاوضہ بھی پیش کیا جائے گا ۔

۲ ۔ انگلستان اور فرانس کے کتب خانوں میں اگر کوئی معقول و مناسب کتاب جناب کی نظر سے گزری ہو اور جس پر آپ یہ سمجھتے ہوں کہ کام کیا جا سکتا ہے ۔ اس سے مطلع فرمایئے تاکہ ان کے فوٹو لینے کی درخواست کی جائے ۔ براہ کرم ان کتابوں کے متعلق یہ تفصیلات بھی دیجئے کہ ان میں کون کون سی عوام کی دلچسپی کی اور کون خواص کی دلچسپی کی ہوں گی ۔ والسلام مع الاکرام

احقر اصغر

ڈاکٹر زور

(۹)

مکرمی تسلیم ۔ "ہندستانی" نکل گیا ہے ۔ مگر ابھی تک پریس سے آیا نہیں ورنہ اب تک روانۂ خدمت کر دیا گیا ہوتا ۔

میرے خاص دوست محمد حفیظ سید ولایت سے واپس آ گئے غالباً آپ کے بعد یہ دوسرے شخص ہیں جنہوں نے اردو میں پی ایچ ڈی کیا ہے ۔ وہ فرانس سے ڈی لٹ کی بھی ڈگری لائے ہیں ۔ مقالہ ہندو فلسفہ پر تھا ۔ اس کے علاوہ اور بھی کچھ ڈپلومے لائے ہیں ۔

ہندستانی کے لئے آپ نے بہت دنوں سے کچھ نہیں بھیجا ۔ حیدرآباد سے کچھ اچھے مضامین بھجوایئے ۔ اور خود بھی اپریل نمبر کے لئے بھیجئے ۔

؎ یہ رسالہ "سہ ماہی ہندستانی" کے نام سے نکلا تھا ۔ جنوری ۱۹۳۱ء میں

؎ کتاب "اردو شہ پارے" جو ۱۹۲۹ء میں شائع ہوئی تھی ۔

جائے گی تو آپ کی خدمت میں بھی پیش کی جائے گی۔ اس سلسلہ میں کوئی مفید مشورہ ہو تو اس سے دریغ نہ فرمایئے گا۔

۱۵ ستمبر ۱۹۳۲ء   والسلام مع الاکرام احقر اصغر

(۸)

بنام ڈاکٹر زور

مکرم جناب۔ سلام مسنون۔ شاید ہی جناب مجھ سے واقف ہوں۔ اس لئے ایک تعارفی خط کے ساتھ حاضر ہوا ہوں۔ میں ہندستانی اکیڈیمی میں کام کرتا ہوں۔ یہاں سے ایک سہ ماہی رسالہ[1] نکلنے والا ہے۔ اس کی ادارت مجھے سپرد کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ بھی اور متفرق کام میرے ذمہ ہیں۔

جناب کا "شہ پارہ"[2] اکیڈیمی میں آیا ہے۔ عنقریب اس پر ریویو کیا جائے گا۔ ہاں سب کچھ ہوا مگر اس تعارفی یا سفارشی خط کی غرض ابھی میں نے نہیں عرض کی۔ اس لئے ایک "بحث نگار" کی طرح نمبروار عرض کرتا ہوں۔

۱ - ایک مضمون رسالے کے لئے مرحمت فرمایئے۔ اور وعدہ فرمایئے کہ وقتاً فوقتاً اس میں مضامین دیتے رہیں گے۔ اکیڈیمی چونکہ گورنمنٹ کی ہے اور کام یہ میرا ذاتی نہیں ہے اس لئے یہ عرض کرنے پر مجھے معاف فرمایئے گا کہ مضامین کا اعزازی معاوضہ بھی پیش کیا جائے گا۔

۲ - انگلستان اور فرانس کے کتب خانوں میں اگر کوئی معقول و مناسب کتاب جناب کی نظر سے گزری ہو اور جس پر آپ یہ سمجھتے ہوں کہ کام کیا جا سکتا ہے۔ اس سے مطلع فرمایئے تاکہ ان کے فوٹو لینے کی درخواست کی جائے۔ براہ کرم ان کتابوں کے متعلق یہ تفصیلات بھی دیجئے کہ ان میں کون کون سی عوام کی دلچسپی کی اور کون خواص کی دلچسپی کی ہوں گی۔ والسلام مع الاکرام

احقر اصغر

(۹)

بنام ڈاکٹر زور

مکرمی تسلیم۔ "ہندستانی" نکل گیا ہے۔ مگر ابھی تک پریس سے آیا نہیں ورنہ اب تک روانۂ خدمت کر دیا گیا ہوتا۔

میرے خاص دوست محمد حفیظ سید ولایت سے واپس آگئے غالباً آپ کے بعد یہ دوسرے شخص ہیں جنہوں نے اردو میں پی ایچ ڈی کیا ہے۔ وہ فرانس سے ڈی لٹ کی بھی ڈگری لاتے ہیں۔ مقالہ ہندو فلسفہ پر تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی کچھ ڈپلومے لائے ہیں۔

ہندستانی کے لئے آپ نے بہت دنوں سے کچھ نہیں بھیجا۔ حیدرآباد سے کچھ اچھے مضامین بھجوایئے۔ اور خود بھی اپریل نمبر کے لئے بھیجئے۔

---

[1] رسالہ سہ ماہی "ہندستانی" کے نام سے نکلا تھا۔ جنوری ۱۹۳۱ء میں

[2] کتاب اردو شہ پارے جو ۱۹۲۸ء میں شائع ہوئی تھی۔

آپ کی "لسانیات"[1] پر میں نے ڈاکٹر زبید احمد صاحب سے کہا ہے کہ ایک اچھا سا ریویو کر دیں۔ ابھی تک انہوں نے توجہ نہیں فرمائی ہے۔ ڈاکٹر صدیقی[2] سے آپ نے دیباچہ لکھایا۔ بہت اچھا کیا۔ اگرچہ انہوں نے نفس کتاب کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ تاہم یہ کیا کم ہے کہ انہوں نے لکھ دیا۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے متعلق آپ نے اب تک مدد نہیں کی جو کچھ مل سکتا ہو دیجئے۔ اور جو نہ مل سکے اس کے بارے میں کسی قدر تفصیل سے مجھے لکھیئے تاکہ کچھ نہ ہو سکے تو کتاب[3] میں آپ کی یہی تحریر کھپا دوں۔ والسلام

احقر اصغر

---

[1] ہندستانی لسانیات ۱۹۳۱ء میں شائع ہوئی تھی۔
[2] ڈاکٹر عبدالستار صدیقی الٰہ آباد۔
[3] غالباً حضرت اصغر نے یہ کتاب مکمل نہیں کی۔

حسرت موہانی

(۱)

بنام جناب نشاط النساء بیگم[1]

بسم اللہ

السلام علیکم - میں پرتاب گڈھ سے فیض آباد ۲ فروری کو بخیریت پہنچا - یہاں جیلر صاحب بڑی مہربانی سے پیش آئے سپرنٹنڈنٹ جیل ماشاء اللہ خاں ہیں - ان سے بھی دوسرے دن ملاقات ہوئی - یہاں بھی حسب دستور کھانا مجھ کو خاص ملتا ہے یعنی دودھ شکر کے علاوہ دونوں وقت گیہوں کی روٹی اور ترکاری گھی میں پکی ہوئی - غرض کہ ہر طرح سے آرام ہے - اطمینان رکھو - کتابیں اور اخبار بھی حسب معمول ملتے ہیں - بستر وغیرہ بھی اور سامان ضروری مثلاً لوٹا، پیالہ وغیرہ سب میں اپنے پاس رکھتا ہوں -

تمہارا ۳۰ جنوری کا لکھا ہوا کارڈ مجھ کو یکم فروری کو پرتاب گڈھ میں مل گیا تھا - آج ۱۴ کا لکھا ہوا کارڈ پرتاب گڈھ سے واپس ہو کر ملا - آئندہ خطوط اور اخبار سب فیض آباد کے پتے سے بھیجا کرنا - فیض آباد انگریزی میں یوں لکھنا: FYZ ABAD - میرے پاس اخبار وغیرہ بہت جمع ہو گئے ہیں - عنقریب میں وہ سب ایک بورے میں بھر کر واپس کر دوں گا - اس کے بعد میں علی گڈھ سے تذکرۃ الشعراء کے لئے بہت سے دیوان منگاؤں گا جن کی فہرست عقب سے روانہ کروں گا - تم وہ سب دیوان ہمارے کتب خانے سے تلاش کر کے ایک ٹرنک میں بند کر کے بذریعہ پسنجر ٹرین بھیج دینا - قفل بند کر دینا اور بلٹی مع کنجی رجسٹری والے لفافے میں جس کے اندر کپڑا لگا ہوتا ہے علیحدہ بھیج دینا -

اڈیٹر ہندوستان کے روپے بھیجنے کا حال معلوم ہوا - میرا بھی شکریہ ان کو لکھنا -

بیجاک میں نے پرتاب گڈھ ہی سے بھیج دیا تھا، غالباً اب پہنچ گیا ہوگا - نمائش سے مال واپس لانے میں بھی محصول نہیں دینا پڑتا - اس کی صورت یہ ہے کہ دوکان سے نمائشی مال بھیجتے وقت دفتر چنگی میں اطلاع کر دینا چاہئے کہ ہم اتنا مال جو اس قیمت کا ہے نمائش میں لئے جاتے ہیں - بعد نمائش پھر واپس لائیں گے - اس پر وہاں سے ایک رسید مل جاتی ہے جس کے دو حصے ہوتے ہیں ایک حصہ مال لے جاتے وقت چنگی کی چوکی والے لے لیتے ہیں - دوسرا واپسی کے وقت ان کو دکھایا جاتا ہے - ناصر سے کہنا کہ وہ چنگی کے صدر دفتر میں جا کر منشی سے میرا سلام کہیں اور رسید لے لیں - منشی کرار یا الیاس ہی کچھ دے دیا جاتا ہے تو وہ سب کام ٹھیک کر دیتا ہے -

---

[1] بیگم صاحبہ حسرت موہانی

۲۰ روپے کی مالیت لکھ دینا کہ ہم نمائش میں لئے جاتے ہیں۔ دو ٹیبلوں پر۔ اگر اس خط کے پہنچنے سے پہلے ہی مال نمائش میں جا چکا ہو تو سکریٹری صاحب نمائش سے مل کر میرا اسلام کہنا اور ان سے کہنا کہ غلطی سے ہم نے چنگی سے نمائش میں اپنی دکان سے مال لانے کی رسید نہیں لی ہے۔ اب آپ منشی کو لکھ دیجئے کہ وہ رسید دے دے۔

تم خط روز لکھا کرو مگر میں ہفتہ وار لکھا کروں گا۔ ہفتہ کے روز تم جوابی کارڈ لکھ دیا کرو تاکہ میں اتوار کو جواب لکھ دیا کروں۔ باقی برابر حسب معمول یہی کارڈ لکھا کرو۔ فقط!

حسرت۔ ڈسٹرکٹ جیل فیض آباد ۵ فروری ۱۹۱۶ء

---

(۲)

بنام نشاط النساء بیگم

بسم اللہ

السلام علیکم۔ ۹ فروری تک کے کارڈ پہنچے۔ پیکٹ بھی ملے مگر کئی روز سے اخبار لیڈر نہیں آیا۔ معلوم نہیں کیا سبب ہوا۔ ۸ فروری تک لیڈر ملا۔ اس کے بعد ۹، ۱۰، ۱۱ فروری ۱۹۱۶ء کا لیڈر نہیں ملا۔ تم منیجر صاحب لیڈر کو لکھو کہ اخبار ۸ فروری کے بعد کیوں نہیں روانہ کیا۔ لکھنا کہ ۸ فروری کے بعد سے اس وقت تک جتنے پرچے نہ بھیجے ہوں وہ سب فوراً بھیجیں اور آئندہ برابر حسب معمول روانہ کیا کریں۔ پتہ انہوں نے فیض آباد کا تبدیل کر دیا تھا۔ احتیاطاً پھر لکھ دینا۔

رسالہ الناظر جنوری اور فروری کا کیوں نہیں آیا۔ جنوری کا بہت روز ہوئے کہ شائع ہو گیا ہے اور اب فروری کا بھی نکل گیا ہوگا۔ دریافت کر کے بھجواؤ۔

نمائش کے حالات روزانہ لکھنا اور اشتہار مطبوعہ کالج کے ہر کمرے میں تقسیم کرا دینا اور نمائش میں بھی سب خیموں میں تقسیم کرا دینا۔ معلوم نہیں خواجہ مجید نے حسب وعدہ ٹائپ کرایا یا نہیں۔ دیوان حسرت اور غالب وغیرہ طالب علموں کو اب نصف قیمت میں نہیں دیئے جا سکتے۔ البتہ حصہ دوم ۴ر اور مکمل ۱ر میں اور شرح غالب ۱۲ر میں اگر دے دو تو کچھ ہرج نہیں ہے۔

ستارۂ صبح کا بھی آٹھویں نمبر کے بعد پھر کوئی پرچہ نہیں آیا۔ دریافت کرنا۔ اگر برابر ہفتہ وار آیا کرے تو اچھا ہے۔

اردوئے معلیٰ کی ابتدائی جلدیں اب نہیں مل سکتیں۔ جواب لکھ دینا۔ ظفر الملک صاحب نے کتابیں جتنی جتنی روانہ کی ہیں، سب کا حساب لکھتی جانا مع تعداد کتب۔ ۱۹۱۱ء کے اردوئے معلیٰ کی جلدیں دوکان میں اندر والے حصے کے آخر میں الماری پر موجود ہیں۔ شروع کپڑے کا پشتا ہے۔ دفتی پر کاغذ معمولی سبز ہے۔ ایک جلد مجھ کو بھیج دو۔ لیڈر کی طرح نئی روشنی بھی دو روز سے نہیں آیا۔ معلوم نہیں کیا سبب ہے۔ آپ و ہوا یہاں کی اچھی ہے اور میں بخیریت ہوں۔ اخبار دیکھ کر میں ایک لہرے میں بھرتا جاتا ہوں۔ جب پورا بھر جائے گا تب علی گڑھ بھیج دوں گا۔

مندرجہ ذیل دیوان تلاش کر کے ٹرنک میں بند کر کے پسنجر ٹرین پر بھیج دو۔ کنجی قفل ٹرنک کی مع بلٹی رجسٹری والے لفافے میں بھیجنا جو ۲۰ کو ملتا ہے فقط۔

(۱) شاہ حاتم قلمی جلد چرمی (۲) شاہ نصیر کچی اور دو دیوانوں کے ساتھ ایک جلد میں ہے (۳) عبد اللہ خاں مہر قلمی جلد چرمی۔

(۴) شگفتہ (۵) قلق میرٹھی سفید کاغذ قلمی لکھنوی کی ضرورت نہیں (۶) مستور قلمی جو دوکان میں تھا (۷) ناسخ مجلد مطبوعہ، رشک چھاپہ قدیم مجلد (۹) خواجہ وزیر (۱۰) بحر (۱۱) مہر مطبوعہ سلطانی (۱۲) آباد (۱۳) ماہر مطبوعہ مجلد (۱۴) سحر (۱۵) جوش مطبوعہ تقطیع چھوٹی (۱۶) ناصر (۱۷) افضل قلمی بلا جلد کمرے میں میز پر ہوگا یا کہیں اور (۱۸) راسخ عظیم آبادی قلمی مجلد (۱۹) فساغ (۲۰) ضامن علی وحشت (۲۱) میر مہدی مجروح (۲۲) ناظم نواب رام پور (۲۳) سالک قربان علی بیگ (۲۴) عاشق شاگرد غالب۔ اس کی تین جلدیں ہیں۔ (۲۵) مولوی اسمٰعیل جلد انگریزی وضع (۲۶) زکی شاگرد غالب (۲۷) حزیں قلمی جلد کہنہ (۲۸) یقیں قلمی چھوٹی جلد (۲۹) حسرت قلمی جلد کہنہ (۳۰) شاعر قلمی جلد کہنہ۔ نمبر ۲۷ و نمبر ۳۰ ایک ہی جلد میں ہیں۔ جلد دفتی دار کاپی کی شکل میں ہے۔ مسودہ قلمی میرے ہاتھ کا ہے تلاش کر کے بھیجو۔ فقط۔ بھائی بھاوج ...... کو سلام۔ نانی کو دعا۔ لفافہ نہیں ملا تھا۔ وہ پھر کبھی بھیجوں گا۔ فقط!

حسرت۔ ڈسٹرکٹ جیل فیض آباد۔ ۱۱ فروری ۱۹۱۶ء

(۳)

بنام نشاط النساء بیگم

بسم اللہ

السلام علیکم۔ تمہارے ۹ مارچ تک کے خط اور پیکٹ پہنچے۔ سال معلوم ہوا۔ عبد الغفار وغیرہ اگر آئیں تو ان سے ملنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ یہاں کے سپرنٹنڈنٹ آج کل ایک فوجی یوروپین افسر ہیں اور میرے ساتھ جو برتاؤ ماشاء اللہ خاں صاحب کے وقت میں ہوتا تھا وہی اب بھی ہوتا ہے۔ مگر یہاں کا پانی میرے موافق نہیں معلوم ہوتا۔ اس لئے کھانا اچھی طرح ہضم نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ اور میں ہر طرح سے بخیریت ہوں۔ اطمینان رکھو۔ سیالکوٹی خط سے تم کو ناحق غصہ ہوا۔ پنجابی لوگ اکثر ایسی ہی تحریریں بھیجا کرتے ہیں۔

جن جن لوگوں کو دیوانِ حسرت مکمل نہ پہنچا ہو مثلاً ہمدم، قیصر ہند وغیرہ ان کو اب صرف حصہ دوم بھیجنا اور شوکت، مولوی علی حیدر، مولوی حمید الدین کو حیدرآباد جو دیوان تم نے بھیجے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی ان لوگوں کو نہیں ملے۔ غالباً طاعون کے سبب سے وہ لوگ حیدرآباد میں نہ ہوں گے۔ اب ان تینوں کو کارڈ لکھ کر دریافت کرو کہ دیوان ملے یا نہیں۔ اگر نہ ملے ہوں تو ان کو بھی صرف دیوان دوم بھیج دینا اور شوکت سے دیوانِ عندلیب مسمّی بہ جانِ سخن منگوانا۔

معلوم ہوا کہ دیوان مومن و نسیم و تسلیم بھی اب نہیں باقی ہیں۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ آئندہ تذکرہ صرف انہی کو روانہ کیا جائے جو خاص طور پر طلب کریں۔ ورنہ باقی لوگوں کو مفصلہ ذیل کتابیں بھیجا کرو۔

(۱) مکتوبات ۸/ (۲) انتخابات اردوئے معلّیٰ ۸/ (۳) دیوانِ غالب ۸/ (۴) دیوانِ حسرت دوم ۵/ کل ۱۴/ محصول ڈاک اور فیس ویلیو ملا کر للعہ کا ویلو کیا کرو اور جو لوگ ۸/ کا ویلو منگایا کریں ان کو بھی اسی طرح للعہ کا ویلو بھیجا کرو اور کارڈ اطلاع کو لکھ دیا کرو کہ تذکرہ اب نہیں رہا اس لئے للعہ کا ویلو بھیجا ہے۔

کشن پرشاد نے ۱۵۰ روپے کے ۳۰ سٹ لئے ہیں۔ ان کو بھی ۳۰ کے بجائے ۲۰ سٹ نئی ترتیب کے یعنی ۱۴/ قیمت والے بھیج دو۔ تذکرہ نہ بھیجنا۔ مجھ کو تذکروں کی اور نسیم و تسلیم و مومن کے انتخاب دواوین کی بہت ضرورت ہوگی۔ ان کو بھی لکھ دینا کہ تذکرہ نہیں رہا

اس لئے ۳۰ کی بجائے ۴۰ سٹ روانہ ہیں۔
سلیپر میری ٹوٹ گئی ہے اس لئے چپل ذرا بڑی چھانٹ کر بھیج دو۔ دو ٹوپیاں بھی دوپلی بنا کر بھیجو۔
آئندہ سے مختلف قسم کی آمدنیاں علیحدہ علیحدہ جمع کرنا۔ (۱) ۳۰۰ جمع ہیں۔ آئندہ سے کتابوں سے جو آمدنی ہو وہ سب اسی رقم
[illegible] جمع کرنا اور [illegible] رکھنا (۲) دکان سے جو آمدنی ہوا کرے اس کا روزانہ حساب علیحدہ جمع کیا کرو اور اس میں سے ۵۰ روپے ماہوار
[illegible] کے [illegible] میں [illegible] کرو اور [illegible] میں جو کچھ خرچ ہو وہ دکان ہی کی آمدنی سے لیا کرو۔ اس کے بعد جو کچھ بچا کرے وہ علیحدہ جمع [illegible]
[illegible] اور [illegible] مال اس سے منگایا کرو۔ (۳) متفرق آمدنی جو کچھ ہو مثلاً بریلی سے یا محمد علی کے پاس سے جو کچھ آئے وہ سب علیحدہ جمع کر [illegible]
اسے خرچ نہ کرنا۔ جو کچھ اس طور پر جمع ہوگا وہ ہم علی گڑھ آنے پر بطور ضمانت ادا کر کے اپنا مطبع پھر جاری کریں گے۔ غرضکہ آمدنی کی تینوں
مدیں ہیں۔ تینوں کا حساب علیحدہ علیحدہ [illegible] ہے۔ [illegible] قرض ادا کرنا [illegible] آنے پر دیکھا جائے گا۔
کتابوں کے [illegible] کی ابھی کچھ جلدی نہیں ہے۔ جب [illegible] ۔۔۔۔ سب کتابیں آ جائیں تب بھیجنا۔ بلکہ اگر ہو سکے [illegible]
ایک ایک کارڈ [illegible] مطبوعہ دہلی محبوب عالم، سید سلیمان اور کشن پرشاد کو لکھ کر کتابیں منگوا لو۔
دکانیں [illegible] کی بہت [illegible] ناصر سے کہنا کہ ان کو وحید صاحب سے نرخ دریافت کر کے بیچنے کی کوشش کریں [illegible]
اب بجائے [illegible] کے [illegible] گی۔
اب تو ہولی بھی ہو گئی۔ خواجہ کے پاس سے مسودہ منگا کر بھجواؤ۔ پتہ وغیرہ سب انہی سے لکھوا لینا اور قاعدہ بھی پوچھ لینا [illegible]
کہاں اور کس کے ذریعے سے بھیجا جائے گا یا بلا واسطہ بھیجا جائے گا۔ مجھ کو قاعدہ نہیں معلوم ہے۔

۱۲ مارچ۔ یہاں تک لکھنے کے بعد آج تمہارا ۱۰ مارچ کا کارڈ اور پیکٹ بھی ملا۔ کھانا مجھ کو اچھا ملتا ہے۔ تم فکر نہ کرو [illegible]
کو روپے وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط!

حسرت۔ ڈسٹرکٹ جیل فیض آباد۔ ۱۱ مارچ ۱۹۱۶ء

(۴)

بنام نشاط النساء بیگم

بسم اللہ

السلام علیکم۔ میں ایک لفافہ لکھ چکا ہوں۔ اس کے لکھنے کے بعد ہی شام کو گورنمنٹ کا حکم آ گیا کہ للت پور سے کہیں جانے
کی اجازت نہ دی جائے گی۔ اس لئے اب مجبوراً مجھ کو للت پور سے جانا پڑتا۔ میں یہ کارڈ لکھ کر جانا چاہوں گا اور اس وقت پولیس
مجھ کو باضابطہ گرفتار کرے گی اور بعد میں مقدمہ ہوگا۔ مقدمہ کہاں ہوگا اس کا ابھی معلوم نہیں ہوا۔ خیر جہاں کہیں ہوگا اس کا حال بعد [illegible]
تار سے لکھوں گا۔ تم خواجہ عبد المجید صاحب کے پاس یہ خط بھیج دینا اور کہہ دینا کہ اگرچہ مجھ کو اپنے مقدمے میں بحث وغیرہ کیلئے کسی وکیل کی ضرورت نہیں لیکن بعض
[illegible] ایسی پیش آتی ہیں [illegible] قانون داں کی مدد ضروری ہو جاتی ہے پس جہاں کہیں مقدمہ ہو وہاں آپ ایک روز کیلئے آ جائیے یا کسی اور کو بھیج [illegible]
بشرطیکہ فیس ادا کرنا [illegible] ہم وکیلوں سے میں کسی مدد کی امید نہیں رکھتا اس لئے آپ سے درخواست کی جاتی ہے کم سے کم ایک وکیل یا بیرسٹر میری
کے لئے ہونا چاہئے۔ فقط!

حسرت موہانی۔ للت پور۔ ۹ مئی ۱۹۱۶ء

(۵)

بنام نشاط النساء بیگم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

السلام علیکم۔ کارڈ تمہارا آج بھی پہنچا اور جتنے خطوط تم نے لکھے سب پہنچے۔ حالات معلوم ہوئے۔ آج صبح کو میں نے لفٹیننٹ گورنر کو تار دیا تھا کہ مجھ کو ملنے کی اجازت دیجئے۔ اس وقت جواب آگیا کہ مل نہیں سکتے البتہ اگر کوئی تحریر بھیجو تو ہم غور کریں گے۔ پس میرا ارادہ ہے کہ ایک آخری تدبیر یہ بھی کر دیکھوں کہ سب حال ان کو لکھ بھیجوں شاید اس پر کچھ لحاظ کیا جائے۔ مگر اس تحریر کے روانہ کرنے سے قبل میں چاہتا تھا کہ کسی بیرسٹر سے مل کر مشورہ کر لوں اس لئے آج تین تار میں نے جوابی مفصلہ ذیل لوگوں کے نام بھیجے ہیں کہ مجھ سے آکر مل جاؤ۔ میں اخراجات ادا کروں گا۔

(۱) خواجہ عبدالمجید بیرسٹر علی گڑھ (۲) ڈاکٹر ناظر الدین حسن بیرسٹر لکھنؤ (۳) ظہور احمد بیرسٹر الہ آباد

غالباً پرسوں تک ان میں سے کوئی نہ کوئی ضرور آئے گا۔ ان سے مشورہ کر کے لفٹیننٹ گورنر کے نام تحریر روانہ کروں گا اور اس کے جواب کے آنے تک اور انتظار کروں گا یعنی للت پور سے باہر نہ جاؤں گا۔ اس کے سوا باقی اور احکام کی نہ میں نے آج تک تعمیل کی ہے نہ کروں گا۔ باقی حالات بدستور ہیں۔ متفرق باتوں کا جواب اس کارڈ کی پشت پر درج ہے۔

رومال ۲۰ والے بہت سے رکھے ہیں۔ ایک بنڈل تو اس دکان میں تھا جو خالی کی گئی ہے۔ دوسرا بنڈل دوکان کے اندرونی حصے میں اصلی ترکی ٹوپیوں کے کسی لمبے زرد رنگ کے ڈبے میں ہے وہ نکلوا لینا۔ بوٹ پالش ابھی بہت ہیں۔ لیٹنے کے لئے تمبو یا نامہ کو دہلی بھیجنا وہ بھارت بیوپار کے منیجر سے ملیں وہ ان کو دیسی ٹھاٹا گپور والے کی دکان سے دلوا دیں گے۔ اگر وہ نہ ملیں تو جادو رہے شمبر ناتھ تاجر پارچہ نئی سڑک دہلی سے میرا نام لے کر خرید لائیں (۲/۷/۱۲) نمبر کا لٹھا غالباً عمدہ کو ملے گا۔ بھارت بیوپار کا پتہ ایشور بھون قریب مسجد فتحپوری دہلی ہے۔

صہ بذریعہ منی آرڈر جیسا کہ میں پہلے کارڈ میں لکھ چکا ہوں بھیج دینا۔ باقی اگر اور ضرورت ہوگی تو میں بذریعہ تار منگوا لوں گا۔ ہاں فیض عام پریس والوں سے کہنا کہ ذرا صبر کریں میں عنقریب ان کا حساب کر کے بھیجوں گا۔ فقط!

حسرت موہانی۔ للت پور ۱۰ / مئی ۱۹۱۶ء

(٦)

بنام نشاط النساء بیگم

بسم اللہ

السلام علیکم۔ آج بھی تمہارا خط نوشتہ ۱۰ / مئی پہنچا۔ گورنمنٹ کا حکم جب تک نہ آیا تھا اس وقت تک میں نے خط نہ لکھنے کا عہد کیا تھا مگر اب تو حکم آگیا ہے اس لئے اب کوئی پابندی نہیں ہے۔ میں روزانہ خط لکھوں گا بغیر کسی کو دکھائے ہوئے کیونکہ احکام نظر بندی کی تعمیل اس وقت تک نہ میں نے کی ہے نہ کروں گا۔ ڈاکٹر ناظر الدین نے تار کے جواب میں لکھا ہے کہ اگر فیس و خرچ پیشگی بھیج دو تو آؤں۔ یہ بھی اچھا ہے میں ان کا تار اگر للت پور میں مقدمہ ہوا تو پیش کروں گا کہ یہاں مجھ کو قانونی مدد نہیں مل سکتی اس لئے مقدمہ علی گڑھ کو

منتقل کیا جائے۔

بیرسٹر ظہور احمد صاحب الٰہ آباد میں نہیں ہیں اس لئے ان کے بھائی اڈیٹر مساوات نے تار کا جواب دیا ہے کہ جب وہ آ جائیں گے تب بھیجوں گا۔ خواجہ مجید کا کوئی جواب نہیں آیا۔ بہرحال کل یعنی سنیچر کو میں گورنمنٹ کو اپنی آخری تحریر بھیجوں گا کہ میں علی گڑھ میں نظر بندی منظور کر سکتا ہوں بشرطیکہ میرے اوپر کوئی الزام نہ لگایا جائے اور مجھ کو بدستور اپنی روزی خود پیدا کرنے کی اجازت ہو۔ نیز آزادی کے سلب کرنے کا یک مشت معاوضہ اس قدر دیا جائے کہ میں اپنا قرض ادا کر سکوں۔ اگر یہ منظور ہوگا تو خیر ورنہ پھر مقدمہ یقینی ہے۔ غالباً ایک ہفتے میں۔

خطوط تمہارے سب پہنچتے ہیں۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ مجھ کو کامیابی ہوگی۔ بدایوں کے [illegible] کا قصہ سب غلط ہے۔ لوگوں نے افواہ اڑادی ہے۔ وظیفہ عبداللہ شاہ صاحب کا بھی پڑھوں گا۔ ان کو میرا اسلام کہلا بھیجنا۔ اشفاق علی صاحب سے کہنا کہ آپ کے ذمے ۱۱۵ روپے تھے جن میں سے ۲۰ میں بمبئی جاتے وقت نقد لے گیا تھا ۹۵ باقی ہیں۔ ان کا حساب کتاب میں درج ہے دکھا دینا۔ باقی حالات بدستور ہیں۔ کھانا یہاں ایک خانساماں ہے وہ پکا دیتا ہے ۸ روز میں ۵ دیتا ہوں۔ فقط!

حسرت ۔ للت پور ۱۲/ مئی ۱۹۱۶ء

(۷)

بنام نشاط النساء بیگم

بسم اللہ

السلام علیکم۔ کارڈ نوشتہ ۱۱/ مئی پہنچا۔ جواب اسی وقت لکھ رہا ہوں تاکہ ۹ بجے صبح کی ڈاک میں نکل جائے اور کل ہی تم کو پہنچ جائے۔ میں نے آج ۸۸ لفظوں کا ایک اور تار لفٹیننٹ گورنر صاحب کو بھیجا ہے۔ یہ آخری ترکیب ہے۔ اگر اس کو انہوں نے منظور کر لیا تو خیر ورنہ پرسوں یعنی ۱۵/ مئی ۱۹۱۶ء کو ۱۱ بجے دن کے میرے خلاف مقدمے کی کارروائی یہاں سب ڈویژنل افسر کے اجلاس میں شروع ہو جائے گی۔ میں اس کے لئے تیار ہوں سب باتیں اور اعتراض وغیرہ سوچ لئے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ مجھ کو کامیابی ہوگی مگر ایک اور بھی شخص مثل بیرسٹر کے ہوتا تو اچھا تھا۔ بہرحال خواجہ مجید صاحب کو فوراً بھیج دینا کہ وہ اگر چاہیں تو لکھنؤ ۱۲ بجے کی گاڑی میں روانہ ہو کر براہ جھانسی پرسوں صبح یہاں ۸ بجے دن کو پہنچ سکتے ہیں۔ اگر نہ آئیں تو خیر کچھ مضائقہ نہیں ہے، میں خود پیروی کر لوں گا۔

کاغذ ہم۔ فی پونڈ کے حساب سے دینا بشرطیکہ دام کل نقد ملیں۔ گروا سب اور دھوتیاں سب اگر ٹھوک بک سکیں تو بیچ دو مگر دکان بدستور قائم رہنا چاہیے۔

باقی سب حالات بدستور ہیں۔ وظیفے دونوں پہنچے۔ پڑھتا ہوں۔ تمہارے سب خطوط مجھ کو ملتے ہیں۔ فقط!

حسرت ۔ للت پور ۱۳/ مئی ۱۹۱۶ء

(۸)

بنام نشاط النساء بیگم

بسم اللہ

میں کل مفصل خط لکھ چکا ہوں۔ آج بھی لکھتا ہوں ممکن ہے کہ یہ خط بھی تم کو کل ہی مل جائے۔ اس وقت تک مقدمہ میرے موافق

(۶)

لال لنا رہے کی لنگیاں جو چار چار ایک ہی ہیں ان کے ملنے کا پتہ یہ ہے:۔ رتن چند جیٹھ مل تاجر پارچہ مسکٹی مارکٹ MUSKETY MARKET احمد آباد۔ ان کی قیمت فی چار شاید ۶ہ ہے۔ دو فی صد ۸ر کے حساب سے فروخت ہوتی ہیں۔

ایک خط آغا کو لکھنا کہ مجھے دو فلسفہ جذبات، فلسفہ اجتماع و ابومسلم خراسانی یعنی سلطان حیدر جوش کا نیا ناول یہیں الہ آباد بھیج دیں بذریعہ رجسٹری شدہ پیکٹ۔ میں ان پر ریویو لکھوں گا اور ایک خط واحد یار خاں اکبر آبادی بی۔ اے اڈیٹر نئی روشنی الہ آباد کو لکھ دو۔ میرا سلام لکھنا اور لکھنا کہ آپ اپنا اخبار روزانہ الہ آباد ڈسٹرکٹ جیل بھیج دیا کریں اور ہو سکے تو تبادلے کے دیگر روزانہ اخبارات بھی خود دیکھنے کے بعد مجھی کو بھیج دیا کیجئے۔ میں دیکھ کر واپس کر دیا کروں گا۔ ایک خط سید سلیمان صاحب ندوی شبلی منزل اعظم گڈھ کو لکھ دو میرا بہت بہت سلام لکھنا اور لکھنا کہ اپنا نیا رسالہ معارف میرے نام ضرور روانہ کریں۔ یہ بھی دریافت کرنا کہ آیا آپ کے پاس آفتاب عالمتاب موجود ہے یا نہیں۔ ضرور لکھئے۔ فقط!

حسرت۔ الہ آباد ڈسٹرکٹ جیل ۱۳ر جولائی ۱۹۱۶ء

(۱۰)

بنام نشاط النساء بیگم

بسم اللہ

السلام علیکم۔ صرف پہنچ گئے ہیں مگر میں نے ابھی تک منگا۔ئے نہیں ہیں۔ منگا لوں گا۔ آئندہ سے منی آرڈر ناصر کے نام سے روانہ کیا کرو۔ اپنا نام نہ درج کیا کرو۔

حسرت۔ الہ آباد ڈسٹرکٹ جیل ۸ر نومبر ۱۹۱۶ء

(۱۱)

بنام مولوی بشیر الدین صاحب مرحوم

مکرم بندہ!

تسلیم۔ پروفیسر ابو الحسن صاحب کے خط سے معلوم ہوا ہے کہ کانفرنس کے متعلق انتظام آپ کریں گے اور چونکہ صاحب موصوف نے مجھ سے بھی کچھ مدد چاہی ہے اس لئے آپ اپنے ارادے سے مجھے بواپسی ڈاک مطلع فرمائیں تاکہ میں وقت مقررہ پر آپ سے لکھنؤ میں مل جاؤں۔ ابو محمد صاحب بھی شاہجہان پور سے آکر آپ کی مدد کریں گے۔ فقط!

سید فضل الحسن حسرت موہانی۔ موہان ضلع اناؤ۔

(۱)

بنام جناب وفا راشدی

عزیزی السلام علیکم

آپ کا خط مورخہ ۱۴ رجولائی آج ملا۔ ڈاکخانے اب نکمے ہو گئے ہیں۔ بہتر ہوتا کہ آپ آج اتوار کے دن آکر مجھ سے ملتے اور خط نہ لکھتے۔ ایک غزل آپ کے رسالے کے لئے بھیج رہا ہوں۔ خدا جانے کب ملے۔ ملنے پر اس کی رسید لکھ دیجئے گا۔ کہ اطمینان ہو جائے اور دوسری غزل بھیجوں۔

ان دنوں اس کثرت سے نئے نئے رسالے نکل رہے ہیں کہ مجھے ان کے مستقبل کے متعلق اندیشہ ہوتا ہے۔ خدا کرے کہ آپ کا رسالہ کامیاب ہو۔ آپ کو اس کام کا سلیقہ ہے اس سے امید بندھتی ہے۔

۲۰ رجولائی ۱۹۴۷ء
آپ کا خیر طلب وحشت

(۲)

بنام وفا راشدی

عزیزی عطا صاحب السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ کا پوسٹ کارڈ ملا۔ دل کو خوشی ہوئی۔ میں اس وقت الحمدللہ اچھا ہوں۔ ضعف پیری کی شکایت کیا کروں پیری و صد عیب مثل ہے۔ ناطق[1] صاحب اور طرزی صاحب کو آپ کا سلام پہنچا دیا۔ انہوں نے بھی سلام کہا ہے آصف صاحب سے عند الملاقات آپ کا سلام کہوں گا۔ ناطق صاحب بھی ضعف پیری سے بہت مضمحل رہتے ہیں ان کا کلام اب تک شائع نہیں ہوا اور نہ عنقریب شائع ہونے کی امید ہے[2]۔ ۳ دسمبر کو کراچی میں عظیم الشان مشاعرہ ہونے والا ہے۔ دعوت نامہ آیا تھا۔ میں نے اپنی مجبوریاں عرض کر دیں۔ اب میں اس قابل نہیں رہا ہوں کہ کہیں آ جا سکوں۔ ڈھاکہ سے واپسی کے وقت میں پلین میں سخت بیمار ہو گیا تھا۔

آپ نے اپنے خط میں مجھ سے میرے کچھ اشعار طلب کئے ہیں۔ ذیل میں ایک غزل مندرج ہے۔

۱؎ حکیم ابوالعلا سید سعید احمد ناطق لکھنوی مرحوم

۲؎ دیوان ناطق سین پریس لاہور میں زیر طباعت ہے اور بہت جلد انجمن تعمیر ادب چاٹگام کے اہتمام سے شائع ہو جائے گا۔

غزل

اپنے جنونِ شوق سے گھبرا رہا ہوں میں — خود جانتا نہیں کہ کدھر جا رہا ہوں میں
احساس اس کا ہے کہ مرا دل ہے ناصبور — ہنگامِ عرضِ حال جو شرما رہا ہوں میں
حد سے گزر گئی ہیں تری بے وفائیاں — اب تک مگر فریبِ وفا کھا رہا ہوں میں
بے التفاتیاں نہ ہوئیں مانعِ امید — رنگ ان میں التفات کا کچھ پا رہا ہوں میں
شاید جنونِ عشق مرا ناتمام تھا — یہ کیا ہوا کہ ہوش میں پھر آ رہا ہوں میں
صیاد کچھ تو چاہیے امید کے لیے — سعیِ عبث سے دل کو جو بہلا رہا ہوں میں
وحشت سکوتِ مدعیانِ سخن کو دیکھ
بزمِ سخن میں دادِ سخن پا رہا ہوں میں

آپ کا خیر طلب وحشت

(۱۴)

بنام جناب شفا گوالیاری

کلکتہ - کرم فرمائے عالم تسلیم

آپ کی خیر و عافیت کا حال معلوم کر کے خوشی ہوئی - اردو کی خدمت جو آپ نے اپنے ذمے لی ہے ایک بہت بڑی خدمت ہے - دعا کرتا ہوں کہ آپ اسے بحسن و خوبی انجام دے سکیں - حسب ارشاد تین غزلیں جو تین مہینوں کے لئے کافی ہوں گی روانہ کرتا ہوں -

اپنا حال کیا عرض کروں ضعف پیری پر اور پریشانیاں ضم ہو گئی ہیں - بہت ممکن ہے کہ مجھے مع اہل و عیال کے کلکتہ چھوڑنا پڑے - یہاں کی فضا سخت مکدر ہے -

مرا در منزلِ جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم — جرس فریاد می دارد کہ بربندید محملہا

۱ر مارچ سنہ ۵۳ء — نیاز کیش وحشت

(۱۵)

بنام جناب وفا راشدی

عزیزی وفا راشدی صاحب

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ - آپ کا پوسٹ کارڈ مورخہ ۹ راپریل جو ایر میل سے روانہ کیا گیا تھا ۱۲ر کو ملا اور خط مورخہ ۲ر اپریل جو معمولی ڈاک سے بھیجا گیا تھا حسب معمول گیارہ دن کے بعد یعنی ۲۵ر اپریل کو پہنچا - اس عرصے میں مکتبۂ جدید کے ساتھ میرا معاملہ طے ہو گیا - ۲۰ر اپریل کو رشید احمد صاحب نے خط لکھ کر معاہدے کی نقل طلب کی اور ۲۸ر کو یعنی آج معاہدہ دستخط شدہ پہنچ گیا - میں نے اسی وقت ترانۂ وحشت (معہ ضمیمہ دیوان وحشت) جو پہلے سے پیک کیا ہوا دھرا تھا رجسٹری کر کے روانہ کر دیا - یہ پیکٹ ایر میل سے نہیں بھیجا گیا ہے اس لئے گیارہ بارہ دن کے بعد لاہور پہونچے گا -

مجھے بڑا افسوس ہے کہ آپ کئی بار مکتبۂ جدید گئے اور اہل مکتبہ نے بے اعتنائی برتی۔

عزیزی ظفر ہاشمی صاحب کے خط کی نقل جو آپ نے بھیجی ہے اُس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مجھے کوئی خط لکھا تھا جس کے جواب کا انہیں انتظار ہے۔ مجھے تو کوئی خط اُن کا نہیں ملا ہے۔ نہ معلوم کس پتے پر انہوں نے بھیجا ہے۔ شاید بیرنگ بھیجا ہو۔ انہوں نے جن محبت آمیز الفاظ میں اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں میں ان کی قدر کرتا ہوں۔ جب کتاب چھپ جائے تو وہ کچھ کاپیاں خرید کر اپنے دوستوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

میں نے ترانۂ وحشت کی ترتیب میں نظر انتخاب انہیں اشعار پر ڈالی ہے۔ جو میری نظر میں کچھ نہ کچھ بات اپنے میں رکھتے ہیں۔ تاریخی نام ایک عزیز نے پیش کیا اور میں نے ان کا دل خوش کرنے کو قبول کر لیا۔

کائنات کے لیے خود وحشت سوانح عمری جو آپ نے طلب کی تھی اس کے متعلق میں لکھ چکا ہوں کہ زندگی میری کوئی زندگی نہ تھی کسی طرح دن کاٹ دیئے۔ میں خود اپنے متعلق کچھ لکھنا پسند نہیں کرتا۔ آپ نے یہ کام میرے لیے بڑی خوبی سے انجام دیا ہے۔

امید ہے کہ آپ اور آپ کے متعلقین خیر و عافیت سے ہوں گے۔

۲۸ راپریل سنہ ۵۱ء　　آپ کا خیر طلب وحشت

---

(۵)

بنام جناب وفا راشدی صاحب

عزیزی السلام علیکم ورحمتہ اللہ برکاتہٗ

مودت نامہ موصول ہو کر باعث مسرت ہوا۔ یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ مکتبۂ جدید والوں کے ساتھ میرے معاملے کا طے ہو جانا آپ کے خیال میں بہت مناسب ہوا۔ امید ہے کہ وہ اس کام کو خوبی کے ساتھ انجام دیں گے۔

عزیزی ظفر ہاشمی کا خط مجھے ملا اور میں نے جواب بھی لکھ دیا۔ یہ دریافت کر کے بڑی خوشی ہوئی کہ آپ ایک بسیط مضمون اہل بنگالہ کی خدمات پر جو اردو کی ترویج و توسیع میں انجام پائی ہیں لکھنا چاہتے ہیں۔ اس کام کے لیے آپ ایک خاص استعداد کے حامل ہیں۔ آپ کی خواہش ہے کہ جب آپ کتاب یا مضمون لکھ لیں تو میں اس پر ایک مقدمہ لکھوں۔ میں خوشی سے چند کلمات بطور پیش لفظ لکھ دوں گا۔ مقدمہ لکھنا اب میرے لیے مشکل کام ہے۔ آنکھوں کی بینائی کے کم ہو جانے سے لکھنے پڑھنے کا کام کم ہی کر سکتا ہوں۔ ماہِ نو میں جو مضامین میرے نکلے ہیں وہ کلکتے میں لکھے گئے تھے جہاں کتابیں میرے پاس تھیں اور میں لکھ پڑھ سکتا تھا۔ کلکتہ چھوڑا تو اسباب خانہ داری کے ساتھ کتابیں بھی چھوڑ آیا۔ چند باتیں جو آپ نے دریافت کی ہیں ان کا جواب وثوق کے ساتھ دینا میرے لیے آسان نہیں ہے کیونکہ اسلامیہ کالج جہاں میں اردو کی تعلیم دیتا تھا پندرہ برس ہوئے میں نے چھوڑا اس کے بعد لیڈی برابورن کالج میں فارسی کی تعلیم دینے لگا۔ اب حافظہ کام نہیں دیتا۔ یہ صحیح ہے کہ باغ و بہار نو طرز مرصع سے ماخوذ ہے۔ لیکن سلیس اردو کی پہلی کتاب باغ و بہار ہے جو کلکتہ میں لکھی گئی۔ آرائش محفل (قصہ حاتم طائی) سید محمد حیدر بخش کی تصنیف ہے۔ اور آرائش محفل (ہندوستان کے شہروں کے حالات) میر شیر علی

افسریوں کی تصنیف ہے۔ بوستانِ خیال اور الف لیلیٰ کے مصنفوں کے نام یاد نہیں ہیں اور تحقیق طلب ہیں۔ لاہور کے کسی کتب خانے میں ان کتابوں کو تلاش کیجئے تو مصنف کے نام بھی معلوم ہو جائیں گے۔ یہ دو کتابیں کلکتہ میں نہیں لکھی گئی تھیں۔ دہلی یا لکھنؤ میں لکھی گئی تھیں۔ باقی باتیں کتابوں کے متعلق جو آپ نے لکھی ہیں۔ میرے خیال میں صحیح ہیں۔ کلکتہ کے شعرا کا کلام اب میرے پاس کچھ بھی موجود نہیں ہے۔ شاید کلکتہ کے شاکر صاحب جو میرے خیال میں ایک نہایت باکمال شاعر ہیں کچھ آپ کی مدد کر سکیں ان کا پتہ ذیل میں ہے:-

سید طاہر علی شاکر معرفت محمد یوسف باڑی والا۔ ۴۸ شمس الحدیٰ روڈ، کلکتہ ۱۶

کائنات کا پرچہ موصول ہوا مجھے بہت پسند آیا۔ امید ہے کہ آپ مع متعلقین خیر و عافیت سے ہیں۔

۲۰ مئی سنہ ۵۱ء　　　آپ کا خیر طلب وحشت

بنام جناب وفا راشدی صاحب

(۶)

عزیزی السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

آپ کا پوسٹ کارڈ مورخہ ۴ اکتوبر پہنچا۔ معلوم ہوا کہ آپ کا محکمہ حیدرآباد سندھ کو منتقل ہونے والا ہے بندگی بیچارگی۔ لاہور سے نکل کر سندھ کے ریگستان میں جانا ایک مصیبت ہے۔

آپ نے بنگلور کے ماہنامہ "ترقی" کا ذکر کیا ہے۔ اگلے نمبر میں غالباً میری ایک غزل ہو گی اور مجھے یقین ہے کہ وہ شمارہ میرے پاس آئے گا۔ میں آپ کے مضمون "اردو کی ترقی میں بنگال کا حصہ" کو ضرور پڑھوں گا۔ چونکہ اس میں میرا ذکر رہے گا اس لئے اس مضمون پر میری رائے کا اظہار نامناسب ہو گا۔

جرم صاحب کلکتہ سے کام کے سلسلے میں آئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کائنات کے موعود وحشت نمبر کے لئے مضمون لکھا ہے اور ان سے معلوم ہوا کہ بیخود صاحب نے بھی لکھا ہے۔

ترانۂ وحشت کی طباعت کا کام اب شروع ہو گیا ہے۔ اس سلسلے میں ظفر ہاشمی صاحب کا بھی ایک خط آیا ہے اور مکتبہ کے مہتمم رشید احمد چودھری نے بھی مجھے ایک خط لکھا ہے۔ امید ہے کہ دسمبر تک کتاب چھپ جائے

۱۳ اکتوبر سنہ ۵۱ء　　　آپ کی خیر و عافیت کا طالب وحشت

بنام جناب وفا راشدی صاحب

(۷)

ڈھاکہ - عزیزی السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

محبت نامہ مورخہ ۲۰ نومبر پہنچ کر باعث مسرت ہوا معلوم ہوا کہ آپ عنقریب حیدرآباد سندھ جانے والے ہیں۔ وہاں پہنچتے ہی آپ مجھے اور اپنے احباب کو اپنے نئے پتے سے آگاہ کیجئے۔ جرم صاحب ڈھاکہ آئے تھے معلوم ہوا کہ وہ منیجر "کائنات" کو اپنا مضمون بھیج چکے ہیں۔ بیخود صاحب کا حال معلوم نہیں اور میں وحشت نمبر "کائنات" کے متعلق اپنے کسی ملنے والے سے ذکر کرنا نہیں چاہتا۔ آپ اس کام کو بخوبی انجام دے رہے ہیں۔ "ترانۂ وحشت" کی کتابت ہو رہی ہے اور ممکن ہے کہ دسمبر کے آخر تک کتاب مکمل ہو جائے۔

"یک داغ نیک نا شدہ داغ دگر نہد" جی بھر آیا اور دل سے دعا نکلی کہ اللہ آپ کو صبر دے۔

میں اب بہت ضعیف و ناتواں ہو گیا ہوں۔ نقل و حرکت بدشواری ہوتی ہے لیکن مجبوری کا کیا علاج کہ ادھر چار دن میں مجھے کلکتہ جانا پڑے گا۔ بھارت نے میری پنشن روک دی ہے۔ ضروری کارروائی کلکتہ پہنچ کر ہی ہو سکتی ہے

آپ کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ قمر مرحوم پر ایک مضمون خاور کے لئے بھیج چکے ہیں اور عزیزی ظفر ہاشمی پر بھی ایک مضمون آپ نے مدیر دربار کے نام بھیجا ہے۔ جب یہ مضامین شائع ہوں گے تو میں ضرور انہیں پڑھوں گا۔ یہ امر باعث مسرت ہے کہ بنگال میں اُردو کے موضوع پر آپ نے ایک مبسوط کتاب تالیف کی ہے۔ یہ ایک بڑی خدمت آپ نے انجام دی۔

ظفر ہاشمی سلمہ کا ایک خط آیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ترانۂ وحشتؔ عنقریب بازار میں آنے والا ہے۔

۱۴ر جنوری ۱۹۵۳ء　　　　آپ کا خیر طلب وحشتؔ

بنام جناب وفا راشدی صاحب

(۱۰)

ڈھاکا، مشرقی پاکستان۔ عزیزی وفا راشدی صاحب سلمکم اللہ عن النوائب

آپ کا بھجوایا ہوا اخبار آفتاب ملا۔ جس میں آپ نے ترانۂ وحشتؔ پر ایک پر زور مقالہ لکھا ہے میں نے اسے بڑی دلچسپی سے پڑھا یہ دیکھتے ہوئے کہ میرے عقیدتمند میرے متعلق اپنے حسن ظن کو کس حد تک پہنچا سکتے ہیں! جہاں تک تبصرہ نگاری کے اصول سے تعلق ہے آپ نے اپنے کام کو نہایت خوبی سے انجام دیا ہے۔ اگرچہ نقاد اکثر "بڑھا بھی دیتے ہیں کچھ زیب داستاں کے لئے"۔ مجھے یقین ہے کہ اس مقالے کے پڑھنے والے آپ کے حسن تحریر کی داد دیں گے۔

امید ہے کہ آپ مع الخیر ہیں۔ میرا حال یہ ہے کہ بستر پر پڑا رہتا ہوں۔ خطوط کے جواب بمشکل تحریر کرتا ہوں ناتوانی حد سے بڑھ گئی ہے۔

۲۴ر اگست ۱۹۵۳ء　　　　دعا کا طالب وحشتؔ

بنام طاہر فاروقی صاحب اسلامیہ کالج پشاور

(۱۱)

ڈھاکہ۔

خنک آں نسیم بشارتے کہ ز غائب از نظرے رسد　　پس از انتظارے و مدتے خبرے ز بیخبرے رسد

محب دلنواز تسلیم دنیانہ۔

مکتوب محبت اسلوب میرے دل کی دوا لایا۔ یہ خبر مجھے ملی تھی کہ طبیعت آپ کی بد مزہ ہے۔ لیکن آپ کا پتہ معلوم نہ تھا اس لئے کوئی خط نہیں لکھ سکا۔ صدیقی سید اقبال عظیم کو ایک پوسٹ کارڈ لکھا کہ مجھے آپ کے پتے سے مطلع فرمائیں۔ کوئی جواب ان کا نہیں آیا جس سے قیاس کرتا ہوں کہ میرا خط انہیں نہیں ملا۔

خدا کا شکر ہے کہ آپ کے مرض میں افاقہ ہے۔ اس کی درگاہ میں دعا کرتا ہوں کہ آپ کو شفائے کامل

عطا کرے۔ تنت بہ ناز طبیباں نیازمند مباد ا کیا کہوں آپ کس قدر یاد آتے ہیں۔ آپ جیسے خلوص والے
ارباب محبت مشکل سے ملتے ہیں۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔

جناب اثر صاحب کو میرا سلام کہئے اور ان سے یہ بھی کہئے کہ میرے اپنے درمیان راہ و رسم کا برتنا
ضروری نہ سمجھیں۔ میں نے جو پیش لفظ ان کے دیوان کے لئے لکھا اور جو اصلاحیں ان کے کلام پر دیں یہ معمولی
خدمت اس کی مقتضی نہیں ہے کہ اس کے لئے ایک خط مجھے لکھا جائے۔ ان کا تشکر آپ کے خط سے واضح
ہو گیا اور میں نے ان کے تاثرات کا پورا اندازہ کر لیا۔ میں اپنے متعلق کیا لکھوں۔ بس زندہ ہوں اور اسکو غنیمت سمجھتا ہوں

۷؍ دسمبر ۵۳ء　　　بندۂ محبت وحشت

---

(۱۲)

بنام جناب وقار راشدی

ڈھاکا۔ عزیزی وقار راشدی صاحب سلمکم اللہ عن النوائب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ محبت نامہ پہنچکر باعث مسرت ہوا۔ یہ سچ ہے کہ میں بمشکل پڑھ لکھ سکتا
ہوں لیکن خط کا جواب اٹکل سے قلم چلا کر اکثر لکھ دیا کرتا ہوں۔

یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ آپ کی کتاب بنگال میں اردو زیر طبع ہے۔ آپ نے اردو ادب کی ایک بڑی خدمت
کی ہے جو ہر طرح قابل تحسین ہے۔ سید اقبال عظیم صاحب پروفیسر چاٹگام کالج نے بھی ایک کتاب شائع کی ہے
جس کا نام ہے "مشرقی بنگال میں اردو"۔ آپ کی نظر سے شاید یہ کتاب گزری ہو۔

آپ نے میری تصویر طلب کی ہے۔ یہ میں آٹھ دس دن میں بھیجوں گا۔ تصویر موجود نہیں ہے۔ مجھے
اس کے لئے فوٹوگرافر کے یہاں جانا پڑے گا۔ کوئی آدمی جو مجھے رکشا پر بٹھا کر لے جائے اس کی تلاش ہے۔

آپ نے ارادہ ظاہر کیا ہے کہ "بنگال میں اردو" کی اشاعت کے بعد ایک کتاب "حیات وحشت" ترتیب
دیں۔ اس خیال میں آپ کی محبت کارفرما ہے۔ "حیات" اس شخص کی لکھی جاتی ہے جس نے اپنی زندگی میں متعدد
مفید کام کئے ہوں۔ میں محض ایک متغزل ہوں۔ غزل گوئی کے سوا دنیا میں کچھ نہیں کیا۔ بہتر ہے کہ آپ اس
خیال کو ترک کردیں۔ آپ کی کتاب بنگال میں اردو میرے تذکرے سے مملو ہے۔

علی حسن سلمہ کا پتہ ہے۔۔ ALI HASAN, C.S.P. D.M. RAJSHAHI, EAST PAK..

آپ کا خیر طلب وحشت

۳۰؍ دسمبر ۵۴ء

کہاں کہاں ہیں؟ آپ کی کتاب میں اس مثنوی کا ذکر نہیں، حیدرآباد میں اس کے مخطوطے ضرور ہوں گے۔ مضمون "ہندوستانی" کو بھیج دیا گیا۔ انشاء اللہ اس کی ایک کاپی نذر خدمت کروں گا۔

براہ کرم "بھوگ بل" کے بارہ میں مطلع فرمائیں۔ امید ہے کہ مزاج عالی بعافیت ہوگا۔ والسلام

نیازکیش محمد محفوظ الحق

۲۰ر فروری ۳۳ء

(۲)

بنام نصیر الدین ہاشمی

مشفقی سلام مسنون۔

آپ کے گرامی نامہ کا جواب آج دے رہا ہوں۔ دیر کی وجہ محض میری کاہلی ہے۔ میں ۳ر جولائی کو کلکتہ پہنچا۔ کچھ عرصہ ہوا کہ میں نے محترمی سید خورشید علی صاحب کو "کلیات شاہی" کی دستیابی پر مبارک باد کا خط لکھا تھا۔ آج ان کا جواب بھی آگیا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ میں گورنمنٹ کو لکھ رہا ہوں دفتر کے نوادر کے شائع کرنے کا انتظام کیا جائے، اگر آپ کے دفتر سے اس قسم کا کوئی مراسلہ گیا ہے تو آپ کو مزید علم ہوگا۔

آپ کا مضمون بے مثل ہے، میرے دو دوست یہاں ہیں۔ جن کو دکھنی لٹریچر سے دلچسپی ہے، انہوں نے بھی بہت پسند کیا، آپ کی کوشش و کاوش مستحق تحسین ہے، خدا کرے ایسے ہی نوادر آپ کے ہاتھ آتے رہیں،

"بھوگ بل" میں نے منگوا لیا ہے۔ ۱۰۳۲ھ سن تالیف ہے، شاعر کا تخلص قریشی ہے، امیر بربد ثانی کی فرمائش سے لکھا ہے۔ نسخہ کتابت کا بہت عمدہ نمونہ ہے ۱۰۸۲ھ میں دریا خان کے لئے لکھا گیا ہے کاتب نیک نام خان بہادر کے لشکر میں تھا۔ آپ قریشی کے متعلق کچھ اطلاع دے سکتے ہیں؟ امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔ والسلام

محفوظ

۲۹ر جولائی ۳۳ء

(۳)

بنام نصیر الدین ہاشمی

مخدومی و مکرمی

سلام مسنون۔ "حضرت امجد کی شاعری" کا شکریہ قبول فرمایئے، رسید پہلے بھی روانہ کر سکتا تھا۔ لیکن چاہتا تھا کہ کتاب کو اچھی طرح پڑھ لوں تو پھر اپنی ناچیز رائے سے مطلع کروں۔

حضرت امجد زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے۔ ان کے کلام میں وہ کیف، وہ سوز، اور وہ حقائق و معارف موجود ہیں جن کا اثر قلب و دماغ پر ہونا لازم ہے آپ نے یہ ریویو لکھ کر اب اردو پر احسان کیا ہے، دعا ہے کہ کچھ عرصہ بعد اس سے مکمل تر ریویو شائع فرما سکیں۔ کیونکہ دلدادگان امجد کی اس سے پیاس بجھ نہیں سکتی۔

دعا ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہو۔ والسلام

نیازکیش

محمد محفوظ الحق

۴ر اگست ۳۴ء

(۴)

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

مکرمی بندہ تسلیم

گرامی نامہ کا شکریہ، آپ جس موضوع پر کام کر رہے ہیں وہ نہایت اہم ہے، لیکن تلاش و تحقیق کے وسائل یہاں بہت کم ہیں۔ یہیں سے بہار کی اُمراء نثر کی تاریخ پر کوئی کام نہیں کیا ہے۔ ایک زمانہ میں خیال ہوا تھا کہ سید حمید الدین بہاری کے "خوان الوان" پر کچھ لکھوں، لیکن مصنف کے متعلق کوئی اطلاع نہیں مل سکی۔ اس لئے یہ خیال ترک کر دیا۔ فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں جو کتابیں لکھی گئیں ان میں ایک "خوان الوان" بھی ہے، مصنف کا نام سید حمید الدین بہاری ہے۔ سنہ تالیف کا ذکر نہیں، لیکن ظاہر ہے کہ ۱۸۰۴ء (۱۲۱۹ھ) کے قبل کی تالیف ہے کتابت میں مختلف کھانوں کی ترکیبیں لکھی ہیں، اس کی کوئی ادبی حیثیت نہیں ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ کلکتہ کی رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی لائبریری میں ہے اور دوسرا نسخہ لندن میں برٹش میوزیم میں ہے۔

مؤخر الذکر نسخہ کا حال آپ کو J. F. BLUMHARDT کی CATALOGUE OF HINDI, PUNJABI AND HINDUSTANI MSS. IN THE B.T. 14 MUSEUM. صفحہ ۵ (نمبر ۳) پر ملے گا، مؤلف کا بیان ہے کہ اس نے اس کتاب کو ڈاکٹر گلکرسٹ کے ایما سے لکھا اور نیز کہ یہ ایک فارسی خوان الوان کا ترجمہ ہے، فارسی میں طعامیات پر مختلف کتابیں ہیں لیکن "خوان الوان" نامی کسی فارسی تالیف کا مجھے علم نہیں۔

۲۔ رسالہ مضامین رمضان وغیرہ کو میں نے اب تک نہیں دیکھا اس لئے کوئی رائے نہیں دے سکتا۔

۳۔ شاہ شرف الدین یحییٰ منیری کے حالات پر کوئی محققانہ کتاب میری نظر سے نہیں گزری آپ پروفیسر حافظ شمس الدین احمد صاحب (پٹنہ کالج) سے دریافت فرمائیں۔ انہوں نے منیر پر ایک فاضلانہ مقالہ اورینٹل کانفرنس (پٹنہ) کے اجلاس میں پڑھا تھا، وہ مزید روشنی ڈال سکیں گے۔

۴۔ عالم علی عظیم آبادی سے میں واقف نہیں۔

کار لائق سے یاد فرماتے ہیں۔ والسلام　　محفوظ

مکرر: کلکتہ کے خوان الوان کے نسخہ کے بارہ میں اگر مزید اطلاع کی ضرورت ہو تو مزید تحریر فرماویں۔

مکرر: مجھے خدا بخش خان لائبریری میں کچھ کام ہے، کیا آپ میری امداد فرما سکتے ہیں، کام چند گھنٹوں کا ہے! اگر آپ کو فرصت اور موقع ہو تو مزید تحریر فرمائیں، آپ کو زحمت دوں گا۔ والسلام

محفوظ　　۱۴ مارچ ۱۹۴۹ء

(۵)

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

مکرم بندہ تسلیم

آپ کی نوازش کا شکریہ، آپ نے بڑی زحمت فرمائی، آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ دیوان صائب پر بعض

اصلاحیں صائب کی ہیں۔ چنانچہ آپ نے نقل بھی ارسال فرمائی ہے۔ لیکن آپ نے نسخہ کا نمبر نہیں تحریر فرمایا۔ براہ کرم نمبر ضرور تحریر فرمائیں۔

کلیات صائب (۱۰۰، صلاح الدین) کا نسخہ میری نظر سے گزر چکا ہے، آخر میں چند غزلیں صائب نے "خاتمہ" لکھ کر بڑھائی ہیں، آپ نے لکھا ہے کہ "دیوان کا ایک اور نسخہ ہے اس پر بھی صائب کی ہاتھ کی لکھی ہوئی غزلیں ہیں آخر میں دستخط ہے۔ ابتدا میں دیوان صائب لکھا ہوا ہے اور اس کے ہاتھ کا ایک شعر"۔

براہ کرم اس نسخہ کا نمبر، سنہ کتابت، تعداد اوراق (اگر معلوم ہو سکے) اور صائب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی غزلوں کا پہلا شعر و دستخط کی نقل وغیرہ روانہ فرمائیں، میں نوازش ہوگی۔

سید حمید الدین بہاری کی "خوان نعمت" کی ابتدائی عبارت کی نقل روانہ کرتا ہوں، ایشیاٹک سوسائٹی بنگالہ کا نسخہ آخر میں ناقص ہے، یعنی چھبیسواں باب موجود نہیں، یہ نہیں ہے کہ صفحات غائب ہیں بلکہ ص۹۰ پر "چھبیسواں عنوان لکھ کر جگہ چھوٹی ہوئی ہے، کاتب کا خیال تھا کہ بعد کو یہ چیز بڑھائی جائے گی لیکن موقع نہیں ملا۔

بلمہارٹ کی فہرست میں کتاب کا نام "خوان الوان" ہے۔ حالانکہ خوان الوان اس کتاب کا نام ہے جس سے یہ کتاب ترجمہ ہے۔ ترجمہ کا نام مؤلف خود "خوان نعمت" بتاتا ہے۔

خوان نعمت کا ذکر مسٹر سید محمد ایم۔اے نے "ارباب نثر اردو" ص۲۶۲ و ص۲۶۳ پر کیا ہے، مولف کو کوئی نسخہ نہیں ملا، انہوں نے بلمہارٹ کے حوالہ سے کچھ لکھ دیا ہے۔ صرف ایک بات یہ لکھی ہے کہ چونکہ یہ کتاب مسٹر گلکرسٹ کے ایما سے لکھی گئی ہے اس لئے ظاہر ہے کہ یہ کتاب ۱۸۰۴ء میں یا اس سے پہلے لکھی گئی، کیونکہ ۱۸۰۴ء میں مسٹر گلکرسٹ فورٹ ولیم کالج کی ملازمت سے سبکدوش ہو کر ولایت واپس گئے۔

صائب کا ایک کلیات جس کی تحریر سندی ہے یہاں موجود ہے اس لئے صائب کی تحریر کے بارہ میں کوئی شبہ نہیں۔

والسلام محفوظ

۲ اپریل ۱۹۳۸ء

(۹)

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

مخدومی و مکرمی تسلیم

خط نے مسرور کیا، آپ کی عنایت کا ممنون ہوں کہ دیوان صائب (فارسی نمبر ۷۵، انگریزی ۲۴۷) کے متعلق پوری صراحت فرمادی، یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس دیوان کے صفحہ اول پر جو شعر:

محو کے از صفحۂ دلہا شود آثار من   من ہماں مذکم کہ می یابند از اشعار من

خود صائب نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے وہی شعر کلکتہ کے نسخے پر بھی صائب نے اپنے ہاتھ سے بڑھا دیا ہے فرق یہ ہے کہ یہاں کا پورا نسخہ . . ۵ ورق کا صائب نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے اور وہاں کے نسخے پر چند غزلیں اس نے اپنے ہاتھ سے بڑھائی ہیں۔

"خوان الوان" کے ایک "خوان" کی نقل عنقریب روانہ خدمت کروں گا مجھے صرف سنیچر کو فرصت ہوتی ہے اور اس سنیچر کو یہاں تعطیل ہے لائبریری

بند رہتی ہے۔ اگلے مہینے مدیر سے منگوا کر حاصل کروں گا اور آپ کی خدمت میں روانہ کر دوں گا انشاء اللہ۔ آپ نے اس خط میں نسخہ ۲۳۳ کا پورا حال لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ پہلے خط یعنی ۲۶ مارچ والے میں نسخہ نمبر ۱۰۳ صلاح الدین کے شمار درج تھے۔ حالانکہ آپ کے ۲۶ مارچ کے خط کی عبارت یہ ہے:

"(۱) دیوان صائب دیکھا آپ کے دوست نے آپ کو غلط اطلاع دی تھی۔ صائب کی اصلاح اس نسخہ پر موجود ہے۔ اس چونکہ بہت باریک ہے اور اصلاحیں بہت کم ہیں اس لئے جب تک کافی غور نہ کیا جائے نہیں ملتیں، بعض اصلاحیں لکھتا ہوں۔

ص۵۹ گہر در بحر شد　　　پستی گراں قیمت ......

ص۱۳۳ ہر کہ رنگ آرزو در سینۂ افکار ریخت

طیبات صائب (صلاح الدین ۱۰۰) میں بھی بعض اصلاحیں صائب نے کی ہیں۔ دیوان صائب کا ایک اور نسخہ ہے اس پر صائب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی غزلیں ہیں، آخر میں دستخط ہے ......"

آپ کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ خط کے ابتدا میں جس دیوان کا حوالہ دے رہے ہیں وہ نسخہ نمبر ۲۴۹ انگریزی و ۶۷۲ فارسی ہے، نہ کہ صلاح الدین مرحوم کا نسخہ۔ براہ نوازش اس نسخہ نمبر ۶۷۲ کو پھر نکلوا کر دیکھئے اس کا نام کلیات صائب ہے، تعداد اوراق ۴۸۶ ہے اور کاتب کا نام محمد رضا اور سنہ کتابت ۱۰۷۰ھ (سبعین بعد الالف) یعنی صائب کی وفات سے دس سال پہلے ہے۔

آپ نے ص۵۶، ص۱۳۳ وغیرہ پر جن اصلاحات کا ذکر فرمایا ہے وہ اگر نسخہ نمبر ۶۷۲ فارسی میں ہیں تو صرف اسی قدر لکھ دیجئے، اصلاحات کی نقل وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ یہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ صائب احسن کے ساتھ کشمیر گیا تھا لیکن قرائن اس کے خلاف ہیں، صائب کا ذکر قصیدہ کشمیر کی تعریف میں نہیں ملا، حالانکہ وہ کابل اور برہانپور وغیرہ میں احسن صائب کا ذکر کرتا ہے اس لئے دیباچہ احسن کی ضرورت ہے کہ کشمیر کے سلسلہ میں احسن، صائب کا ذکر کرتا ہے یا نہیں آپ نے جو اقتباس ۲۶ مارچ کے خط میں روانہ کیا ہے اس میں کابل کے سلسلہ میں صائب کا ذکر فرمایا ہے کیا شعرائے کشمیر کے سلسلہ میں بھی صائب کا نام آیا ہے یا نہیں؟ بانکی پور کی انگریزی فہرست میں ان شعراء کا نام فہرست نگار نے دیا ہے۔

مولانا حیدر، محمود خصالی، محمد مقیم جوہری، قاضی محمد، طالب آملی، محمد جان قدسی، لیکن صائب کا نام نہیں۔

آپ صرف دیکھیں کہ احسن جہاں کشمیر کا ذکر کرتا ہے وہاں مرزا صائب کا نام بھی دیا ہے یا نہیں؟

اس لئے اب صرف دو کام آپ کے سپرد کرتا ہوں:

(۱) نسخہ نمبر ۲۴۹ انگریزی و فارسی ۶۷۲ کے ص۵۹، ص۱۳۳ پر صائب نے اصلاحیں کی ہیں یا نہیں؟

(۲) دیوان احسن کے دیباچہ میں سفر کشمیر کے سلسلے میں صائب کا نام آیا ہے یا نہیں؟ والسلام

ممنون کرم محفوظ الحق

مکرر: دیوان کامران پبلشر سے منگوا کر جلد روانہ خدمت کروں گا انشاء اللہ

۱۳ اپریل ۱۹۲۹ء

(۷)

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

مخدومی، تسلیم

"خوانِ نعمت" کے ایک حصہ (باب اول) کی نقل ارسالِ خدمت ہے، یہ باب چونکہ بہت طویل ہے اس لئے میں نے صرف ایک حصہ نقل کیا ہے۔ امید ہے کہ یہ اطلاع کافی ہوگی۔ ہر باب جس ورق پر شروع ہوتا اور جہاں ختم ہوتا ہے وہ بھی میں نے لکھ دیا ہے۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔

خطوط مندرجہ بالا پتے پر ارسال فرمائیے کیونکہ کالج ان دنوں بند ہے۔ والسلام

محفوظ الحق

۴ مئی ۱۹۳۹ء

(۸)

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

(کلکتہ)

مشفقی، تسلیم

آپ کے دونوں کارڈ ملے، آپ کی کامیابی کی خبر سن کر بڑی مسرت ہوئی، خدا سے دعا ہے کہ وہ ہمیشہ کامیاب کرے۔ اب کیا خیال ہے تحریر فرمائیے۔

آپ کے پہلے کارڈ کا جواب فوراً دیتا لیکن بچہ کی علالت اور اس کے بعد اہلیہ کی شدید علالت کی وجہ سے بے حد عدیم الفرصت تھا۔ دو دن خود بھی بخار میں مبتلا ہو گیا تھا۔

آپ جہانگیر کی تحریر کا بلاک چاہتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ وہ بلاک موجود ہے لیکن ہمارے پاس اتنے بلاک ہیں اور اس طرح منتشر طور پر رکھے ہیں کہ تلاش کی ضرورت ہے بہرحال جس وقت ضرورت ہو تحریر فرمائیے روانۂ خدمت کر دوں گا۔ آپ کی تحریر کا موضوع کیا ہے اور بلاک کی ضرورت کیوں ہوئی؟ آپ وہ مضمون کہاں چھپوائیں گے؟ وہ بلاک دیوان کامران بانکی پور کے پہلے صفحہ کا ہے جس پر جہانگیر اور شاہجہان کی تحریریں ہیں۔ چند ماہ ہوئے ہمارا ایک مضمون اسلامک کلچر حیدرآباد میں چھپا ہے جس میں بھی جہانگیر و عبدالرحیم خانخاناں کی تحریروں کا عکس شائع ہوا ہے۔ لیکن وہ بلاک ہمارے پاس نہیں، حیدرآباد والوں نے خود بنوایا تھا، اور اب وہ ان کی ملکیت ہے۔

دیوان کامران بلاک کے ساتھ روانہ خدمت کر دوں گا۔ کلیات صائب (صلاح الدین صاحب کا نسخہ) میں صائب کی اصلاحات کو اگر آپ لکھ کر روانہ فرمادیں تو بڑی نوازش ہوگی یا چند اہم "اصلاحات" ہی کو لکھ کر ارسال فرمادیں بے حد ممنون ہوں گا۔ والسلام

محفوظ الحق

۲۳ اگست ۳۹ء

(۹)

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

(پریسیڈنسی کالج، کلکتہ)

کرم بندہ، تسلیم

نوازش نامہ کا شکریہ، آپ نے بلاک کے لئے لکھا تھا، اور پھر لکھا ہے، مسلمان میں بہت سے بلاک نکلے تھے جن میں دو یا تین ہمارے تھے اور بقیہ خود انہوں نے بنوائے تھے، ہمارے بلاکوں میں شاہجہان اور جہانگیر

کی تحریروں کا بلاک بھی ہے، آپ کے پاس اگر وہ پرچہ ہو تو لکھیئے کہ آپ کو کون کون بلاک چاہیئے، ہمارے پاس 'بلاک' کا انبار ہے، اِدھر اُدھر پڑے ہیں، تلاش میں زحمت ہو گی، بہرحال جو بھی مل جائیں گے۔ روانہ خدمت کر دوں گا۔

ایک بات اور عرض کر دوں، اردو رسالے والے بلاک واپس نہیں کرتے گو وعدے تو بیسیوں کرتے ہیں، اس لئے اس بارہ میں پورا اطمینان کر لیجئے۔ دارا شکوہ کی خطاطی کا ایک رنگین بلاک ۵/= میں تیار ہوا تھا، اس کو محمدی (بنگلہ) رسالہ والوں نے غائب کر دیا، کیا کہوں کیا ملال ہوا۔ دارا شکوہ کی کون سی کتاب آپ کو ملی ہے؟ تحریر فرمایئے گا

۲۲ نومبر ۳۹ء　　والسلام محفوظ الحق

<u>بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو</u>

(۱۰)

میرے محترم تسلیم　　(پریسیڈنسی کالج کلکتہ)

کل ۱۸ ار کو چار دن کی تعطیل کے بعد ہمارا کالج کھلا تو آپ کا خط ملا، پڑھ کر بیحد خوشی ہوئی .... سال ڈیڑھ سال سے میری مضمون نگاری کا سلسلہ بند ہے یہی وجہ ہے کہ میرا کوئی مضمون آپ کی نظر سے نہیں گزرا، اس وقت کسی چیز پر کام بھی نہیں کر رہا ہوں۔

"دیباچہ" کا شکریہ بے نہایت قبول فرمایئے۔ آج ہی پونا روانہ کر رہا ہوں۔

غالب پر یہاں کوئی چیز نہیں، چند سال ہوئے لاہور کے پروفیسر حمید احمد خاں تشریف لائے تھے، بہت تلاش کیا، ناکام واپس گئے، "آئینہ گیتی نما" بھی یہاں نہیں۔ پنشن کے سلسلہ میں غالب نے جو درخواست گورنر جنرل کو دی تھی وہ ایریل ریکارڈ ڈیپارٹمنٹ میں ہے۔ جس کا دفتر چند سال سے دہلی منتقل ہو گیا ہے، اس درخواست سے استفادہ کی اجازت نہیں ممکن ہے کہ اب نئے قوانین و قواعد کے ماتحت اجازت مل جائے آپ KEEPER کو لکھیں، دیکھئے کیا جواب آتا ہے امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔ والسلام

۱۹ ار نومبر ۴۲ء　　محفوظ الحق

<u>بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو</u>

(۱۱)

محترم و مکرم تسلیم

آپ کا محبت نامہ سعد اللہ پور سے آج کلکتہ واپس آیا، آپ کی عنایت کا ممنون ہوں اور مبارکباد کا شکریہ ادا کرتا ہوں، یہ غلط بخشی نئی چیز نہیں، اس لئے شکایت فضول ہے۔

اس تعطیل میں دو مہینے سے اوپر سعد اللہ پور رہا۔ لیکن امتحان کے پرچوں سے ذرا بھی فرصت نہیں ملی صرف ، رمئی کو چند گھنٹوں کے لئے گیا تھا وہ بھی تعزیت کے خیال سے۔

آپ نے "خاندان تیموریہ" سے جو اقتباس روانہ فرمایا تھا وہ مجھے مل گیا تھا اور اپنے لکچر میں اس سے فائدہ بھی اٹھایا تھا، اس زمانہ میں اپنے لکچر کی تیاری میں بے حد مصروف تھا، اس لئے جواب نہیں دے سکا پھر بھول گیا، معافی کا طالب ہوں۔

میرا کالج ۱۵ جون کو کھلا اور اسی دن سعد اللہ پور سے یہاں آیا۔
فرمائیے آج کل کیا کام ہو رہا ہے؟ میری کتابوں کا ذخیرہ سعد اللہ پور میں ہے اور یہاں کی دوسری لائبریریاں بھی خالی پڑی ہیں، کوئی کام نہیں ہو سکتا۔
آپ اپنی خیریت لکھئے گا۔ نوازش ہوگی، آپ کی عنایت کا دوبارہ شکریہ ادا کرتا ہوں۔ والسلام

۲۰ جون سنہ ۴۲ء
محفوظ

بنام مختار الدین احمد آرزو

(۱۲)

میرے محترم تسلیم،
ہمارے ایک دوست ڈاکٹر عبد اللہ چغتائی پونا میں ہیں، ان کو آفتابی نام ایک شاعر کے حالات کی ضرورت ہے، مختلف فہرستوں کی ورق گردانی سے پتہ چلا ہے کہ صحف ابراہیم مولینا نواب علی ابراہیم خان میں ان کے حالات درج ہیں، اس تذکرہ کا ایک نسخہ (جلد اول) بانکی پور میں ہے، بڑی نوازش ہوگی اگر آپ اس شاعر کے حالات اس تذکرہ سے نقل کر کے راقم کے نام روانہ فرمائیں۔ نام کے تلاش میں دقت متعذر ہوگی۔ اور کافی وقت بھی صرف ہوگا۔ لیکن امید ہے کہ آپ یہ زحمت گوارا فرمائیں گے۔ امید ہے کہ مزاج گرامی قرین عافیت ہوگا۔ والسلام

۱۴ جولائی سنہ ۴۲ء
محفوظ الحق

بنام مختار الدین احمد آرزو

(۱۳)

(پریسیڈنسی کالج، کلکتہ)

میرے کرم تسلیم،
ایک کارڈ روانہ خدمت کیا ہے جس میں آپ سے درخواست کی تھی کہ صحف ابراہیم سے آفتابی کا تذکرہ نقل فرما کے روانہ فرمائیں۔ پونا سے ہمارے دوست کا پھر تقاضا آیا ہے۔ براہ کرم فرصت نکال کر جلد اس کام کو انجام دیں، بڑی عنایت ہوگی۔ امید ہے کہ مزاج گرامی قرین عافیت ہوگا۔ والسلام

۳۱ جولائی سنہ ۴۲ء
محفوظ الحق

بنام مختار الدین احمد آرزو

(۱۴)

(پریسیڈنسی کالج، کلکتہ)

میرے محترم تسلیم،
آپ کا کارڈ باعث مسرت ہوا۔ آپ کی عنایت و توجہ کا بدل ممنون ہوں، اردو کی کانفرنس اور مخطوطات کی نمائش اور وہ بھی بہار میں! یہ سنہ ۴۲ء کا ایک عجیب واقعہ ہے، ہماری طرف سے مبارک باد قبول فرمائیے۔ آپ نے بڑا کام کیا ہے۔ خدا آپ کو جزائے خیر عطا کرے۔ براہ کرم اہم قلمی نسخوں پر نوٹ تحریر فرمائیں اس کو کسی اچھے رسالے میں شائع فرمائیں۔ اور مجھے مطلع فرمائیں، نوازش ہوگی۔ آج ڈاکٹر چغتائی کو لکھ رہا ہوں، امداد سے وہ اطلاع بھی طلب کر رہا ہوں، جواب آنے پر آپ کو مطلع کروں گا، نوازش کا ممنون۔ والسلام

۳ اگست سنہ ۴۲ء
محفوظ الحق

(۱۵)

میرے محترم و مکرم تسلیم!

خط زمانہ کے بعد لکھ رہا ہوں، اور وہ بھی اپنی غرض کی بنا پر۔ غرض یہ ہے کہ ہمارے ایک پارسی دوست پونا میں اپنی قلمی کتابوں کی فہرست مرتب کر رہے ہیں، اس سلسلہ میں ان کو بانکی پور کے نسخۂ "تاریخ خاندان تیموریہ" کے مصوروں کے نام کی ضرورت ہے یہ کتاب غالباً کمشنر صاحب کے آفس میں ہوگی اور وہاں ہفتہ میں صرف دو دن دیکھی جا سکتی ہے۔ آپ کسی صاحب کو مقرر فرمادیں کہ وہ اس کام کو کر دیں۔ آنے جانے، کاغذ کے کل اخراجات وہ پارسی صاحب ادا کریں گے۔ کام یوں کرنا ہوگا۔

تصویر نمبر ۱ - طرح کاہنا عمل لبادن -

" نمبر ۲ - طرح جگجیون - عمل سوردا س -

" نمبر ۳ - طرح لعل چہرہ نامی فرخ و ششنکر گجراتی -

یعنی تصویر کے نیچے جو عبارت ہے اس کی من و عن نقل کی ضرورت ہے۔ بعض نام نہایت غیر مانوس ہوں گے۔ ان میں اکثر ہندو ہوں گے۔ اس لئے ذرا کوشش سے معلوم ہو جائیں۔ خان بہادر مولوی عبدالمقتدر نے ان مصوروں کے نام اپنی فہرست میں دئے ہیں۔ وہ فہرست اگر سامنے رہے تو آسانی ہوگی۔ ان تصاویر کا فوٹو بھی دو جلدوں میں شائع ہوا ہے لیکن مصوروں کے نام اکثر کٹے ہوئے ہیں۔ اس لئے آپ کو زحمت دے رہا ہوں۔

جو اجرت بھی صرف ہو آپ خیال نہ فرمائیں۔ آپ کا جواب آنے پر رقم روانہ خدمت کر دوں گا۔ ضرورت ہے کہ کام نہایت سہولت سے آہستہ آہستہ اور کوئی غلطی نہ رہ جائے۔ اگر موقع ہو تو آپ اس "نقل" کا مقابلہ فرمادیں۔ نئے لائبریرین صاحب سے نیاز حاصل نہیں، لیکن معلوم ہوا کہ نہایت خوب آدمی ہیں۔ اس گرمی کی تعطیل میں انشاء اللہ ان سے ملوں گا۔ جواب کے لئے کارڈ جاتا ہے۔ برا نہ مانیں۔ یہ پارسی صاحب کے اصرار پر لکھ رہا ہوں۔ والسلام ۱۸ رفروری ۱۹۴۷ء

محفوظ

مکرر: آپ کو خط لکھ چکا تھا، تو مجھے ایک بات یاد آئی، ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کو مرأت سکندری کے "مقدمہ" کی نقل کی اشد ضرورت ہے۔ شاید صفحہ ڈیڑھ صفحہ ہے۔ "فہرست" میں نمبر یاد نہیں۔ لیکن "ہندوستان کی تاریخیں" کے ضمن میں اس کا نمبر مل جائے گا۔ براہ کرم کسی کاتب سے نقل کرا کے میرے پاس بھجوا دیں، جو اجرت ہوگی فوراً روانہ خدمت کروں گا۔ لیکن براہ کرم آپ خود اس "نقل" کا "مقابلہ" اصل سے فرمادیں۔ کاتبوں کا حال تو آپ کو معلوم ہے وہ نہایت غلط نقل کرتے ہیں۔

ڈاکٹر چغتائی کو آج ہی خط لکھ رہا ہوں، قاسم علی خاں افریدی کے بارے میں ان سے دریافت کیا ہے۔ والسلام

بنام ڈاکٹر فتح الدین آرزو

۱۶

میرے محترم تسلیم!

ایک ہفتہ کی غیر حاضری کے بعد کل جو پٹنہ سے واپس آیا تو آپ کا مفصل اور مکمل خط ملا۔ الفاظ نہیں کہ آپ

PHYSICS

(71)

وقت، سعد اللہ پور (پٹنہ) میں بکسوں میں بند ہیں۔ اگر گیا تو نکال کر روانہ کروں گا۔ خیام کی قیمت بہت زیادہ یعنی ۳۰ روپے ہے۔ ہمیں جو نسخے ملے تھے وہ تقسیم ہو گئے۔ اس وقت امتحان کے پرچوں کی جانچ میں مصروف ہوں۔ جولائی میں پھر کوئی کام شروع کروں گا۔ انشاءاللہ۔

بقیہ خیریت ہے آپ کی زحمت توجہ اور عنایت کا دوبارہ شکریہ ادا کرتا ہوں۔ چھ سال سے جس چیز کا خواہاں تھا وہ الحمدللہ آج ملی۔ والسلام

۱۰ر اپریل ۴۲ء

محفوظ الحق

(۱۸)

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

مخدوم محترم تسلیم۔

آج دس دن کے بعد آرہ سے واپس آیا تو آپ کا ۱۳ کا مفصل خط ملا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ علی گڑھ [illegible] سے گئے ورنہ اگر آپ نہ جاتے تو معلومات مجھے کون بھیجتا اور اس گہرے مطالعہ کی زحمت کون گوارا کرتا۔ آپ نے ایک عجیب انکشاف کیا، کس زبان سے شکریہ ادا کروں۔ خدا جزائے خیر عطا فرمائے۔ آپ محقق ہیں اس لئے آپ جو کچھ لکھتے ہیں وہ محققانہ انداز میں۔ کوئی دوسرا ہوتا تو صائب و عارف کے خط میں تمیز بھی نہیں کرتا۔

عارف، صائب کا خاص کاتب تھا۔ اسی عارف کے ہاتھ کا ایک نسخہ کلیات صائب کا بانکی پور میں ہے۔ ایک نواب صدر یار جنگ بہادر کے کتاب خانے میں اور چند ایران کے کتاب خانوں میں۔ صائب [illegible] کے بعد بھی زندہ تھا۔ معاصرین کی شہادت کے علاوہ اس کی قبر کا کتبہ چند سال ہوئے ملا ہے۔ اس پر جو سنہ درج ہے وہ یاد نہیں۔ لیکن [illegible] کے چند سال کے بعد ہے۔

آپ یہ سن کر خوش ہوں گے کہ آج ہی مدراس سے کلیات صائب کے پہلے صفحہ کا فوٹو آیا ہے جو تمام و کمال صائب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ پہلے یہ نسخہ نوابان کرناٹک کے پاس تھا اور اب ایک بزرگ کے پاس مدراس میں ہے۔ اب ان دو نسخوں کے فوٹو کا سوال۔ مدراس سے جو فوٹو آیا ہے وہ CABINET سائز سے کچھ بڑا ہے اور نہایت صاف ہے۔ پانچ روپے صرف ہوئے ہیں۔ وہاں کا چارج کیا ہے؟ مزید تحریر فرمائیے کہ روانہ خدمت کر دوں۔ اگر یہ کام یونیورسٹی کے BOTANY یا PHYSICS ڈیپارٹمنٹ میں ہوتا تو بہتر تھا کیونکہ COPY کا کام ذرا مشکل ہے اور ہر فوٹوگرافر نہیں کر سکتا۔

بہرحال اگر آپ کی روانگی سے پہلے یہ کام ہو جاتا تو بہت بہتر ہوتا۔ امید ہے کہ میرا پہلا خط آپ کو ملا ہوگا۔

۲۲ر اپریل ۴۲ء

والسلام اخلاص کیش محفوظ الحق

(۱۹)

بنام مولوی سید الطاف علی صاحب بریلوی

محترم و مکرم تسلیم۔

رسالہ "مصنف" کی دوسری جلد کا آٹھواں نمبر ملا۔ شکریہ قبول فرمائیے۔ آج سے پہلے آپ کا رسالہ میری

نظر سے نہیں گزرا تھا اور افسوس کرتا ہوں کہ کیوں نہیں گزرا تھا۔ اس نمبر کے مضامین علمی و تحقیقی ہیں اور مجھے بے حد پسند آئے۔ آپ کے رسالہ کا معیار بلند ہے۔ ہمیشہ بلند رکھیئے۔ مجھے گزشتہ نمبروں کے دیکھنے کا اشتیاق ہے۔ براہ کرم مطلع فرمائیں کہ گزشتہ نمبر دفتر میں بغرض فروخت موجود ہیں یا نہیں؟ جواب جلد دیں۔ والسلام

۲۱ اکتوبر ۱۹۴۲ء

آپ کا

محمد محفوظ الحق (پروفیسر عربی و فارسی)

مکرر: خطوط رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے پتہ پر نہ ارسال فرمائیں۔

مولوی ابو اللیث صاحب صدیقی، ایم اے کا مضمون "نشی لائبریری کے چند نادر اردو مخطوطات" آپ کے "معنف" یا کسی اور رسالہ میں شائع ہوا ہے یا نہیں؟

مولوی مہیش پرشاد

(۱)

بنام سید مسعود حسن رضوی ادیب

مکرمی!

تسلیم۔ آپ جانتے ہیں کہ اہلِ ہنود کے یہاں دیوالی سے حساب کتاب بدل جاتا ہے۔ چنانچہ امسال کی دیوالی سے میں نے اپنا وظیفہ یہ مقرر کیا ہے —

مانگا کریں گے ہم بھی دعا ہجر یار کی　　آخر تو دشمنی ہے دعا کو اثر کے ساتھ

بھلا غالب کے متعلق میں کب متنفر ہو سکوں گا کہ یہ وظیفہ بدل جائے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔

غالب کے خطوط کے سلسلے میں ضروری ہے کہ دیگر مشاہیر کے خطوط کو بھی حتی الامکان بخوبی دیکھ لوں۔ چنانچہ اسی امر کے باعث "مشاہیرِ اردو کے خطوط" نامی ایک چھوٹی سی کتاب تیار ہوگئی جو علیحدہ ارسالِ خدمت ہے۔ براہِ مہربانی اس کے متعلق اپنی قیمتی رائے کا اظہار کیجیے اور مجھ کو شکرگذاری کا موقع بخشیے۔ مزید شکرگذاری خطوطِ غالب سے متعلق ہے۔

بندہ: مہیش پرشاد۔ صدر شعبہ فارسی و اردو۔ مؤلف خطوطِ غالب وغیرہ

ہندو یونیورسٹی بنارس ۸ دسمبر ۱۹۳۲ء

(۲)

بنام ڈاکٹر زور

بندہ نواز!

تسلیم۔ امید کہ آپ بخیریت تمام پہنچ گئے ہوں گے اور اپنے کام کاج میں ہمہ تن مصروف ہوں گے لیکن ذرا ان امور کے لئے تکلیف فرمایئے:

۱۔ سہرا کب کہا گیا تھا۔ جس اخبار میں درج ہوا اس کا حوالہ رقم فرمایئے۔

۲۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ عالیجناب نواب سالار جنگ کے کتب خانہ میں مرزا غالب کا ایک قصیدہ ہے اور چند خطوط ہیں ان کی

نقلیں مرحمت فرمائیے۔

۳۔ ہز ایکسیلنسی مہاراجہ سرکشن پرشاد صاحب کے پاس اگر مرزا کے خطوط بنام جناب میرن صاحب ہوں تو ان کی نقلوں کے لئے کوشش کیجئے۔

اتنا کام کچھ کم نہیں کر اور لکھوں۔ باقی آئندہ۔

خدا کرے کہ موقع پھر ایسا ہو کہ جلد ملاقات ہو سکے۔ زیادہ سلام!

احقر العباد: مہیش پرشاد۔ ہندو یونیورسٹی بنارس ۹ فروری ۱۹۳۶ء

(۳)

بنام ڈاکٹر زور

لطف و کرم فرمائے من!

تسلیم۔ سب سے پہلے میں ندامت کا اظہار ضروری خیال کرتا ہوں۔ اس کے بعد معافی کا خواستگار ہوں۔ آپ کے اخلاقِ کریمانہ کا مداح ہوں۔ اگرچہ میری طرف سے جواب دینے میں کوتاہی ہوئی تاہم آپ نے مجھے برابر یاد و شاد کیا۔ شکریہ و دلی شکریہ قبول فرمائیے۔

حال یہ ہے کہ پچھلے دنوں صحت اچھی نہ تھی اسی حال میں بعض امتحانی امور کی تکمیل سے بھی گریز نہ ہو سکتا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ اب اچھا ہوں اور غالب کے باب میں کچھ نہ کچھ لکھ رہا ہوں۔

آمدم برسرِ مطلب، دستنبو[1] (مطبوعہ بریلی) و لطائف غیبی[2] کے نسخے مل چکے ہیں شکریہ۔ ان کے لئے آپ تکلیف نہ فرمائیے۔ ہاں اگرچہ دستنبو کا وہ نسخہ میسر آئے جو مطبوعہ آگرہ سنہ ۱۸۵۸ء ہے تو وہ کام کا ثابت ہوگا۔ عرصہ ہوا کہ میں نے اسے دیکھا لیکن پھر بھی دیکھنے کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ نامۂ غالب کا محض وہ ورق ہاتھ لگا ہے جس کے آخر میں درج ہے:

"الحمد للہ کہ بحکم الدولہ اسد اللہ خاں مرزا غالب کا خط موسومہ مرزا رحیم بیگ صاحب الخ"

القصہ نامۂ غالب[3]، سبد چین[4] اور رسالہ آئینۂ ادب حیدرآباد کے نسخوں کو بذریعہ رجسٹری بھیجنے کی تکلیف گوارا فرمائیے۔ آج کل کالج بند ہے اور میری صحت بھی درست ہے لہٰذا حتی الامکان جلد نامۂ غالب، سبد چین سے ضروری امور کو نوٹ کر کے انہیں واپس بھیج دوں گا۔ رسالہ آئینۂ ادب کا یہاں میسر آنا ناممکن امر ہے اور آنجناب کا گراں بہا مضمون یقیناً ایسا ہے کہ میں اس رسالے کو اپنے پاس رکھوں۔ پس صاف بات یہ ہے کہ رسالے کی قیمت کے ٹکٹ اس وقت بھیج دوں گا جس وقت نامۂ غالب اور سبد چین کو واپس کروں گا۔ ظاہر ہے کہ رسالہ کو علیحدہ بذریعہ ڈاک منگانا ناحق خرچ بڑھانا ہے۔ لہٰذا آپ کو تکلیف دے رہا ہوں کہ آپ میرے لئے

---

[1] غالب کی فارسی کتاب حالاتِ غدر کے متعلق۔ [2] غالب کی کتاب بہ زبان اردو مباحث "برہانِ قاطع" کے سلسلے کی ایک کڑی۔

[3] نامۂ غالب مباحث "برہانِ قاطع" کے سلسلے کی ایک کڑی۔

[4] غالب کا وہ فارسی کلام جو کلیاتِ فارسی کی اشاعت کے بعد چھپا۔

رسالہ زحمتاً خرید کر کے ارسال کرنے کی تکلیف گوارا فرمائیں۔

نامۂ غالب اور سبد چین کے بعد غالب کی کتابوں میں سے پنج آہنگ کا وہ نسخہ باقی رہ جاتا ہے جو کہ سنہ ۱۸۴۹ء میں دہلی سے شائع ہوا تھا اس کے میسر آنے پر بعض خطوط کی تاریخوں پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ امید کہ آپ کی سعی بلیغ سے اس کا دیکھنا بھی نصیب ہوگا۔ زیادہ یہ کہ آپ کی عنایات کا پھر شکر گذار اور اپنی کوتاہی پر معافی کا خواستگار ہوں۔

احقر العباد: مہیش پرشاد۔ ہندو یونیورسٹی بنارس ۲۴ جون سنہ ۱۹۳۶ء

(۴)

بنام ڈاکٹر زور

لطف و کرم فرمائے من!

تسلیم۔ میں نہیں جانتا کہ کن الفاظ میں معذرت کا خواستگار بنوں۔ آپ کی زبردست عنایت ایک طرف اور میری غفلت دوسری طرف۔ چونکہ پچھلے مہینے میں یونیورسٹی بالکل بند تھی (اور اب ۹ جولائی کو کھلے گی) میری صحت بھی بالکل درست ہے۔ لہٰذا غالب کے باب میں بعض جگہوں میں پہنچنا مصلحت آمیز امر تھا۔ چنانچہ پچھلے دو مہینے کے اندر کئی مقامات میں پہنچا اور کچھ مفید مواد حاصل ہوا۔ ڈاک خانے کو پتہ دے گیا تھا لہٰذا ڈاک برابر ملتی تھی۔ پہلے آپ کا لفافہ ملا اور اس کے بعد آئینۂ ادب کے دو گراں قدر پرچے ملے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ چیڑی اور دو دو، ایک تو یہ کہ آپ نے میری ناچیز التماس پر اخبارات کی اوراق گردانی فرمائی دوسرے یہ کہ مجھ ناچیز کو یاد کر کے ممتاز فرمایا۔

دوران سفر میں اطمینان کے ساتھ خطوط کا جواب دینا مشکل امر تھا۔ لہٰذا آج جواب دے رہا ہوں جبکہ بنارس پہنچ گیا ہوں۔ یونیورسٹی ۹ جولائی کو کھل رہی ہے۔ اب کہیں اور جانا مشکل امر ہے۔ ہاں یہ بھی عرض کر دوں کہ میں نے یونیورسٹی سے تین ماہ کی رخصت مانگی ہے۔ نامۂ غالب کی تکمیل حتی الامکان جلد ہو سکے۔ رخصت کے بارے میں ابھی مناسب فیصلہ نہیں ہوا لیکن قوی امید ہے کہ فیصلہ میرے حق میں ہوگا۔

بھلا نامۂ غالب اور سبد چین کب تک رونمائی کی زحمت برداشت کریں گے۔ آئینۂ ادب بلاشبہ ایک عمدہ رسالہ ہے۔ میں بھی کچھ لکھوں گا لیکن ذرا اطمینان نصیب ہو جانے کے بعد۔ متوقع ہوں کہ جواب میں جو دیری ہوتی ہے اس کے لئے آپ مجھے معاف فرمائیں گے اور چونکہ میں زور نہیں ہوں لہٰذا آہستہ آہستہ ہی کام کر سکتا ہوں۔

احقر العباد: مہیش پرشاد۔ ہندو یونیورسٹی بنارس۔ یکم جولائی سنہ ۱۹۳۶ء

(۵)

بنام ڈاکٹر زور

لطف و کرم فرمائے من!

تسلیم۔ آپ یہ جان کر خوش ہوں گے کہ مطلوبہ کتب میں سے دیوان غالب اردو مطبع احمدی مہتمم امیر جان والا نسخہ نہیں ملا۔ نامۂ غالب آپ بھیج ہی دیں گے۔ باقی کتابیں مل گئیں بہت اطمینان ہے آج چھٹا روز ہے کہ میں چھٹی پر ہوں اور ہمہ تن

غالب میں لگا ہوا ہوں۔ آپ براہ کرم نامۂ غالب بذریعہ رجسٹری مرحمت فرمائیے۔ جلد واپس کر دوں گا۔ آج کل سوائے غالب کے دوسرا کام نہیں۔ سید حسین کے تین نسخے دہلی میں میسر آ گئے اس لئے مطلق ضرورت نہیں۔ اس کے بھیجنے کی تکلیف نہ فرمائیے۔ باقی خیریت ہے۔

احقر العباد: مہیش پرشاد۔ ہندو یونیورسٹی بنارس ۲۲؍ نومبر ۱۹۳۶ء

(۶)

[illegible] رام

میرے کرم فرما!

تسلیم۔ آپ کے دو خطوط ملے۔ میں جواب نہ دے سکا۔ حال یہ ہے کہ میں [illegible] گیا تھا۔ وہاں ہی طبیعت کچھ خراب ہو گئی۔ دہلی تک نہ جا سکا۔ حضرت قتیل کے بارے میں کچھ نہ جان سکا۔ میرا مطلب اس کتاب سے تھا جس کا ذکر آپ نے کیا ہے۔ میں نے اسے سرسری دیکھا تھا۔ ایک صاحب آگرے کے ہیں وہ علمی قتیل پر کچھ لکھ رہے ہیں۔

دیوان غالب اڈیشن اول کی نقل میں تقریباً سات آٹھ روپے کا صرفہ ہے۔ ہاں یہ امر واضح رہے کہ اکثر صفحات کرم خوردہ ہیں، پس کچھ اشعار کی ترقیم دوسرے نسخوں کے سہارے ہو سکتی ہے۔ نقل کرانے میں کچھ تامل نہیں لیکن معاملہ زیادہ سودمند نہیں معلوم ہوتا۔ جیسا ارشاد ہو کیا جاوے۔ میں ڈھائی مہینے سے بیمار ہوں لیکن اب صحت پہلے سے اچھی ہے۔ تردد نہ کیجئے۔ امید کہ مارچ کے آخیر یا یوں کہئے اپریل کے دوسرے ہفتے تک بالکل اچھا ہو جاؤں گا۔

مصر کے دو چار اخبار جو آ سکتے ہوں بھیج دیجئے۔ ذرا موجودہ زبان سے کچھ فائدہ اٹھاؤں گا۔ کیا قرآن شریف کا کوئی ایسا نسخہ دستیاب ہوا جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں۔

جواب بہت دیری کے بعد آپ کی خدمت میں پہنچ رہا ہے۔ معاف کیجئے۔

مہیش پرشاد۔ ہندو یونیورسٹی بنارس ۸؍ مارچ ۱۹۴۰ء

(۷)

نصیر الدین ہاشمی

بندہ نواز!

تسلیم۔ شکر ہے کہ میرے ناچیز مسودے کو آپ نے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا۔ ایک عرض ہے کہ مجلس اشاعت دکھنی مخطوطات سے جو کتابیں شائع ہو چکی ہیں ان کی مکمل فہرست چاہئے تاکہ کتابوں کا نام و دام معلوم ہو جائے تو لائبریری میں منگائی جا سکیں۔ اگر فہرست مطبوعہ نہ ہو تو کتابوں کا نام و دام لکھوا کر بھجوا دیجئے۔ بہت شکر گزار ہوں گا۔ میں نے مجلس اشاعت کو لکھا تھا مگر جواب سے محروم رہا۔ اس لئے زحمت دے رہا ہوں۔

خواتین دکن کی اردو خدمات کو میں نے ابھی تک نہیں دیکھا منگائی جائے گی۔ بہت بہت شکریہ۔

دستخط مہیش پرشاد صدر شعبۂ اردو بنارس ۱۳؍ فروری ۱۹۴۷ء

خدا کرے کہ آپ جلد ہندوستان تشریف لاویں اور ہفتہ دو ہفتہ بنارس میں رہنے کا اتفاق ہو۔
جون پور ممالک متحدہ میں ایک اہم شہر ہے۔ یہاں کے علماء کا تذکرہ فارسی مع انگریزی ترجمہ شائع ہوا ہے۔ غالب کے کسی شاگرد یا مکتوب الیہ کا ذکر اس میں نہیں۔ اگر اس کی ضرورت ہو تو لکھئے گا۔ اس تذکرے کا علم بہت کم لوگوں کو ہے۔ میں جونپور گیا تھا اتفاقاً مجھے اس کا علم ہوا ورنہ میں بھی اسے نہ جانتا تھا۔ خمخانہ کی جلدیں بذریعہ ڈاک ہفتہ عشرہ بعد روانہ کر سکوں گا۔ کیونکہ چند روز کے لئے الہ آباد ضرور جانا چاہئے۔

مہیش پرشاد۔ ہندو یونیورسٹی بنارس ۳، مئی ۱۹۴۷ء

(۹)

محترم و مکرم!
نمستے۔ ایک لفافہ بھیج چکا ہوں۔ پہنچا ہوگا۔ خمخانۂ جاوید کی جلدیں دو پیکٹوں میں کر کے بھیج رہا ہوں۔ کیونکہ ایک پیکٹ میں جا نہیں سکتی ہیں۔ جلد دوم ۶/۔ چہارم ۴/، پنجم ۵/۔ جلد دوم کا دام بڑھا دیا ہے۔ بہت کم کاپیاں اس کی ہیں۔ کچھ بالکل خراب حالت میں ملیں۔ ان میں سے جو اچھی نکلی وہ بھیج رہا ہوں۔ ایک بک سیلر کی معرفت خریدا ہے۔ اس کو کل ۱۱/۴ روپئے پڑے ہیں۔ ۲۵ فی صدی کمیشن ہو گیا ہے۔
جو کتابیں ضروری ہوں ان کو بھیجنے کا انتظام کروں گا۔ جناب داغ کی اگر ضرورت ہو تو آئندہ بھیج دیا جائے گا۔ اس کے بھی بہت کم نسخے رہ گئے۔ فی کاپی تین روپیہ دام ہے۔ باقی سب خیریت ہے۔

بندہ مہیش پرشاد

بعض لوگ مختلف ملکوں کے استعمال شدہ ڈاک خانے کے ٹکٹوں کو چاہتے ہیں۔ مختلف قیمتوں کے استعمال شدہ کچھ ٹکٹ بھیجنے کی زحمت گوارا فرمائیے گا۔ ڈاک خانہ کی ہدایت کے بموجب کتابوں کو پیک کیا ہے تاکہ حسب ضرورت ڈاک خانہ ان کی جانچ کر سکے۔

بندہ مہیش پرشاد۔ ہندو یونیورسٹی بنارس ۱۷، مئی ۱۹۴۷ء

(۱۰)

بندہ نواز!
نمستے۔ آپ کا ایک خط مورخہ ۲۰ مئی اور دوسرا مورخہ ۱۱ جون دونوں ایک ساتھ ۱۹ جون کو ملے۔ شکریہ۔ ہاں چیک بھی مل گیا۔

میں ۲۵ جون کو دلی جا رہا ہوں۔ دیکھوں گا اگر کوئی کتاب کام کی مل گئی تو سب کو ایک ساتھ بھیجوں گا۔ ہاں اگر کچھ کتابیں میسر آگئیں تو جلدان کو بھیج دوں گا۔ تینوں کتابیں علیحدہ بھیج رہا ہوں۔ جناب داغ، اس کے آخر میں جو تاریخیں ہیں ان سے بعض واقعات کا

(11)

اس درمیان میں کچھ جان نہیں سکا۔ ان کے پاس علمی و ادبی کتابیں تھیں۔ کسی کتب خانہ کو دے گئے ہیں۔

کلیانی میری سب سے بڑی لڑکی ہے۔ اس کی شادی ۲۳ اکتوبر کو ہوگی۔ کیسے کہوں کہ آپ شریک ہو کر عزت افزائی کریں۔ ہاں یہ ضرور عرض کروں گا کہ دعائے خیر کریں کہ یہ کام بخوبی سرانجام پائے اور وہ آئندہ سکھی رہے۔

پنجاب میں جو کچھ ہوا ہے اس سے آپ کے اعزہ و اقارب کو نقصان ضرور پہنچا ہوگا۔ خدا کرے کہ بخیر و عافیت ہوں۔

کلیانی کی شادی کے معاملات میں بھی وقت زیادہ صرف ہو رہا ہے۔ ضعیفی اور مصروفیت کے باعث۔ الات عجیب پیش آئے بمشکل تمام خطوط کل ملے۔ آج جواب دے رہا ہوں۔ مجبوری ہے۔

کلیات خواجہ عزیز لکھنوی کے لئے لکھنؤ میں کوشش کی نہیں ملی۔ تدبیر بلگرامی کا تذکرہ جلوۂ خضر کو اپنے لئے میں نے پہلے تلاش کیا تھا، نہیں ملا۔ بنارس سنسکرت کالج کے پرنسپل گریفتھ کا انگریزی (و بد نہیں ملتا۔ تاہم دکان داروں سے کہہ دیا ہے۔ اگر میسر آیا تو خرید لوں گا۔

جنون صاحب کے حالات لکھ چکا ہوں۔ جوہر کے بارے میں آپ کیا چاہتے ہیں۔ جس خط میں جوہر کے بارے میں آپ نے تفصیلی باتیں لکھیں وہ تو مجھے ملا نہیں۔ مکرر تکلیف کر کے لکھئے۔

خطوط غالب کے متعلق جو آپ کے خیالات ہیں ان پر عندالفرصت غور کروں گا تب لکھوں گا تاہم سہوں کے باب میں کچھ لکھنا بڑا بھاری کام ہے۔

مہتاب داغ ۴/۲ تذکرہ علمائے جون پور -/۳ ہے۔ روپوں کی ضرورت نہیں۔ ہندوستانی اکاڈمی کا حال اردو کے حق میں اچھا نہ رہے گا۔ یوپی میں ہندی کا زور ہے۔ خطوط غالب ممکن ہے کہ کبھی اور چھپیں۔ ہندوستانی اکاڈمی اردو کے لئے بہت وہ غالباً نہ صرف کر سکے۔ الہ آباد جاؤں گا تو پتہ لوں گا کہ کیا ہو سکتا ہے۔

جو ٹکٹ آپ نے ا[illegible] سال کئے ملے۔ بہت بہت شکریہ۔ ٹکٹوں کے لئے مزید تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔ جو باسانی میسر آئیں متفرق طور پر صرف انہی کو کبھی کبھی بھیج دیا کیجئے۔

منشی نبی بخش حقیر کے نام کے خطوط کو میں نے دہلی میں جناب آفاق صاحب کے پاس دیکھا تھا۔ اصلی خط نہیں نقلیں ہیں لیکن مصنوعی یا جعلی نہیں۔ ان سے جو باتیں ہوئیں ان کی وجہ سے مانگنا مناسب نہیں خیال کیا۔

میں اچھا ضرور ہوں لیکن تفکرات کا شکار ہوں۔ کلیانی کی شادی ہوگئی مگر اس کی تعلیم کا معاملہ ڈانواں ڈول ہے۔ وہیں (ب۔ ٹی) کی تعلیم کے لئے بمشکل تمام اس کا داخلہ ہوا تھا مگر اس کے پڑھانے کے لئے ٹال مٹول ہو رہا ہے۔

آپ کے لئے کوئی اور کتاب خرید نہیں سکا۔ قرآن شریف مطبوعہ طہران بہت اچھا ہے۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر کہ میرے پاس مصر، ترکی اور ایران کے مطبوعہ نسخے ہو گئے ہیں۔ رسم الخط کے اعتبار سے سبھوں میں کچھ نہ کچھ فرق ہے۔ اس امر کے متعلق ایک اچھا مضمون لکھا جا سکتا ہے لیکن فرصت کہاں۔ ہندوستان کے جو حالات ہیں ان کی وجہ سے خطوط غالب جلد دوم کی طباعت میں عجلت سے کام نہ ہوگا۔ چاندں و بیدوں کے انگریزی ترجمہ کی بابت دریافت کیا۔ بیتہ آنا و شعار ہے۔

نم نہاتہ جادیہ کی تکمیل کا کام جناب پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی صاحب کی ذات خاص کے ساتھ وابستہ ہے۔ پانچویں جلد کے

بعد انہوں نے اور کیا لیا ہے، کچھ پتہ نہیں۔ تکمیل کی صورت مشکل ہی معلوم ہوتی ہے۔

جناب جنوری کے نام کے صحیح لفافے میری نظر سے گزرے ہیں۔ ان میں سب سے پرانا لفافہ ۱۲ اکتوبر ۱۸۵۳ء کا تھا۔ اس کے متعلق کچھ نوٹ کیا تھا مگر وہ اب مل نہیں رہا ہے۔ تلاش کرکے پھر لکھنے کی کوشش کروں گا۔ زیادہ سلام!

بندہ مہیش پرشاد۔ ہندو یونیورسٹی بنارس۔ ۱۹۴۰ء

آپ کی مطلوبہ کتب کے لئے کوشش کروں گا کہ جلد مہیا کر لوں۔ قیمت از میری طرف سے ناچیز ہدیہ ہے۔

مہیش پرشاد

(۱۲)

بنام مالک رام

مہربانم!

نمستے۔ صاف بات یہ ہے کہ ۲۳ اکتوبر کو کلیانی کی شادی ہوئی۔ اس سلسلے میں کاغذات ادھر ادھر ہو گئے۔ آپ کے خطوں کو اپنے خیال میں ایسی جگہ رکھا کہ مل جاویں گے مگر دوسری بات یہ ہے کہ کلیانی سے چھوٹی جو اس کی بہن ہے وہ بھی قابل شادی ہے۔ اس امر کی جستجو ہے کہ اپریل تک اس کی شادی ہو جائے۔ ایشور مالک ہے۔

آپ کے وطن مالوف میں آپ کے عزیز و رشتہ داروں کا کیا حال رہا۔ کب تک ہندوستان میں آپ قدم رکھ سکیں گے؟

زیادہ زیادہ معافی کا خواستگار۔

میں سمجھتا ہوں کہ بہت سی باتیں قریب قریب تمام باتوں کا جواب لکھ چکا۔ باقی کیا ارشاد مزید ہے۔ فقط!

مہیش پرشاد۔ ہندو یونیورسٹی بنارس ۱۱ دسمبر ۱۹۴۷ء

(۱۳)

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب آرزو

مہربانم!

تسلیم۔ آپ کا لفافہ محررہ ۱۴ جون ملا۔ آپ کی تجاویز بہت عمدہ ہیں۔ خدا کرے کہ پوری کامیابی نصیب ہو۔

میں اس وقت تعطیل گرما کی وجہ سے امرکنٹک کے پہاڑی علاقوں میں آیا ہوں۔ ہفتہ عشرہ کے بعد بنارس واپس پہنچ جاؤں گا اس وقت غالب اور برہان قاطع یا سبد چین کے بارے میں مضمون لکھوں گا۔ غالب کے فارسی کلام کا ایک مجموعہ بنام میخانۂ آرزو خدا بخش لائبریری پٹنہ میں ہے۔ ابتدا میں فارسی کلام اسی نام سے لکھا ہوا ہے۔ حسن اتفاق کہ آپ اس وقت بآسانی اس کو دیکھ سکتے ہیں۔ غالب کے متعلق جو مفید اور اچھے مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی مبسوط فہرست بڑے کام کی ہو گی۔ ہاں اس کی تیاری میں کافی محنت و احتیاط کی ضرورت ہے۔

پنج آہنگ کے تین قلمی نسخے تیار ہیں۔ میں نے ان کے متعلق ایک مضمون نگار لکھنؤ میں چھپنے کے لئے کسی وقت بھیجا تھا۔ خدا جانے کہ وہ اس میں چھپا تھا کہ نہیں۔ مثنوی ابر گہر بار کا بھی ایک قلمی نسخہ ہے۔ اگر آپ چاہیں تو اس کے بارے میں

(۱۵)

بنام مالک رام

جناب من!

تسلیم۔ آپ کا خط مورخہ ۸ دسمبر ملا۔ مجھے یہ معلوم کر کے افسوس ہے کہ آپ آلام و مصائب کے شکار رہے۔ عمر کے بعد [illegible] ہونا چاہیے۔ امید کہ اب آپ اچھی حالت میں ہوں گے۔ ہندوستانی اکاڈمی خطوط غالب شائع کرے یہ امر قریب قریب ناممکن ہے۔ وجہیں کیا ہوتا ہے۔ ہر ایک پبلشر کے بس کا کام نہیں کہ وہ خطوط غالب شائع کر سکے۔ ڈرتا ہوں کہ جو کچھ جمع کیا ہے وہ بیکار نہ جائے۔ میرے بعد میرے اکٹھے کئے ہوئے مواد سے ہر ایک فائدہ اٹھا کر یا سب کام کر سکے یہ امر ناممکن ہے۔

خطوط غالب کے علاوہ مکتوب الیہم کی بابت جو کچھ میرے پاس ہے وہ کچھ اہم نہیں ہے۔ لاتقنطوا من رحمۃ اللہ۔

آپ نے آئندہ رسال آنے کے لئے لکھا ہے۔ خیر جو ہو رہی غنیمت ہے۔ کوشش کر رہا ہوں کہ کوئی اچھا پبلشر مل جائے جو خطوط غالب و دیگر متعلقات کو شائع کرے۔ فقط زیادہ سلام!

مہیش پرشاد۔ ہندو یونیورسٹی بنارس ۲۰ دسمبر ۱۹۴۸ء

(۱۶)

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

جناب من!

تسلیم۔ کارڈ ملا۔ میگزین بھی ملا۔ سارا میگزین تو نہیں صرف اپنی دلچسپی والا حصہ تو ضرور پڑھا۔ تاہم یہ ضرور کہوں گا کہ میگزین خوب ہے۔ نہایت ہی کاوش و جانفشانی سے ایڈٹ کیا گیا ہے اور عمدہ و دلچسپ مضامین کا ایک نفیس گلدستہ بنایا گیا ہے جس کے لئے بلا شبہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ غالب کے متعلق آپ کے یہاں کافی جمع ہو گیا ہوگا۔ میرے پاس والا ابھی رہنے دیجئے۔ کچھ غیر مطبوعہ مواد کتاب کے ساتھ ہی شائع ہونا مناسب رہے گا۔ معاف کیجئے اس کی تلافی دوسرے ڈھنگ سے بھی کچھ نہ کچھ کر دوں گا۔ جناب قاضی صاحب کا مضمون "غالب کی راست گفتاری" آپ نے چھاپا اور صفحہ ۲۱ پر بھی آپ نے ان کے متعلق بھی کچھ چھاپ دیا...... میرے پاس بھی چند مشاہیر کے خطوط بنام راقم الحروف ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو وقتاً فوقتاً کچھ بھیج دوں گا۔ اس وقت غالب نمبر میں میرا ایک ہی مضمون کافی ہے۔ پھر کچھ اور کسی وقت لکھ دوں گا۔ غالب کی ایک کتاب "دستنبو" لٹن لائبریری میں ضرور ہے۔ کچھ محنت کیجئے اور کتابیں بھی وہاں میسر آئیں گی۔ خطوط غالب ممکن ہے کہ اکاڈمی نہ شائع کرے یا نہ کر سکے۔ ایسی حالت میں کیا مسلم یونیورسٹی چھاپنے کے لئے تیار ہو گی۔ متن دو حصوں پر مشتمل ہے۔ دو حصوں میں مقدمہ مرزا کا حال و مکتوب الیہم وغیرہ کے حالات ہوں گے۔ میرے خیال سے بعض حواشی کا ہونا بھی مناسب ہے۔ عالی مقام جناب سر سید صاحب کا ایک خط بنام مولانا عبدالحی صاحب مصنف گل رعنا ہے وہ مجموعہ خطوط سر سید میں شامل نہیں۔ میں نے اسے ایک ناچیز تالیف میں شامل کر دیا ہے۔ زیادہ عفو کا طالب!

احقر العباد: مہیش پرشاد۔ ہندو یونیورسٹی بنارس ۲۹ دسمبر ۱۹۴۸ء

(۱۷)

بنام قاضی مختار الدین احمد آرزو

جناب آرزو صاحب!

تسلیم۔ میری یہ آرزو ہے کہ آپ کچھ تکلیف میرے لئے کریں:۔

مرزا غالب کے دو خط فرقانی نام کے ایک شاہ صاحب کے نام ہیں۔ مجھے صرف یہی معلوم ہو سکا ہے کہ فرقانی صاحب میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد عابد صاحب کمشنر دہلی کے یہاں میر منشی تھے۔

میرے پاس گلشن بے خار نہیں۔ ممکن ہے کہ ان کے حالات اس میں ہوں۔ اگر آپ حالات مختصراً بہم پہنچائیں اور ماخذ کا حوالہ بھی دیں تو بہت شکر گذار ہوں گا۔ تصدیعہ کے لئے معافی کا خواستگار!

بندہ مہیش پرشاد۔ ہندو یونیورسٹی بنارس ۲۶ فروری ۱۹۴۹ء

(۱۸)

...ر مالک رام

جانِ من! الفت

کسی سے مصیبت کا احوال کہنا مصیبت سے ہے یہ مصیبت زیادہ

پچھلے دنوں خوب گرمی پڑی۔ چھٹیاں بھی مختلف مقامات میں رہا۔ ۱۸ جولائی سے یونیورسٹی کھلی ہے اب بنارس میں ہوں۔

قاضی عبدالودود صاحب بیرسٹر بانکی پور وقتاً فوقتاً غالب کے متعلق لکھا کرتے ہیں۔ ان کی کوشش ہے کہ غالب کی ایک تصنیف ناقدانہ حیثیت سے شائع ہو۔ آج بھی ان کا خط آیا ہے کہ کئی تصانیف کے نسخے تیار ہیں۔ طباعت و اشاعت کا مسئلہ مشکل ہے۔ میری کتاب کی اشاعت ہندوستانی اکاڈمی الٰہ آباد کی بدولت ہوئی۔ اب ہندوستانی اکاڈمی آئندہ غالباً ہندی کا ہی کام کرے گی۔ میری کتاب کی طباعت کا حق مجھے دے دیا ہے۔ میں اس فکر میں ہوں کہ کتاب شائع ہو۔ یہ کام مشکل ہے۔ مشکل تمام پہلے سب کچھ اکٹھا کیا اب طباعت کا معاملہ حل کروں۔

افوار بک ڈپو لکھنؤ نے میری کتاب کا بیشتر حصہ چھاپ لیا ہے۔ ان کے نام نوٹس دیا ہے۔ اب کوئی صورت اس کے سوا اور نہیں معلوم ہوتی کہ ان کے ساتھ عدالت میں چارہ جوئی کروں۔ چنانچہ دو مسئلے در پیش ہیں۔ طباعت کا اور مقدمے کا۔

غالب کی جو اصلی تحریریں میرے پاس جمع ہیں ان کا بلاک تیار کرا کر ان کو کتابی صورت میں شائع کرنے کا ارادہ کر رہا ہوں۔ تاکہ ان کی تحریروں کے نمونے بذریعہ عکس لوگوں کے پاس رہیں اور اصلی تحریریں کہیں محفوظ رہیں۔ اگرچہ پچھلے ایام میں غالب کی کافی تحریریں شائع ہوئی ہیں۔ پھر بھی میرے پاس کچھ ایسی ہیں جو کہ ابھی شائع نہیں ہوئیں اور ہنوز میرے پاس محفوظ ہیں۔ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔

غالب کے نام جو خطوط مختلف حضرات کے ہیں ان کا مجموعہ بھی چھوٹا سا تیار ہو گیا ہے۔ ایسے مجموعے میں کچھ خط از مرزا غالب بطور جواب یا جواب الجواب ٹھہرتے ہیں۔

آپ ہندوستان کب تشریف لائیے گا اور کیا کر رہے ہیں۔ تفکرات سے فارغ البال ہیں کہ نہیں۔ فقط!

مہیش پرشاد۔ ہندو یونیورسٹی بنارس ۲۲ جولائی ۱۹۴۹ء

(۱۹)

بنام مالک رام

بندہ نواز!

نمستے۔ میں سمجھتا تھا کہ آپ کا خط عدن سے آوے گا۔ عدن میں کسی وقت بخات وغیرہ پہنچوں گا۔ پچھلے دنوں بمبئی گیا تھا وہاں عدن کا کرایہ بھی دریافت کیا تھا۔ لیکن آپ تو ابھی مصر میں ہی ہیں۔ خیر جہاں رہیں بخیریت رہیں۔

آپ کبھی آویں، سب دیکھیں تو کسی نتیجے پر آپ پہنچ سکتے ہیں۔ زیادہ لکھنا مشکل امر ہے۔ خم خانۂ جاوید کی جلد سوم مل سکتی ہے۔ دام تقریباً پانچ روپیہ ہوگا۔ دیوان اثر نہیں مل سکتا۔ میرے پاس نہیں ہے۔ اورینٹل کانفرنس کی کارروائی غالباً ایک سال بعد شائع ہوگی۔

میری صحت کبھی اچھی کبھی خراب رہا کرتی ہے۔ پچھلے دنوں گڑبڑ ہوگئی۔ اب اچھی ہے۔

باقی خیریت ہے۔ ۲۶ جنوری کو ریپبلک (REPUBLIC) یوم منایا گیا۔ اس روز نئے ٹکٹ چلے۔ دو بھیج رہا ہوں۔

بندہ مہیش پرشاد، ہندو یونیورسٹی بنارس ۸ مارچ ۱۹۵۰ء

(۲۰)

بنام مالک رام

کرم فرمائے من!

نمستے۔ میں اس وقت یونیورسٹی بند ہونے کی وجہ سے دہلی میں ہوں۔ ۳ جولائی تک دلّی میں رہوں گا۔ بعدہٗ بنارس واپس پہنچ جاؤں گا۔

خم خانۂ جاوید کی تیسری جلد ہندو یونیورسٹی کے کتب خانہ میں ہوگی۔ وہ وہاں سے غالباً مل جاوے گی۔ جلد اوّل کا ملنا مشکل امر ہے۔ میرے دو ایک کرم فرما اس کے طالب ہیں۔ عرصہ سے تلاش میں ہوں مگر کوئی نسخہ میسر نہیں آیا۔

لکھنؤ کے انوار بک ڈپو پر نالش کر چکا ہوں۔ تقریباً سال بھر معاملہ کشاکش میں پڑا رہا۔ مجبوراً عدالت میں جانا پڑا ہے۔ ممکن ہے کہ اگست میں معاملہ کچھ طے ہو جائے۔ جو کچھ ہوگا عرض کروں گا۔

آپ عراق میں آ گئے ہیں۔ اسکندریہ کی بہ نسبت ہندوستان سے زیادہ نزدیک ہے۔ جی چاہتا ہے کہ کسی وقت بغداد پہنچ کر نیاز حاصل کروں۔ اچھا یہ ہوگا کہ جب آپ ہندوستان تشریف لائیں تو آپ کے ساتھ بغداد چلوں۔ اس وقت تک آپ بھی بغداد و عراق کے دیگر مقامات سے بخوبی واقف ہو جاویں گے۔

نادرات غالب کے نام سے ایک کتاب جناب آفاق دہلوی صاحب نے مرتب کی ہے۔ اس میں مرزا کے خطوط بنام منشی نبی بخش ہیں۔ ان خطوط کے علاوہ کچھ کارآمد اس میں اور ہیں۔ امید کہ ملاحظہ کیا ہوگا۔ نگار لکھنؤ کے دو نمبروں میں ان مطبوعات کا ذکر ہے جن میں غالب کے بارے میں کچھ نہ کچھ مندرج ہے۔ جواب بنارس کے پتے پر ہی بھیجئے گا۔

بندہ مہیش پرشاد۔ ہندو یونیورسٹی بنارس ۲۴ جون ۱۹۵۰ء

(۲۱)

بنام مالک رام

بندہ نواز!

نسخۂ لفافۂ ملا۔ ایک خط رجسٹر کیا کراچی سے بھیجا تھا۔ ان دنوں بیماری کی وجہ سے دلّی ہی میں تھا۔ اب بنارس میں ہوں۔ کھانسی ابھی پوری نہیں چھوٹی۔ مزید تکلیف ایک پھوڑے سے پیدا ہو گئی ہے جو پیٹھ میں داہنی طرف اوپری حصے میں ہے۔ بہہ گیا ہے زخم بھر رہا ہے۔ بیس دن سے زیادہ ہو چکے۔ غالباً دس دنوں میں درست ہو گا۔

میری کتاب خطوطِ غالب کا تقریباً ۲/۳ حصہ انوار بک ڈپو لکھنؤ نے چھاپا۔ مقدمے کی نوبت آئی۔ کافی دوڑ دھوپ کرنی پڑی خیر صلح ہو گئی۔

۳۰ جون تک یونیورسٹی میں ملازم رہوں گا۔ ساٹھ سال کا ہو چکا ہوں۔ ریٹائر ہوں گا۔ کہاں رہنا ہو گا کچھ پتہ نہیں۔ غالب کی تکمیل کا خیال ہے۔ صحت کی خرابی کی وجہ سے بہت کم کام اس درمیان میں کر سکا۔

آپ ہندوستان کب تشریف لاویں گے۔ کب آپ کا نیاز حاصل ہو گا؟ فقط!

مہیش پرشاد۔ ہندو یونیورسٹی بنارس۔ ۱۰ر جنوری ۱۹۵۱ء

(۲۲)

بنام ڈاکٹر زور

کرم فرمائے من!

تسلیم۔ ۳ر فروری سے ایسا بیمار ہوا گویا وقت آ گیا تھا کہ موت کو لبیک کہوں مگر زیست باقی تھی نہیں مرا۔ پچھلے دنوں جب طبیعت بہت خراب ہوئی تو میں نے صاحب رجسٹرار کو لکھ دیا کہ کاپیاں نہیں دیکھ سکوں گا۔ حقیقت یہ ہے کہ کافی آرام کی ضرورت ہے۔

میں جب زوروں کے ساتھ بیمار ہوتا ہوں تو کافی عرصہ کے لئے تندرست ہو جاتا ہوں۔ امید کہ اب آئندہ بہت دنوں تک بیمار نہیں ہوں گا۔ یکم مئی ۱۹۵۱ء سے ریٹائر ہوں گا۔ جس قدر کام کہئے گا کر دوں گا۔ اس سال کاموں کے دیکھنے سے معاف کیا جاؤں۔

بندہ مہیش پرشاد۔ ہندو یونیورسٹی بنارس ۱۴ر مارچ ۱۹۵۱ء

(۲۳)

بنام ڈاکٹر زور

بندہ نواز!

تسلیم۔ لفافہ ملا۔ بیحد راحت ہوئی۔ شکریہ۔ میں امسال پونہ نہیں بلایا گیا اور اگر بلایا جاتا تو وقتِ معینہ پر پہنچ نہ سکتا تھا۔ کیونکہ صحت خراب تھی۔ اب یکم مئی سے ریٹائر ہونا ہے۔

اچھا صاحب! غالب کی تصانیف طبع اوّل کے باب میں تھوڑا تھوڑا چند سطروں میں لکھا۔ پھر بھی وہ مضمون کئی صفحات میں

(۲۶)

بنام مالک رام

بندہ نواز!

تسلیم۔ ایک لفافہ بھیج چکا ہوں۔ امید کہ پہنچا ہوگا۔

تصدیعہ دہ اس امر کا ہوں کہ کوئی مضمون بھیجئے جو کہ آل انڈیا اورینٹل کانفرنس بمبئی میں پڑھا جائے۔ یہ کانفرنس نومبر میں ہوگی۔ بندہ اس میں عربی فارسی سیکشن کا پریسیڈنٹ منتخب ہوا ہے۔ مضمون اگر آپ ستمبر میں بھیج دیں تو سہولت ہوگی۔ اس کے لئے میں خصوصیت کے ساتھ شکر گزار ہوں گا۔ مضمون میرے پاس ہی آنا چاہئے۔ شکریہ!

بندہ مہیش پرشاد!

(۲۷)

بنام مالک رام

بندہ نواز!

تسلیم۔ ۱۳ راگست کا خط ملا۔ موضوع کیا بتلاؤں۔ غالب پر لکھئے۔ مصر کی عربی کے متعلق کچھ لکھئے۔

انوار بک ڈپو کے ساتھ اگر کچھ نہ نہ رہا تو عدالت میں جاؤں گا۔ جہاں اب تک دوسری غالب کے باب میں کی ہے وہاں کچھ اور سہی۔

آپ آ بیٹھے تو اچھا ہوگا۔ خدا جانے کب تک میں کام پورا کر سکوں گا۔ جب کہ آپ تمام مواد کی نقل کے لئے خرچ کرنے کے لئے تیار ہیں تو تمام مواد ہی مناسب معاوضہ سے کیوں نہ لے لیں۔

ہندوستان میں کچھ نئے ٹکٹ چلے ہیں، ان میں سے کچھ بھیج رہا ہوں۔ کچھ ٹکٹ حیدر آباد کے بھی بھیج رہا ہوں۔ ممکن ہے کہ آئندہ ان کا بیشتر آثار شمار ہو۔ باقی سب خیریت ہے۔

بندہ مہیش پرشاد۔ ہندو یونیورسٹی بنارس۔

(۲۸)

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب آرزو

عزیزم!

سلام۔ غالب نمبر ملا۔ مدت سے سخت منتظر تھا۔ اگرچہ آجکل کنووکیشن کے جلسے ہو رہے ہیں تاہم میگزین کو الٹ پلٹ کر کچھ نہ کچھ ضرور دیکھا اور اس سے بہت متاثر ہوا۔ غالب کے باب میں جو کچھ کہا ہے اس سے کسی قدر اندازہ کر سکا ہوں کہ آپ نے کتنی تکلیف گوارا کی ہے۔ قصہ کوتاہ آپ کی مساعی جمیلہ سے غالب کے حق میں بہت مفید کام ہو گیا ہے۔ اس کے لئے مبارکباد۔ خدا کرے کہ آپ کو مزید کامیابی نصیب ہو۔ غالب کے لئے ابھی بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ زیادہ کیا لکھوں۔ شکریہ۔ فقط!

مہیش پرشاد

شادآں بلگرامی

(۱)

بنام آغا صادق حسین صاحب، گورنمنٹ کالج کوئٹہ

شاداں نوازا !

علیکم السلام و رحمۃ اللہ تعالیٰ و برکاتہ۔ متجاوز العمر ہونے کی وجہ سے میں ۱۰ ستمبر ۱۹۳۰ء اورینٹل کالج، لاہور سے ریٹائرڈ ہو چکا ہوں اور یکم نومبر ۱۹۳۰ء سے ریاست رام پور میں طلبہ کے بہکانے کا کام کر رہا ہوں جس کی تعبیر علامہ ابوالفضل اپنے منشآت کے دفتر سوم میں "اظہار دانائی" سے کرتے ہیں۔

آپ کا خط مورخہ ۱۲ نومبر اورینٹل کالج میں پہنچا اور ۲۵ کو وہاں سے REDIRECT ہو کر ۲۶ کو مجھے رام پور میں ملا اور آج ہی میں اس کا جواب لکھ رہا ہوں۔

انہی شکوک پر منحصر نہیں۔ جب آپ زیادہ نظر تحقیق و تدقیق سے اس فن کو ملاحظہ فرمائیں گے تو آپ کو بکثرت تسامحات واقعی ملیں گے جو ضرور قابل اصلاح و ترمیم ہیں مثلاً تعریف شعر میں قید قصد متکلم کی کس قدر مہمل ہے۔ تشریح کا موقع نہیں ورنہ تشریح کرتا اور دیگر تسامحات بھی لکھتا۔ اصل کتاب حدائق البلاغہ میں ترجمہ سے بھی زیادہ غلطیاں ہیں۔ امام بخش صہبائی نے بعض کی اصلاح کر دی ہے۔ اس قسم کی کتابوں سے غلط IMPRESSION قائم ہوگا۔ لہٰذا معیار الاشعار محقق طوسی علیہ الرحمہ کی اس کی شرح میزان الافکار بانظر کامل المعیار کے ساتھ ملاحظہ فرمائیے اور مناسب تر تو یہ ہے کہ قواعد العروض مؤلفہ سید غلام حسنین قدر بلگرامی مطالعہ میں رکھیے معیار کا بیان عالمانہ اور ادق ہے مگر علم القافیہ بھی اس میں ہے۔ قواعد العروض میں علم القافیہ نہیں ہے۔

زحافات دو قسم کے ہیں۔ مفرد اور مرکب۔ محقق طوسی سکا کی کسف بشین معجمہ یا بسین مہملہ کو مفردات میں شامل کرتے ہیں۔ ان دونوں کی تعریف کسف یہ ہے:۔
قول محقق — قول سکاکی

رکن کے آخر میں جو (مفروق ہو اس) کے متحرک دوم کو حذف کرنے کا نام کسف ہے جب کسف کو

بر بناء توسیع میدان شاعری حروف قریب المخرج کے ساتھ قوافی کو صحیح مانا ہے۔ چنانچہ شک اور سگ ۵۶ کا قافیہ درست مانتے ہیں۔ ترجمہ یا خود صدائق البلاغہ کے بیان میں قافیے کو ملاحظہ فرمائیے۔

عربی میں جو الفاظ یائے مقصورہ کے ساتھ ہیں ان میں سے ایرانی اکثر کا تلفظ یا اور الف دونوں سے کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ غالب بھی راسی کے قوافی میں تقویٰ اور عیسیٰ بھی لاتے۔ عیسیٰ و مسیح عبرانی زبان کے الفاظ ہیں اور عربی میں منسیٰ بھی اسی کا مترادف ہے۔ تسلی کو تسلا بھی پڑھ لیتے ہیں۔

صاحب ناسخ التواریخ کی ایک جلد محض بیان قافیہ میں ہے۔ اگر مل سکے تو اسے ضرور ملاحظہ فرمائیے۔ قافیہ کی نسبت بہت کچھ معلومات کا اضافہ ہوگا۔

ایک کارڈ کے ذریعہ سے ضرور اطلاع دیجئے کہ میری کتاب آپ تک پہنچ گئی اور آپ کا اطمینان ہوا یا نہیں۔ تاکہ مجھے بھی علم ہو جائے کہ میری خامہ فرسائی ٹھکانے لگی۔

علم عروض و قافیہ عجیب [illegible] علم ہے۔ اس کے اشکال کی وجہ سے بڑے بڑے شعراء نے بھی اس کی طرف توجہ نہ کی۔ در حقیقت کوہ کندن و کاہ برآوردن کا مصداق ہے۔ موزون طبع فطری کو اس کی چنداں ضرورت بھی نہیں ہوتی ہے نہیں معلوم کون سی بات نے آپ کو اس کی طرف متوجہ کیا۔ والسلام مع الخیر ختام

آپ کا خیر اندیش ہیچمدان: سید اولاد حسین شاداں بلگرامی

۲۶ نومبر ۱۹۲۹ء (۲۴ ر شوال ۵۸) یوم یکشنبہ

(۲)

بنام آغا صادق حسین صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ

شاداں نواز! ادام اللہ افاداتکم!

علیکم السلام و رحمۃ اللہ تعالیٰ۔ آپ کی نظم تازہ میں نے پڑھی بہت محظوظ ہوا ع اے وقت تو خوش کہ وقت ما خوش کردی۔ خدا نظر بد سے بچائے بہت خوب فرماتے ہیں۔ کلام میں پختگی اور زبان پر قدرت بھی پائی جاتی ہے۔ خدا آپ کو قائم المرام رکھے۔

جواب استفسارات

زحاف نحر محقق طوسی کے عمل سے یہ اجتماع عمل و حذف ہے یعنی جس رکن آخر کے آخر میں وتد مفروق واقع ہوا ہے اس کے گرا دینا پھر بقیہ رکن سے ایک سبب خفیف حذف کر دینے کا نام نحر ہے۔ یعنی اس کو اجتماع جدع و کشف سمجھتے ہیں اگرچہ انہوں نے اس کی تصریح نہیں کی مگر ان کے عمل سے یہی نمایاں ہے لیکن یہ عمل رکن میں ترتیب وار نہیں ہو سکتا ہے اور محض کا عمل ترتیب وار چل سکتا ہے۔ اس کے علاوہ یعنی اسقاط دو سبب خفیف اور اس کا نام نے مفعولات میں بلا وقف کا نام جدع اور حرف ہفتم متحرک آخر وتد مفروق کے حذف کا نام کشف رکھتے ہیں۔ اس صورت میں اجتماع نقیضین لازم آتا ہے کیونکہ جب اس کا نام مفعولات کا نام جدع ٹھہرا تو پھر مفعولات میں حرف ہفتم جو ت ہے متحرک کہاں رہی جو حرف ہفتم متحرک وتد مفروق پر عمل کشف حذف ہو یعنی کشف کا عمل حرف ساکن پر کیسے ہو لہٰذا ان دونوں کے اجتماع کا نام بھی نحر نہیں ہو سکتا۔

زلل به اجتماع ہتم و تخبین ہے یعنی جس رکن آخر کے آخر میں دو سبب خفیف سے پیشتر ایک وتد مجموع ہو تو پہلے سبب آخر گرا دا (بہ حذف ہوا) پھر سبب اول سے ساکن کو گرا کر اس کے متحرک کو ساکن کر دیا (بہ قصر ہوا اور اجتماع حذف و قصر ہی کا نام ہتم ہے) بعدہ عمل تخبین وتد مجموع کے متحرک اول کو بسبب رکعت ماقبل و توالی سہ حرکات ساکن کر دیا یہ عمل تو محقق طوسی کام میں لاتے ہیں مگر یہ نام نہیں رکھتے وہ اس کا نام مجبق ازال فرماتے ہیں کیونکہ وہ اہتم ہی کو پہلے ازل کہہ چکے ہیں۔

بعضے اس کو ہتم و خرم کا اجتماع سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ صریحاً غلطی پر ہیں کیونکہ ہتم ہمیشہ عروض و ضرب کے واسطے مخصوص ہے اور خرم صدر و ابتدا کے لئے خاص ہے لہٰذا دونوں کیسے جمع ہو سکیں گے۔

عمل محقق ٹھیک ہے۔ ظاہر ہے کہ رکن اہتم ہمیشہ رکن مکفوف کے بعد آتا ہے۔ اس صورت میں کف کے اخیر اور ہتم کی ابتدا میں باہم تخبین کر کے اس کا نام زلل رکھ سکتے ہیں۔

مفاعیلن سے (مفاعی بوجہ حذف پھر مفاع بروزن فعول جیسے بوجہ قصر (ہتم)، (۲) پھر مثلاً کسی بحر میں مفاعیل فعول ہو چونکہ رکن مفاعیل کا لام متحرک اور رکن فعول کے (ف ع) متحرک ہیں عمل تخبین (کیونکہ دونوں رکنوں میں مل کر تین متحرک متوالی ہو گئے) بیچ کے متحرک کو ساکن کیا تو مفاعیل فعول سے مفاعیلف عول ہو گیا جو بروزن مفاعیلن فاع ہے۔ اس صورت کا نام ازلی ہے۔

اس سے پہلے خط کے جواب میں عرض کر چکا ہوں کہ مدع کی یہ تعریف غلط ہے کہ "مفعولات میں سے دونوں سبب خفیف کا حذف کر دینا" کیونکہ اتنی تعریف سے فاع بہ حرکت عین باقی رہے گا نہ بسکون عین اور رکن مجدوع فاع کو بسکون عین سبب کہتے ہیں۔ لہٰذا منحور میں جدع اور سقوط الف سے فع بہ حرکت عین رہے گا نہ بسکون عین اس لئے یہ تعریف نحر کی غلط ٹھہری۔ اور زلل کی نسبت بیان زلل میں ذکر آ چکا کہ اجتماع خرم و ہتم کا نام نزد بعض زلل ہے اور اس تعریف کے صحیح ہونے کی علت بھی وہیں مرقوم ہے۔

نامُدا از استفسار

مکانفہ۔ جب دو سبب خفیف متوالی واقع ہوں خواہ ایک رکن میں جیسے مفاعیلن میں عیلن اور متفعلن میں مُستَف خواہ دو رکن میں جیسے فاعلاتن فاعلاتن کے تن فا درمیانی۔ اگر ان دونوں سببوں کے دونوں ساکنوں کو گرا دینا ساتھ ہی جائز ہو یا ان دونوں ساکنوں کو بحال رکھنا ساتھ ہی جائز ہو یا ان دونوں ساکنوں میں سے ایک کو گرا دینا اور ایک کو بحال رکھنا ساتھ ہی جائز ہو تو ان تینوں حکموں کا علیحدہ علیحدہ نام مکانفہ ہے۔

عبداللہ خزرجی اس حکم کے قائل ہیں جیسا کہ میزان الافکار شرح معیار میں مرقوم ہے اور محقق اس حکم کے قائل نہیں جیسا کہ معیار الاشعار میں تحریر ہے۔ الغرض مکانفہ ایک حکم کا نام ہے زحاف کا نام نہیں۔ چونکہ معاقبہ اور مراقبہ، مکانفہ پر مبنی تھا اس لئے اس کا ذکر کیا گیا۔

معاقبہ۔ جب دو سبب خفیف کے دو ساکن متوالی تم کو ملیں (جیسے مکانفہ میں ملے تھے) اور ان دونوں ساکنوں کو گرا دینا ساتھ ہی جائز نہ ہو اس وقت غور کرو کہ دونوں کو بحال رکھنا ساتھ ہی جائز ہے یا نہیں۔ اگر دونوں کی بحالی جائز ہوئی اور ساتھ ہی

دونوں میں ایک کا سقوط بھی جائز ہو اور اس طرح کے ثبوت اور سقوط کا نام معاقبہ ہے۔ مثلاً تم کو اختیار ہے کہ مفاعیلن کے اسباب کے ساکنوں کو نہ گراؤ اور مفاعیلن سالم رکھو۔ اور پھر یہ بھی ساتھ ہی اختیار ہے کہ مفاعیلن کو خواہ مفاعیلُ بضم لام قائم رکھو یا مفاعلن بحذف یا۔ الغرض معاقبہ بھی ایک حکم کا نام ہے زحاف کا نام نہیں۔

زوائد بجائے اوہام

صدر۔ جو رکن کہ بسبب معاقبہ مخبون ہو جائے جیسے فاعلاتن فاعلاتن سے فاعلاتن فعلاتن بن جائے۔ پس صدر زحاف کا نام نہیں بلکہ مزاحف کا نام از روئے حکم ہے۔

عجز۔ جو رکن بسبب معاقبہ مکفوف ہو جائے جیسے فاعلاتن فاعلاتن سے فاعلاتُ فاعلاتن بن جائے۔ یہ بھی حکماً مزاحف کا نام ہے، زحاف کا نام نہیں۔

طرفین۔ وہ رکن جو بعمل معاقبہ مشکول ہو جائے جیسے فاعلاتن فعلاتُ فاعلاتن۔ یہ بھی زحاف کا نام نہیں بلکہ از روئے حکم مزاحف کا نام ہے۔ طرفین ہیں دونوں طرف سے ایک ایک ساکن سبب خفیف کا اوّل و آخر گر جاتا ہے جیسے فاعلاتن سے فعلاتُ۔ گویا معاقبہ دونوں طرف اپنا عمل کرتا ہے۔

بری۔ وہ رکن جس میں عمل معاقبہ ہو سکتا ہو اور وہ اس عمل سے بچ جائے مثلاً مفاعیلن کو مفاعلن بعمل قبض یا مفاعیلُ بعمل کف کر سکتے تھے مگر نہ کیا اور اس سے بری رکھا۔

فائدہ۔ مکانفہ بحر سریع، منسرح، بسیط اور رجز میں مستعمل ہے۔ معاقبہ بحر منسرح، رمل، وافر، ہزج، خفیف، مجتث، طویل، کامل اور مدید میں واقع ہوتا ہے۔ مراقبہ بحر مضارع، مقتضب، ہزج، قریب، طویل اور وافر میں وارد ہوتا ہے۔

مراقبہ۔ جب سببین خفیفین کے متوالی دو ساکن کسی بحر میں پائے جائیں جیسے معاقبہ میں تھے اور ان دونوں کو بحال رکھنا ساتھ ہی جائز نہ ہو تو بالضرور ایک کا سقوط اور ایک کی بحالی واجب ہوگی۔ پس ایسے دو ساکنوں میں سے ایک کے سقوط اور ایک کے ثبوت کا نام ہے۔ مثلاً مفاعیلن سے اگر یائے تحتانی بعمل قبض گرائی جائے تو نون بحال رہے گا اور اگر نون بعمل کف گرایا جائے تو یائے تحتانی بحال رہے گی۔ یہ حکم مراقبہ ہی کا زور ہے جس سے مفاعیلن میں ایک ساتھ قبض اور کف اور ارکان فاعلاتن فاعلاتن کے درمیان تن فا میں ایک ساتھ کف و خبن نہیں آ سکتے۔ مراقبہ بھی زحاف نہیں بلکہ حکم کا نام ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں معاقبہ اور مراقبہ کو کچھ نہ سکا۔ میں خود ہی کیا سمجھتا ہوں جو کسی دوسرے کو سمجھاؤں ؎ او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔

سن میلادی سے عمر ۷۹ اور ہجری سے اکتیس ہے۔ دماغ کو تو ابھی صحیح پاتا ہوں (ممکن ہے ایسا سمجھنا بھی غلط فہمی پر مبنی ہو) مگر حافظہ میں نقصان شروع ہو گیا ہے لہٰذا اپنی تحریر پر اعتماد نہیں ہو سکتا۔

قافیہ کی تعریف آپ کو مسلّم لیکن استحسان اور ترجیح میں آپ کو کلام ہے۔ آپ سکندر را اور قلندر کے قوافی کو اشتراک کے ساتھ قافیہ کرنے سے مستحسن سمجھتے ہیں اس کی بابت ملاحظہ فرمائیے۔

ماہرین علم قافیہ نے روی سے پہلے چار حرف روف، قید، دخیل و تاسیس قرار دیتے ہیں اور بعد روی چار حرف وصل،

خروج، مزید، نائرہ، ماننے ہیں اور روی متصل کو روی غیر مستقل پر ترجیح دیتے ہیں۔

سکندر اور قلندر کے قوافی میں اگر حرف را کو روی قرار دیں تو اس سے ماقبل کے حرف دال اور نون - روی سے پہلے کے چار حرفوں میں سے کسی ایک میں ان کا شمار نہیں ہوتا اور اگر نون کو روی قرار دیں تو دال اور (ر) وصل اور خروج کی تعریف میں نہیں آتے کیونکہ وصل اور خروج حروف غیر مستقل ہوتے ہیں اور یہ مستقل ہیں۔ لہٰذا قلندر اور سکندر کا قافیہ قافیہ مجردہ ہوا، اختر بھی قافیہ ان سا مجردہ ہے۔ بحیثیت علم قافیہ ان میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں۔

علم بلاغت کے فن بدیع کے لحاظ سے قلندر اور سکندر میں صنعت لزوم مالا یلزم ضرور ہے اور فن بدیع میں وجوہ محسنات کلام ہی کا تذکرہ ہوتا ہے۔ جب کوئی صنعت کلام یا الفاظ میں پائی جاتی ہو تو از روئے فن بدیع غیر صنعت والے کلام سے اس کو مزید مستحسن مانا گیا ہے اور کل صنائع بدائع ضروری نہیں۔ ہونا ان کا نہ ہونے سے بہتر ہے اور کسی بات کو ان کے دخل دیئے بے کئی طرح سے ادا کر سکتے ہیں۔

صندوق اور بندوق کا قافیہ سکندر اور قلندر سے بھی اچھا ہے کیونکہ حرکت و سکون و تعداد حروف میں بھی برابر ہیں اور ہم جنسی اعراب میں بھی مساوی ہیں۔ پھر مطبوع بمعنی پسندیدہ اور مطبوع بمعنی چھاپ زدہ اس سے بھی اچھے قوافی ہیں لیکن اگر اس قسم کے قوافی غیر ضروری کو ضروری قرار دے لیا جاتے تو معدودے چند قوافی ملیں گے اور اظہار خیالات کے لئے کفایت نہ کریں گے مستحسن قوافی کو فن قافیہ مانع تو نہیں ہے اور نہ ان کو برا بتاتا ہے۔ اہل فن بھی تو علم بدیع کے لحاظ سے ایسے قوافی کو اچھا ہی کہتے ہیں۔ پھر آپ کے خیال نے کوئی جدت تو پیدا نہ کی۔

لفظ معنی کا تلفظ (माना) MÁNÁ اور (मानी) MÁNĪ اور عیسیٰ کا تلفظ (ईसी) ISI اور (ईसा) ISĀ زبان اردو میں بھی مندرجہ طرح ہے چنانچہ عیسیٰ دوراں کے الفاظ سے کسی طبیب کو مخاطب کرتے ہیں اور ISIYAY DAURAN پڑھتے ہیں۔ البتہ اردو میں تقویٰ TAQVA (तक़वा) کا تلفظ تقوی (तक़वी) TAQVI نہیں ہے۔

چونکہ "لیلیٰ اور راضی" وغیرہ کو (لیلا اور راضیا) نہیں پڑھ سکتے اور عیسیٰ اور معنیٰ بھی اردو اور فارسی میں تلفظ کئے جاتے ہیں لہٰذا "لیلیٰ اور راضی" کے تتبع میں عیسیٰ اور معنیٰ پڑھیں گے نہ عیسیٰ اور معنا۔

تحقیق و تدقیق بہت اچھی چیز ہے۔ یہ مادہ جس کو عطا ہو تو یہ قدرت کا عطیہ عظمیٰ ہے۔ جب آپ صحت دماغ کے ساتھ قابلیت بھی رکھتے ہیں تو پھر آپ کا کام قابل تحسین اور افادہ کیوں نہ ہوگا۔ ضرور آپ کی تصنیف اس فن میں زبان اردو میں قابل قدر اضافہ ہوگی۔ امید ہے کہ طبع ہو جانے کے بعد اس سے استفادہ کرنے سے آپ مجھے محروم نہ رکھیں گے۔

ظاہر ہے کہ اس کے لکھنے میں علاوہ دماغ سوزی کے اچھا خاصا وقت بھی صرف ہوا ہے لہٰذا ایک کارڈ کے ذریعے سے اس کے پہنچنے سے اطلاع بخشیں گے تاکہ مجھے بھی اطمینان ہو جائے کہ میری محنت ٹھکانے لگی۔ والسلام خیر ختام۔

خیر خواہ سید اولاد حسین شاد آں بلگرامی

رامپور اسٹیٹ (یوپی) محلہ لال مسجد - ۸ دسمبر ۳۹ء و ۲۶ شوال ۵۸ھ، یوم جمعہ

(۳)

بنام آغا محمد باقر صاحب گورنمنٹ کالج لاہور

شاداں نواز!

سلیکم السلام۔ آپ اس سے پہلے کے مستفسرات کے جوابات سے فی الجملہ مطمئن ہونا تحریر فرماتے ہیں۔ جو کمی رہ گئی ہو دوبارہ لکھئے تو دوسری سعی کروں۔ شاید تسلی کامل ہو جائے۔ ممکن ہے کہ میں پورے طور سے تشریح نہ کر سکا ہوں یہ بھی پہلے ہی لکھ چکا ہوں ع او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔

مفاعیلن میں شتر کو عمل دینے سے میم مفاو تد مجموع کا اور عی کی (ی) جو سبب خفیف کی ہے گر گئی تو فاعلن رہ گیا۔ چونکہ شتر نام اجتماع خرم و قبض کا ہے۔ لہٰذا ہزج مثمن اشتر کا وزن۔ فاعلن مفاعیلن۔ فاعلن مفاعیلن ہوا یعنی رکن اول و سوم اشتر ہے اور دوم و چہارم سالم۔

بہ نام وہ لوگ رکھتے ہیں جو بحر مثمنات مسمطات چہار گوشہ کے چار ٹکڑے برابر کے کر کے رکن سوم او رہفتم کو منزلہ صدر اور ابتدا کے قرار دیتے ہیں کیونکہ شتر اجتماع خرم اور قبض کا نام ہے اور خرم ارکان صدر و ابتدا سے مخصوص ہے لہٰذا اسے حشو میں نہ آنا چاہئے۔ پس تیسرا رکن فاعلن ان کے نزدیک اشتر نہ ہونا چاہئے۔ اس لئے ان کو یہ تاویل کرنا پڑی کہ یہ بحر چونکہ مسمط چہار گوشہ ہے اس لئے مثمن کو مربع مانا تب رکن سوم و ہفتم محل صدر و ابتدا میں آگیا اور شتر کا لانا جائز ہو گیا۔

یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ مسمطات چہار گوشہ میں ارکان دوم اور چہارم و ششم میں بھی اور نئے قافیے علاوہ قافیہ غزل یا قصیدہ لاتے ہیں اور انہیں ارکان میں تسبیغ و اذالہ بھی لے آتے ہیں حالانکہ قوافی اور تسبیغ و اذالہ اواخر شعر سے مخصوص ہیں ان کے اس عمل کی یہی تاویل ہے جو مرقوم ہوئی۔

حافظ　　ازدرم درآ سرمست تا زلم بنشادی دست
روشنی بما پیوست، راستی ہمہ مانی

چنانچہ شعر مذکور کا وزن فاعلن مفاعیلان۔ فاعلن مفاعیلان ہے۔ مانی اور دانی اصلی قوافی غزل کے ہیں مگر یہ تین قافیے دست، پیوست، غیر قوافی غزل لائے جن میں سے مست اور پیوست حشو میں واقع ہوئے ہیں۔ ساتھ ہی ان میں زحاف تسبیغ بھی ہے۔ حالانکہ قافیے اور تسبیغ کا محل عروض و ضرب ہے نہ حشو۔

جو لوگ شتر و خرب و خرم وغیرہ کو حشو میں لانا ناجائز جانتے ہیں اور تاویل مذکور کو پسند نہیں کرتے وہ اس بحر مزاحف فاعلن مفاعیلن، فاعلن مفاعیلن کو اشتر مکفوف مقبوض مخبون کہتے ہیں جیسے حافظ فرماتے ہیں ؎

جمع کن باحسانے حافظ پریشاں را
اے شکنج گیسویت مجمع پریشانی

دونوں اشعار کا اصلی وزن مفاعیلن مفاعیلن ہے۔ پہلے حشو میں کف کیا تو مفاعیل ہوا اور دوسرے حشو میں قبض کیا تو مفاعلن ہو گیا۔ اب مفاعیل مفاعلن جو دو رکن ہیں ان کے درمیان میں تین متحرک متوالی ہو گئے۔ ل مُ عَ، بذریعہ زحاف تخنیق میم متحرک

درمیانی کو ساکن کیا تو مفاعیلن فاعلن ہو گیا جس کا وزن مانوس مفاعیلن فاعلن ہے۔ اس صورت سے پورا وزن فاعلن مفاعیلن فاعلن مفاعیلن ہو گیا اور بحر کا نام ہزج مثمن اشتر مکفوف مقبوض مخبون ہوا۔

یہ امر قرین عقل ہے کہ جتنے کم سے کام نکلے تو زیادہ کو کیوں دخل دیا جائے۔ لہٰذا یہ بحر ہزج مثمن اشتر مسمط چہار گوشہ ہے۔ مسمطات میں تین غیر قافیے لانا مستحسن ہے اور ترنم میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ واجب و لازم نہیں۔ جو بحر چار برابر کے حصوں پر تقسیم ہو جائے وہ مسمط کہلاتی ہے۔

آپ صرف اشارات چاہتے تھے مگر مجھ سے بنا بر عادت بکواس ہو گئی۔ معاف فرمائیے گو اس بیان کو آپ کے استفسار سے زیادہ تعلق نہیں مگر امید ہے کہ افادہ سے بھی خالی نہ ہوگا۔

اگر بیان اول کو صحیح نہ مانیں تو تسبیغ و ازالہ حشوی (درمیانی) کی بعض مقامات پر کوئی تاویل نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ تسبیغ و ازالہ عروض و ضرب سے مخصوص ہیں اور کلام اساتذہ میں حشو میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔

بحر مثمن مقتضب مطوی مسکن کا وزن فاعلات مفعولن، فاعلات مفعولن دو بار ہے۔ چونکہ اصل مفعولات مستفعلن چار بار ہے لہٰذا مستفعلن ہر جگہ مطوی مسکن ہے اور مفعولات مطوی ہے۔ مستفعلن میں طی کرنے سے مستعلن رہتا ہے تعلُ میں تین متحرک متوالی ہیں لہٰذا درمیانی یعنی متحرک کو ساکن کیا تو مستفعلن بروزن مفعولن ہو گیا اور مفعولاتُ میں طی کرنے سے مفعُلاتُ بروزن فاعلاتُ ہو جاتا ہے لہٰذا ناسخ کا یہ شعر مقتضب مطوی مسکن ہے ؎

سننے والے روتے ہیں، ایسی نیند سوتے ہیں
ان پہ نوحے ہوتے ہیں، اپنی وہ کہانی ہے

اس وزن کو ہزج مثمن اشتر مکفوف مقبوض مسکن بھی کہہ سکتے ہیں لیکن زحاف کے حساب سے اس کو مقتضب ہی میں شمار کرنا اولیٰ ہے بلکہ ہزج کے اس وزن کو بھی مقتضب ہی سمجھنا انسب ہے۔ کیونکہ آسانی مقتضب ہی میں ہے۔ اس لئے کہ ہزج کا وزن ماننے میں چار زحافوں کو دخل دینا پڑتا ہے اور مقتضب ماننے میں صرف دو زحاف طی اور تسکین سے کام نکل جاتا ہے۔ میں نے جو اوزان ہزج اور مقتضب کے برابر بتائے اور ان کا نام بھی لکھا وہ تو البتہ مساوی ہیں۔ آپ جو فاعلن مفاعیلن (ہزج اشتر) کو فاعلات مفعولن مقتضب مطوی مقطوع کے برابر بتاتے ہیں۔ مجھے یہ دونوں اوزان تو برابر نہیں معلوم ہوتے باہمی مساوات کو سمجھ نہ سکا۔

دو وزن مختلف ہیں اگر کوئی شعر پڑھا جا سکے تو اس کو صنائع میں شمار کرتے ہیں اور اس کا نام ذو بحرین ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وزن تو ایک ہو اور نام اس کے مختلف ہوں بوجہ دخل زحافات، اور اس میں کچھ ہرج نہیں۔ جس سے استخراج اسم کی سہولت ہو نام وہی رکھیں گے۔ جیسا کہ میں نے اوپر بتایا کہ ہزج سے اسے مقتضب کہنا انسب و اولیٰ ہے۔

بحر منسرح مفتعلن فاعلن چار بار — ظہوری

بند نقابے بکشم تیغ و ترنج آورم
یوسف و یعقوب را کف ببریدن برم

میر تقی میر —

تیر نہیں پیر تم کاہلی اللہ رے نام خدا ہو جوان کچھ تو کیا چاہیے

اس وزن کو بحر بسیط میں مطوی کر کے لانا [illegible] ہے جب تک کہ اس کے ساتھ کسی شعر میں وقف درمیانی نہ ملے۔ ظہوری —

خرقہ بہر دو سہ چو پیش دست نگہداشت زخم
برپس زانوے حیف لب بگزیدن دہم

[illegible] دہلوی —

بیٹھ تو بہلا میں یار، کچھ تو ہو دل کو قرار
تو جو گیا اے نگار صبر و تحمل کہاں

ان دونوں شعروں میں فاعلات ۔ [illegible] یعنی وقف [illegible] وسطی موجود ہے اس لئے پوری غزل منسرح میں سمجھی جائے گی ۔

بارش ضیا ہوئی آبشار نور سے آسماں چمک اٹھا حسن کے وفور سے

فاعلن مفاعلن ارکان کا وزن ہے جیسا کہ آپ نے لکھا اور بحر بھی ہزج اشتر مقبوض ہے ۔

شعر بالا کا یہ وزن فاعلات فاعلن نہ میرے خزانۂ خیال میں ہے نہ کتب عروض کی سرسری الٹ پلٹ سے مجھے ملا۔ [illegible] اپنی سعی سے میں بحور مستعملہ کے ضروب میں داخل کر سکا ۔

مفتی سعد اللہ صاحب مرحوم اپنی کتاب میزان الافکار شرح معیار الاشعار محقق طوسی کے رسالہ رباعی میں تحریر فرماتے ہیں کہ [illegible] کے اوزان میں زحافات کو دخل دینے سے اسی ہزار وزن بن سکتے ہیں جن میں سے صرف چوبیس اوزان کو اساتذہ فن نے انتخاب کیا ہے ۔

اسی طرح دس ارکان میں باون چوّن زحافات کو دخل دینے سے لاتعداد بحریں بن سکتی ہیں جن میں سے پانچ چھ سو بحور و ضروب کو اپنے مذاق کے موافق اساتذہ نے اختیار کیا اور باقی کو خوش آئند نہ پا کر ترک کر دیا۔

یہ [illegible] ہو یا کوئی اور بات بہرطور اس وزن کو میں کسی بحر کے تحت میں لانے سے بھی عاجز ہوں ۔

[illegible] تو میں لکھ چکا ہوں کہ اس فن کو یا کسی دوسرے فن کو میں جانتا نہیں ۔ اللہ نے طلاب کے بہکانے کو میرے لئے وسیلہ رزق [illegible] دیا ہے لہٰذا الٹی سیدھی ان چیزوں میں دخل بیجا کیا کرتا ہوں ۔

[illegible] شمس الدین فقیر دہلوی نے اپنی کتاب حدائق البلاغہ میں تعریف شعر میں قصد متکلم کو تحقق نفس شعر میں واجب سمجھا اور دلیل یہ پیش کی کہ کوئی فرد ایسا نہیں کہ جس سے بے قصد کلام موزوں نہ صادر ہو جاتا ہو لہٰذا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر انسان شاعر ہے اور یہ بدیہی البطلان ہے۔ کیا عجب ہے کہ اس نے ترجمہ میں بھی قصد کو واجب ٹھہرایا ہو۔

اور یہ مغالطہ ہے کیونکہ ما بہ الامتیاز درمیان نظم و نثر وزن ہی ہے جب کسی کلام میں وزن عروضی پایا جائے چاہے بالقصد اس میں وزن رکھا گیا ہو یا بلا قصد موزوں ہو گیا ہو۔ وزن کے ہوتے ہوئے وہ شعر ہو رہے ۔ ہاں جس سے وہ کلام موزوں صادر ہوا ہے ۔ اگر وہ دوسرا شعر نہیں کہہ سکتا تو وہ شاعر البتہ نہیں ۔ کلام موزوں بے قصد شعر کیوں نہیں ؟ کر تو شعر کا تھا اور استدلال

شاعر ہونے یا نہ ہونے سے کیا۔

"مُلّا کی دوڑ مسجد تک" پھر آگے کیا عرض کروں۔ والسلام خیر ختام

ہیچمدان: سیّد اولاد حسین شاداں بلگرامی

رامپور اسٹیٹ (یو پی) محلہ لال مسجد ۱۸ دسمبر ۱۹۳۹ء/۶ ذیقعدہ ۵۸ھ یوم دوشنبہ

تقوی کے ROOT کو لغات عربیہ میں دیکھئے۔ آخری حرف اس کا دی ہے یعنی ناقص یائی ہے۔ اس لئے عجم TAQVI بھی تلفظ کر لیتے ہیں۔

حکومت برطانیہ کے ملکوں میں ڈاک خانہ کا انتظام تو بہت اچھا ہے مگر پھر بھی بعض عوارض سے بعض اوقات خطوط تلف بھی ہو جاتے ہیں۔

(۴)

بنام آغا صادق حسین صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ

MOHALLA LAL MASJID

RAMPUR STATE, U.P

شاداں نوازا!

علیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ ۲۹ دسمبر کو آپ کا عنایت نامہ ملا۔ اس خط میں آپ نے مجھے لفظ "استاد" سے مخاطب کیا ہے۔ بربنائے رسم و رواج یہ نسبت متحقق نہیں۔ لوگ علماء دین سے استفادہ کرتے ہیں مگر مستفتی مفتی کے شاگرد عرفِ عام میں نہیں کہلاتے۔ علاوہ اس کے اس آخری عمر میں بھی میں خود ہی متعلم ہوں معلّم ہونا کجا۔ ہاں اس حدیث مبالغہ آمیز من تعلم حرفاً فهو مولاه سے تمسک کیا جائے تو سکوت کرنا پڑتا ہے۔

ماہرین فن عروض نے اصول اولی عروض کے اسباب و اوتاد قرار دیئے ہیں (جب کہ فواصل کو لغو سمجھا جائے) اور انہی اسباب و اوتاد کے لحاظ سے استخراج بحور کرتے ہیں مثلاً مفاعیلن مفاعیلن کی ترکیب وتد مجموع مقدم ہر دو سبب خفیف سے ہے اب اگر وتد مجموع کو چھوڑ کر سبب اول سے شروع کریں تو عیلن مفا بر وزن مستفعلن ہو جاتا ہے اور دوسرے سبب خفیف سے شروع کریں تو لن مفاعی بر وزن فاعلاتن ہو جاتا ہے۔ یہ صورت انخراج بحر مسلم نہیں کہ اوتاد کے بھی ٹکڑے کر ڈالیں۔ جو صورت آپ نے اختیار کی ہے یعنی مفاعیلن کے میم متحرک کو اس سے ماقبل کے رکن میں شریک کر کے اس کو فاعلاتُ کر لیا اور باقی فاعیلن کو مفعولن سے بدل کر فاعلاتُ مفعولن بنا لیا۔

اس طرح کے اجزاء اگر کئے جائیں تو اوزان علاوہ مسلمات نکل آئیں گے جو بعضے مسلمات سے مشابہ ہوں گے اور بعضے بالکل نئے۔ ممکن ہے کہ بعض ان نئے بحوروں سے مترنم بھی ہوں اور بعض مذاق سلیم پر ناگوار ہوں۔ آپ کے اصول سے فعولن فعولن فعولن فعولن سے فعلاتُ فعلاتُ فعلاتُ فعلاتُ بھی ایک بحر مستخرج ہو سکتی ہے۔ اس سے پہلے ایک بحر آپ نے پوچھی تھی اور میں نے اس کے نام بتانے سے اظہار عجز کیا تھا شاید اسی طرح آپ نے نکالی ہوگی اور یہ ٹکسال باہر ہے۔

(I) ONOMATOPOEIA = IMITATIVE SOUND

آئیں مے ٹپ پا کو کوئی صنعت نہیں قرار دیتے اور اس کا نام حکایت الصوت رکھتے ہیں۔

(۲) عربی بحور کی تو کچھ حالت نہ پوچھئے۔ ملاحظہ ہو حسان بن ثابت

لِمَنِ الصَّبِیُّ بِجَانِبِ الْبَطْحَاءِ   مُلْقیً غَیْرَ ذِی مَہْدٍ

اول تو شعر معقد ہے۔ پھر پانچ رکن کا ہے مزید برآں متفاعلن پر مستفعلن ٹھنسا ہوا ہے۔

لمن صبی متفاعلن۔ ی بجانبل متفاعلن بطحائے مل مستفعلن۔ قن غیر ذی مستفعلن، مہدن فعولن۔ مذاق اہل عرب کے سوا ایسا شعر کب شعر کہلانے کا حقدار ہو سکتا ہے لہٰذا اسعدی نے متفاعلن میں مستفعلن ٹھونسا تو کیا برا کیا؟

اور وزن کامل کا عربی میں ملاحظہ ہو:

و لقد سیعلمہم الی ظلم نزعہ و انت آخر بروزن متفاعلن متفاعلن متفاعلن متفاعلن متفاعلن۔ یہ زحیل گولی مارنے کے قابل ہے۔

(۳) بحور سوالم مسمطات کے کسی رکن میں آپ اذالہ و تسبیغ کو اپنے فتوے سے جائز نہیں سمجھتے حالانکہ اہل فن نے بلا قید مطلقاً اذالہ و تسبیغ کو عروض ضرب میں جائز مانا ہے۔ ہاں دقیق النظر اذالہ و تسبیغ بہ نون غنہ کو مستحسن بوجہ عدم ثقالت سمجھتے ہیں اور غیر نون غنہ کو بوجہ ثقالت مکروہ قرار دیتے ہیں لہٰذا حافظ کے شعر کے جواب وہ آپ ہیں نہ اہل فن، اور کسی شاعر کا کلام مسمط و غیر مسمط دونوں میں تسبیغ و اذالہ عروضی و ضربی سے آپ خالی نہ پائیں گے۔ آپ عدم تساوی اجزا کی وجہ سے مسمطات میں اذالہ و تسبیغ نہیں چاہتے مگر کیا کیا جائے کہ شعار قوم شعرا یہی واقع ہوا ہے۔ آپ بھی طوعاً و کرہاً سر تسلیم جھکایئے اور بزرگداشت پر عمل کیجئے۔

تعریف شعر

مولانا روحی صاحب دبیر عجم کے باب ہشتم عنوان حقیقت شعر کے ذیل میں فرماتے ہیں۔ علماء عربیت تعریف شعر یوں فرماتے ہیں:

کلام موزون مقفیٰ جو متکلم کے قصد سے صادر ہو۔

محمد بن قیس رازی صاحب معیار عجم کے نقل قول میں لکھتے ہیں کہ محمد بن قیس نے تقریباً وہی باتیں کہی ہیں جو اوپر ذکر ہو چکیں (یعنی نفس اجزا اور رد و لوازم) اور اصطلاح میں اس کو کلام کہتے ہیں جو متکلم سے قصداً صادر ہوا اور خوبی معنوی کے علاوہ موزوں مقفیٰ اور مکمل ہو یعنی ایک مصرع نہ ہو۔ دبیر عجم میرے پاس نہیں اس کا خلاصہ منثور حکم لے ہے۔ اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کرتا ہے تو دبیر عجم میں بھی قید قصد متکلم ضرور ہے۔ آپ سے نقل کرنے میں "سخنے سست اندیشیدہ" سے پہلے کی عبارت رہ گئی۔ وہ بیچارے کیا کریں علاوہ محقق طوسی تقریباً کل قید قصد ضرور لگاتے ہیں اور اس قید سے اپنے نزدیک قرآن کو مستثنیٰ کرنا چاہتے ہیں BUTIN VAIN -

قصد کی قید لگانے سے اور زیادہ مبتلائے عذاب ہو گئے اس لئے کہ خدا کا فعل اضطراری ٹھہرا اور غیر مرید ہو گیا جبکہ قرآن میں آیات موزوں موجود ہیں۔ ناسمجھی سے قصد اور عمد میں فرق قرار دیتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ انسانوں میں تو ان دونوں میں فرق کر لو۔ مگر خدا کی نسبت سے ان میں فرق نہیں ہو سکتا لہٰذا اس صورت سے بھی چھٹکارا نہیں ہوتا۔

اگر بحث ہے تو اس طرح سے ہے کہ مصاریع مختلفہ پر اطلاق شعر کا نہیں ہوتا اور قرآن مجید میں اگر کلام موزوں

ملتا ہے۔ وہ مصادیق ہی ہیں۔ ایک آدھ شعر بھی ملتا ہے مگر وہ آیت کا کوئی لفظ چھوڑ کے شعر ہوتا ہے۔ قطع و برید کر کے تو ہر نثر سے بھی شعر بنا سکتے ہیں۔

جہاں مذمت شعر کی یا شعرا کی آیات و احادیث سے پائی جاتی ہے وہاں مدح بھی ملتی ہے جیسے ان من الشعر لحکمۃ۔ الشعراء تلامیذ الرحمٰن۔ نبیؐ نے کعب بن زہیرؓ کو اس کے قصیدے پر انعام دیا جو قصیدہ بردہ کے نام سے مشہور ہے۔ حسان بن ثابتؓ کی تعریف کی ہے۔

وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ۔ ذات نبوی کے بارہ میں فرمایا ہے کہ ہم نے ان کو شعر نہیں سکھایا اور شان کے لئے سزاوار ہے۔ اس سے مذمت شعر نہیں نکلتی۔

جس نبی کے زمانے میں جس فن کو رواج زیادہ تھا اس زمانے کے نبی کو اسی فن میں صاحب اعجاز بنا کر مبعوث کیا جاتا تھا۔ حضرت موسیٰ کے وقت میں سحر کو رواج تھا اس لئے ان کو عصائے باطل السحر ملی۔ حضرت عیسیٰ کے زمانے میں طب کا زور تھا ان کو علاج کا معجزہ عطا ہوا۔

ہمزہ والے سوال کا جواب اسی خط میں ضمناً موجود ہے۔ کوئی ہمزہ جب وزن میں آتا ہو تو اس کو برابر ایک حرف کے مانتے ہیں۔ جن الفاظ کے آخر میں ہمزہ ہو اس کو ایرانی اور ہندی موزوں ہی میں نہیں لاتے جیسے حیاء، وفاء، دعاء، عرب پڑھتے ہیں فعل اور ایرانی و ہندی بروزن فعل نظم کرتے ہیں یعنی حیا، وفا، دعا۔ فن تاریخ گوئی میں (ی) مان کر دس عدد دیتے ہیں۔ مثلاً "چاہیئے" اس کے انتیس ۲۹ عدد لئے جائیں گے اور "جائیے" کے چونتیس۔ پہلے الف ممدودہ کو (اا) اس طرح لکھتے تھے تو دو عدد لیتے تھے اب اس طرح (آ) لکھتے ہیں اس لئے ایک عدد لیتے ہیں۔

اگرچہ میرا قلم [illegible] ہے مگر ناواقف کے لئے افادہ سے خالی نہیں ہوتا ہے۔ کوئی بات کسی سے ذہانت کی نکلے تو طبیعت محظوظ ہوتی ہے۔ اگر لگتی ہوئی اور چسپاں بات نہ ہو تب بھی جواب دیتا ہوں تحمیق و تضحیک کسی حالت میں نہیں کرتا۔

معلوم شد کہ ہیچ معلوم نشد کا مصداق ہوں۔ سوالات سے مجھے خود کچھ فکر کرنے کا موقع ملتا ہے اس لئے شکرگذار ہوتا ہوں نہ شاکی۔

نوٹ:۔ ذال کی جگہ زائے معجمہ لکھنے کے خلاف ہوں اس لئے گذارش کو ذال سے لکھا، وجوہ بیان کرنے کا محل نہیں

والسلام خیر ختام۔ سید اولاد حسین شاداں بلگرامی۔ یکم جنوری ۱۹۴۰ء

(۵)

بنام آغا صادق حسین صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ

شاداں نوازا!

تسلیم۔ کل آپ کا عنایت نامہ ملا۔ یاد فرمانے کا شکریہ۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے آپ نے "استاذی المعظم" لکھا تھا۔ جبھی تو میں نے عرض کیا تھا کہ یہ نسبت میرے آپ کے درمیان متحقق نہیں۔ اگر صرف

استاذ المعظم لکھا تھا چونکہ مخاطبہ میرے ساتھ تھا تب بھی ذہن اسی طرف منعطف رہتا ہے کہ آپ مجھے اپنا استاد فرض کر رہے ہیں۔
تیر مفعولی و معنی۔

ہمزہ کی نسبت جو شعر عربی کا لکھا تھا اس کی طرف توجہ دلائی تھی اور تقطیع بھی کر دی تھی اس سے واضح تھا کہ ہمزہ بطلاء کا بجائے ایک حرف متحرک کے واقع ہوا ہے لہذا یہ لکھنے کی ضرورت نہ رہی کہ فسفک الدماء کا بھی ہمزہ بجائے ایک حرف متحرک کے ہے اور یہی صحیح ہے۔

ٹکٹ پر جو مہر ڈاک خانہ ہے اس کے آخری حروف TAL ہیں۔ ان سے پہلے کے حروف واضح نہیں اس لئے پڑھے نہیں جاتے۔ آپ نام مقام اسلامہ لکھتے ہیں۔ براستہ وہاڑی ہیں نام مقام سے نابلد ہوں اس لئے صحیح تلفظ نہ کر سکا۔ اس خط میں پہلا o/c بھی نہیں ہے جس سے میں سمجھا کہ واسطہ کا تبادلہ اسلام میں ہو گیا ہے اور آپ ان کے ساتھ ہیں۔ شاید یہ کوئی نیا تعلق ہے۔

میں یہ سمجھا تھا کہ آپ وتد مجموع کو بھی تحلیل کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ فاعلن مفاعیلن اور مفاعلات مفعولن کو آپ متساوی قرار دیتے ہیں تو وہ اسی ترکیب سے برابر ہوتے ہیں۔ فاعلن فم = فاعلات، فاعیلن = مفعولن۔ جب مفاجو وتد مجموع ہے اس کو تحلیل کیا جائے۔ اسی طرح میں نے فعولن فعولن وتد مجموع فعو کی ف کو الگ کر کے فعلات فعلات وزن لکھا تھا یعنی عولن ف، عولن ف، عولن ف، عولن ف، بروزن چہار بار فعلات اور اس استخراج کو خلاف اصول بتایا تھا۔

آپ اگر ذکی الطبع نہ ہوتے تو اتنے اعلیٰ امتحانات نہ پاس کر سکتے اور نہ بغیر استاد مسائل پیچیدہ عروض سمجھ سکتے TO THE POINT سوالات پیدا کرنا خود دلیل ذہانت ہے پھر میں آپ کی ذہانت کا اقرار کیوں نہ کروں۔ والسلام خیر ختام۔

ہیچمداں: شاداں۔ رامپور اسٹیٹ دیوپی، محلہ لال مسجد ۱۸ جنوری ۱۹۴۱ء و ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ یوم پنجشنبہ

سید ولی محمد صاحب

(۶)

سلامت باکرامت رہو۔ دعا۔ استفسارات کے جوابات حسب ذیل ہیں:

(۱) ایں وکرباز مخز ڈگمگنڈی اور بٹن۔ بخیہ وغیرہ۔

COLLAR گریبان۔ سلیمان عثیم کا لغت انگلیسی و فارسی میں لفظ COLLAR اور لغت اشٹینگاس میں لفظ لیفہ دیکھیے دور کے معنے گرد۔ ریخہ الگ ہے تو غلط چھپ گیا ہے۔ ترجمہ ان تینوں کو درزی کوٹ سے دو کر دہ نہیں واسکٹ کے گریبان کے گرد ٹانک دے۔

(۲) ایں چراغ الخ بکار خورندن کام آنا ترجمہ یہ چراغ تیرے کس کام آتا ہے۔ بقاعدہ صرف عربی شروعات شروع کی جمع ہے مگر مستعمل نہیں۔ اردو میں معنی آغاز و ابتدا عورتیں اور عوام الناس بولتے ہیں لہذا فصیح نہیں۔ اعلیٰ اور اوسط طبقے والوں کو نہ استعمال کرنا چاہئے میں بھی استعمال نہیں کرتا ہوں۔

الحمد للہ کہ آپ خیریت کے ساتھ برسرکار بھی ہیں۔ والسلام!

سید اولاد حسین شاداں بلگرامی۔ رامپور اسٹیٹ دیوپی، محلہ لال مسجد ۲۰ جون ۱۹۴۲ء

مولانا عبدالصمد صارم صاحب اورینٹل کالج لاہور

(۷)

شافاں تفانا!

علیکم السلام۔ چار ماہ سے میں مختلف آلام میں مبتلا ہوں۔ ایک مہینہ بواسیر کا خون آتا رہا۔ ایک مہینہ تک ناک سے خون آیا،

نزلہ بگڑ گیا۔ ایک سال سے زیادہ ہوا کہ مالی اور جانی نقصان برابر ہو رہا ہے۔ تیرہ برس کی بڑی بھتیجی کا انتقال ہوا۔ اپریل گذشتہ میں [illegible]
بھانجے کا جوانی میں انتقال ہوا جسے میں بمنزلہ فرزند سمجھتا تھا۔ میرے کوئی اولاد نہیں ہے۔ پرسوں میرا بڑا بھی مشیر کا انتقال ہوا جو میرے [illegible]
تھیں۔ ڈیڑھ ہزار روپیہ کا نقصان ہو گیا۔

شرح غالب بھی لکھ رہا تھا جب بس ایک کام میں منہمک ہوتا ہوں تو دوسرا کام پھر مجھ سے نہیں ہوتا ہے۔
چار مہینے سے خطوط کے جوابات بھی نہیں لکھے ہیں۔ آج اتنی مدت کی آئی ہوئی ڈاک دیکھی تو آپ کا جوابی لفافہ ملا [illegible]
لفافہ بینہ لائے تھے اور اسی شعر کا زبانی ذکر بھی آیا تھا مگر آپ نے اپنے اس خط کا ذکر بھی نہ کیا۔

چو کیز شتر ز باز پساں — رنجہ دارند ہمچو خرگساں

باز پس شاعر کا ترکیب دیا ہوا لفظ ہے جو لغت میں کیوں ملے یعنی پیچھا یہاں مراد پیچھے کی طرف۔ رنجہ داشتن تکلیف پہنچانا [illegible]
بیٹے رہنا۔ خرگس، بڑی مکھی۔ تو تصغیر کے لئے فارسی میں لاتے ہیں۔ دارند کے فاعل وہ لوگ جو خرگس کی طرح چپٹے رہتے ہیں۔ باز پس
متعلق فعل رنجہ دارند اور مزید علیہ باز پس جیسے بامداد سے بامدادان۔

(مطلب) جس طرح اونٹ کے پیشاب پر پیچھے کی طرف بڑی مکھیاں لپٹی رہتی ہیں اسی طرح یہ لوگ بھی چپٹے رہتے ہیں [illegible]
کی صورت تقبیح دکھائی ہے۔

چند چند از حکمت یونانیاں — حکمت ایمانیاں را ہم بخواں

پہلا مصرع وزن سے خارج ہے۔ یوں ہو گا ع چند خوانی حکمت یونانیاں، یا ع چند چنداں حکمت یونانیاں۔
کہاں تک حکمت یونان کی بکواس ہے یا پڑھتے رہو گے۔

مدیں ہر دو خصلت غلام توام — چو نامے کہ مولائے نام توام

تمہاری ان دو خصائل خوب کی وجہ سے میں تمہارا غلام ہوں۔ تمہارا کیسا اچھا نام ہے کہ میں اس کا غلام ہوں۔ چہ برائے [illegible]
مولا معنی غلام۔

اے کہ از اندیشۂ عقل صلاح اندیش تو — ہر نفس بندد رہ غمازی اسرار گل

چاندنی اور بوکو غماز شعرائی کرتے ہیں۔ رات کا اندھیرا عیب پوش اور چاندنی عیب کشا ہوتی ہے اسی طرح ہر خوشبو دار چیز [illegible]
بھی پردہ کشائے راز گل ہوتی ہے۔

تمہاری عقل جو صلاح اندیش ہے اس کے خوف سے اسرار گل کی غمازی کے راستہ کو ہر لپٹ خوشبو کی بند کر دیتی ہے [illegible]
بجائے ظاہر کرنے کے۔ شاید اس شعر کا تعلق اس سے پہلے شعر سے ہو۔ والسلام!
دوسرا پرچہ قاضی سید محمد نصیر صاحب کو دے دیجئے۔

سید اولاد حسین شاداں۔ ریاست رام پور (یو پی)، محلہ لال قبر
۲۵ مئی ۱۹۴۶ء۔ ۲۳ جمادی الثانی۔ یوم شنبہ

سیماب اکبرآبادی

بنام منشی محمد الدین فوق

(۱)

مکرمی و محبی جناب فوق صاحب زاد کرمہٗ۔
وعلیکم السلام۔ ایک عرصہ مدید کے بعد آپ کا محبت نامہ ملا۔ شکر ہے کہ میں آپ کو یاد رہا۔ مجھے معلوم تھا
کہ آپ بے حد مصروف رہتے ہیں۔ اس لئے خط بھیجنے کی جرأت نہ ہوئی۔ ادھر لاہور سے آنے کے بعد زندگی کچھ ایسی گراں
رفتار ہو گئی ہے کہ قدم قدم پر جی چھوڑ دینے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ جب سے اب تک کوئی نظام ایسا مرتب نہیں ہو سکا
جو یک گونہ مطمئن کر دیتا۔ آگرہ سے دہلی آیا۔ دہلی سے واپس آگرہ جا رہا تھا کہ ساغر صاحب بھی علی گڑھ سے یہیں چلے آئے۔
اور ارادہ ہوا کہ پیمانہ دہلی سے شائع کروں۔ اطلاع دے دی ہے۔ اور منشائے الٰہی کے ماتحت کام شروع کر دیا ہے اب
یہ اس کے اختیار میں ہے کہ وہ موجودہ حالت کو ہمارے لئے خوشگوار بنا دے۔

آپ کی اہلیہ محترمہ کی طویل علالت کی اطلاع باعث فکر و ملال ہوئی۔ خدا محترمہ کو آپ کی رفاقت میں ہمیشہ
زندہ رکھے۔ سل کا اگر کوئی ماہر (SPECIALIST) لاہور میں ہو تو اسے دکھلایئے۔ ایک ڈاکٹر یہاں بھی اس مرض
کا مخصوص علاج کرتے ہیں۔ میں ان سے بھی ذکر کر دوں گا۔ اچھا ہو کہ آپ انہیں بغرض علاج دہلی لے آئیں۔ حکیم اجمل
خاں صاحب سے رجوع کریں۔ آب و ہوا بھی بدل جائے گی۔

زندگی ہر دور میں میعادی رہی ہے۔ ابدی حیات کا آج تک کوئی حامل نہ ہو سکا۔ لیکن سانس کے ساتھ آس
باقی ہے۔ اور باقی رہنی چاہیئے۔ دعا اور دوا کے بعد انسان کے پاس کچھ نہیں۔ مگر خدا کے پاس سب کچھ ہے۔ دقت
یہ ہے کہ وہ اپنے قانون میں کوئی ترمیم نہیں کرتا۔ ازل میں جو الواح مرتب ہو چکی ہیں۔ ہنوز انہیں پر عملدرآمد ہے۔ پھر
اس کی شکایت کیا؟ دنیا میں ہر ذی روح معرض انقلاب میں ہے۔ زندگی خود ایک انقلاب ہے۔ کسی حالت کا یکساں رہنا
محال ہے۔ ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام! خدا کے فضل پر بھروسا رکھیئے۔ اور ہر بات اسکے اختیار میں چھوڑ کر یکسو ہو جائے
منظر[1] مع متعلقین آگرہ میں ہیں۔ چاہتا ہوں کہ سب کو یہیں بلا لوں۔ کبھی کبھی اپنی خیریت سے اطلاع دیتے رہیئے "پیمانہ"

[1] شمشاد حسین فرزند حضرت سیماب۔

عبداللہ قریشی

(۲)

مخدومی! السلام علیکم۔

سہرا اور خط پہنچا۔ ڈیزائن دیکھ کر طبیعت خوش ہو گئی۔ اہل پنجاب کا یہی تو وہ معیار ذوق ہے جسے دیکھ کر ان کی بلند مذاقی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ اگر آپ ۵۰۰ یا ایک ہزار سہرے وہیں سے چھپوا کر بھیجدیں تو "شاعر" میں لگا دیئے جائیں گے۔ اور جن لوگوں کے نام آپ لکھیں گے انہیں اخبار بطور نمونہ بھیجدیا جائے گا۔

امید کہ آپ بخیر ہوں گے۔ سالک صاحب سے سلام کہہ دیجئے۔

تاج آگرہ ۲۸ مارچ سنہ ۱۹۳۰ء خادم و نیازمند سیماب اکبرآبادی

محمد دین فوق

(۳)

مخدومی۔ السلام علیکم

خدا خدا کر کے آج تھوڑی سی فرصت ملی۔ تعمیل حکم کر رہا ہوں۔ آگرہ سے لاہور اتنی دور ہے کہ حصول نیاز کا موقع ہی نہیں ملتا۔ خدا کرے عزیزی ظفر احمد کی شادی جلد از جلد اس تقریب کا حیلہ بن جائے۔

کیا آپ کشمیر کی نمائش میں شریک نہ ہوں گے؟ اب تو وقت نکلا جا رہا ہے۔ کوشش کیجئے کہ "کشمیری" وہیں سے شائع ہو۔ کشمیر میں اب کوئی اخبار نہیں ہے اور پریس مہاراجہ کو اس طرف توجہ دلا رہا ہے۔ مگر وہ تو اب چھ مہینے کے لئے یورپ جا رہے ہیں۔

آگرہ جب آپ تشریف لائیں آپ کا گھر ہے۔ اس کے متعلق اطلاع و اعلان کی ضرورت نہیں۔

"پیمانہ" کے ایک موثر ریویو کا منتظر ہوں۔

تنہا ہوں اور قصر الادب کے جرائد ثلاثہ نے دماغ پریشان کر رکھا ہے منتظر سلمہٗ سے بہت کچھ مدد مل رہی ہے خدا کا شکر ہے۔ ساغر تو اب اپنی دنیا الگ بنا رہے ہیں۔ گو وہ اپنی اس کوشش میں ناکام ہیں۔ مگر کوشش جاری ہے۔ بہر حال پیمانہ کے ساتھ ان کا تعاون میرے اطمینان کا باعث ہے۔ اور کوئی خدمت؟ ہاں ذیرہ اور بنفشہ ضرور بھیجئے کچھ "شاعر" یا "پیمانہ" میں بھی لکھئے!

اے کشمیر!

تیرے دیدار کی حسرت دل سیماب میں ہے

قصر الادب آگرہ ۱۰ اگست سنہ ۱۹۳۰ء نیازمند سیماب اکبرآبادی

منشی محمد الدین فوق

(۴)

مکرمی و محبی زاد کرمہٗ۔ السلام علیکم۔

کارڈ پہنچا۔ میری عدیم الفرصتی اور عدم تعمیل ارشاد کی یہ کافی سزا تھی جو آپ نے اس کارڈ میں میرے لئے تجویز

منشی محمد الدین فوق

کا اشتہار مشتہر ... نہ کروں گا۔ کشمیری کی زیارت مدت سے نہیں ہوئی۔ پتہ رجسٹر میں مستقلاً لکھ دیجئے۔
مجھے اپنا خادم یقین فرمائیے۔ اور جو خدمت میں کر سکتا ہوں اس کی تفویض میں کبھی تکلف نہ کیجئے۔

دفتر پیمانہ ... ۶ ار دسمبر ۱۹۴۲ء — نیاز مند۔ سیماب اکبرآبادی عفی عنہ

سلہ مولانا عاشق حسین صاحب سیماب صدیقی اکبرآبادی۔ داغ دہلوی کے شاگرد ہونے کی وجہ سے منشی محمد الدین فوق کے استاد بھائی تھے۔ بڑے پرگو۔ زود نویس اور قادرالکلام شاعر تھے ... اخبار "تاج" آگرہ سے اور رسالہ "پیمانہ" آگرہ لاہور اور دہلی سے شائع کرتے رہے بعد میں ایک ماہوار رسالہ "شاعر" کے نگران اور مدیر تھے کئی کتابوں کے مصنف اور صدہا شاگردوں کے استاد تھے۔

فوق صاحب کی اور میری ان سے پہلی ملاقات لاہور میں ہوئی جب ۱۹۲۶ء میں وہ اپنے شاگرد عزیز ساغر نظامی علی گڑھی اور اپنے فرزند شمشاد حسین منظر کے ہمراہ لاہور تشریف لائے تھے اور تقریباً پانچ چھ ماہ فیروز سنز کی فرمائش پر مثنوی مولانا روم کا ترجمہ اردو نظم میں کیا کرتے تھے۔ یہ ترجمہ الہام منظوم کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

قیام پاکستان کے بعد ہجرت کر کے کراچی آ گئے تھے اور وہاں سے رسالہ "پرچم" نکالتے تھے۔ مگر ارض تاج سے کچھ غربت میں چلے آنے کا جو صدمہ تھا۔ بس اُن کا دل ہی جانتا تھا۔ دو سال ہوئے کراچی میں پیوند زمین ہوئے۔ کچھ مکتوب الیہ کے بارے میں۔

فوق صاحب ہیں جو میرے خواجہ تاش — خوش خیال و خوش مذاق و خوش معاش
پیرو دستِ گرامی داغ دہلوی! — زندہ اک تاریخ ہیں کشمیر کی
والہانہ عشق ہے کشمیر سے — روح زخمی ہے وطن کے تیر سے
خواجہ و مزدور کے ہیں ترجماں — دیر میں بھی ان کی ہوتی ہے اذاں
ذوق ہے اصلاح اور تہذیب سے — نظم کہتے ہیں اسی تقریب سے
ان کی نظموں میں اثر ہے دل نشیں — ہیں وہ داغ و میر کے محفل نشیں
ان کے نغمے جب سنیں گے اہل دل — کیف و حال ان کو ہوگا مستقل
ان کے نغمے انجمن پر چھائیں گے — ہر طرف وجدان نو برسائیں گے
شعر وہ رسماً کبھی کہتے نہیں — وقت پر خاموش بھی رہتے نہیں
پہلے لیتے ہیں اثر ماحول سے — نظم کرتے ہیں حقیقی واقعے
پھر نتائج پر کیا کرتے ہیں غور — غور سے پھر فکر کا ہوتا ہے دور
وہ مفکر بھی ہیں اور شاعر بھی ہیں — اور فنِ شعر کے ماہر بھی ہیں
حضرتِ اقبال کے ہیں ہم نشیں — صاحبِ وجدان و عرفان و یقیں
شاعری پنجاب میں گو عام ہے — قوم کی اصلاح میں ناکام ہے
فوق صاحب کو ہے سب پر فوقیت — درس و حکمت سے ہے ان کو انسیت
ان کی نظمیں نسخۂ اکسیر ہیں — وہ حقیقی شاعرِ کشمیر ہیں

(سیماب اکبرآبادی)

(۲)

...اللہ قریشی

محترمی! السلام علیکم۔

سہرا اور خط پہنچا۔ ڈیزائن دیکھ کر طبیعت خوش ہو گئی۔ اہل پنجاب کا یہی تو وہ معیار ذوق ہے جسے دیکھ کر ان کی بلند مذاقی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ اگر آپ ۵۰۰ یا ایک ہزار سہرے وہیں سے چھپوا کر بھیجدیں تو "شاعر" میں اگلے پیچ جائیں گے۔ اور جن لوگوں کے نام آپ لکھیں گے انہیں اخبار بطور نمونہ بھیجدیا جائے گا۔

امید کہ آپ بخیر ہوں گے۔ سالک صاحب سے سلام کہہ دیجئے۔

تاج آگرہ ۲۸ مارچ سنہ ۱۹۳۰ء　　　　خادم و نیازمند سیاب اکبرآبادی

(۳)

...الدین فوق

محترمی۔ السلام علیکم

خدا خدا کر کے آج تھوڑی سی فرصت ملی۔ تعمیل حکم کر رہا ہوں۔ آگرہ سے لاہور اتنی دور ہے کہ حصول نیاز کا موقع ہی نہیں ملتا۔ خدا کرے عزیزی ظفر احمد کی شادی جلد از جلد اس تقریب کا حیلہ بن جائے۔

کیا آپ کشمیر کی نمائش میں شریک نہ ہوں گے؟ اب تو وقت نکلا جا رہا ہے۔ کوشش کیجئے کہ "کشمیری" وہیں سے شائع ہو۔ کشمیر میں اب کوئی اخبار نہیں ہے اور پریس مہاراجہ کو اس طرف توجہ دلا رہا ہے۔ مگر وہ تو اب چھ مہینے کے لئے یورپ جا رہے ہیں۔

آگرہ جب آپ تشریف لائیں آپ کا گھر ہے۔ اس کے متعلق اطلاع و اعلان کی ضرورت نہیں۔

"پیمانہ" کے ایک موثر ریویو کا منتظر ہوں۔

تنہا ہوں اور قصر الادب کے جوائنٹ ثلاثہ نے دماغ پریشان کر رکھا ہے منتظر سلمہٗ سے بہت کچھ مدد مل رہی ہے خدا کا شکر ہے۔ ساغر تو اب اپنی دنیا الگ بنا رہے ہیں۔ گو وہ اپنی اس کوشش میں ناکام ہیں۔ مگر کوشش جاری ہے۔ بہر حال پیمانہ کے ساتھ ان کا تعاون میرے اطمینان کا باعث ہے۔ اور کوئی خدمت؟ ہاں نیرہ اور بنفشہ ضرور بھیجئے کچھ "شاعر" یا "پیمانہ" میں بھی لکھئے!

ہائے کشمیر!

تیرے دیدار کی حسرت دل سیاب میں ہے

قصر الادب آگرہ ۱۰ اگست سنہ ۱۹۳۰ء　　　　نیازمند سیاب اکبرآبادی

(۴)

...محمد الدین فوق

مکرمی و محبی نازکرمۂ۔ السلام علیکم۔

کارڈ پہنچا۔ میری عدیم الفرصتی اور عدم تعمیل ارشاد کی یہ کافی سزا تھی جو آپ نے اس کارڈ میں میرے لئے تجویز

منشی محمد الدین فوق

فرمائی۔ دل پر ایک تازیانہ لگا۔ احساس جاگا اور ہاتھ اس بکس کی طرف بڑھ گئے جس میں آپ کے مطبوعہ محفوظ [illegible]
وہ تمام کاغذات نکال کر اپنے سامنے رکھ لئے ہیں۔ بہت ممکن ہے شام تک بھیج دوں ورنہ کل بھیجنے میں تو تا[illegible]
نہیں۔ لیکن اس سے پہلے کہ یہ چیز آپ کے پاس پہنچے۔ آپ کو اپنے "الفاظ" اب مزید تکلیف نہ دوں گا" واپس
لے لینے چاہئیں۔ مجھے ان الفاظ سے جتنی تکلیف ہوئی ہیں ہی خوب جانتا ہوں۔ خادم ہوں۔ نیازمند ہوں۔ خادم
خفا نہیں ہوا کرتے۔

ادبی مرکز حسب الارشاد حاضر ہیں۔ ان کا کیا بنے گا؟ ذرا میں بھی تو سنوں!
"شاعر" آپ کے پاس برابر جارہا ہے۔ اپریل مئی کا یکجائی نمبر کیا آپ کو نہیں ملا؟ متنکر کہتے ہیں میں نے مزید [illegible]
ہے۔ اب فیصلہ آپ کی اطلاع پر ہے۔ اطلاع آنے پر دوبارہ بھجوا دوں گا۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ "شاعر"
ہیمانہ کے ماہنامہ کر دیا گیا ہے۔ میں تو "کشمیری" میں ریویو کا منتظر تھا۔ لیکن آپ کہتے ہیں "شاعر" پہنچا ہی نہیں۔ حیا[illegible]
آپ کے خط کا "بیگانگی" والا ٹکڑا پھر صبر آزما ہے۔ جن لوگوں کا شعار خلوص ہے وہ اس لفظ سے نا آ[illegible]
ہیں۔ "تاج" اور "شاعر" دونوں آپ کے ہیں۔

آپ آخر جون میں کشمیر جائیں گے۔ مبارک ہو۔ کشمیر سے ہمارا بھی سلام کہہ دیجئے گا۔

اور کوئی خدمت؟

آگرہ ۲۰ رمئی ۱۹۳۱ء — نیازمند۔ سیماب اکبرآبادی

(۵)

بنام محمد عبداللہ قریشی

محترمی۔ وعلیکم السلام

دعوت نامہ پہنچا۔ یاد آوری کا ممنون ہوں۔ میں بوجوہ انجمن[1] کے اجلاس میں شریک نہ ہو سکوں گا۔ اگر لاہور آ[illegible]
آپ کی شادی میں شرکت ضرور کرتا۔ خدا یہ نئی زندگی آپ کو مبارک کرے اور ازدواجی مسرتیں ساز گار ہوں۔
دور ہی سے سہی مبارک ہو[2]۔

شریک مسرت
سیماب اکبرآبادی

شاہ آگرہ ۸ر اپریل ۱۹۳۳ء

---

[1] حمایت اسلام لاہور

[2] میں نے اپنی شادی کے موقعہ پر دعوتی رقعہ بھیجا تھا جس کے جواب میں یہ خط اور حسب ذیل نظم موصول ہوئی تھی:۔

زہے نشاط گلستاں زہے شباب بہار — اُلٹ دیا ہے کسی مست نے نقاب بہار
ادھر پری ہے زمیں چاندنی کے پھولوں سے — ادھر فلک پہ فروزاں ہے ماہتاب بہار
صبیح غنچوں سے ہونے لگی تراوش کیف — صراحیوں سے چھلکنے لگی شراب بہار
بساط سبزہ سے پیدا ہے ایک حشر جمیل — ہر ایک ذرہ ہے رنگین فرش خواب بہار (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۶)

جناب نثار اٹاوی

QASR UL ADAB, AGRA.

عزیزی۔ السلام علیکم۔

آپ کے پاسِ خاطر سے شاد صاحب کی غزل بعد اصلاح واپس بھیج رہا ہوں۔ اسے اجتہاد نہیں کہتے آپ کہتے ہیں۔ ہر متداول بحر میں ایک یا دو رکن بڑھاکر بحور معلومہ کے خلاف بحریں معلوم کرلینا بہت معمولی اور بچوں کا سا کام ہے۔ لیکن اس قسم کی بحریں نہ مروج ہوسکتی ہیں نہ کارآمد۔ شاد صاحب کو اس بے راہ روی سے روکئے۔ نئی بحریں یوں ایجاد نہیں ہوا کرتیں۔ اس کے لئے بڑے بڑے علم اور بڑی مہارت کی ضرورت ہے۔ اس غزل پر آپ کے پاسِ خاطر میں نے اصلاح کردی ہے۔ قاعدے کے اعتبار سے اس غزل کو خلاف وزن نہیں کہا جاسکتا۔ خلاف بحر کہہ سکتے ہیں۔

۲۶ ستمبر سنہ ۴۰ء

دعاگو

سیماب اکبرآبادی

(...پہلے مطلع کا)

کسی مسرتِ نو خیز کی ہے اک تمہید — یہ جوشِ گل یہ تغیر یہ انقلابِ بہار

بہا تھا خونِ محبت جو عیدِ قرباں پر
وہی ہے آتشِ گل دامنِ گلستاں پر

ہوئے ہیں جمع بصد شوق خادمانِ ادب — کہ صدرِ محفلِ عشرت ہے آج جانِ ادب
وہی ادیب ادب جس پہ ناز کرتا ہے — وہ عندلیب و طوطیٔ بوستانِ ادب
وہ جس کی قوتِ ذہنی کا معترف ہے کمال — نگاہ جس کی ہے گلچینِ گلستانِ ادب
وہ ایک ذرہ جو پامالِ رہگذر ہو کر — بنا خود اپنی ہی کوشش سے آسمانِ ادب
وہ اک جوان قریشی محمد عبداللہ — ادا شناسِ معانی مزاج دانِ ادب

جھکا چکی ہے عروسِ ادب تو پرچم کو
عروسِ حسن اب آئی ہے خیرمقدم کو

نوید ہو کہ مقدر بروئے کار ہے آج — مزاجِ حسن محبت سے ہمکنار ہے آج
ہوئی ہے ختم تمنا و شوق کی منزل — نہ منتظر ہے کوئی اور نہ انتظار ہے آج
وہ دل جو خارِ تمنا سے تھا خلش اندوز — خوشی کے جوش سے گلخانۂ بہار ہے آج
برس رہی ہے مسرت کی روشنی ہر سو — قرانِ زہرہ و خورشید سازگار ہے آج
دماغ ہوش ہوئی مضطرب نشاط کی گونج — اس انجمن میں ہر اک ساز نغمہ بار ہے آج

نظر جہاں رہے آغوشِ پر بہار رہے
الٰہی عہدِ محبت یہ استوار رہے

سیماب

(۷)

بنام جناب نثار صاحب اٹاوی

QASR UL ADAB, AGRA.

باسمہ تعالیٰ

عزیزی! میں بھوپال اور جھانسی کے مشاعروں سے کچھ ایسا تھک گیا تھا کہ دو روز تک ڈاک دیکھنے کا بھی موقع نہ ملا۔ اسی لئے آپ کے خط کا جواب بھی نہ دے سکا۔ مگر معلوم ہوا کہ برخوردار اعجاز حسین سلمہٗ نے جواب دے دیا ہے۔ اس کے بعد پھر آپ کا کوئی خط اس وقت تک نہ ملا ہیں اسلامیہ ہائی اسکول کے مشاعرے میں حاضر ہو جاؤں گا صدارت کے لئے معافی چاہتا ہوں اس لئے کہ خطبۂ صدارت لکھنے کا وقت نہیں رہا۔ ۲۵ر جنوری کو لکھنؤ جا رہا ہوں۔ ۱۹-۱۲-۱۹ پر اٹاوہ سے گزروں گا۔ فرصت ہو تو ٹرین پر مل لیجئے۔

اعجاز سلمہٗ کا ارمان صاحب کا اور میرا کرایہ آمد و رفت مع زاد راہ ۲۵ر تک یہاں پہنچ جانا چاہئے۔

ہیڈ ماسٹر صاحب سے میرا اسلام کہہ دیجئے۔

۲۳ر جنوری ۱۹۴۱ء دعاگو سیماب اکبرآبادی

(۸)

بنام منشی محمد الدین فوق

محترمی۔ سلام علیکم۔

لاہور میں تو صرف اس لئے آنا چاہتا ہوں کہ آپ سے ملاقات ہو جائے۔ البتہ کشمیر دیکھنے کا شوق ہے۔ ہندوستان میں پیدا ہونیکے بعد تاج اور کشمیر نہ دیکھنا پیدا نہ ہونے کے برابر ہے۔

امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے۔

بچے آداب کہہ رہے ہیں۔

قصر الادب آگرہ ۲۷ر مارچ ۱۹۴۱ء دعاگو سیماب وارثی اکبرآبادی

(۹)

بنام ظفر الحسن خلف فوق مرحوم

باسمہ تعالیٰ

(قصر الادب۔ آگرہ)

عزیزم سلمہٗ۔ آپ کا کارڈ ملا۔ مجھے آپ کے والد کے انتقال کی خبر کل ہی "خیام" کے ذریعے مل چکی تھی میں نہیں کہہ سکتا کہ اس اطلاع سے میرے دل پر کیا گذری؟ مرحوم کی تواضع، مہمان نوازی، مردم شناسی، معاملہ فہمی اور تدبر بیک وقت سب اوصاف یاد آ گئے۔ افسوس،

اب کہاں لوگ اس طبیعت کے!

مگر قانون الٰہی آخر قانون الٰہی ہے۔ وہ آج تک کسی کے لئے نہیں ٹوٹا۔ اور اس سے کوئی ایک متنفس بھی مستثنیٰ نہ ہو سکا۔ دنیا کے تمام رہنے والے ایک ہی کشتی پر سوار ہیں۔ اور آگے پیچھے اپنے اپنے ساحل پر اترتے ہیں کشتی سب کو چھوڑتی ہے۔ ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام۔ ۱۴ر ستمبر کو فوق صاحب اور ۱۵ر ستمبر کو حائل صاحب دہلوی کے انتقال نے علی التواتر پیغام سوگواری دیا ہے۔ خدا مغفرت کرے اور انہیں اپنے

بجوار رحمت میں جگہ دے۔ نیز آپ لوگوں کو صبر و استقامت ارزانی فرمائے۔
فوق صاحب اپنے پیچھے اپنے اتنے کارنامے چھوڑ گئے ہیں کہ دنیا انہیں مدتوں نہیں بھول سکتی۔ ان کی تصانیف کی اشاعت کا انتظام بالالتزام ہوتا رہا تو وہ آپ ہی لوگوں میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔
دنیا کا دستور دائمی یہ ہے کہ یہاں ہر بیٹے کو ایک دن باپ بننا پڑتا ہے۔ فوق صاحب کے والد ماجد نے بھی ایک دن اسی طرح وفات پائی تھی اور انہیں باپ بننا پڑا تھا۔ اب ان کے بعد اس آبائی مسند پر آپ کی جگہ ہے مجھے امید ہے کہ آپ مرحوم کے نقش قدم پر چل کر اپنی خاندانی شہرت و عظمت کو قائم رکھیں گے۔ رہی تسکین، تو میاں امتداد ایام ہر سانحہ کو خواہ کتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو، بھلا دیتا ہے۔ دل کی جو حالت اب ہے وہ کچھ دن کے بعد باقی نہ رہے گی۔
میں نے کل ارتجالاً ایک قطعۂ تاریخ "خیام" میں اشاعت کے لئے بھیجا ہے۔ اس کی نقل آپ کو بھیج رہا ہوں۔ آپ کا آخری فرض یہ ہے کہ مرحوم کی قبر پختہ بنا کر اس کے سرہانے یہ کتبہ کھدوا کر لگا دیں۔ تاکہ ان کی وفات کا سال محفوظ رہے۔

۲۱ ستمبر ۱۹۴۵ء — شریک درد سیماب اکبرآبادی

هو الباقی

کرد رحلت محمد الدین فوق	بود شاگرد داغ و پاک ضمیر
شاعر و نکتہ داں مدیر و ادیب	خوش بیاں، خوش مزاج، خوش تحریر
چاردہ از مہ ستمبر رفت	روز جمعہ بسوئے ملک کبیر

گفت تاریخ رحلتش سیماب
"انتزاع مؤرخ کشمیر"
۱۹ ۴ ۵

"شاعر" میں بھی مرحوم کے متعلق مزید لکھا جائے گا۔
محمد عبداللہ صاحب قریشی سے میرا سلام کہہ دیجئے۔ یہ آپ کے والد مرحوم کے دست راست تھے، آپ کے بھی کام آئیں گے۔
سیماب

---

(۱۰)

بنام جناب شفا گوالیاری

باسمہ تعالیٰ — مزدوری

محبی۔ السلام علیکم
پورے تین مہینے پہلے ۳ر مارچ کو آپ کا خط آیا تھا۔ کہ آپ ایک معتبر شخص کے ہاتھ شہد بھیج رہے ہیں۔ وہ معتبر شخص آج تک تو آگرہ پہنچا نہیں۔ جاڑے گرمیوں سے بدل گئے۔ مگر وہ مرد خدا بھوپال سے گوالیار اور گوالیار

سے آگرہ نہیں پہنچا۔ اگر ہر قدم پر وہ نفل پڑھتا ہوا بھی چلتا تو اب تک کعبۂ مقصود تک پہنچ چکا ہوتا۔ کہیں شہد کی بوتل میں چپک کر تو نہیں رہ گیا؟

بہرحال اب آپ ایک بوتل شہد موعود اور ایک بوتل شہد بطور تاوان اُسی دوکان سے پارسل کرا کے بذریعہ ڈاک خانہ بھیج دیجئے۔ تیسرے پہر شربت بنا کر پی لیا کروں گا۔ گرمی قوت برابر سلب کر رہی ہے، اور میں کمزور ہوتا چلا جا رہا ہوں۔

اپنی خیریت سے بھی اطلاع دیجئے۔ کیا شاعری کا ذوق کچھ کم ہو گیا ہے یا کم کر دیا گیا ہے۔ خدا کرے آپ مع الخیر ہوں۔

آگرہ ۷ رمئی [illegible]
دعاگو سیماب

(۱۱)

بنام جناب شفا گوالیاری

بسم اللہ تعالیٰ

محبی۔ السلام علیکم۔

خط ملا۔ ۷ ستمبر کو لقوہ کا حملہ ہو گیا تھا۔ الحمد للہ کہ اب نسبتاً اچھا ہوں۔ مرض بتدریج زائل ہو رہا ہے۔ علاج برابر جاری ہے۔

"پرچم" آپ کے نام برابر جا رہا ہے۔ اس کی توسیع اشاعت میں کوشش کیجئے۔ بھوپال سے "جادہ" نہیں آیا۔ کیا بات ہے؟

کراچی ۱۲ر اکتوبر [illegible]
دعاگو سیماب اکبرآبادی

(۱۲)

بنام نشار صاحب اٹاوی

محبی السلام علیکم۔

آپ کا خط ملا۔ ترک وطن ایک امر تقدیری تھا۔ پورا ہوا۔ "وطنے بر نمش" کا قصہ ہے۔ مجھے بھی آپ لوگوں سے جدا ہونے کا بیحد صدمہ ہے مگر مجبوری ہے۔ "علیہ ما علیہ" تکمیل کے بعد انشاء اللہ بصورت کتاب مزید شائع کی جائے گی۔ "پرچم" کا سالنامہ عنقریب شائع ہوگا۔ نشاط صاحب مجھ سے نہیں ملے۔ مظہر سلمہ اچھی طرح ہیں۔

کراچی ۹ر مارچ [illegible]
دعاگو سیماب اکبرآبادی

(۱۳)

بنام جناب شفا گوالیاری

محبی شفا صاحب۔ السلام علیکم۔

کل شام کو آپ کا خط ملا۔ مولانا ذکی کی خبر وفات سے تکلیف ہوئی۔ خدا مرحوم کو جنت الفردوس عطا فرمائے۔ ارتجالاً ایک قطعۂ تاریخ آج صبح کہہ کر پہلی ڈاک سے بھیج رہا ہوں۔ اس کی ایک نقل "خاور" کو اور ایک "جادہ" کو بھی بھیج دیجئے۔ اس کی رسید بہت جلد بھیجئے۔ تاکہ پہنچنے کا اطمینان ہو۔ ایک کارڈ اس سے پہلے لکھ چکا ہوں، خدا جانے وہ پہنچا یا نہیں۔ "خاور" کے خاص نمبر کے لئے کل پرسوں تک کچھ بھیج دوں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

یہ معلوم کر کے کہ آپ وہاں مطمئن ہیں، اطمینان ہوا۔ خدا مطمئن ہی رکھے۔

کراچی ۵ر مئی سنہ

دعاگو سیماب اکبرآبادی

شفا گوالیاری

(۱۴)

کوئی محفل تھی نہ اپنی۔ کوئی محفل میں نہ تھا
وہ بھی کیا دن تھے کسی کا عشق جب اپنی نہ تھا

پہلے مصرع میں صرف الفاظ کی بے ترتیبی سے مصرع سست اور اُلجھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ معناً غلط نہیں ہے۔ اگر مصرع کی ترکیب یہ ہو۔ "تھی نہ اپنی کوئی محفل، کوئی محفل میں نہ تھا" تو پھر کوئی الجھن باقی نہیں رہتی۔ شاعر نے دل کو محفل اور عشق کو صاحب محفل تعبیر کیا ہے، جو صحیح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

یکم ستمبر سنہ

سیماب اکبرآبادی از کراچی

مرزا فرحت اللہ بیگ

(۱)

بنام ڈاکٹر زور

مکرمی!

تسلیم۔ آپ ولایت سے آگئے اور مجھ سے نہیں ملے۔ کچھ تحفہ نہ تھا تو خیالات ہی مل جاتے۔ پرسوں مولوی عبدالحق [illegible]
مجھ سے ملے تھے۔ انہوں نے آپ کے واپس آنے کا ذکر کیا اور یہ بھی کہا کہ ان کی فرمائش پر آپ آتشکدہ ابراہیم میں سے
انعام اللہ خان یقین کے حالات لکھ کر لائے ہیں۔ چونکہ یقین کا دیوان مولوی صاحب طبع کرا رہے ہیں اور اس کا انتظام [illegible]
سپرد ہے اس لئے انہوں نے فرمایا تھا کہ جو حالات آپ یقین کے لکھ کر لائے ہیں وہ میں آپ سے طلب کر لوں۔ اگر وہ
نوٹ عنایت ہو تو عین عنایت ہے اور اگر فرصت کے وقت مجھ سے مل لیجئے تو اس سے بھی زیادہ عنایت۔ بہرحال مجھے
آپ کے خط اور نوٹ کا سخت انتظار رہے گا۔ کیونکہ میں نے یقین کے حالات لکھنے شروع کر دئے ہیں اور صرف آپ
نوٹ کے انتظار میں رک رہے ہیں۔ والسلام!

کمترین: فرحت اللہ بیگ۔ ۴ مہر سنہ ۱۳۳۸ ف[1]

(۲)

بنام ڈاکٹر زور

مکرمی!

تسلیم۔ عنایت نامہ صادر ہوا۔ آپ کی عنایت کا شکریہ۔ مجھے تذکرۂ گلزار ابراہیم ہی کے الفاظ کی ضرورت ہے اگر عنایت ہو تو مہربانی۔
آپ کسی وقت دفتر آجایئے۔ اگر ۱۱ اور ۲ کے درمیان ہو تو بہت ہی اچھا ہے۔ یہاں یقین کے متعلق آپ سے گفتگو بھی ہو جائے [illegible]
حیدرآباد میں بیٹھ کر جتنا مواد میں نے اس بارے میں جمع کر لیا ہے اس سے زیادہ جمع کرنا یہاں ذرا مشکل ہے۔ بہرحال تشریف لایئے۔ اگر [illegible]
کسی وقت آجایئے تو اور بھی اچھا ہے۔ کیونکہ بغیر آپ سے ملے میں اس مضمون پر آگے قلم نہ اٹھاؤں گا۔ والسلام!

کمترین فرحت اللہ بیگ۔ ۷ مہر سنہ ۱۳۳۸ ف

---

[1] حیدرآبادی سنین کو سنہ عیسوی میں تبدیل کرنا میرے لئے مشکل تھا اس لئے انہیں مجبوراً بغیر ترتیب کے پیش کیا جا رہا ہے۔ (مرتب)

(۳)

بنام ڈاکٹر زور

مکرمی زور!

تسلیم۔ نظیر پر میرے جو نوٹ ہیں ان کا مجھے انتظار ہے اس میں ابھی بہت کچھ بڑھانا ہے اور چھپنے کا موقع آگیا ہے۔ جو خط میں نے نظم کے قطعہ کے ساتھ دیا ہے اس میں کا یہ آخری فقرہ کاٹ دو" اس کی آنکھوں میں نون دیا۔ گدھے نے کہا میری آنکھیں پھوڑ دیں" یہ فقرہ کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ والسلام!

کمترین مرزا فرحت اللہ بیگ

(۴)

بنام نصیر الدین ہاشمی

مکرمی!

تسلیم۔ آپ کی دو رسالہ کتابیں مجھے ملیں۔ میں چند روز ہوئے حیدرآباد آیا تھا اور آپ کا شکریہ ادا کرنے عبدالمجید بیگ صاحب کے مکان پر گیا تھا۔ آپ کے ہاں دریافت کرایا تو معلوم ہوا کہ باہر گئے ہوئے ہیں۔ بہرحال اس خط کے ذریعہ سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

معلوم ہوتا ہے آپ کے ہاں دفتر میں کام بہت کم ہے ورنہ اس طرح مسلسل کتابوں کا لکھنا اور چھپوانا کچھ آسان کام نہیں ہے۔ میری تو یہ حالت ہے کہ کام کا بار سر نہیں اٹھانے دیتا۔

آپ نے جو رنگ ڈال دیا وہ بہت اچھا ہے، اگر یہی سلسلہ جاری رہا تو بہت سے نامعلوم ادیبوں اور شعراء سے دنیا واقف ہو جائے گی اور جو کمی اہلِ علم کے تذکروں میں ہے وہ بہت کچھ پوری ہو سکے گی۔

آخر میں شکریہ اور بہت بہت شکریہ۔ میری جانب سے ہر سان حال کی خدمت میں مع وجب۔

کمترین فرحت اللہ بیگ۔ گلبرگہ شریف ۱۳ر شہریور سنہ ۵۴ ف

نوٹ: مرزا صاحب سے میری ملاقات دفتر دیوانی کی ملازمت کے بعد شروع ہوئی (۱۳۲۹ف) مرزا صاحب کے مضامین اور میرے مضامین اور تالیفات کے سلسلہ میں اتحاد زیادہ ہوتا گیا۔ اب مرزا صاحب جو تالیف شائع کرتے ہیں وہ مجھے تحفہ دیا کرتے ہیں اور میں بھی اپنی تالیفات ہدیہ کرتا ہوں۔ (نصیر الدین ہاشمی)

(۵)

بنام ڈاکٹر زور

مکرمی!

تسلیم۔ سب رس ملا۔ شکریہ۔ خوش مذاقی کا ایک لفظ بھی اگر سوقیانہ ہو جائے تو وہ سارے مضمون کو خراب کر دیتا ہے۔ میرے مضمون میں ایک ایسا لفظ موجود تھا اور رسمی کر میں بدلنا چاہتا تھا مگر جب مضمون چھپ گیا ہے تو لاچاری ہے۔ باقی مضمون نہ لکھا گیا ہے اور

...اس کے لکھے جانے کی کوئی اُمید ہو سکتی ہے۔ اتنا حصہ بھی پرسوں جوش میں لکھ لیا گیا تھا۔ اب جوش ٹھنڈا ہو گیا اور مضمون ختم۔ والسلام!

کمترین فرحت اللہ بیگ ۳۰ اردی بہشت سنہ ۴۷ ف

(۶)

بنام بشیر النساء بیگم صاحبہ بشیر

محترمہ تسلیم

آپ کا تحفہ ملا تھا مگر وہ کہیں اِدھر اُدھر ہو گیا۔ جیتا تھا کہ کس پتہ پر خط لکھوں۔ بارے آج وہ پھر مل گیا۔ اس کی معذرت کے ساتھ شکریہ ادا کرتا ہوں۔ بہادر خاں مرحوم میرے عزیز دوست تھے۔ ان کے مرنے کا مجھے بڑا رنج ہے مگر اس کے ساتھ ہی ذرا اس خیال سے تسلی بھی ہو جاتی ہے کہ مرنا سب کو ہے لیکن ایسا مرنا سب سے اچھا ہے کہ آدمی اپنے انتہائی عروج کے زمانہ میں ختم ہو جائے تاکہ ع

یاد کوئی تو گاہ گاہ کرے

ورنہ بعض وقت تنزل کے بعد انسان گاندھی جی ہو کر رہ جاتا ہے۔ آپ نے دل سے یہ نظم لکھی ہے اس لئے دل میں اثر کرتی ہے۔ ورنہ اوپری دل سے تو ہر کوئی نوحے اور مرثیے لکھ لیا کرتا ہے۔ خدا آپ کو اس کا اجر دے۔ والسلام!

کمترین مرزا فرحت اللہ بیگ۔ برکت پورہ ۷ر مہر سنہ ۵۲ ف

(۷)

بنام ڈاکٹر غلام یزدانی صاحب

برادرم!

السلام علیکم۔ تمہارے دو خط آئے۔ جواب اس لئے نہیں دیا کہ تمہارے تحفہ کا انتظار تھا وہ آج مل گیا۔ بندۂ خدا کوئی چیز کسی کے لئے بھیجتے ہیں تو اس کی حاجت دیکھ لیتے ہیں۔ یہ شیوہ امریکہ والوں کے لئے ہے نہ کہ فرحت اللہ بیگ کے لئے۔ میرے پاس خدانخواستہ اتنے نوٹ کہاں سے آئے جو اس میں بھر کر پھروں۔ بس میرے بٹوہ میں اتنی گنجائش کافی تھی کہ دس روپے کا ایک نوٹ آ جائے۔ بہرحال چونکہ یہ آ چکا ہے اس لئے شکریہ کے ساتھ رکھ لیتا ہوں ورنہ سچ یہ ہے کہ نہ میں اس کے قابل ہوں اور نہ یہ میرے قابل۔

زبیدہ کی کامیابی کا حال سن کر بڑی خوشی ہوئی۔ خدا اس کو ساتھ خیر و خوبی کے بعد ختم تعلیم واپس لائے۔

میں اپنا تحفہ تمہارے لئے پہلے ہی حیدرآباد میں چھوڑ آیا ہوں۔ "میری شاعری" کو دیکھو۔ ایک جدت ہے اور بڑے مزے کی جدت ہے۔

ہاں یہ تو لکھو کہ عرس شریف کے موقع پر آؤ گے یا نہیں۔ اگر نہ آؤ تو کم سے کم پھل اور بیری کو تو بھیج دو۔ آخر ان کو تم نے کیوں گھر میں بند کر رکھا ہے۔

تم نے کیمرہ لانے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر ۔ ۔ ۔ ۔ خیر جانے دو۔ تم لانے کی محنت سے بچے اور میں بلا وجہ کے خرچ سے۔ میری جانب سے سب کو دعا کہہ دو۔ یہاں بفضلہ سب اچھی طرح ہیں۔ سردی خوب پڑ رہی ہے۔ والسلام!

کمترین: فرحت۔ گلبرگہ شریف

(۳)

بنام حکیم مختار احمد

عزیزم سلمہٗ

دو عدد خط بعدہٗ ایک پوسٹ کارڈ دو دن ہوئے پہونچے۔ مگر مجھے ایک خط پرسوں اور ایک کارڈ کل ملا۔ وجہ یہ ہوئی کہ میں حیدرآباد میں نہ تھا۔ گلبرگہ شریف گیا تھا وہاں علیل ہو گیا آٹھ روز گلبرگہ شریف میں قیام کرنا پڑا پرسوں دس بجے دن حیدرآباد پہنچا ہوں آپ کو خط لکھا۔

آپ تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کے کسی خط کا جواب نہیں دیا ممکن ہے کہ آپ تک نہ پہونچا ہو اور اس لئے آپ صحیح فرماتے ہوں مگر حقیقت یہ نہیں ہے میں نے ضرور جواب دیا ممکن ہے کسی ایک خط کا جواب نہ دیا ہو اور وہ شاید اس خط کا جو آپ نے جناب جوش صاحب کے ذریعہ سے بھیجا تھا اور اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ خط مجھے اتنی دیر میں ملا کہ جواب دینا بیکار ہو چکا تھا درخواست پیش کرنے میں مجھے ذرا تامل نہیں میں ضرور پیش کروں گا مگر یہ بتانا چاہتا ہوں (اگر آپ یقین فرمانا مناسب سمجھیں) کہ کام اس طرح نہیں ہوا کرتا جو خطوط آپ نے لکھے رہ گئے ہیں وہ ہر شخص کے حالات سے متعلق نہیں ہیں۔ زیادہ دعا۔

محمد شوکت علی خاں فانی۔

حیدرآباد۔ ... پلی۔ مکان ... مورخہ ۲۵ / اپریل ۳۳ء

نوٹ: چونکہ ابھی مہاراجہ بہادر کی خدمت میں حاضر ہونے سے بوجہ علالت معذور ہوں اس لئے دو چار روز تک درخواست پیش نہ کر سکوں گا۔

فانی

(۴)

بنام حکیم مختار احمد

عزیزم طول عمرہٗ

بعد دعا معلوم ہو کہ تمہارا پوسٹ کارڈ پہونچا۔ حالات معلوم ہوئے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ تم میری بات نہ مانو گے اس لئے کہ تم یہاں کے حالات کا اندازہ نہیں کر سکتے تاہم چونکہ میرا فرض ہے کہ تمہارا قصد معلوم کرنے کے بعد فوراً تمہیں متنبہ کر دوں اس لئے بالخصوص اس لئے کہ تم مار یا نہ ... تمہیں یہ مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ حیدرآباد کا قصد بلا تامل فسخ کر دو۔ اس مشورہ کا سبب کبھی زبانی کہوں گا۔ فی الحال اسی قدر کافی ہے۔ اگر تم نے اس مشورہ پر عمل نہ کیا تو نقصان مال کے علاوہ سخت پریشان ہو گے۔ میرا تقرر ہنوز نہیں ہوا ہے۔ دیکھئے کب ہوتا ہے اور کہاں۔ یا غالباً ہوتا بھی ہے یا نہیں۔ عزیزی عشرت علی خاں کا حال کا حال معلوم کر کے سخت پریشانی ہے افسوس کہ کچھ نہیں کر سکتا۔ خدا رحم کرے اور کیا کہوں۔ زیادہ دعا۔

شوکت علی خان

حیدرآباد۔ ... پلی۔ مکان ۲۴ مورخہ ۲۸ / جون ۳۳ء

(۵)

بنام ...عات علی بریلوی

مکرمی تسلیم۔

گرامی نامہ مورخہ ۳۰ / اگست ۳۸ء پرسوں ۸ ستمبر ۳۸ء کو ناندیڑ ہوتا ہوا حیدرآباد میں ملا — میرا تبادلہ عرصہ ہوا ناندیڑ سے ورنگل ہو گیا تھا اور ورنگل سے بھی تبادلہ کو ایک عرصہ ہوا۔ اب جگتیال ضلع کریم نگر بھیج دیا گیا ہوں۔ ایک سال میں تین تبادلے ہو چکے ہیں سنتا ہوں کہ پھر تبادلہ زیر غور ہے غرضکہ

ایک چکر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں

حیدرآباد میں اس وقت قیام کا باعث یہ ہے کہ میں تین مہینے سے علیل اور رخصت پر ہوں۔ چونکہ ابھی صحت نہیں ہوئی رخصت میں شاید مزید توسیع کی ضرورت ہوگی۔ اپنا حال کن الفاظ میں لکھوں۔ بہر صورت اور بہر حال خدا کا شکر ہے اگر زندگی میں آپ سے ملنا مقدر ہے تو انشاء اللہ زبانی عرض کروں گا۔ میرے اشعار کا مجموعہ لطیفی پریس دہلی سے انجمن ترقی اردو اورنگ آباد کی طرف سے عرفانیات فانی کے نام سے عنقریب شائع ہونے والا ہے — اسمیں وہ تمام مجموعہ بھی ہے جو باقیات فانی میں شائع ہوا تھا۔ ایک نسخہ آپ کی خدمت میں یقیناً انشاء اللہ پہنچے گا۔ یاس صاحب سے تقریباً چار سال ہوتے بول چال اور آمد و رفت بند ہے۔ سنا گیا ہے کہ بہت خفا ہیں۔ سبب اب تک معلوم نہ ہوا۔ ان کی شاعری کے متعلق آپ کی رائے سے مجھے صرف اس قدر اختلاف ہے کہ آپ محض ان کی شاعری کے متعلق فرماتے ہیں کہ موجودہ رنگ میں پڑ کر انہوں نے اپنی شاعری کو بہت زیادہ گرا دیا مگر میں اس سے کچھ آگے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ان کی شاعری کے ساتھ جو امیدیں وابستہ تھیں وہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئیں۔

آپ کی علالت کا حال معلوم ہو کر افسوس ہوا۔ امید ہے کہ اب کچھ افاقہ ہوا ہوگا۔ خدا آپ کو زندہ اور تندرست رکھے کہ آپ مغتنمات زمانہ میں سے ہیں بہت جی چاہتا ہے کہ اڑ کر پہنچوں اور آپ سے مل کر جتنا وقت گو بسکون گزار لوں

میرے گھر میں آپ کو سلام کہتی ہیں اور لڑکے قدم بوسی عرض کرتے ہیں۔ زیادہ نیاز۔

شوکت علی خاں فانی حیدرآباد مورخہ ۱۰ / ستمبر ۳۸ء

یہ عریضہ خود نہ لکھ سکا لکھوا دیا ہے، طبیعت ٹھیک نہ تھی معاف فرمائیے گا۔

(۶)

بنام حکیم مختار احمد

عزیزم مختار احمد سلمہ اللہ تعالیٰ

عبد القادر صاحب کے ہاتھ جو تم نے خط بھیجا تھا پہونچا۔ میرے گھر میں اب ایسی کوئی شکایت نہیں ہے تاہم تمہاری بھیجی ہوئی ادویہ اور نسخہ جات اور پرسش حال کا شکریہ۔ تم نے اپنے متعلق کچھ نہ لکھا کہ اب کیا کیفیت ہے۔ کام کیسا چلتا ہے عام حالات کیا ہیں۔ تم لکھتے ہو کہ تمہیں یہاں نہ آنے کا افسوس ہے۔ افسوس کسی طرح صحیح نہیں میں تو کہتا ہوں کہ اچھا ہوا تم

جستے سے بچ گئے۔ مشکل ہے کہ تم اس کو باور کرو۔ مگر یہ پھر بھی حقیقت ہی رہے گی۔
بہت عرصہ سے میں خود بدایوں آنے کا قصد کر رہا ہوں۔ دیکھیے مشیت الٰہی کیا فیصلہ کرے۔ میری مدت ملازمت
اب تھوڑے ہی دن بعد ختم ہے۔ معلوم نہیں یہاں سے واپسی پر کہاں جاؤں اور کیا کروں۔ بظاہر خود بدایوں میں تو کوئی صورت
نظر نہیں آتی۔ حالانکہ دل یہی چاہتا ہے کہ زندگی کے آخری لمحات وہیں گزر جائیں تو بہتر ہے۔ زیادہ دعا۔

شوکت علی خان فانی

حیدر آباد (دکن) سلطان پلی ۲۰۲ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۳۹ء

(۷)

بنام حکیم مختار احمد

عزیزم سلمہٗ

تمہارا خط مورخہ ۲۹ اگست ۱۹۴۰ء ابھی پہنچا۔ باعث مسرت ہوا۔ میں بفضلہ تعالیٰ تندرست ہوں۔ البتہ پچھلی مرتبہ
ریڈیو میں نشر کلام سے ایک روز پہلے کچھ معمولی طور پر طبیعت ناساز تھی۔ اپنی معلومات سے کوئی خاص چیز بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے
تاہم بہت بہت شکریہ۔

"عشرت علی خاں نے استعفا دیدیا تھا" اس "تھا" کا مفہوم شرح طلب ہے۔ کیا وہ استعفا واپس لیلیا گیا یا "تھا"
بجائے "ہے" کے استعمال کیا گیا ہے۔ اس کی توضیح ضروری ہے

اس وقت میری حالت اس قابل نہیں کہ عرفانیات بھیج سکوں تاہم ممکن ہوا تو چونکہ آئندہ ماہ رمضان المبارک میں
سید حسن صاحب حیرت بدایوں جا رہے ہیں ان کو ایک نسخہ تمہارے لئے دیدوں گا۔

فیروز قدر اور ہمایوں قدر دونوں بے کار ہیں اور فیروز قدر عرصہ سے علیل رہتے ہیں۔ میں خود بھی بے کار ہوں۔ وکالت
شروع کر دینے کی خبر غلط ہے۔ ہاں اگر ممکن ہوا تو ارادہ ضرور ہے۔

جدید کلام کو صرف ریڈیو میں سن سکتے ہو اور نوٹ بھی کر سکتے ہو۔ فیروز قدر کی طبیعت درست ہوتی تو لکھ بھیجتے
مگر وہ مجبور ہیں۔ سب سلام کہتے ہیں۔ زیادہ دعا۔

فانی: حیدر آباد (دکن) سلطان پلی ۲۰۲ مورخہ یکم ستمبر ۱۹۴۰ء

نقصان ہے۔ اگر کوئی خاص کلام کسی خاص ضرورت سے کیا گیا ہو تو اسے بھیج دیجئے گا۔

رسالہ نگار جنوری و فروری سنہ ۱۹۴۱ء میں نہ انتخاب میرا انتخاب ہے نہ حالات میرے لکھے ہوئے ہیں۔ مجھ سے پورے دیوان کا انتخاب طلب کیا گیا ــــ اور اس سے بہت کچھ کم کرکے جو چاہا لے کر چھاپ دیا۔ اور اس طرح کہ یہ سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ کس دیوان کا انتخاب کہاں تک ہے۔ حد یہ ہے کہ خاص اردو تک کا کلام شامل کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد تنقید نمبر سنہ ۱۹۴۲ء میں نکلا ہے۔ چار نقادوں کے تبصرے ہیں، جسے دیکھ کر صاف ظاہر ہوتا ہے کہ چاروں ایسی انجمن کے ممبر ہیں، جن کا سب کا نقطۂ نظر کچھ لوگوں کو گھٹانا اور کچھ کو بڑھانا ہے۔ جس کے لئے نہ کسی دلیل کی ضرورت ہے نہ کسی توضیح کی۔ بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ اک ایسے قطعی فیصلہ کا اعلان ہے۔ جسے بے چون و چرا تسلیم کر لینا ہر شخص کا فرض ہے۔

حضرت نیاز صاحب نے جج بن کر ناطرفداری کی ادائیں دکھانے کے بعد جو فیصلے کئے ہیں وہ بھی یہی شان رکھتے ہیں۔ بس اسے مان ہی لو۔

میرے متعلق انہوں نے جو گلفشانیاں کی ہیں وہ بہت ہی پُرلطف ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اہلِ فہم میرے دھوکے میں نہیں آئیں گے، مگر عوام مزید آمنّا و صدّقنا کہہ دیں گے۔ لہٰذا جو کچھ کہا ہے اس کا مفہوم تو کلام کے محاسن کو ظاہر کرتا ہے اور اندازِ بیان محاسن کو معائب بناتا ہے۔ یہ شانِ تحریر اپنی جگہ بلند پایہ رکھتی ہے۔ مگر یہ شعار کتنا رکیک ہے۔ حسرت موہانی اور فراق گورکھپوری ہندوستان کے سب سے بہترین غزل گو۔ اور فانی بدایونی ان سے ذرا کم۔ مگر اور سب سے بالاتر ہیں۔ یہ ہے حاصل اس ساری جد و جہد کا۔ ۔ ۔ فانی مرحوم نے میرا پہلا دیوان دیکھتے ہی اپنے چھپے چھپائے دیوان کو کاٹ کر پھینک دیا۔ وہ میرے دوست تھے جس وقت میں نے ان سے مطبوعہ دیوان طلب کیا ہے تو مرحوم نے یہی کہا تھا جو اوپر میں نے لکھا ہے۔ کیا کہوں، فرصت نہیں ورنہ دیکھتا نیاز صاحب کہاں تک ہیں۔ اگر ان کے فریبِ تحریر کے پردے چاک چاک کر ڈالے جائیں تو دنیا ان کے دھوکے میں کبھی نہ آسکے۔ کوشش کروں گا کہ جلد سے جلد فہرست سوالات کی خانہ پری کر کے روانہ کر دوں۔ انصاری صاحب بھی تسلیم کہتے ہیں۔

۲ راپریل سنہ ۱۹۴۲ء — خیر طلب آرزو

(۳)

بنام محمد علی خاں اثر

۲۰۔ جمشید فیروز محل۔ بھنڈی بازار بمبئی ۳

محبی اثر صاحب! اسلام مسنون۔ آپ کا کارڈ اور کتاب حکیم حیدر بیگ صاحب کی معرفت وصول ہو کر دلی مسرت حاصل ہوئی اس لئے کہ اس انقلاب نے تمام احباب و اعزا کی طرف سے پریشان خاطر کر دیا تھا۔ میں اس وقت بہت بیمار ہوں ایک تو خون کا دباؤ، مزید برآں بادی بواسیر خونی ہوگئی۔

مسدس منظر کا نام باغ بے نظیر ہی ہوتا تو بہتر تھا۔ بہرحال خوب کتاب ہے اور آپ نے بڑی جانکاہی سے

سامنے سے تالیف کیا ہے۔ مگر اس وقت میں اس قابل نہیں ہوں کہ اس پر سیر حاصل تبصرہ کرکے چھپواؤں اور اس کی کترن آپ کو بھیجوں۔ آئندہ دیکھا جائے گا۔ دیر آید درست آید۔ یہ وقت تو میرے لئے دعا کا ہے۔

۱۹؍ستمبر ۱۹۵۰ء
خیر طلب آرزو

(۴)

بنام سید مسعود حسن رضوی ادیب

پرنسز پیلس۔ رامپور اسٹیٹ۔ آرزو نواز! تسلیم۔ میں خیریت سے ہوں۔ خدا سے امید ہے کہ آپ بھی بہمہ وجوہ خیریت سے ہوں گے۔ میں ہز ہائنس کے چھوٹے بھائی صاحب کے یہاں مقیم ہوں۔ میرا قیام بحیثیت استاد کے ہے اس لئے تنخواہ کا مسئلہ قابل بحث نہ رہا۔ اور نیز اس وجہ سے بھی کہ میرا تعلق دربار سے کچھ نہیں۔ مگر میرا ذکر اکثر رہا کرتا ہے۔ خالص اردو خاص طور پر پسند کی جا رہی ہے۔ اب تک جتنے اشعار مشہور ہوئے سب اسی مقید اردو کے ہیں۔ عید ملنے کی غرض سے منشی صاحب تشریف لائے ہوئے تھے۔ انہوں نے بھی یہی فرمائش کی کہ آپ وہی اپنی شدمد بھاشا اٹھائیے۔ اسی اثنا میں نظام اردو پہ نظر پڑی۔ پھر ایک گھنٹہ کامل سوا کتاب دیکھنے کے وہ کسی طرف متوجہ نہ ہوئے اور یہ کہہ کر کتاب ہاتھ سے رکھی کہ یہ نئی چیز اور پہلی چیز ہے، یہاں پر مغز اشعار کی قدر نہیں۔ صرف خون کو حرکت دینے والے شعر پسند کئے جاتے ہیں۔ میں نے بھی گویائی کا ذرا سا رخ بدل دیا ہے۔ حال میں ایک مشاعرہ ہونے والا ہے جس کی طرح یہ ہے ؎ دامن تنگ رہا ہے عروس بہار کا ـــــ طرح تو لائق نفرت تھی۔ مگر جانتا ہوں کہ ہز ہائنس کا حکم میرے باب میں نافذ ہوگا۔ اس لئے کچھ شعر کہے ہیں۔ دو اک شعر دوسری طرف لکھوں گا۔ شاید آغا صاحب سلمہٗ نظام اردو کی کچھ کاپیاں لائیں تو الہ آباد جاتے وقت کچھ صدیقی صاحب کے واسطے لے جائیے گا۔ اور کچھ اپنے پاس رکھ لیجئے گا کہ شاید کسی کو آپ بھیجنا ضروری سمجھیں۔ مثلاً کیفی صاحب دہلوی یا اور کوئی۔ بچوں کو دعا۔

آرزو

بجھنے کو ہے چراغ شبِ انتظار کا
چہرہ اترتا جاتا ہے امیدوار کا

بدلی کی چھاؤں سی ادھر آئی ادھر گئی
جھپکی پلک کہ ختم تھا موسم بہار کا

مجھ کو اسی زمیں پہ مٹایا ہے چرخ نے
چاہو جہاں نشان سمجھ لو مزار کا

راہِ طلب میں دوڑ نہ اتنا کہ ہو نفس
اس پھونک میں بجھے گا چراغ اعتبار کا

وہ ان کا اک مٹائے ہوئے کو پکارنا
اور کانپ کر زمیں سے وہ اٹھنا غبار کا

ہنگام صبح بجھ گئی یہ کہتے کہتے شمع
ہم بھی چلے جو وقت گیا انتظار کا

اب ٹھوکریں ہی ٹھوکریں ہیں پھیل ہنگ خشک
چل آرزو کہ ختم ہے موسم بہار کا

پیری میں آرزو یہ جوانی کے زور شور
ہے جوش اس خزاں میں بھی فصلِ بہار کا

حسن کی میعاد صحت والی بحث ختم ہوگئی ہے، کسی فرصت کے وقت صاف کرکے روانہ کروں گا۔ بعض حالات آغا صاحب سلمہٗ سے معلوم ہوں گے۔

جا کر وہاں کے ہسپتال میں داخل ہو گیا۔ سترہ اٹھارہ روز رہا اور ڈاکٹر کی اجازت سے فروری میں واپس آیا۔ جے پور میں اگرچہ دردے بند میں بند ہو گئے تھے لیکن ٹونک آنے سے چونکہ ان بعد ایسا سخت دورہ پڑا کہ خدا کی پناہ۔ دل پر اس کا برا اثر پڑا۔ جسم کے جوڑ جوڑ میں تکلیف رہی۔ تین چار روز تک بدن پر لرزہ طاری رہا اور اب بھی ہے۔ اب تک میں خط لکھنے سے معذور رہا۔ الغرض بری طرح کا نپتا تھا۔ گرمی میں اگر طبیعت سنبھل گئی تو خیر ورنہ سفر آخر بہت قریب سمجھو۔ جسم کی طاقت بالکل زائل ہو چکی ہے اور دل ہر قسم کے صدموں کا دائمی اور شوریدہ۔ اثر پذیر ہونے لگا ہے۔ دن میں کئی کئی مرتبہ ڈوبنے کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ خدا انجام بخیر کرے۔ والسلام!

محمود شیرانی۔ مہندی باغ۔ ٹونک راجپوتانہ۔ ۱۷ فروری ۱۹۴۲ء

(۵)

بنام ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب

مائی ڈیر سید صاحب!

میں آپ کو ایک تکلیف دے رہا ہوں اور بدرجۂ مجبوری لکھ رہا ہوں۔ میرے ہم وطن محمد شریف ہیں جو پنجاب یونیورسٹی کے امتحان میں اس سال شریک ہونے کے گنہگار ہیں۔ میں [illegible] انگلش (ONLY ENGLISH) میں شریک ہوئے تھے۔ یونیورسٹی نے ان کا رزلٹ شائع نہیں کیا۔ اور اپنے سرکلر نمبر 4531/A کے ذریعے تیس روپے ان سے طلب کیے۔ شریف صاحب نے میرے مشورہ سے وہ روپے بھیج دیے جس کی رسید نمبر ۵۵۴۴ یونیورسٹی سے ان کو مل گئی۔ اس کے بعد ایک اطلاعی کارڈ NO.EX FEES 2/1591/4/A آیا جس میں تحریر تھا کہ اب تم نے اپنی فیس کا حساب صاف کر دیا ہے۔ کنٹرولر صاحب کو اطلاع دے دی گئی ہے۔ تمہارا نتیجہ جلد شائع کر دیا جائے گا۔ ساتھ ہی کارڈ اطلاعی آیا کہ ROLL NO. 13361 میٹرک کے امتحان میں "غیر حاضر" ہے۔ پیچھے ہمارے دوست علامہ محی الدین صاحب کے دستخط ہو رہے ہیں۔ یہ اطلاع غیر اطمینان بخش ہے۔ کیونکہ رول نمبر مذکور امتحان میں شریک ہوا ہے اور کاپی دے کر آیا ہے یعنی ENGLISH ONLY کی۔ اب معلوم نہیں کہاں غلطی ہوئی ہے کہ ایک "حاضر" کو یونیورسٹی "غیر حاضر" قرار دے رہی ہے۔ محمد شریف بیچارے بہت پریشان ہیں۔ میرے پاس اس سلسلے میں کئی دفعہ آ چکے ہیں۔ مجھ کو شرم آتی ہے اس لئے آپ کو تکلیف دے رہا ہوں۔ مہربانی کر کے اس بارہ میں آپ ذرا دلچسپی لیجئے اور ان کے نتیجۂ امتحان سے اطلاع دیجئے۔ ممکن ہے کہ یونیورسٹی نے شریف صاحب کو پورے امتحان میں شریک مانا ہو اس لئے غیر حاضر قرار دیا حالانکہ وہ صرف انگریزی کے امیدوار تھے۔ یونیورسٹی نے تیس روپے مانگے تھے اس لئے انہوں نے میرے مشورہ سے تیس ہی بھیج دیے۔ حالانکہ ONLY ENGLISH کی صرف بارہ روپے فیس ہے اور پانچ روپے لیٹ فیس کے۔ اس حساب سے ساڑھے سترہ ان کو لینے چاہئیں۔ میں نے شریف صاحب سے کہا ہے کہ بقایا کے رفنڈ کی درخواست کر دو۔

مہربانی کر کے ذرا تکلیف گوارا کر کے اس معاملہ کے متعلق دریافت کیجئے اور مجھے جواب دے کر اپنا شکر گزار بنائیے۔

آج پرانا والے ڈاکٹر کا خط آیا ہے۔ باقی خیریت ہے۔ اورینٹل کالج میگزین کا کیا حال ہے؟ یاران قدیم میں سے کون کون باقی ہے؟ والسلام!

محمود شیرانی۔ مہندی باغ۔ ٹونک راجپوتانہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۴۲ء

جواب کے لئے ٹکٹ ارسال ہے خفا نہ ہو جئے۔ ہاں یہ بھی لکھئے کہ فاضل رقم کے رفنڈ کے واسطے کس سے خط و کتابت کی جائے گی۔

م ش

(۶)

URGENT

<u>نام ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب</u>

مائی ڈیر سید صاحب!

میں آپ کے مہربانی نامے اور توجہ اور تکلیف کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ بیچارے محمد شریف آپ کی اطلاع کے باوجود میٹرک میں فیل رہے ہیں۔ آپ کے بعد بھی یونیورسٹی سے درخواست کی گئی مگر آفسر سپرنٹنڈنٹ کا جواب تھا کہ تمہارا نتیجہ بھیج دیا گیا ہے۔ اگر نتیجہ دوبارہ مانگتے ہو تو پانچ روپے اور لاؤ۔

محمد شریف صاحب کی درخواست آپ کی خدمت میں بھجوا رہا ہوں۔ اگر آپ خود یا بھانجے صاحب کے ذریعے سے اپنے طور پر ان کی درخواست پر حکم مناسب دے سکیں تو بہت اچھا ہو۔ کیا ظلم کی بات ہے کہ ایک شخص کو جو امتحان میں شامل ہوا ہے زبردستی غیر حاضر دکھایا گیا ہے۔ بھائی جو کچھ آپ سے ہو سکے کیجئے۔ شریف صاحب بہت پریشان ہیں۔

یہ خوشی کی بات ہے کہ میری کتابوں کی فہرست نگاری آپ کے حصے میں آئی ہے۔ مہربانی کر کے آپ اس کی فہرست اسی طریقے سے تیار کیجئے جس طرح ریو اور عبدالمقتدر خاں نے کی ہے۔ اس بارہ میں میں ہمیشہ آپ کو مشورہ دینے کے لئے تیار ہوں۔ آپ نے کالج کے حالات مفصل نہیں لکھے۔ ڈاکٹر صاحب کچھ نہیں لکھتے۔ اورینٹل کالج میگزین اور عربک پرشین سوسائٹی کا چندہ ذریعہ ہذا بھیج رہا ہوں مبلغ ۵ر مہربانی کر کے آپ داخل کر دیجئے اور رسیدیں بھجوا دیجئے۔ شریف صاحب جلدی میں ہیں اس لئے یہ نوٹ ختم کرتا ہوں۔ والسلام! ماموں بھانجوں کو سلام و الدعا!

محمود شیرانی۔ مہندی باغ۔ ٹونک راجپوتانہ ۲۵ دسمبر ۱۹۴۵ء

مہربانی کر کے آزاد گلشن، یا یرے مجموعے یا اور کہیں سے ذوق کا ایسا کلام بھیجئے جو اب تک شائع نہ ہوا ہو۔ والسلام!

م ش

(۷)

<u>نام ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب</u>

مائی ڈیر سید صاحب!

لطف نامہ پہنچا۔ بھائی کیا کرتے ہو۔ وہ پانچ روپے میں نے اورینٹل کالج میگزین اور عربک سوسائٹی کے چندہ کے واسطے بھیجے ہیں۔ آپ شریف صاحب کی امانت کیونکر سمجھ بیٹھے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے خط پورا نہیں پڑھا۔ ریڈر شپ کی مبارکباد قبول ہو۔ گریڈ میں کیا اضافہ ہوا یہ نہیں لکھا۔ شریف صاحب کے سلسلے میں آپ کا اور صدیق صاحب کا شکریہ۔ صدیق صاحب کی تجویز تو بہت مناسب معلوم ہوتی ہے۔ خدا کرے راست آئے۔

ہاں خوب یاد آیا آپ یہ پانچ روپے میری طرف سمجھ کر جس طرح میں عرض کروں کارفرما ہوں یعنی (۱) چندہ اورینٹل کالج میگزین (۲) چندہ عربک پرشین سوسائٹی۔ اگر کمی ہو تو مجھے لکھ دیجئے۔ اگر فاضل ہو تو علی الحساب جمع کرا دیجئے۔ میں اس چندہ یا چندوں کے لئے بہت متفکر ہوں۔ کیونکہ ان پر ایک افتاد پہلے پڑ چکی ہے۔ پچھلے جون یا مئی میں میرے پاس چندہ کی طلب میں کارڈ آیا میں نے گھر والوں

کو لکھا تھا کہ میگزین اور سوسائٹی کے چندہ کے واسطے چار روپے بنام ڈاکٹر محمد اقبال منی آرڈر کر دیں۔ چنانچہ چار کا منی آرڈر کر دیا گیا۔ تین ماہ کے انتظار کے بعد میں نے گھر والوں سے دریافت کیا کہ ان چار روپیوں کی کوئی رسید بھی آئی یا نہیں۔ چند روز کے بعد جواب دیا کہ وہ روپے تو انہی دنوں میں واپس آ گئے تھے اور خرچ بھی ہو گئے۔ میں حیران رہ گیا۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں خط لکھا اور دریافت کیا کہ آخر منی آرڈر کیوں واپس ہوا۔ [illegible] کے بعد جواب آیا لیکن میرے استفسار کا کوئی جواب نہ تھا۔ اب آپ کے ذریعے دوبارہ کوشش ہوئی اور نتیجہ یہ نکلا کہ آپ نے شیخ صاحب کی امانت مان لیا۔ آپ مجھے تو اپنی جواب کیا بلکہ رسیدیں ڈاکٹر صاحب سے لے کر بھجوا دیجئے۔

میرے مجموعے کی فہرست علیحدہ رہنی چاہیئے نہ میرا مجموعہ یونیورسٹی کے مجموعے میں توڑ کر شامل کرنا چاہیئے بلکہ اس کی جداگانہ حیثیت قائم رہنی چاہیئے۔ یہ تو لائبریرین کا سب سے پہلا وعدہ تھا۔ میں اس بارہ میں لائبریرین کو لکھوں گا اور آپ لائبریری کمیٹی میں کمیٹی کے فیصلے کے خلاف میری طرف سے احتجاج کریں۔

میری صحت بالکل گر چکی ہے۔ معلوم نہیں کب تک مہمان رہوں۔ چلنے پھرنے سے معذور رہوں۔ بڑی کوشش کے بعد دس بیس قدم چل سکتا ہوں۔

ذوق کے کلام کے سلسلے میں مجھے کچھ یاد نہیں۔ آپ میری اردو کی بیاضیں دیکھ سکتے ہیں۔ ممکن ہے کہیں کچھ مل جائے۔ آپ مجموعۂ آزاد میں تلاش کیجئے شاید کچھ مل جائے۔ والسلام!

محمود شیرانی۔ مہندی باغ۔ ٹونک راجپوتانہ ۱۴ر جنوری ۱۹۴۶ء

بڑے بھتیجا تم کبھی ملتے ہیں۔ میری مراد شیخ عبدالعزیز بیرسٹر پٹیالہ سے ہے۔ ان کی خدمت میں میرا سلام عرض کر دیجئے میں ان کو علیحدہ بھی عریضہ لکھ رہا ہوں۔ ماموں بھانجے کی خدمت میں سلام۔ ان سے کہنا کہ اگر ٹونک کے خربوزے میری زندگی میں کھانے ہیں تو مئی میں آ جاؤ۔ اس دعوت میں آپ بھی شریک ہیں۔ فقط!

م ۔ ش

---

(۹)

(۱۰)

کو لکھا بھیجا کہ میگزین اور سوسائٹی کے چندہ کے واسطے چار روپے بنام ڈاکٹر محمد اقبال منی آرڈر کر دیں۔ چنانچہ چار کا منی آرڈر کر دیا گیا۔
مہینوں کے انتظار کے بعد میں نے گھر والوں سے دریافت کیا کہ ان چار روپیوں کی کوئی رسید بھی آئی یا نہیں۔ چند روز کے بعد جواب
دیا کہ وہ روپے تو انہی دنوں میں واپس آ گئے تھے اور خرچ بھی ہو گئے۔ میں حیران رہ گیا۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں خط لکھا
اور دریافت کیا کہ آخر منی آرڈر کیوں واپس ہوا۔ مدت کے بعد جواب آیا لیکن میرے استفسار کا کوئی جواب نہ تھا۔ اب آپ کے ذریعے
دوبارہ کوشش ہوئی اور نتیجہ یہ نکلا کہ آپ نے شریف صاحب کی امانت مان لیا۔ آپ مجھے بواپسی جواب کیا بلکہ رسیدیں ڈاکٹر صاحب
سے لے کر بھجوا دیجیے۔

میرے مجموعے کی فہرست علیحدہ رہنی چاہیے نہ میرا مجموعہ یونیورسٹی کے مجموعے میں توڑ کر شامل کرنا چاہیے بلکہ اس کی جداگانہ
ہستی قائم رہنی چاہیے۔ یہ تو لائبریرین کا سب سے پہلا وعدہ تھا۔ میں اس بارہ میں لائبریرین کو لکھوں گا اور آپ لائبریری کمیٹی میں
کمیٹی کے فیصلے کے خلاف میری طرف سے احتجاج کریں۔

میری صحت بالکل گر چکی ہے۔ معلوم نہیں کب تک مہمان رہوں۔ چلنے پھرنے سے معذور ہوں۔ بڑی کوشش کے بعد
دس بیس قدم چل سکتا ہوں۔

ذوق کے کلام کے سلسلے میں مجھے کچھ یاد نہیں۔ آپ میری اردو کی بیاضیں دیکھ سکتے ہیں۔ ممکن ہے کہیں کچھ مل جائے۔
آپ مجموعۂ آزاد میں تلاش کریں شاید کچھ مل جائے۔ والسلام!

محمود شیرانی۔ مہندی باغ۔ ٹونک۔ راجپوتانہ ۱۲ جنوری ۱۹۴۶ء

بڑے بھتیجا ہم کبھی ملتے ہیں۔ میری مراد شیخ عبدالعزیز بیرسٹر بٹالہ سے ہے۔ ان کی خدمت میں میرا اسلام عرض کر دیجیے میں
ان کو علیحدہ بھی عریضہ لکھ رہا ہوں۔ ماموں بھانجے کی خدمت میں سلام۔ ان سے کہنا کہ اگر ٹونک کے خربوزے میری زندگی میں کھانے
ہیں تو مئی میں آ جاؤ۔ اس دعوت میں آپ بھی شریک ہیں۔ فقط!

م۔ش

---

(۸)

(۱)

میں باوجود عدم استحقاق کے آپ کی فرمائش کو قبول کرتا ہوں۔ یہ خط غزل کی رسید سمجھیے۔ اصلاح کسی آئندہ فرصت میں ارسال کروں گا۔ انشاء اللہ جوابی لفافہ بھیجنے کی ضرورت نہ تھی۔ غزل دیکھ کر معلوم ہوا کہ آپ کی طبیعت شاعری کے منافی نہیں ہے۔ استعداد مرحوم حضرت [illegible] سی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ پھر آپ ملک کے شاعروں میں ممتاز درجہ پا سکتے ہیں۔ میں اصلاح تب اس مجاں کو [illegible] ایک بات یاد رکھیے کہ میں عدیم الفرصت بھی ہوں اور کاہل بھی۔ آپ کے تقاضے مجھ سے کوئی کام لے سکتے ہیں۔ والسلام!

خیر طلب: تاجور عفی عنہ۔ مخزن آفس لاہور، ۱۰ فروری ۱۹۲۰ء

التماس: آپ کے انداز تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اچھے مضمون نگار بھی بن سکتے ہیں۔ والسلام!

(۳)

بنام شاکر صدیقی

عنایت فرمائے من! اسلام مسنون

میں حد سے زیادہ نادم ہوں کہ اب تک تعمیل حکم نہ کر سکا۔ آپ کی بیر چشمی سے امید ہے کہ میری فطری کاہلی سے متاثر نہ ہو گی۔ اب میں انشاء اللہ جلد سے جلد نظمیں ارسال کروں گا۔ اطمینان رکھیے۔ والسلام!

نیاز مند: تاجور عفی عنہ۔ مخزن آفس لاہور، ۱۹ اپریل سنہ ۱۹۲۰ء

(۴)

بنام شاکر صدیقی

شاکر صاحب!

سلام! "ان کی نگاہ ناز کے اعجاز سے" اس قسم کے الفاظ پست سمجھے جاتے ہیں۔ "بس رہا عالم کا منظر میری چشم تر میں ہے" بس رہا۔۔۔ سے۔۔۔ ہے۔۔۔ بہت دور واقع ہوا ہے۔ فقروں کی ترتیب سلجھی ہوئی اور درست ہونی چاہیے۔ مشکل ردیف و قافیہ ابھی آپ دو سال تک نہ استعمال کریں۔ فارسی بندشوں سے بھی اس وقت تک احتراز کریں جب تک سلاست اور صفائی کلام میں پیدا نہ ہو۔ کلام میں سادہ اور پاکیزہ جذبات اور خوشرنگ الفاظ سے اثر پیدا ہوتا ہے۔ آئندہ مجھے ذیل کے پتہ پر خط لکھا کریں۔ سیفی صاحب سہاروی۔ بیڈن روڈ۔ کابلی بلڈنگ لاہور۔ سیفی میرے شاگرد ہیں اور مجھ سے شاگردوں کے خطوط کا جواب ضرور لکھوا دیتے ہیں۔

آپ کی مصیبت میں صبر کی تلقین بے مزہ کے سوا اور کیا ہے کہ میں شریک ہو سکتا ہوں۔ خدائے تعالیٰ مرحوم کو مغفرت اور آپ کو صبر اور نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین!

میں کاہل الوجود ہوں۔ اصلاح کا تقاضا سیفی صاحب سے کیا کیجیے۔ وہ میرے پاس رہتے ہیں۔ تقاضا کر کے جواب لکھوا دیتے ہیں۔ والسلام!

خیر طلب: تاجور عفی عنہ

(۵)

بنام مہاراجہ سرکشن پرشاد

سرکار عالی جاہ مہاراجہ بہادر یمین السلطنت!

نیاز مندی: جناب والا کے نام حضرت ہوش بلگرامی کا تعارفی خط ارسال خدمت سامی ہے۔ میں اپنے مکرم نواب صدر یار جنگ بہادر کے پاس مقیم ہوں۔ مختلف احباب کی زبانی جناب کے صفات سنیہ حدیث متواتر کی حیثیت میں مجھ تک پہنچے ہیں اس لئے

۱؎ نواب صدر یار جنگ عبدالصمد خان بھوپال سے حیدرآباد آگئے۔ ناظم صنعت و حرفت ہونے کے بعد کر تحمد فرح ہے۔ آجکل شہزادہ برار کے پرائیویٹ سیکرٹری ہیں۔

غزل (اصلاح)

وہ آنکھیں سے اگر انجمن ناز نہ ہو — لطف میں ڈوبا ہوا عشق کا انداز نہ ہو

حسرت و یاس و تمنا نہ کہیں جاگ اٹھیں — "اس طرح توڑ مرے دل کو کہ آواز نہ ہو"

~~جیسے پہلی میری ... پوچھو ... ہو ... سے~~ — ~~آشیاں ... کے شعلوں میں بھی پرواز نہ ہو~~[1]

پردہ جو رہیں ان کے سبب نہاں لطفِ حیات — اے خدا اب کرم ان کا بھی باز نہ ہو

فرحتِ گل ہیں سے ہر نالۂ بلبل سے سود — اس سے دل خستہ جو گلچیں جفا باز نہ ہو[2]

میرے اشکوں کا صدقہ ہے نوازش اب تو — بختِ بیدار پہ اپنے مجھے کیوں ناز نہ ہو

کیا ہی حسن جہاں سوز کا ہے جذب کہ عشق — دیدہ بر راہ نہ ہو گوش بر آواز نہ ہو

ایک دم اہلِ گلستاں ہوں شنہیدِ نغمہ — نبضِ نالہ سے جو محروم ترا ساز نہ ہو[3]

خوئے سیماب کی حسرت ہے الٰہی مجھ کو — وہ ملے درد کہ منت کشِ اعجاز نہ ہو

سنگ ریزے بھی چمک اٹھتے ہیں لیکن شاکر

وہ نہیں حسن کہ جو مایۂ صد ناز نہ ہو

مناجات

تو نے اپنے کرم سے لے مولا — لطفِ آرام ہے مجھے بخشا

چاند سورج کی ہے ضیا بخشی — زندہ رہنے کو ہے ہوا بخشی

ٹھنڈا پانی عطا کیا تو نے — رزق کھانے کو ہے دیا تو نے

~~دین بخشا، عطا کی دنیا بھی~~ — پوری کر دی ہر اک تمنا بھی

اصلاح: دین کے ساتھ دی ہے دنیا بھی[4]

اس پہ لیکن مری یہ ناشکری

شکر اس کا کیا نہ دل سے کبھی

قدرِ نعمت کبھی نہ کی میں نے — سرکشی میں نہ کی کمی میں نے

---

[1] مبالغہ کی تین قسمیں ہیں۔ تبلیغ، غلو، اغراق۔ آخر کی دو شعر کو غیر فطری کر دیتی ہیں۔ آپ نے اس شعر میں بے پری کو اغراق تک پہنچا دیا۔ (تاجور)

[2] عشقباز، جفا باز یہ ترکیبیں بھدی ہیں ان سے اجتناب کیجئے۔ (تاجور)

[3] آپ شیریں اور مترنم الفاظ کا انتخاب کیا کریں معلوم ایسا ہوتا ہے کہ آپ پہلے مضمون سوچ رکھتے ہیں اور پھر اس کے لئے پیرایۂ بیان اور الفاظ تلاش کرتے ہیں۔ ابتدا میں یہ طریقہ درست نہیں۔ کلام خشک اور بعض اوقات بے معنی ہو جاتا ہے۔ ابھی تو اچھے الفاظ تلاش کر کے آسان مضمون باندھئے۔ (تاجور)

[4] عطا کا الف دبتا تھا۔ (تاجور)

دل میں رکھنا نہ خوف کچھ تیرا — شیوہ ہر دم رہا یہی میرا
عمر ساری ہی کی تباہ میں نے — کوئی چھوڑا نہیں گناہ میں نے
اصلاح: عمر و نعف گناہ کی میں نے — عاقبت بھی تباہ کی میں نے
تیری بخشش ہوئی فراست سے — کام لیتا رہا ہوا ہیں اُٹھے
جو کھو کہ یہ راز مجھ پہ کھلا — راز تیرا ہر اک ہے مجھ پہ کھلا

بد خرابی ہی ساز ہے مجھ کو
تیری بخشش پہ ناز ہے مجھ کو

تو غفور الرحیم ہے یا رب! — لطف تیرا عمیم ہے یا رب!
بے سہاروں کا تو سہارا ہے — نا امیدوں کا تو ہی چارہ ہے
میرے عصیاں شمار سے باہر — فضل تیرا ہے ان سے بڑھ چڑھ کر
دونوں عالم میں سب سے گندا ہوں[1] — پھر بھی یا رب ترا ہی بندہ ہوں — شاکر صابقی

طلوعِ شمس

(۱)
مغرب میں ہے اندھیرا
مشرق میں ہے اُجالا
وہ ماہ جا رہا ہے — یہ مہر آ رہا ہے
گردوں سجا رہا ہے
نورِ سحر سے محفل[2] — ہر ایک ہوگا شامل
انجم کی رونمائی — دے کر مراد پائی
خور نے جھلک دکھائی

(۲)
اُٹھا ہے حور کا یہ
گنبد ہے نور کا یہ
ذرّے زمیں کے سارے — خود بن رہے ہیں تارے
رُخ سے [illegible] آتا رہے
دوشِ فلک پہ چڑھ کر — لے کر کرن کا خنجر
خورشید گامزن ہے — کیسا عجب چلن ہے
مسحور مرد و زن ہے

(۳)
کرنیں ہیں کیا سنہری
عالم ہوا سنہری
زر پوشیٔ جہاں کا — منظر ہے کیسا پیارا[5]
انجم نواز ظلمت — کافور کی ہے صورت
کروٹ فلک نے لے کر — لیلائے شب کے منہ پر
زرتار ڈالی چادر

(۴)
تارِ سکوت ٹوٹا
خاموشیٔ جہاں کا
چاروں طرف جہاں میں — پنہائے آسماں میں
ہر ایک جسم و جاں میں
موجِ حیات رقصاں — نور سحر فروزاں
بلبل کی پاک بازی — نغموں کی دل نوازی
مصروف جہاں طرازی

---

[1] تباہ اور گناہ کے الف گر رہے تھے (تاجور) [2] گندا، لفظ غیر متین اور بے وقار ہے (تاجور) [3] کیا مطلب ہے کتنا بُرا اور غیر مترنم لفظ ہے
[5] کیا کے ساتھ پیارا بروزن "تمہارا" آتا ہے اور یہ صحیح نہیں۔ "پیارا" "کیارا" آنا چاہئے۔ اسی لئے کیا کی بجائے کیسا لکھا گیا۔ — تاجور

(۸)

بنام شاکر صدیقی

مخزمی حضرت شاکر صاحب! دام فوائدہٗ آمین!

سلام مسنون! خط آیا۔ میں گرم جوشی سے آپ کی عزت افزائی کی قدر کرتا ہوں۔ اپنے دوستوں سے کئی دفعہ ذکر کر چکا
مجھے اپنا خادم سمجھیں اور ہمیشہ اپنا سچا خیر طلب۔ آپ کو میں کبھی نہیں بھول سکتا آپ بھولنے کی چیز نہیں ہیں۔ آپ کی عزت ا
کرتا ہوں اور بیحد نادم ہوں کہ آپ کی خدمت کا حصہ نہیں کر سکا کیونکہ کاہل بہت ہوں۔

انجمن ارباب علم پنجاب کی مجلس ادبا کی ممبری روپیہ ماہوار ہے۔ انجمن کا آرگن ہزارہ داستان اور مطبوعات
کو مفت ملتی ہیں۔

بچوں کے لئے آسان زبان میں "علم کی قدر" ایک نظم بھیجئے۔ زبان آسان ہو لفظ مشکل نہ ہوں۔ والسلام!

تاجور عفی عنہ - ۲۶ مارچ سنہ ۱۹۲۶ء

(۹)

بنام ڈاکٹر زور

مخزمی قبلہ جناب ڈاکٹر صاحب!

سلام مسنون! والا نامے کا شکریہ۔ میں نے مکان تبدیل کیا ہے۔ منیجر سے کہا ہے کہ آپ کی کتابیں اس ادبار
نکالو۔ انشاء اللہ تعالیٰ جلد جلد کتابیں ارسالِ خدمت کر دوں گا۔ یہاں پنجاب ٹیکسٹ بک کی منظور شدہ کتابیں چلتی ہیں پنجاب
میں شیرانی کے ریٹائر ہونے سے اردو لیکچر رشپ خالی ہوتی ہے۔ اس کے لئے میں بھی ساعی ہوں۔ یہاں اگرچہ ملکی و غیر ملکی کا سوال
ہے لیکن قسمت آزمائی کے طور پر میں بھی ہاتھ پاؤں مارنا چاہتا ہوں۔

یہ عریضہ اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ میری اردو ادب کی استعداد و اہلیت اور ادبی خدمات سے متعلق اپنی گرامنامہ
عنایت فرمائیے۔ درخواست کے ساتھ ملفوف کرنا چاہتا ہوں۔

یہاں بیس سال سے اردو ادب کی رہنمایانہ خدمت کر رہا ہے اور اس راہ میں بیس ہزار ذاتی سرمایہ کے علاوہ
دماغ، طاقت سب کچھ لٹا چکا ہوں۔ نوجوان ادباء و شعراء کا مذاق ادبی بلند کرنے میں میرا سب سے زیادہ حصہ ہے۔ اس وقت شعراء و ادباء کے جدید
میں میری ہندوستان گیر شہرت کے شاگرد اخبار نویسی تنقید نگاری، افسانہ نگاری، ڈرامہ نویسی، تصنیف و تالیف کے ذریعہ خدمت زبان کر رہے ہیں۔

براہ کرم میرے متعلق اپنی رائے گرامی بجرد ملاحظہ عریضہ ہذا ارسال فرما کر ممنون فرمائیں۔

خادم: تاجور ۱۴ اپریل سنہ ۱۹۳۰ء

(۱۰)

بنام مولوی محمد اظہار الحسن صاحب وکیل غازی آباد

"ADABI-DUNYA"
POST BOX NO 197
LAHORE 11-6-1931

مکرمی! السلام مسنون

والا نامہ صادر ہوا۔ شکریہ۔ حضرت رسا مرحوم میرے استاد تھے اور مجھ سے بہت التفات سے پیش آتے تھے۔ ان کے
کلام کو میں نے مدون کرنا چاہا تھا مگر ان کے بھانجے نشتر سکندر آبادی نے ان کا کلام دبا رکھا ہے۔ سنہ ۱۹۰۸ء میں مرحوم میرٹھ تشریف

وہاں انہوں نے مجھے بھی طلب فرمایا تھا۔ اس وقت ان کے پاس اپنے کلام کے دو مسودے دو مجلدات میں موجود تھے۔ اس کے بعد میں ان سے رام پور میں ملا اور پھر کبھی ملاقات نہ ہو سکی۔ ان کا بہت سا کلام قاضی علی الدین صاحب مقیم ریاست رام پور (یو۔پی) کے پاس ہے ان سے حاصل کیجئے۔ مرحوم کی بیوی جنہوں نے نکاح ثانی کر لیا ہے ان کا پتہ لے کر ان سے مرحوم کے کلام کا حال معلوم کیجئے ممکن ہے ان کے پاس کچھ خطوط، کچھ کلام اور تصویر ہو۔

مولوی عبداللہ صاحب کامل بٹالوی ایم۔اے پروفیسر گورنمنٹ کالج لائل پور نے مرحوم کے حالات اور خطوط ان کے شاگردوں سے جمع کر کے مرتب کئے تھے ان سے بھی امداد لیجئے "جلوۂ یار" میرٹھ میں ان کا کلام اکثر شائع ہوا کرتا تھا۔ منشی حمزہ ابراہیم آنادر میرٹھی مالک رسالہ "جلوۂ یار" اندرکوٹ میرٹھ سے بھی فائل حاصل کیجئے۔ حضرت رسا کی تصویر، حالات اور منتخب کلام اگر مجھے عنایت کریں تو رسالہ ادبی دنیا میں شائع کر کے حق شاگردی پورا کر سکوں۔ جگر مراد آبادی ان کے شاگرد ہیں مگر اب اپنے آپ کو داغ کا شاگرد بتاتے ہیں۔ منشی عبدالمجید خاں سالک بی۔اے ایڈیٹر انقلاب بھی انہی کے شاگرد ہیں۔ حضور نعیمی مراد آبادی مرحوم، طالب مرحوم، حامد اللہ افسر میرٹھی بی۔اے پروفیسر انٹرمیڈیٹ جوبلی گورنمنٹ کالج لکھنؤ بھی انہی کے شاگرد ہیں۔ بہت سے شاگردان داغ مرحوم بھی ان سے درپردہ اصلاح لیتے تھے۔

رام پور کے سرکاری اور غیر سرکاری عظیم الشان مشاعروں میں مرحوم کی موجودگی نے شوق قدوائی، آبر قدوائی اور رام پور کے سرکاری شعرا کا کبھی رنگ جمنے نہیں دیا۔ یوں بھی ان کا کلام اور حاسن بیان کا اثر آفریں پڑھنے کا انداز بزم سخن کو درہم برہم کر دیا کرتا تھا۔

مجھ سے مرحوم میر نثار علی شہرت دہلوی سابق ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم کشمیر نے ایک بار (وہ اس سے بے خبر تھے کہ میں ان کا شاگرد ہوں) رامپور کے عظیم الشان سرکاری مشاعرے کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

"ریاست کی جانب سے ہندوستان کے تین سو مشہور شعرا کو دعوت دی گئی تھی بڑا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس مشاعرے میں میں بھی مدعو تھا۔ داغ کے ایک شاگرد رسا نے جو غزل پڑھنی شروع کی ہے تو ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے ڈائنامیٹ چھوڑ دیا ہے۔ ہر شخص بے اختیارانہ طور پر داد دے رہا تھا ساری مجلس زیر و زبر ہو گئی۔ حتیٰ کہ رسا کے بعض معاصر جو ان سے کد رکھتے تھے وہ بھی اچھل رہے تھے۔"

میرا خیال ہے کہ میں نے آپ کو اتنا سراغ ضرور دیا ہے کہ آپ معہودہ حضرات سے مل سکے تو بہت سا مواد فراہم کر لیں گے۔

خاکسار: تاجور

---

(۱۱)

بنام مولوی محمد اظہار الحسن صاحب وکیل غازی آباد

.THE "ADABI-DUNYA"
POST BOX NO. 97
LAHORE 16-6-31

محترم جناب سلام مسنون!

نشتر صاحب کا یہ عذر کہ ان کے پاس کلام کا قلیل حصہ ہے بالکل غلط ہے۔ ان کے پاس تقریباً سب کلام ہے۔ مرحوم کا ایک صاحبزادی تعیں اللہ کا پتہ لیجئے ان سے پتہ مل سکے گا۔ کامل بٹالوی سے عرصہ ہوا نہیں ملا۔ مولانا حسرت موہانی نے مرحوم کے متعلق کچھ لکھا تھا جس میں امیر، جلال اور داغ مرحوم کے چھوٹے بھائی کی یہ رائے درج کی تھی کہ رسا داغ کے شاگردوں میں سب سے بہتر ہیں۔ مرحوم کے خطوط میرے پاس ہیں وہ میں بھجوا دوں گا۔

تاجور

---

(۱۲)

بنام ڈاکٹر زور

مخدوم ڈاکٹر صاحب قبلہ!

سلام مسنون! آپ کے مضمون کا انتظار ہے۔ سالنامہ زیر تحریر ہے۔ روزانہ ڈاک میں آپ کے مضمون کو نگاہیں ڈھونڈتی ہیں۔ دیکھیے "اردو زبان کی تاریخ" (۲) گذارش محرر منشی پریم چند کا جواب' یہ دو زحمتیں گوارا فرمائیے گا۔

اور براہ کرم جلد توجہ فرمائی کی ضرورت ہے۔

ہاں ایک ضروری استدعا ہے۔ میں نے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں اردو مرکز کا سیٹ بھیج کر امداد کی درخواست کی ہے۔ امید ہے آپ اس سیٹ کے متعلق استصواب رائے کیا جائے گا یا مولانا عبدالحق صاحب سے۔ توقع ہے کہ آپ کلمۂ خیر سے دریغ نہ فرمائیں گے۔ حد نیاز!

خادم: تاجور ۲۵ جنوری ۱۹۳۶ء

(۱۳)

بنام ڈاکٹر زور

مخدوم ڈاکٹر صاحب!

سلام مسنون۔ کریمانہ ہمدردی کے لیے سپاس گذار ہوں۔ جبر کرنے والا صبر کی مشقت بھی لے رہا ہے۔ تقدیر پر فرقے کے تمام نظریے میرے مصائب نے باطل کر دیے۔ جبر' خالص جبر' جمادات اور ذوی الارادہ میں وسعت زنجیر ہی کا امتیاز ہے اس سے زیادہ نہیں۔ بہر حال سخت جانی ابھی کچھ اور تماشے دکھانے کے لیے زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ حد نیاز!

خادم: تاجور ۲۵ نومبر ۱۹۳۶ء

نزاری اور غلامی کرنے پر مجبور ہو جائے اور پھر بھی ذلیل سے ذلیل جگہ بھی حاصل نہ کر سکے۔ وہ غریب اپنے ادبی مشن میں کیونکر کامیاب ہو سکتا ہے۔

میرے احباب دستِ اسا ملک میں اتنے موجود ہیں کہ اگر ایک ایک روپیہ ماہوار کا بھی بار اٹھا لیں تو میں ایک بااثر رسالہ نکال سکتا ہوں مگر افسوس ہے کہ کسی کو اتنی توفیق نہیں ہوتی جو مجھ سے ادبی خدمت لینے کی فکر کرے۔ میرا ارادہ ہے کہ اس اسکیم کو پھر ایک بار اپنے احباب قدرداں کے سامنے پیش کروں۔ اگر ۱۹۲۵ء سے میں کوئی رسالہ جاری کر سکا تو خیر ورنہ پھر میرے مستقبل کی تاریکی مجھے زندہ درگور بنا دے گی۔

۱۲ دسمبر ۱۹۲۴ء　(اردو محلہ اٹاوہ)　　ابوالمعانی مرزا یاس عظیم آبادی

(۲)

بنام دلؔ شاہجہان پوری

شفیقی و مخلصی حضرت دلؔ السلام علیکم۔

آپ کا عطیہ نغمۂ دلؔ پہنچا شکریہ جہاں تک آپ کے کلام کا تعلق ہے میں نے غور سے پڑھا۔ نیاز فتحپوری کا عزیز لکھنوی نے جو کچھ آپ کے متعلق لکھا ہے میں اسے پڑھنا نہیں چاہتا۔ آپ سمجھ گئے ہوں گے کیوں؟ میں آپ کی نسبت خود ذاتی رائے رکھتا ہوں۔ تقریباً بیس سال سے آپ کی خدمت میں نیاز حاصل ہے اگرچہ انقلاب روزگار نے مجھے آپ سے بہت دور کر دیا ہے میں کہیں آپ کہیں بہت دنوں سے آپ کا دیدار بھی نہیں ہوا مگر آج سے بیس سال قبل جو رائے میں نے آپ کے متعلق قائم کی تھی اس میں اب تک کوئی تغیر نہیں ہوا آپ کے سنجیدہ کلام اور آپ کے معصومانہ کیرکٹر کا جب بھی معترف تھا اور اب بھی ہوں۔

منشی امیر احمد صاحب مینائیؒ کے سلسلہ میں میں آپ کو معتبر سخنور جانتا ہوں یہ صحیح ہے کہ آپ کے استاد بھائی حضرت ریاض خیرآبادی کو ملک میں علی العموم زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہے مگر کلام کی خوبی فقط شوخی ہی نہیں ہے سنجیدگی اور متانت بھی بجائے خود بڑی چیز ہے اور یہی آپ کی خصوصیت ہے مگر فطرت عامہ کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ شوخی اور چلبلے پن کے آگے سادگی و سنجیدگی و متانت کی گرم بازاری ہو نہیں سکتی مثال کے طور پر آپ کی ایک غزل پیش کرتا ہوں ؎

یہ شرح غم ہے یہ انجام نالۂ سحری　　کہ چھا گئی مرے ظلمت کدے پہ بے اثری
بنے گا قصۂ عبرت کسی زمانے میں　　مرا نیاز ترا شیوۂ ستم نظری
اٹھا جو پردۂ ظلمت تو دیدنی تھی نسیم　　فضا میں گونج رہا تھا ترانۂ سحری
عجیب راز ہے ناکامیٔ نگاہ کلیم　　قصور دیدہ کہیں یا کمالِ جلوہ گری
سمجھ رہا ہوں تقاضائے عشق نالوں کو　　نہ امتیاز اثر ہے نہ حسِ بے اثری
گداز دل کو نہ مخلوط اشک ہونا تھا　　ہوئی ہے راز محبت کی آج پردہ دری
خیال و خواب ہوا رخصت بہار کے بعد　　وہ انبساط عنادل وہ نغمۂ سحری

جزاک اللہ۔ یہ ہے نغمۂ دل جو ہم ایسے کافروں کو بھی غرق سوز و گداز کئے بغیر نہ رہا۔ مگر نقار خانے میں اس نغمے کو کون سنے گا؟

۲۳/ستمبر ۳۳ء (لاتور دکن) میرزا یگانہ چنگیزی لکھنوی سب رجسٹرار

(۳)

بنام ...پوری

شفیق و مخلص دیرینہ زاد لطفکم۔ سلام شوق۔

رسالۂ تعلیم لاہور کے مئی نمبر میں آپ کی غزل کا ایک شعر دیکھ کر مجھے آپ کی خدمت میں نیاز نامہ لکھنے کا خیال پیدا ہوا تھا۔ مگر پھر بھول گیا۔ واضح رہے کہ رسالۂ مذکور کا مئی نمبر ایک ماہ قبل پہنچ چکا تھا۔ خیر آج اتفاق سے ایک شعر موزوں ہوگیا تو آپ پھر یاد آئے ؎

خدا کے بعد بھروسہ ہے حضرت دل کا — خدا نخواستہ شک اپنے دوست پر گزرے
نکالے عیب ہیں حسن، حسن ہیں سو عیب — خیال ہی تو ہے جیسا بندھے جدھر گزرے } یگانہ

ساری کائنات کی جان بھی دل تو ہے۔ دل کی قدر و منزلت شاید اس حد تک ان لفظوں میں کسی نے بیان نہ کی ہوگی۔ یوں تو دل کی مدح اور تمدح میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔

حسن اتفاق سے میرا یہ شعر اس دل پر بھی صادق آتا ہے جو میرے پہلو میں ہے اور اس دل پر بھی جو مجھ سے ہزار میل کے فاصلہ پر ہے۔ خلوص و محبت کے اعتبار سے کوئی شک نہیں کیا جا سکتا۔ خیر آمدم بر سر مطلب۔

فضا میکش صبا میکش نگہ ساقی کی خود میکش — رہیں گی تشنۂ بادہ مری انگڑائیاں کب تک (دل)

اس میں شک نہیں شعر نہایت کیف انگیز ہے حضرت جوش ملسیانی نے جو نوٹ لکھا ہے۔ حق بجانب ہے۔ مگر یہاں ایک لفظی بحث بھی قابل توجہ نظر آتی ہے چونکہ آپ میرے ساتھ کے کہنے والوں میں ہیں زمانۂ حال کے مادر زاد شاعروں میں نہیں ہیں اور میرے مخلصین میں ہیں لہذا اسی خلوص و محبت کی بنا پر جس طرح مجھے اپنی آزاد رائے ظاہر کرنے کا حق حاصل ہے اسی طرح آپ کو میری رائے سے اختلاف کا حق حاصل ہے۔ مجھے یہ پوچھنا ہے کہ فضا میکش صبا میکش جو آپ نے دیا ہے یہ آپ کی سوچی سمجھی ہوئی عبارت ہے یا جگر، جوش جیسے اشخاص کے کلام سے متاثر ہو کر کہہ گئے ہیں۔ میں نے جگر کے مندرجہ ذیل شعر پر ایک موقع پر اپنا خیال ظاہر کیا تھا آپ کے سامنے پیش کئے دیتا ہوں۔ اس سے آپ کہیں یہ نتیجہ نہ نکال لیں کہ جگر مراد آبادی کے لئے جن الفاظ سے میں نے کام لیا ہے وہی آپ کے لئے کہوں گا ؎

شباب میکش جمال میکش خیال میکش نگاہ میکش — خبر وہ رکھیں گے کیا کسی کی جو نہیں خود اپنی خبر نہیں ہے

خوش گوئی اور خوش گلوئی اور بات ہے صاحب فن ہونا اور بات ہے الفاظ کی قطار اتنی لمبی اور معنویت کے اعتبار سے عامیانہ۔ کس برتے پر ایسے لوگ ارباب ادب میں شمار کئے جا سکتے ہیں جو یہ نہیں جانتے کہ مست کس محل پر آتا ہے اور میکش سے نوشش میخوار کس محل پر۔ مترادف الفاظ کے مختلف محل ہوتے ہیں اس شعر میں جگر نے چار میں جگہ مست کی بجائے میکش کہہ دیا لکھنؤ کا کوئی جاہل بھی سنے تو ہنس پڑے۔ خواجہ آتش فرماتے ہیں ؎

ے کدے میں نشہ کی عینک دکھائی ہے مجھے　　آسماں مست و زمیں مست و در و دیوار مست (آتش)

یہ بے صرف بامحل - جگر کا اک اور شعر ہے

شیشہ مست و بادہ مست و حسن مست و عشق مست　　آج پینے کا مزہ پی کر بہک جانے میں ہے

یہ بے صرف بامحل - یہاں شیشہ، بادہ، میکش کہا جاتا تو کتنا لغو معلوم ہوگا - وہ شاعر ہی کیا جو الفاظ مترادف میں فرق

و امتیاز نہ کر سکے - خون اور لہو دونوں اردو میں ہم معنی ہیں تو کیا کوئی اردو بولنے والا (جاہل ہو یا پڑھا لکھا) بلا لحاظ

جا ہے خون کی جگہ لہو کہہ دے گا - مثلاً فلاں شخص کئی خون کر چکا ہے تو اس جگہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ فلاں شخص کئی لہو کر

ہے ؟ مثلاً امید دل کا خون ہو گیا کیا کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ امید دل کا لہو ہو گیا - محمود شراب میں مست رہتا ہے

کوئی کہہ سکتا ہے کہ محمود شراب میں میکش رہتا ہے -

میرے پیارے دل برا نہ ماننا - یہ میں نے اپنی ذاتی رائے ظاہر کر دی ہے آپ کو بھی اپنی رائے پر قائم

کا حق حاصل ہے [1]

۱۷ / مئی ۱۹۳۳ء　　سیلو (دکن)　　خاکسار میرزا یگانہ چنگیزی لکھنوی

(۴)

محبی و مخلصی، زاد لطفکم سلام شوق -

محبت نامہ مورخہ × صادر ہوا کوئی دو مہینے ہوئے دو عنایت نامے پہنچے تھے مگر جواب دینے سے معذور

رہا کیونکہ مسلسل کئی ہفتہ تک شدت نزلہ کھانسی بخار سے پریشان رہا اور پھر الجھنوں میں پھنس گیا - آپ کے اس شعر

فضا میکش، صبا میکش، نگہ ساقی کی خود میکش　　رہیں گی تشنۂ بادہ مری انگڑائیاں کب تک

میں نے جو خیال ظاہر کیا تھا وہی میرے نزدیک صحیح ہے یعنی مست کی جگہ میکش اس مقام پر درست نہیں [illegible]

کا یہ فرمانا کہ "میں مستی کا طالب نہیں ہوں جو نتیجہ میکشی ہے بلکہ مجرد میکشی مقصود ہے" آپ جیسے شخص کیلئے مناسب نہیں

کیوں کہ اس میں اور قباحت پیدا ہو جاتی ہے فضا یا صبا یا نگاہِ ساقی کو مجرد میکشی سے کوئی نسبت واقعی نہیں ہے

ہم آپ کی اک کیفیت محسوس کر کے فضا یا صبا یا نگاہ ساقی کو مست کہتے ہیں - ورنہ واقعیت کے لحاظ سے نہ

میکش نہ فضا میکش نہ نگاہ ساقی - آپ خود غور فرمائیں مست کا اطلاق اس پر بھی ہوتا ہے جو فی الواقع پئے ہوئے ہو

اور اس پر بھی جو بے پئے مست ہو مگر میکش وہی ہے جو پیتا ہو -

اے صبا ساتھ چلے گی مری بربادیٔ دل　　کہ جگر بار کو جانا تو یہاں ہو جانا

مولانا عبدالسلام ندوی نے اگر آپ کے اس شعر پر اعتراض کیا ہے کہ اس مقام پر ہوتی جانا کہنا چاہئے تھا

[1] گزارش :- جگر صاحب بھی میرے مخلص دوست ہیں اور جناب یگانہ بھی قدیمی دلنواز مکرم - میں نے موصوف کی تنقید پر بے [illegible]

مصرع اولیٰ کی ترمیم کر دی ہے ۔

صبا بے خود، فضا سرشار، ساقی غرق مدہوشی　　رہیں گی تشنۂ بادہ مری انگڑائیاں کب تک

دل

(۴)

(۵)

میرے اک شعر کا (نہ جانے بہتے پھریں گے کدھر یہ دشمن و دوست - بڑھا تو دل ہے وہ دریا کہ وار پار نہیں) آپ نے خاص اثر لیا ہے - اس سے آپ کی صحت مذاق کا پتہ چلتا ہے - تنگ و تاریک ماحول سے جب انسان نکل کر فضائے بسیط میں پہونچتا ہے تو اس کی نگاہ میں دنیا اتنی وسیع ہو جاتی ہے کہ دشمن کی دشمنی تو کیا نام نہاد دوستوں کی دوستی بھی نظر میں نہیں سماتی - اس وقت دریا دلی کا مفہوم سمجھ میں آتا ہے - اس مفہوم کو ایسی ٹھیٹھ اردو میں اب تک کسی نے بیان نہیں کیا - وہی معمولی روزمرہ "وار پار" جیسے ہر کس و ناکس بولتا ہے یہاں الہامی زبان بن گیا ہے - اردو کے ٹھیٹھ الفاظ میں بھی بڑی وسعت بڑے امکانات ہیں جن سے اب تک کسی نے وہ کام نہیں لیا جو یگانہ نے - کام لینا تو کجا اب تک ان امکانات کو کسی نے سمجھا ہی نہیں - اس کی وجہ یہ ہے کہ غالب کی دیوزاد زبان ٹھیٹھ اردو کے امکانات پر غور کرنے کا موقع ہی نہیں دیتی، جو نفیس چل پڑا چل پڑا - مجھے یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ آپ نے اس نکتہ کو سمجھ لیا، خدا آپ کو خوش رکھے -

۲۶ اکتوبر ۱۹۴۱ء　　میرزا یگانہ چنگیزی لکھنوی

(۷)

بنام مولوی رفیق احمد بدایونی

کرم فرمائے بندہ سلام علیکم

عنایت نامہ مورخہ ۵ جولائی ۱۹۵۴ء ادھر ادھر بھٹکتا ہوا ۱۸ جولائی کو مجھے ملا - یاد آوری کا شکریہ - آپ "ترقی پسند" غداروں کے دور تخریب میں فن شعر و سخن کے بارے میں مجھ سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں جب کہ میں بوجوہات چند در چند اس فن سے بیگانہ اور کنارہ کش ہو چکا ہوں

خیر آپ نے یاد فرمایا تو اخلاقاً جواب دینا ضروری ہے - ابن الادب کے مطبوعہ اوراق پر میں نے اپنی رائے لکھ دی ہے - دو مصرعوں کے بارے میں مزید تشریح کی ضرورت ہے - ملاحظہ فرمایئے:

(کتنے غازی ہیں آج بے وضو و بے نماز) - (موج بوئے گل نہیں جنبش مضراب ہے)

یہ دونوں مصرعے بحر منسرح مطوی موقوف سے (مفتعلن فاعلات مفتعلن فاعلات) خارج ہیں - وجہ یہ ہے کہ ان مصرعوں میں (بو اور وضو) کے واؤ کا اشباع، کھینچ کر پڑھنا ضروری ہے - بحر کے ارکان (مفتعلن فاعلات) تو یہ چاہتے ہیں کہ "بے وضو" کی تقطیع مفتعلن پر ہو، بے وَ ضُ ءُ (مُفتَعِلُن) مگر لفظ وضو چاہتا ہے کہ اس کی تقطیع فاعلات پر ہو بے وَضُوءُ (فاعلاتن) یعنی واؤ کا اشباع ضروری ہے - چونکہ مفتعلن پر تقطیع کرنے سے واؤ کا اشباع ممکن نہیں لہٰذا یہ مصرع بحر منسرح سے خارج ہے -

اسی طرح موج بوئے میں بُو کے واؤ کا اشباع ضروری ہے مگر مَوجِ بُ ءِ (مفتعلن) پر تقطیع کی جائے تو بُو کا واؤ ساقط ہوتا ہے - البتہ موجِ بُو ءِ (فاعلاتن) پر ٹھیک آتا ہے - لہٰذا یہ مصرع بھی بحر منسرح سے خارج ہے -

یہ تو جواب تھا مگر کچھ اور بھی عرض کر دوں - فرض کیجئے مَوجِ بُو، کی جگہ موج غم ہوتا تو اس صورت میں موج غم کی تقطیع بروزن (مفتعلن) بالکل ٹھیک ہوتی - آخر یہ کیوں کہ موج غم کی تقطیع مفتعلن پر ٹھیک ہو اور موج بُو

کی غلطی۔ ہاں وجہ یہ ہے کہ غم کی میم حرفِ صحیح ہے اور بُو کا واؤ ہے حرفِ علت۔ اس کے ساتھ اشباع کا جھگڑا ہے
نتیجہ یہ نکلا کہ مَوجِ بُو کی تقطیع فاعلاتن پر ہوگی مفتعلن پر نہیں ہو سکتی۔ اور مَوجِ غم کی تقطیع مفتعلن پر ہوگی، فاعلاتن
پر نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ بُو بھی کلمہ دو حرفی ہے اور غم بھی۔ اچھا یہ بھی عرض کر دوں کہ واؤ کا اشباع کن صورتوں میں
ضروری ہے اور کب غیر ضروری۔ کلمہ دو حرفی اور کلمہ سہ حرفی کے آخر میں واؤ ہو تو اس کا اشباع ضروری ہوگا کلمہ
چہار حرفی کے آخر میں واو ہو تو ایسے واؤ کا اشباع ضروری نہیں ہے اختیاری ہے۔

کلمۂ دو حرفی۔ بُو۔ رُو۔ جُو۔ خُو۔ کُو۔ سُو۔ (جستجو۔ گفتگو میں بھی جُو اور گُو دو حرفی ہی مانے جاتے ہیں) وغیرہ
میں اشباع ضروری ہے۔ جیسے بوئے گل۔ روئے دوست۔ خوئے بد۔ گفتگوئے بے معنی۔ جستجوئے حاصل۔
کلمۂ سہ حرفی۔ نمو۔ کدو۔ غلو۔ سبو۔ کدو۔ وغیرہ میں بھی اشباع ضروری ہے۔ سبوئے مے۔
گلوئے شیشہ۔

کلمۂ چہار حرفی۔ آہو۔ بازو۔ جادو۔ زانو۔ پہلو وغیرہ میں اشباع ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی۔ جیسے
پہلوِ دل (مفتعلن)، پہلوئے دل (مستفعلن) بازوِ شل (مفتعلن) بازوئے شل (مستفعلن)

یہاں تک تو واؤ کے اشباع (بصورتِ اضافت) کی بحث تھی۔ مگر الف وصل اور واؤ عطف سے
جب اس قسم کے الفاظ ملتے ہیں تو اس وقت بھی واؤ کے اشباع کے متعلق یہی قاعدہ عمل کرتا ہے۔ جس کی تفصیل
بیان کرنے کی مجھے اس وقت فرصت نہیں۔ زیادہ کیا عرض کروں۔

۲۰ رجولائی ۱۹۴۵ء — غدری منزل۔ حیدر گوڑہ۔ حیدرآباد دکن۔ — میرزا یگانہ چنگیزی لکھنوی

پروفیسر ضیا احمد صاحب بدایونی کو میرا سلام پہنچا دیجئے۔ کیا آپ سے ان کا کوئی رشتہ ہے؟

(۸)

بنام مالک رام

میرے پیارے دوست خدا آپ کو خوش رکھے۔

اچانک آپ کا مکتوب پاکر لاہور کی گزشتہ صحبتیں یاد آگئیں۔ کس قدر مسرت ہوئی کہ آپ سے اتنی دور رہ کر
بھی میں آپ سے قریب ہوں۔ یہی حاصل ہے میری شاعری کا۔ اس سے بڑھ کر کوئی صلہ نہیں۔ زمانہ میں آیاتِ وجدانی پر
آپ کا تبصرہ نظر سے گزرا تھا۔ غالباً ۱۹۳۸ء میں۔ اسی زمانہ میں مَیں نے آپ کو غالباً جالندھر کے پتے سے خط بھی لکھا
تھا۔ مگر آپ کا کچھ پتہ نہ چلا۔ اب معلوم ہوا کہ آپ ۱۹۳۹ء سے اسکندریہ میں ہیں۔ اگر آپ زمانہ قریب میں ہندوستان
آجائیں اور میں مہینہ دو مہینے میں لکھنؤ پہنچ جاؤں تو ممکن ہے پھر ایک بار ملاقات ہو جائے۔ آج چوتھا سال ہے کہ
میں عمر ۵۵ سالہ کو پہنچ کر خدمت سے سبکدوش ہو چکا ہوں۔ آمدنی کے ذرائع سب بند ہو گئے۔ اگر دوارکا داس
شعلہ نے میری خبر نہ لی ہوتی، تو خدا جانے میری فیملی کا کیا حال ہوتا اور کتنی رسوائی ہوتی۔ حیدرآباد میں بعض بعض حکام
سے مجھ سے بھی شناسائی ہے۔ مگر یہ لوگ بس تھوڑی بہت میری شاعری ہی کی تعریف کر دیا کرتے ہیں۔ کسی کو یہ توفیق
نہ ہوئی کہ اس بات پر غور کرتا کہ یگانہ آخر زندہ کیونکر ہیں۔ حالانکہ توجہ کرتے تو کوئی نہ کوئی وظیفہ یا مددِ معاش کی صورت

(۱۲)

بنام مالک رام

شفیقی و مخلصی زاد لطفکم ۔ سلام شوق ۔

بغداد سے اسکندریہ روانہ ہوتے وقت آپ نے ۱۸ راپریل ۱۹۵۱ء کو جو خط لکھا تھا، وہ اس وقت میرے سامنے ہے ۔ اس سے پہلے آپ نے جس خط میں میری سوانح عمری لکھنے کے بارے میں جو سوالات لکھ بھیجے تھے ادن کی طرف توجہ کا موقع ہی نہ ملا ۔ اور اب کیا ملے گا ۔

مختصر روداد یہ ہے کہ بیگم یہاں سے ۸ راپریل ۱۹۵۱ء کو روانہ ہو کر ساڑھے تین مہینے تک پونہ میں پڑی رہیں ۔ بڑی کوششوں کے بعد لکھنؤ سے NO OBJECTION CERTIFICATE ملا تو بمبئی سے پرمٹ لے کر ۲۳ ر جولائی کو وہ کراچی پہنچ گئیں ۔ اور اس کے بعد میں یہاں سے ۱۹ راگست ۱۹۵۱ء کو روانہ ہو کر ۲۸ راگست کو کراچی پہونچا ۔ کیا عرض کروں وہاں کیوں گیا تھا ۔ فقط لڑکوں اور لڑکی کو ایک بار دیکھ لینا مقصود تھا ۔ دیکھ لیا الحمد للہ ۔ وہ لوگ جس حال میں ہیں شکر ہے زندہ ہیں ۔ یہی بہت ہے ۔ مگر میں نے چھ سات مہینے تک جو رنج و تعب اٹھایا اور رہی سہی صحت جو کچھ تھی وہ بھی برباد ہو گئی ۔ اوس کا کیا ذکر CERTIFICATE کی مدت گزر جانے کی وجہ سے یہ بلا نازل ہو گئی کہ اب پاکستان سے واپس جا نہیں سکتے ۔ معاذ اللہ معاذ اللہ کیا پاکستان میں موت کھینچ لائی ہے ۔ خیر انڈین ہائی کمشنر کے دو شریف النفس ہندوؤں نے میرا حال دیکھ کر تہیہ کر لیا کہ آپ کو ہم لوگ ضرور ہندوستان پہونچا دیں گے ۔ ادھر لکھنؤ کے بدخواہ یہ خوشیاں منا رہے تھے کہ اب کیا آئیں گے ۔ اب وہیں مریں گے ۔ دوستوں کو رنج تھا ۔ مگر خدا نے ان کمبختوں کا منہ کالا کر دیا ۔ انڈین ہائی کمشنر کے پرمٹ افسر نے تین گھنٹے کے اندر مجھے دہلی پہونچا دیا ۔ جل جلالہٗ خیر میں ۱۹ راپریل کو لکھنؤ پہونچ گیا ۔ اتفاق کی بات کہ ۲۶ راپریل کو لکھنؤ ریڈیو سے ایک مشاعرہ نشر ہونے والا تھا ۔ ریڈیو والوں نے مجھے بھی دعوت دی ۔ میں گیا اور شریک مشاعرہ ہوا ۔ جو لوگ چاہتے تھے ۔ کہ میں پاکستان میں مروں، انہوں نے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ میرزا صاحب پھر لکھنؤ آ گئے ۔ پہلی ہی رباعی پر مشاعرہ اڑ گیا ۔ پھر دوسری اور تیسری ۔ بعد ازاں غزل پڑھی مگر آواز قابو میں نہ تھی ۔ اب سینے میں طاقت کہاں!

الغرض میں اپنی منزل مقصود پر پہونچ گیا ۔ ۲۷ راپریل سے بخار آنے لگا ۔ ڈاکٹر کا علاج شروع کیا ۔ بخار تو خیر جاتا رہا مگر کھانسی اور تنفس کا جو مرض ہے، جو سات مہینے تک پاکستان میں اور زور پکڑتا گیا ۔ اوس میں کوئی افاقہ محسوس نہیں ہوتا ۔ سینہ نہایت کمزور، ٹانگوں میں معلوم ہوتا ہے دم نہیں رہا ۔ دو تین فرلانگ چلنا دشوار ہے میں اب تک اپنے متعلق کوئی رائے قائم نہیں کر سکتا کیا ہونے والا ہے ۔ بہرحال تنہا ہوں ۔ آس پاس کوئی نہیں ۔ مگر خوشی سے مرنے کے لئے تیار بیٹھا ہوں ۔

بن پڑے تو کچھ خرچ کے لئے بھی بھیج دیجئے ۔ اب تو میں دروازے سے باہر تھوڑی دور تک جا سکتا ہوں ۔ زیادہ نہیں ۔ لکھنؤ ریڈیو کے مشاعرے میں جو رباعی پڑھی تھی یہ ہے ؎

(118)

ہمیشہ کا داغِ بدنامی رہ گیا۔ یہ تو ہونے والی بات تھی۔ مگر الحمدللہ میرے دل و دماغ پر کوئی بدحواسی نہیں چھائی۔ میں جانتا تھا کہ ان جاہل FANATIES کے ہاتھوں جان یا آبرو پہ بن جانا کچھ بعید نہیں۔

GREAT WORKS REQUIRE GREAT SACRIFICES.

یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ یہ قوم عقل کے جوہر اور اخلاقی جوہر سے بے بہرہ ہے۔ بات کا جواب بات سے نہیں دے سکتی۔ ایک تن تنہا کو بس اپنا زور دکھا سکتی ہے۔ مگر یہ بیسویں صدی ہے۔ اندھی عقیدت کا زمانہ گذر گیا۔ اب اندھی عقیدت سے زندگی بن نہیں سکتی۔ دیرینہ گمراہی دفع نہیں ہو سکتی۔ میرے ایک دوست نے میرے دل کی بات کہہ دی۔ فرماتے ہیں:

I HOPE YOU HAVE GUARDED THE INCIDENT WITH THE CONTEMPT IT DESERVES.

الغرض مجھ سے دیرینہ بغض و عناد جو چالیس پینتالیس سال سے چلا آرہا تھا اس کا روشن ثبوت مل گیا اس سانحہ سے۔ اور یہی میری حق گوئی کی داد ہے NEGATIVE FORM میں۔ اس سے ثابت ہے کہ میں نے جو کچھ کیا وہ حق تھا۔

۵ار جون ۱۹۵۳ء۔ سلطان بہادر روڈ، منصور نگر، لکھنؤ (انڈیا)۔　　میرزا یگانہ لکھنوی

قاضی عبدالغفار

(۱)

TELEPHONE NOS. — THE BAHISHT,

CONSULTING ROOMS 1203 — MURIGATE, DELHI.

RESIDENCE 1235

کرمی ... تسلیم۔ اخبار ... میں ایک سب ایڈیٹر کے متعلق جو اشتہار چھپا تھا وہ ... چنانچہ ایڈیٹر ... کے نام آپ کا خط مجھے ملا ہے۔ میں ... دہلی سے روزانہ اخبار ... جس کا نام ... رکھا گیا ہے۔ صورت یہ ہے کہ ڈاکٹر انصاری ... اجمل خاں صاحب وغیرہ نے ایک کمیٹی قائم کی ہے جس کی زیر نگرانی یہ اخبار جاری کیا جائے گا۔ اگر آپ اس کام میں شریک ہونا چاہیں اور بحیثیت سب ایڈیٹر آپ پسند کریں تو بہ واپسی ڈاک اطلاع دیجئے۔ تنخواہ فی الحال ... دی جا سکے گی۔ لیکن ... دو مہینہ کے بعد اضافہ ممکن ہے۔ آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ ابتدائی حالت میں نہایت احتیاط کی ضرورت ہے۔ خصوصاً اس لئے کہ ۸ صفحہ کا اخبار ہوگا۔ اور اس کے لئے دو تین سب ایڈیٹر رکھنے پڑیں گے۔ دو پیسے میں فروخت کیا جائے گا جس کے معنی یہ ہیں کہ ابتدا میں بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔ جو محض اس امید پر برداشت کیا جائے گا کہ آئندہ اشاعت میں ترقی ہوگی۔ آپ بہ واپسی ڈاک جواب دیجئے اس لئے کہ شروع اپریل میں اخبار نکل جائے گا۔ اور آپ کے فوراً ہی آنے کی ضرورت ہوگی۔

نیازمند عبدالغفار

۱۲ر ... ۱۹...ء

(۲)

بنام مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی

مکرمی تسلیم۔ چند روز ہوئے جوش ملیح آبادی صاحب نے حیدرآباد سے آپ کے ...[۱] خستہ حالت میں مجھے بھیجا اور یہ لکھا کہ یہ تیرے نام مولانا کا خط آیا تھا۔ اس تحریر میں کسی پہلے خط کا حوالہ ہے جو آپ نے مجھے لکھا (شاید میرے اس عریضے کے جواب میں جو میں نے حیدرآباد سے لکھا تھا) لیکن وہ پہلا خط مجھے وصول ہی نہیں ہوا۔

[۱] خط کا یہ حصہ کٹا ہوا ہے۔

اور اگر کچھ دل آزاری ہوئی تھی تو وہ نہیں ہوئی۔

میں نے صرف ذاتی شکایت کے طور پر آپ کو لکھا تھا کہ اخبار میں ایسے مسئلے کو اس انداز میں پیش کرنا مناسب نہ تھا۔ یقین رکھئے کہ میری طرف سے کبھی بھی کوئی ایسی حرکت نہ ہوگی جو آپ کے لئے وجہ شکایت ہو۔ آپ سے تعلق رکھنے والوں کے بارے میں اگر کوئی غلط فہمی پیدا کرے گی تو میں اسے گوارا کروں گا۔

موجودہ حالت میں ہم سب کو کسی نہ کسی طرح سابقہ پڑتا ہے۔ بہرحال آپ کا پہلا خط مجھے ملا کہ میں اس لئے نہ کوئی دل آزاری ہوئی اور نہ اب اس کا مداوا ضروری ہے۔

امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔

علیگڈھ۔ یکم جنوری سنہ ۱۹۵۰ء   محمد عبدالغفار

(۳)

بنام مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی

مکرمی۔ دو عنایت نامے آئے۔ مصروفیت کی وجہ سے جواب نہ دے سکا۔ نقلاً کے جلسے کی تاریخ یکم مئی مقرر کردی۔ امید ہے کہ آپ تشریف لائیں گے۔ بہت سے امور آپ سے مشورے کے طالب ہیں۔

"آثار ابوالکلام آزاد" کے متعلق کیا عرض کروں کہ پبلشر نے کتنا ستایا۔ کتاب بہت خراب اور غلط چھاپی کہ میں نے بیزار ہو کر کہہ دیا کہ اشاعت بند کر دو۔ مگر وہ نہیں مانتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ انہوں نے آپ کو کوئی نسخہ نہیں بھیجا۔ میرے پاس دو تین نسخے آئے تھے۔ وہ اس قابل نہ تھے کہ کسی کی خدمت میں پیش کرتا۔ مجھے تو اس کتاب کی صورت بھی گوارا نہیں۔

اب جب پبلشر نہیں مانتے اور اسے شائع کر رہے ہیں تو جھک مار کر دس پانچ کاپیاں ان سے منگا لی ہیں۔ ان میں سے ایک آپ کے لئے محفوظ ہوگی۔ میں تو چاہتا تھا کہ وہ کتاب دوبارہ چھاپی جاتی لیکن فی الوقت یہ انتظام ممکن نہیں۔ بہرحال آپ جب اسے دیکھیں تو پبلشر کو دعائے خیر میں یاد کریں۔ اور میرا یہ گناہ معاف کر دیں کہ میں نے اسے ان کے حوالے کیا۔ اونچی دوکان پھیکا پکوان! دھوکا کھایا پکوان پھیکا نکلا!!

امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔

علیگڈھ ۱۸ راپریل سنہ ۱۹۵۰ء   محمد عبدالغفار

(۴)

بنام ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب

مکرمی۔ عنایت نامہ وصول ہوا۔ میں اس موقع کی تلاش میں تھا کہ گھنٹہ آدھ گھنٹہ آپ سے انجمن کے متعلق تفصیلی باتیں کروں لیکن اس دفعہ بھی ایسا نہ ہو سکا اور میری بیماری کچھ ایسی بے محل آئی کہ کام کی بہت سی باتیں ادھوری رہ گئیں۔ بہرحال بشرط زندگی جلد ملاقات ہوگی۔ میں بہت جلد انتظامیہ کمیٹی کا جلسہ طلب کرنے والا ہوں تاکہ ضروری بائیلاز وغیرہ منظور ہو جائیں اور سال رواں کے بجٹ بھی مرتب کر لیا جائے۔ ان کاموں سے فارغ ہو کر میں چند روز کے لئے اپنے علاج کی غرض سے کسی نرسنگ ہوم میں چلا جانا چاہتا ہوں۔ اس وقت تو بہ نسبت پہلے کے ناصر

(81)

(11)

محبی - السلام علیکم - علیگڑھ میں آپ کا ایک مکتوب ملا تھا - میں اس وقت بہت بیمار تھا - اسی حالت میں علاج کے لئے حیدرآباد چلا آیا - اور آخر جون تک یہاں قیام کا ارادہ ہے - میں نے دفتر کو لکھا ہے کہ آپ کے مسودے کے متعلق لٹریری کمیٹی نے جو فیصلہ کیا ہو اُس سے آپ کو مطلع کر دیا جائے - سرور صاحب غالباً جلسہ میں نہیں آئے نہ انہوں نے مجھے اس مسودے کے متعلق کچھ لکھا - اگر میں بیمار نہ ہوتا اور جلسہ میں شرکت کر سکتا تو خود اس مسودے کو پڑھ کر اپنی رائے پیش کرتا - بہت ہی اچھا ہے کہ آپ نے اپنی خانہ نشینی میں تصنیف و تالیف کا شغل اختیار کیا - آپ کے لئے اس سے بہتر کوئی دوسرا شغل نہ ہوتا -

امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے -

احقر عبدالغفار

حیدرآباد ۱۳ رمئی ۵۲ء

نقوی دسنوی بتوسط ڈاکٹر مقبول علی ملک پیٹھ حیدرآباد دکن (۱۳)

مکرمی - بہت عرصہ کے بعد آپ کا جواب بمبئی سے آیا میں اس کا انتظار ہی کر رہا تھا - ہماری انجمن کا بیز مسلم یونیورسٹی کا بھی یہی قاعدہ ہے کہ اگر کوئی بڑا ادارہ یا یونیورسٹی کوئی مخطوط طلب کرتی ہے تو اس کو دیا جاتا ہے - آپ کے یہاں قواعد بہت سخت ہیں پھر بھی مجھے تو ان مضامین کی ضرورت ہے اس لئے جس شرط پر ممکن ہوگا - انہیں حاصل کروں گا - البتہ اب مجھے عجلت ہے میں نے انجمن کے دفتر کو ہدایت کر دی ہے کہ آپ کو تیس روپیہ پیشگی بھیج دیئے جائیں - آپ از راہ کرم "پیغام" کے مضامین جلد سے جلد نقل کرا دیجئے - اسی طرح "لسان الصدق" کے مضامین کی بھی بہت ضرورت ہے - "آثار ابوالکلام آزاد" کا دوسرا اڈیشن صرف انہیں مضامین کے انتظار میں رکا ہوا ہے - آپ نے یہ تحریر نہیں فرمایا کہ آپ کب تک دیسنہ واپس جائیں گے -

محمد عبدالغفار

۷ رجولائی ۵۳ء

(۱۴)

نقوی دسنوی

مکرمی - عنایت نامہ مورخہ ۳۱ راگست وصول ہوا - بڑا تردد ہے کہ صرف ان مضامین کو نقل کرائیے جو مولانا آزاد کے لکھے ہوئے ہیں - ازراہ کرم بہت جلد اس کام کو مکمل کرائیے - میں "آثار ابوالکلام" پر نظر ثانی کر رہا ہوں اور جب تک یہ مضامین نہ آجائیں - اس کی تکمیل نہیں ہو سکتی -

امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے -

محمد عبدالغفار جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ -

علیگڑھ ۱۰ رستمبر ۵۳ء

(۱۵)

شہاب الدین دسنوی صاحب

مکرمی - ۲۰ راکتوبر کا عنایت نامہ مجھے وصول ہوا - میں اچانک اتنا بیمار ہوا کہ انجمن کے جلسے ملتوی کرنے پڑے - اب کچھ افاقہ ہے لیکن ابھی اس قابل نہیں ہوں کہ شروع نومبر سے پہلے جلسے ہو سکیں -

سہراب مودی کی فلم "مرزا غالب" کے متعلق مجھے پہلی دفعہ ایک فلمی رسالے سے یہ معلوم ہوا تھا کہ کوئی ایسا

فلم بنایا جا رہا ہے۔ آپ کو معلوم ہو کہ انجمن نے گزشتہ دو تین سال میں غالب کے متعلق بہت ریسرچ کرائی ہے، اور اس
سلسلے کی پہلی کتاب "احوالِ غالب" حال ہی میں شائع ہو چکی ہے۔ دوسری کتاب "افکارِ غالب"[1] عنقریب شائع ہو
عجیب بات ہے کہ اس فلم کے متعلق کبھی کسی نے مرکزی انجمن سے مشورہ کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ علاوہ بریں ملک میں
مسلمہ ماہرین ایسے موجود ہیں جنہوں نے غالب اور غالبیات کا مطالعہ کرنے میں اپنی عمر گزاری ہے۔ مثلاً ڈاکٹر [illegible]
[illegible]یقی۔ مالک رام۔ ڈاکٹر مختار الدین آرزو اور علامہ کیفی وغیرہ۔ مجھے معلوم نہیں کہ ان صاحبوں میں سے کسی سے اس
فلم کے متعلق کوئی مشورہ کیا گیا یا نہیں۔ خود دہلی میں غالب کے خاندان سے قریبی تعلق رکھنے والے ایسے لوگ [illegible]
ہیں جو مفید مشورے دے سکتے تھے۔ انہیں میں ایک حمیدہ سلطان صاحبہ ہیں۔ جو غالب کی قریبی عزیز ہیں اور
جن کے قریبی بزرگوں میں غالباً اب بھی ایسے ایک دو افراد موجود ہیں جنہوں نے غالب کو دیکھا تھا۔ ایک فلم [illegible]
میں غالب کی وہ تصویر بھی چھپی ہے جس صورت میں غالب فلم میں دکھائے جائیں گے۔ مجھے وہ تصویر دیکھ کر حیرت
ہوئی۔ اس لئے کہ انجمن نے غالب کی جو تصاویر جمع کی ہیں ان سے یہ بالکل مختلف ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ فلم
کے لئے کہاں سے یہ تصویر حاصل کی گئی ہے۔ بلاشبہ سہراب مودی نے جو ارادہ کیا ہے وہ یکسر نیک نیتی اور
اردو دوستی پر مبنی ہے لیکن یہ ایک نازک کام تھا اور ملک میں سعادت حسن منٹو اور بیدی سے زیادہ غالب کے متعلق
فکر و نظر رکھنے والے لوگ موجود ہیں۔ اگر خدانخواستہ فلم میں کچھ غلط واقعات پیش کر دئے گئے تو ان پر یقیناً بہت سخت
اعتراض ہوگا۔ آپ ابھی "بھگت سنگھ" کے فلم کے متعلق دیکھ چکے ہیں کہ کتنے اعتراضات ہوئے۔ اردو کے ہر دوست
کی یہ خواہش قدرتی ہے کہ فلم میں غالب کی صحیح تصویر اور کردار پیش کی جائے۔ غالباً اسی احساس کے تحت حمیدہ سلطان
صاحبہ نے جو غالب سے قریبی تعلق رکھتی ہیں یہ خط سہراب مودی کو لکھا۔ بہتر یہ ہوتا کہ وہ اپنے نام کے ساتھ انجمن
کا حوالہ نہ دیتیں۔ لیکن بہر حال ان کو یہ احساس ضرور ہوگا کہ غالب کے متعلق فلم کی تیاری میں دہلی کے کسی ایسے شخص
سے مشورہ نہیں کیا گیا جو غالب اور ان کے خاندان سے قریبی تعلق رکھتا ہو۔ میں نے بہر حال حمیدہ سلطان صاحبہ
کو ایک تفصیلی خط لکھا ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ فلم کس حد تک تکمیل ہوئی ہے۔ اور جن اصحاب کے میں نے نام لئے ہیں ان
میں سے کسی سے مشورہ کیا گیا ہے یا نہیں۔ لیکن اگر ابھی وقت ہو تو آپ سہراب مودی صاحب کو یہ مشورہ دیں کہ
وہ فلم کی کہانی اور مکالموں کے متعلق مسلمہ ماہرین سے ضرور مشورہ کریں۔ ورنہ اگر فلم میں کوئی واقعات کی غلطی رہ گئی
تو مجھے اندیشہ ہے کہ اس پر بہت سخت تنقید ہوگی۔ آپ نے ذاتی مفاد کے متعلق اپنے خط میں جو اشارہ کیا ہے
اس کی نسبت مجھے یقین ہے کہ حمیدہ سلطان صاحبہ کی تحریر کسی ایسی چیز سے آلودہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان کا کسی
فلمی رسالے یا اشتہاری ادارے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آپ سہراب مودی کو یہ ضرور مشورہ دیں کہ فلم کی تکمیل سے
پہلے وہ ایسے لوگوں سے بھی رجوع کریں جو غالب کی زندگی کے ہر پہلو پر گہرا مطالعہ کر چکے ہوں۔ اور یہ کام وہ ہماری
انجمن کے ذریعے سے کر سکتے ہیں۔ میں انہیں بتا سکتا ہوں کہ کون لوگ ان کو اس کام میں صحیح اور مخلصانہ مشورہ د[illegible]

[1] اب "افکارِ غالب" کے بجائے "نقدِ غالب" کے نام سے یہ کتاب شائع ہو گئی ہے۔

سکتے ہیں۔ اگر ان کی نظر سے ہماری تازہ اشاعت "احوال غالب" گذری ہوتی تو شاید وہ انجمن کو اس معاملہ میں ملوث نہ کرتے۔ امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔

علی گڑھ ۲۲ر اکتوبر سنہ ۵۲ء　　　محمد عبدالغفار

---

(۱۶)

بنام حمیدہ سلطان صاحبہ

محترمہ - چند روز ہوئے آپ کا عنایت نامہ آیا تھا۔ دو مہینے سے سخت بیمار ہوں اور اس قابل بھی نہیں رہا کہ دہلی آسکوں۔ میں جب دہلی گیا تھا تو آپ اس وقت تک واپس نہیں آئی تھیں۔ مجھے اب افاقہ ہے اور امید کرتا ہوں کہ نومبر میں ادھر آنے کے قابل ہو سکوں گا۔

اس عرصے میں ہماری انجمن کے ایک ممبر شہاب الدین دسنوی صاحب نے مجھے آپ کے اس خط کے متعلق لکھا جو آپ نے فلم "مرزا غالب" کے متعلق سہراب مودی کو لکھا تھا۔ انہوں نے اس خط کی ایک نقل بھی مجھے بھیجی ہے۔ میں نے ان کو جو کچھ جواب دیا ہے اس کی ایک نقل آپ کو بھیجتا ہوں۔ مجھے معلوم نہیں کہ سہراب مودی نے اس فلم کے متعلق دہلی میں یا دوسرے مقامات پر ایسے لوگوں سے کوئی مشورہ کیا ہے یا نہیں جو غالب کے متعلق مشورہ دے سکتے ہیں۔ بہرحال اگر فلم میں واقعات صحیح نہ ہوئے تو یہ امر بہت افسوس ناک ہوگا۔ اگر آپ کو کچھ مزید معلومات ہوں تو مجھے مطلع فرمائیے۔

امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گی -

علیگڑھ ۲۷ر اکتوبر سنہ ۵۲ء　　　محمد عبدالغفار

---

(۱۷)

بنام شہاب الدین دسنوی صاحب

مکرمی - ابھی میں آپ کو یہ خط بھیجنے والا تھا کہ آپ کا دوسرا خط ملا - جس کے ساتھ منو ورا اسٹیلا کا ایک سائیکلو اسٹائل پرچہ بھی تھا۔ آج ہی میں نے ۲۹ر اکتوبر کے FILM FARE میں صفحہ ۳۲ پر اس فلم کا کچھ حال پڑھا۔ آپ بھی اس کو دیکھئے۔ اس مضمون میں فلم کی پوری کہانی تو نہیں دی گئی ہے لیکن ایک دو باتیں مجھے عجیب معلوم ہوئیں۔ مثلاً غالب معاشقہ میں (جس کی طرف غالب کے سوانح نگاروں نے بہت ہی دھندلے اشارے کئے ہیں) کوتوال کی رقابت کا حال یقیناً غیر مستند ہے۔ اس کا کوئی ذکر غالب کی سوانح عمری میں کہیں نہیں آتا۔ بلکہ جیسا کہ آپ کو معلوم ہوگا۔ ان کے جیل خانے جانے کے اسباب کچھ اور ہی تھے غرضیکہ اگر فلم کی کہانی میں اس قسم کے غلط واقعات ہوں گے تو مجھے اندیشہ ہے کہ ان پر اعتراضوں کی بھرمار مزید ہوگی۔ بہرحال جب تک پوری کہانی میرے سامنے نہ ہو کوئی تنقید کر نہیں سکتا۔ غالباً تنقید و تبصرہ اب بیکار بھی ہوگا۔ اس لئے کہ فلم تیار ہو چکا۔ جہاں تک حمیدہ سلطان صاحبہ کا تعلق ہے میں آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ وہ بہت مخلص کام کرنے والی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ انہوں نے کسی ذاتی غرض یا تعصب کے تحت یہ خط نہیں لکھا ہوگا۔ ان کا جواب آنے پر اگر ضرورت ہوئی تو میں آپ کو پھر خط لکھوں گا۔

علیگڑھ ۲۷ر اکتوبر سنہ ۵۲ء　　　محمد عبدالغفار

وہ اگر میرے مشورے پر توجہ نہ کریں گے تو یقیناً پیچیدگیاں پیدا ہوں گی۔ آپ کے جواب کا منتظر ہوں۔
امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔

۸ ر نومبر ۵۷ء — محمد عبدالغفار

(۲۰)

بنام سیدہ سلطان صاحبہ

محترمہ۔ آپ کا مکتوب وصول ہوا۔ میں تو ابھی اتنا کمزور ہوں کہ دہلی نہیں آ سکتا لیکن میرے خیال میں ایک بات بار بار آ رہی ہے جو میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ آپ اجمل صاحب اور دوسرے بزرگوں سے بھی مشورہ کریں وہ بات یہ ہے کہ "مرزا غالب" فلم کے متعلق ابھی تک ہمارے پاس کوئی ایسا مواد نہیں ہے جس کی بنا پر ہم کوئی ذمہ دارانہ اقدام کر سکیں۔ ایک دو فلمی رسالوں میں اس فلم کا بہت مجمل اور مختصر ذکر ہم نے دیکھا ہے صرف اس کی بنا پر کوئی بڑی احتجاجی تحریک شروع کر دینا کہاں تک مناسب ہوگا۔ یہ غور کرنے کی بات ہے اگر مرکزی انجمن یا اس کے سیکرٹری کی طرف سے کوئی آواز اٹھائی جائے تو اس آواز کو ٹھوس اور ہر طرح مستند مواد پر مبنی ہونا چاہیے تاکہ جب ہم پنڈت جی[1] یا مولانا[2] سے بات کریں تو ان کے سوالات کا پوری طرح جواب دے سکیں۔ اس وقت تک ہم میں سے کسی نے فلم کا SCRIPT بھی نہیں دیکھا ہے اور زیادہ تر سنی سنائی باتوں پر ہم چل رہے ہیں۔ میں نے آج ہی دستوری صاحب کو لکھا ہے کہ وہ اس SCRIPT کی ایک نقل فوراً بھجوا دیں اور سہراب مودی صاحب سے کہیں کہ وہ فلم کو RELEASE کرنے میں جلدی نہ کریں۔ اس SCRIPT کے آنے کے بعد میں چند احباب کو اسے دکھاؤں گا۔ اور آپ بھی اسے دیکھیں اس وقت ہمارے سامنے ایسا مواد ہوگا جس پر ہم تنقید کر سکیں۔ شبہ ہمارے متعلق سہراب مودی صاحب یا کسی شخص کو بھی پیدا نہ ہونا چاہیے کہ ہم محض جذباتی طور پر کسی شخصی غرض یا تعصب کی بنا پر احتجاجی تحریک شروع کر رہے ہیں۔ وہ صورت انجمن کے وقار کے منافی ہوگی۔ میری رائے یہ ہے اور آپ اس کو اپنی کمیٹی کے سامنے بھی پیش کر دیں کہ سب سے پہلے پوری معلومات حاصل کرنی چاہئیں اور نہ تو ابھی کوئی پریس کانفرنس کی جائے یا اخباروں میں قراردادیں بھیجی جائیں یا پنڈت جی اور مولانا کو متوجہ کیا جائے میں اس سے پہلے دستوری صاحب کو لکھ چکا ہوں کہ وہ سہراب مودی صاحب کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ فلم کو RELEASE کرنے سے پہلے ہمیں یعنی آپ کو اور مرکزی انجمن کے چند نمائندوں کو دیکھنے کا موقع دیں مجھے موصوف کے جواب کا انتظار ہے۔

دہلی میں ملک رام[3] صاحب کا پتہ حسب ذیل ہے:-
ملک رام صاحب ایم اے معرفت ڈاکٹر ایس۔ کے مہرو داج نمبر ۲ بارہ کھمبہ روڈ۔ نئی دہلی۔

---

[1] پنڈت جواہر لال نہرو
[2] مولانا ابوالکلام آزاد
[3] ملک رام صاحب ۵/ ۱۲ ویسٹرن ایکسٹینشن ایریا قرول باغ نئی دہلی۔

(۲۱)

بنام حمیدہ سلطان صاحبہ

محترمہ - آپ کا ۱۷ ر نومبر کا مکتوب مجھے وصول ہوا۔ اس میں تو کوئی مضائقہ نہیں کہ آپ نے اس فلم کے متعلق پنڈت جی اور مولانا صاحب کو توجہ دلادی ہے۔ میرے پاس دسنوی صاحب کا خط آیا تھا جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ سہراب مودی صاحب SCRIPT کی نقل دینے کو تیار نہیں ہیں اور کہتے ہیں کہ اب فلم تیار ہو چکا اس لئے اس میں کوئی ترمیم نہیں ہو سکتی البتہ انہوں نے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ RELEASE کرنے سے پہلے یہ فلم دسنوی صاحب اور مسز صفیہ زبیر کو دکھا دیں گے تاکہ وہ اپنی رائے سے انجمن کو مطلع کردیں - اب میں دسنوی کے دوسرے خط کا منتظر ہوں جس سے یہ معلوم ہوگا کہ انہوں نے فلم کو دیکھ کر کیا رائے قائم کی۔ مشکل یہ ہے کہ ہمیں ابھی تک صراحتاً اور قطعی طور پر یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ اگر فلم کا کوئی پہلو قابل اعتراض ہو تو وہ کیا ہے کچھ بھی اس کا اندازہ ہو جائے تو میں انجمن کی طرف سے اس معاملے کو اٹھاؤں۔

دسمبر میں جن تقاریب کا آپ نے ذکر کیا ہے ان میں میری شرکت بہت مشکل معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ دسمبر میں مجھے حیدرآباد اور بمبئی جانا ہے۔ بمبئی میں دو کانفرنسیں ہیں جن میں شرکت کا وعدہ کر چکا ہوں البتہ اگر میں سفر کے قابل ہو گیا تو انشاء اللہ آخر نومبر میں دو ایک دن کے لئے ضرور دہلی آؤں گا اور آپ سے ملاقات ہوگی۔

امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گی۔

علیگڑھ ۱۸ ر نومبر [illegible] — محمد عبدالغفار

(۲۲)

بنام حمیدہ سلطان صاحبہ

محترمہ - آپ کا ۲۶ ر نومبر کا مکتوب مجھے وصول ہوا۔ میں نے بھی رشید صاحب کو لکھا ہے۔ لیکن ابھی کوئی جواب نہیں آیا ہے۔ میں آخر نومبر میں تو نہ آسکا لیکن انشاء اللہ ۲ دسمبر کو وہاں پہنچوں گا۔

ابھی تک دسنوی صاحب کا کوئی جواب مجھے نہیں ملا ہے۔ جس وقت جواب ملے گا میں آپ کو اطلاع کروں گا۔ امید ہے کہ سینسر کے ذریعہ کوئی مفید نتیجہ برآمد ہوگا۔ الحمد للہ کہ میری صحت اب بہت بہتر ہے۔

ہندوستان ٹائمس میں جو اشتہار غالب فلم کا چھپا ہے اس کا ایک تراشہ بھیجتا ہوں - اس میں جو تصویر دکھائی گئی ہے وہ غالباً وہی ہے جس صورت میں مرزا غالب اس فلم میں پیش کئے جائیں گے۔ اگر میرا گمان صحیح ہے تو غالب کی صورت کا یہ تصور بہت ہی غلط معلوم ہوتا ہے۔

علیگڑھ ۲۷ ر نومبر [illegible] — محمد عبدالغفار

(۲۳)

بنام شہاب الدین دسنوی صاحب

مکرمی - کچھ ایسے حالات پیش آئے کہ آئندہ ۹ ر دسمبر انجمن کے ملتوی جلسے کی تاریخ مقرر ہوئی ہے جس کا نوٹس آپ کو مل گیا ہوگا۔ صدر انجمن کی مصروفیات کچھ ایسی تھیں کہ وہ نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد کوئی وقت دے سکتے تھے۔ وہ دس دسمبر کو مصر وغیرہ جائیں گے۔ افسوس ہے کہ آپ جوبلی کی مصروفیات

کی وجہ سے غالباً اس جلسے میں شرکت نہ کر سکیں گے۔ اور اس کا مجھے افسوس ہے کہ میں بھی شریک نہ ہو سکوں گا۔
اخبار الجمعیۃ" کا ایک تراشہ آپ کو بھیجتا ہوں۔ معاملہ کیسکر صاحب تک پہنچ چکا ہے۔ اور دہلی کے
لوگوں کی کوششیں جاری ہیں سہراب مودی صاحب سے آپ کی اور مسز صفیہ زبیر کی ملاقات کے نتیجے کا مجھے
انتظار ہے۔ امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔

محمد عبدالغفار

علیگڑھ ۲۰ نومبر ۱۹۵۴ء

(۲۴)

[...]م حمیدہ سلطان صاحبہ

محترمہ۔ ابھی بمبئی سے مسز صفیہ زبیر کا خط آیا ہے۔ جو کچھ انہوں نے فلم "مرزا غالب" کے
متعلق لکھا ہے وہ حسب ذیل ہے:۔
"آپ کے چند خطوط جو آپ نے سہراب مودی کے فلم "مرزا غالب" کے سلسلے میں لکھے ہیں میری نظر
سے گزرے۔ دسنوی صاحب۔ ندوی صاحب اور دیگر ممبران انجمن ترقی اردو سے ان کی نسبت بات چیت ہونے
پر یہ طے پایا کہ ہم سب اس فلم کو دیکھیں گے۔ چنانچہ کل شام کو ہم سب فلم دیکھنے کے لئے گئے۔ ہم سب کا یہی
خیال ہے کہ مجموعی طور پر یہ فلم اچھے پائے کا ہے اور اس میں کوئی اس قسم کی بات نہیں ہے جس کی وجہ سے مرزا
صاحب کے اخلاق یا اردو زبان پر کسی قسم کا دھبہ آئے بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ کہ اس میں مرزا غالب
کا کیریکٹر بہت اونچا دکھایا گیا ہے۔ اور اردو کی خدمت جو یہ فلم کرے گی اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں
ہے۔ باقی رہا سوال اس کا کہ یہ فلم مرزا غالب کی زندگی کے صحیح حالات پر روشنی ڈالتی تو اس میں کچھ نہ کچھ نقد سے
رد و بدل کیا گیا ہے۔ اوّل تو اس فلم کا یہ مقصد بھی نہ تھا کہ مرزا غالب کی زندگی کا DOCUMENTARY فلم بنایا جائے
اس لئے فلم بنانے والوں کو اس کا لائسنس ہے کہ وہ اس کہانی کو دلچسپ بنانے کے لئے ہیر پھیر کریں ......
زبیر کا اور میرا یہ خیال ہے کہ ہم کو کسی بھی ایسے فلم کا خیر مقدم کرنا چاہیئے جو کہ اردو زبان کو فروغ دینے اور عوام تک
پہنچانے میں ممد ہو۔ ہم لوگوں نے اس فلم کو صرف ایک نظریہ سے دیکھا ہے اور وہ یہ کہ اردو زبان یا مرزا غالب
کے اخلاق کو اس سے نقصان تو نہیں پہنچتا اور اس سلسلے میں ہمیں کوئی ایسی قابل اعتراض بات نہیں ملتی اس لئے
سب احباب کا یہ خیال ہے کہ ہمیں اگر اس فلم کی حمایت نہیں تو مخالفت بھی نہیں کرنی چاہیئے۔ میرا خیال ہے کہ جب
آپ اسے دیکھیں گے تو اور بھی خوش ہوں گے ...... انجمن ترقی اردو کو اس کے خلاف قدم اٹھانا مناسب
نہ ہوگا ہم لوگ نہ صرف اس فلم کو نقصان پہنچائیں گے بلکہ آئندہ کوئی صاحب اس قسم کی فلم جس میں مشہور ہستیاں ہوں
اور اردو کا چرچا ہوتا ہو بنانے سے گریز کریں گے۔ میں تو سمجھتی ہوں کہ یہ فلم عام فلموں کے معیار سے کہیں اونچی ہے
آپ جانتی ہیں کہ میں ہندوستانی فلموں پر بہت سخت تنقید کرتی ہوں اور اس معاملے میں آسان پسند واقع نہیں ہوئی
امید ہے کہ آپ بھی جو قدم اٹھائیں گی نہایت سوچ سمجھ کر اور ہر پہلو کو مد نظر رکھ کر اپنا فیصلہ کریں گی۔"
میں انشاءاللہ ۲ دسمبر کو دہلی پہنچوں گا۔ اس وقت آپ سے مفصل باتیں ہوں گی۔ ۲۹ نومبر ۱۹۵۴ء محمد عبدالغفار

(۲۵)

بنام حمیدہ سلطان صاحبہ

محترمہ۔ آپ کا عنایت نامہ موصول ہوا۔ میری صحت کی حالت اس قدر غیر یقینی ہے کہ خود مجھ [illegible]
اساور اور و عدے پر اعتبار نہیں رہا ہے۔ بہت سے ضروری کاموں کے لئے دہلی آنا ہے لیکن جب ارادہ کیا [illegible]
اس کو ملتوی کرنا پڑا۔ کاموں کا ہجوم ہے اور اپنی صحت پر بھروسہ نہیں۔ مجھے ۳۰ر دسمبر کو ساہتیہ کی ایک کمیٹی [illegible]
کرنی ہے جو مولانا آزاد کی صدارت میں ہونے والی ہے۔ پھر وہاں سے اسی دن رات کو مجھے لکھنؤ جانا ہے۔ جہاں [illegible]
اتر پردیش کی صوبائی شاخ کا پہلا جلسہ یکم جنوری کو ہوگا۔ اس کی مجھے صدارت کرنی ہے اور قاعدے کے مطابق [illegible]
سوا کوئی اور اس کی صدارت کر بھی نہیں سکتا۔ دو تاریخ کی شام تک میں علی گڑھ واپس آجاؤں گا۔ اور ۴ر جنوری کو [illegible]
جاؤں گا۔ اس لئے کہ پانچ تاریخ کی صبح کو مجھے بمبئی جانا ہے جہاں ۶ر تاریخ کی صبح میرا پہنچنا ضروری ہے پھر [illegible]
دو مہینے باہر رہوں گا۔ اس لئے کہ بمبئی سے حیدرآباد چلا جاؤں گا اور ۴ر فروری کو مدراس اردو کانفرنس ہے [illegible]
کی صدارت بھی مجھے کرنی ہے اس طرح آخر فروری تک علی گڑھ واپسی ہوگی۔ اس سفر کے سلسلے میں اپنی صحت کے [illegible]
متعلق بھی بمبئی اور حیدرآباد میں ہی مشورہ کرنا ہے۔ اب آپ ہی بتائیے کہ میں کس طرح اپنے کو آپ کے سالانہ جلسہ [illegible]
میں شرکت کا پابند کرلوں۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنے سالانہ جلسے کی صدارت کے لئے کسی اور کو تجویز [illegible]
آپ کہیں تو میں علی گڑھ سے انجمن کے کسی رکن کو اس کے لئے آمادہ کروں۔ ڈاکٹر عبدالعلیم اور ڈاکٹر مسعود حسین [illegible]
بہت موزوں رہیں گے۔

"نظم مرزا غالب" کے متعلق میرے پاس بمبئی سے جتنے خطوط آئے ان میں بہ حیثیت مجموعی نظم کی تعریف [illegible]
لیکن بمبئی کے ایک اخبار "ہلال" نے جو مضمون لکھا ہے اس میں بہت سخت اعتراضات کئے گئے ہیں وہ میں آپ [illegible]
بھیجتا ہوں۔ خاں صاحب کا یہ خیال بالکل صحیح ہے کہ ایک دفعہ آپ سب اس نظم کو دیکھ لیں اور اس میں جو قابل [illegible]
باتیں ہیں ان کو نوٹ کرلیں۔ میں بھی اگر ۳ر تاریخ سے ایک دو دن پہلے دہلی آیا تو اس نظم کو دیکھوں گا۔ [illegible]
کہ ہم کوئی آئینی یا قانونی کارروائی نہیں کر سکتے سوائے اس طریقے کے جو آپ لوگوں نے اختیار کیا ہے۔ مولانا [illegible]
اور کیسکو ہی سے کہنا سننا ہوگا۔ اور مجھے تو ایجی ٹیشن کا صرف یہی طریقہ مناسب معلوم ہوتا ہے اردو کے کچھ [illegible]
آپ کا ساتھ دے جائیں لیکن انگریزی پریس سے کوئی تائید حاصل ہو اس کی مجھے امید نہیں۔ ہندوستان [illegible]
میں اس نظم پر جو تبصرہ شائع ہوا ہے وہ تو آپ نے دیکھا ہی ہوگا۔

امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔ خاں صاحب سے فرما دیجئے کہ میں ۲۷ یا ۲۸ر تک دہلی [illegible]
کا ارادہ کر رہا ہوں۔

۱۵ر دسمبر ۵۴ء　　محمد عبدالغفار

(۲۶)

بنام مولانا عرفان صاحب

قرول باغ۔ دہلی۔ مخدومی و مکرمی۔ السلام علیکم۔ تار اور خط کا شکریہ، سردار صاحب سے ملاقات [illegible]

وہ پرسوں یہاں سے روانہ ہوگئے۔ مفصل باتیں ہوئیں، شوکت صاحب نے بھی خط لکھا ہے۔ اور یہ امید ہے
کہ کوئی بہتر صورت پیدا ہوگی۔ شوکت صاحب نے آپ سے مفصل حالات بیان کئے ہوں گے۔ آپ کی کوششوں
اور توجہات مشفقانہ کا احسان مند ہوں۔

شاید کہ بجوئے رفتہ باز آید آب!

ابھی تو حال یہ ہے کہ ایک تنکے کی طرح دریا کی موجوں پر ہوا کے تھپیڑے کھا رہا ہوں اور ہر ساعت اس طرح
گزرتی ہے کہ گویا آخری ساعت ہے! بہت شکستہ خاطر ہوں۔ اتنا کہ نہ شوکت صاحب اندازہ کر سکے نہ میرا
حال آپ کے تخیل میں آسکے گا۔ ظاہر اور باطن میں بعد المشرقین ہے۔ دیکھنے والا یہ سمجھے کہ یہ بھی دنیا کا ایک
"بے فکرا" ہے! بہرحال ہاتھ پاؤں تو مار ہی رہا ہوں، کہ آخر یہی شرط زندگی ہے! اس سے مفر نہیں!

اخبار خلافت کی ادارت کا سوال، جہاں تک میرا تعلق ہے۔ ایسا ہی ہے جیسا کہ مریخ کی طرف اہل سائنس
کا سفر! مولانا! پہلا سوال روٹی کا ہے! اگر مجھے سرمایہ مل جائے اور میں کوئی آزاد اخبار جاری بھی کر دوں، تو یقین
جانئے کہ ہندوستان کے اس عہد میں کوئی ایماندار اخبار نویس دو وقت کی روٹی بفراغت نہیں کھا سکتا، روٹی کی
فکر ہو تو اخبار کے ذریعہ سے استحصال بالجبر کیجئے، یا قومی چندے جمع کر کے ہضم کیجئے، یا طلائے واجد علی شاہی
اور حب ملذذ کے اشتہارات شائع کیجئے! مسلمانوں کی سیاست اب صرف یہ ہے کہ ہر مسلم لیڈر نے اپنے چھپر
میں جمیعہ کر لیا ہے اور منتظر ہے کہ اللہ میاں چھپر پھاڑ کر دیں گے! گلے میں ڈھولک ہے ہاتھ میں تنبورہ ہے، حلق
بڑا ہے، زبان لمبی ہے، اور اگر مولوی ہے تو معدہ قوی ہے! ایک سے ایک بڑا مقتدر موجود ہے! یا حال
تو یہ ہے کہ

پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں!

ہر راہرو راہبر ہے! غالب بے چارا تو دو چار قدم ہر راہرو کے ساتھ چلتا تھا ہم اب ان تجربات سے بھی اکتا
گئے ہیں۔ بہت سے راہرو اور بہت سے راہبر دیکھ لئے! تو مولانا! صحافت اور سیاست کا تو خیال بھی نہ
کیجئے! اس سے چاوڑی کی دلچسپیاں اور خانہ خمار کی دعوتیاں بدرجہا اچھی ہیں! نفس کی پرورش
تو ہے اگر ایمان کی نہیں!

اپنی "ملعون مشغولیت" کا خاتمہ کر کے آئیں، اور جلد آئیں، اپنی بستی چل کر الگ بسائیں! جہاں نہ "تنظیم
ملت" ہو نہ "رزولیوشن" ہوں نہ "اعلانات" ہوں، نہ "لیڈر" ہو، نہ اس کی "ملعون" "تحریک" ہو! مگر آپ کے
ارادے کمزور رہتے ہیں۔ کیا چوپاٹی کے سب ارادے اتنے ہی کمزور ہوا کرتے ہیں؟ اس سے آپ کے اشارات پر
خوش نہیں ہوتا، وقت آجائے اور آپ راہ فرار اختیار کریں، تو پھر میں ایک نئی دنیا میں آپ کا ہمسفر بنوں گا!

حکیم صاحب کی سیرت کا کام شروع کر دیا ہے، اگرچہ دشواریاں بہت زیادہ ہیں اور بدقسمتی سے کچھ لوگ
مجھے اس کام کے لئے بلحاظ اپنے اغراض و مقاصد کے) موزوں نہیں سمجھتے، اس لئے جن اطراف سے کافی امداد ملنی چاہئے

وہ نہیں ملتی، تاہم دل کی یہ ہوس پوری کرنی ہے، نا چاکر دا بہت مگر لیڈر نہ بن سکا۔ اب مسیح الملک کا سوانح نگار بننا چاہتا ہوں۔ جو اس سے بڑی چیز ہے، معلوم نہیں مشیت ایزدی کیا ہے! یہ کام مجھ سے بن گئے تو سمجھوں گا کہ زندگی کی تمام ناکامیوں کا نعم البدل مل گیا۔ یہ تو فرمائیے کہ آپ کو سیرت کے سلسلے میں جو کچھ لکھنا ہے وہ کب لکھ کر عنایت فرمائیں گے۔ محض تحریر ہی سے کام نہ چلے گا۔ آپ سے زبانی باتیں ہونی چاہئیں، وہ کب؟ بمبئی کے فسادات کو کب تک کلیجہ سے لگائیے گا۔ اب تو شوکت صاحب وہاں پہنچ گئے، آپ دہلی کی طرف دیکھئے! دس پانچ دن کے لئے ضرور آئیے۔ اگر فساد بغیر زندگی بے کیف ہے تو ہم یہاں بھی آپ کی خاطر اس کا انتظام کرا دیں گے۔ خدا حافظ

۱۳ / جون — احقر عبدالغفار

(۲۷)

بنام مولانا عرفان صاحب

کرمی مولانا۔ اسلام علیکم۔ افغانستان کے متعلق مجھ سے ذکر کیا، وعدے کئے، بمبئی جانے سے پہلے ملنے کا اقرار کیا اور پھر غائب ہو گئے۔ میں سمجھا شاید دس پانچ روز بعد کوئی خط آئے مگر بمبئی پر پیروں کا سایہ، وہاں اس قسم کی فضول حرکت، جسے خط و کتابت کہتے ہیں، حرام (ح کو صحیح مخرج سے ادا فرمائیے) نہیں تو مکروہ ضرور ہے! چارپائی سے فرصت ملے تو کوئی کسی کو دو حرف لکھے! بہرحال کچھ مولویت (نہیں بلکہ "مولانائیت" یعنی مولویت درجۂ اعلیٰ) کچھ استغراق فی کیفیاتِ چارپائی، کچھ ذاتی مشاغل (تفصیل کی ضرورت نہیں!) غرض میں غریب کرم نامہ کا آج تک منتظر ہی رہا!

خیر جانے دیجئے۔ اب مجھے جواب دیجئے کہ افغانستان کے متعلق میری خواہش آپ کو یاد ہے یا نہیں؟ اور آپ نے اس سمت میں کوئی عملی قدم اٹھایا یا نہیں؟ میں اب وطن سے جانے کے لئے اتنا ہی بے تاب ہوں، جس قدر بے قرار آپ ہمیشہ بمبئی میں مقیم رہنے کے لئے ہیں! آج صبح اس باب میں مولانا شوکت علی صاحب سے باتیں کی تھیں۔ وہ امید دلاتے ہیں کہ کام کچھ مشکل نہیں، اگر کوشش کی جائے۔ اب آپ جو کچھ کر سکتے ہیں کیجئے اور مجھے مفصل خط لکھیے۔ نیز اتنی تکلیف اور گوارا کیجئے کہ سردار گل محمد خاں سفر حج کے بعد جب بمبئی پہنچیں تو آپ بذریعہ تار مجھے مطلع کر دیں کہ وہ دہلی کب آتے ہیں۔ مجھ سے اُن سے ذاتی تعلقات ہیں! اور اس معاملے میں خود اُن سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ بھول نہ جائیے گا!

میرا حال اگر آپ سننا چاہیں تو یہ ہے کہ ۴ ماہ سے قرول باغ میں بسیرا ہے۔ حکیم جمیل خاں مسیح الملک مغفور کی سوانح عمری لکھوانا چاہتے ہیں، جی میرا بھی چاہتا ہے، لیکن یہاں کے حالات ایسے ہیں کہ جمیل خاں صاحب کے ساتھ کام کرنا بہت مشکل ہوگا۔ اس لئے اب تک اس معاملہ کو طے نہیں کیا۔ طبیہ کالج کے "ارباب حل و عقد" کی جو حالت ہے وہ اس قابل نہیں کہ کوئی بھلا آدمی اپنی عزت نفس کو محفوظ رکھ کر کام کر سکے۔ بہرحال اگر عارضی طور پر یہ سلسلہ شروع ہوا تو آپ سے بھی امداد کا طالب ہوں گا۔ لیکن بہر صورت یہ چیز افغانستان کے متعلق میرے ارادہ کو کمزور نہیں کر سکتی۔ شوکت صاحب نے اخبار خلافت کے متعلق بھی اپنا خیال ظاہر کیا تھا لیکن میں نے اس سوال کو آگے نہیں بڑھنے دیا۔ اس کی تو میری زندگی میں گنجائش ہی

میرے فرخ آباد سے تبادلہ میں اسباب کے انتقال مکانی کی صورت میں گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہو گئی۔ اس کے بعد سے گدھے کر اپنے گدھے پن کا احساس ۱۳۲۰ھ سے شروع ہونا لازمی تھا۔ بہرحال جس طرح ایک باپ اپنی مردہ اولاد کا مقام پیدائش و وغیرہ وغیرہ بتا سکتا ہے اسی طرح میں بھی اپنے مغفور و مرحوم علمی کا قریب قریب بہت تھوڑا حصہ حافظہ میں محفوظ پاتا ہوں اور بتا سکتا ہوں۔ ممکن ہے کہ قدرت بغض العجائب نے یہ سبق اس لئے دیا ہو کہ میں تحفظ آن کے نادر طریقے کی صحیح خوبی خود بھی سمجھ سکوں۔ مختصر سب سے پہلی کاوش یہ ہوگی کہ ان رسائل کو بہم پہنچایا جائے جن میں میرے افسانے اور مضامین وقتاً فوقتاً شائع ہوتے۔ ان رسائل میں مخزن، تمدن، الناظر، نقیب، ہمایوں، نیرنگ خیال اور ساقی رملکہ اور ادب لطیف بھی، کافی ہوں گے۔ خیال ہے کہ ان رسائل کا دفتر مسلم یونیورسٹی لائبریری، آگرہ، لکھنؤ اور لاہور سے مہیا ہو سکے گا۔ دشوار ضرور ہے مگر محال نہیں۔ اب فرمائیے کہ آپ اس پہاڑ کو توڑنے کے لئے کمربستہ ہونا چاہتے ہیں؟

دوسری سہل صورت یہ ہے کہ میں اپنے حافظے سے اپنے مضامین و افسانوں کا انتخاب طے کروں اور اس میں جس قدر باسانی اور جلد مہیا ہو سکیں ان کا مجموعہ فی الحال شائع کر دیا جائے۔ آپ کی اس رائے سے مجھے اتفاق ہے کہ افسانوں کی ایک جلد ہو اور مضامین و مقالات کی دوسری۔ ان کے لئے جو مقدمات آپ نے تجویز کئے ہیں وہ بھی مناسب ہیں۔ تجارتی نقطہ نظر کا تصفیہ میرے اور آپ کے درمیان بہت آسانی کے ساتھ صرف چند منٹ کی گفتگو میں طے ہو جائے گا۔ مگر سب سے پہلی کاوش وہ ہے جس کا میں نے اوپر ذکر کیا۔ اب فرمائیے کہ جناب کی ہمت پست ہو گئی یا کچھ ارادہ تکمیل ہے۔

آخر میں چلتے چلاتے ایک اور اطلاع گوش گذار کر دوں۔ میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی مجلس منتظمہ کی طرف سے کورٹ کی ممبری کے لئے نامزد کر دیا گیا ہوں اور دلدل میں پھنسا ہوں۔ آپ کے پاس بھی فہرست ممبران برائے نامزدگی پہنچ گئی ہوگی۔ اس وقت نامزدگی اور ۱۲ر فروری کے بعد رائے دہندگی کا زمانہ ہے۔ آپ کی ذاتی رائے کا مجھے اس قدر یقین ہے کہ میں اس کی بابت آپ کو نالباً لکھتا بھی نہیں، مگر اب آپ کی یاد آوری کے بعد آگرہ کے دیگر ممبران، بلکہ بیرون آگرہ کے بھی وہ ممبران جو آپ کے زیر اثر ہوں یا کم از کم آپ کے احباب کی فہرست میں آتے ہوں، آپ کے ذریعہ سے اپنی امداد کے لئے چاہتا ہوں۔ آپ شاید کہیں کہ گئے تھے نماز بخشوانے یہ روزے بھی گلے پڑے، مگر میں کہوں گا کہ یہ سلف سے یوں ہی ہر سے بار ہوتی آتی ہے! ایک فریدی کو دوسرے فریدی کی پوری پوری امداد و اعانت حاصل کر لینے کا یقین ہونا چاہیے اور اس کے حصول کے لئے زیادہ طویل تحریر فضول ہے۔ اب اپنے ادارۂ اشاعت اور میری استدعائے اعانت، دونوں کا جواب آپ کے ذمہ ہے۔ خدا کرے آپ مع تمام لواحقین خوش و خرم ہوں۔

والسلام! احقر، سلطان حیدر جوش (حامد منزل میرس روڈ علی گڑھ ۳۰ر جنوری ۱۹۴۴ء)

(۲)

بنام طاہر فاروقی صاحب اسلامیہ کالج پشاور

مجی! السلام علیکم!

مئی کا مہینہ ایک ہفتہ ہوا کہ گذر گیا۔ آپ یہاں تشریف نہ لاسکے اور میں بھی "یوم صوفی" کی صدارت کے لئے آگرہ نہ پہنچ سکا۔

اب یہ سُنئے کہ میں نے اپنی تازہ ترین تصنیف ختم کر لی ہے۔ یہ وہی ہے جس کا نام "سسرال" میں نے دہلی سے اپنی تحریر میں نشر کیا تھا۔ اس میں ۱۱ نہایت پھڑکتے ہوئے افسانے ہیں۔ اپنی تیس سالہ ملازمت کے غیر معمولی مشاہدات کا مرقع افسانوں کے لباس میں رکھ دیا ہے۔ کوشش کی ہے کہ انسانوں کے جس قدر نمونے مغرب نے اب تک بنائے ہیں وہ سب آ جائیں بلکہ ایک افسانہ محض ٹیلیفون پر بنایا اس وقت تک اچھوتی جدت ہے۔ ضخامت میں اسکول کی رول دار کاپیوں کے، جن پر ۲۰ سطریں فی صفحہ ہوتی ہیں پورے ۵۰۲ صفحے ہیں۔ یہی کے ختم پر یہ ایک سالہ کوشش شکر ہے کہ اختتام کو پہنچ گئی۔

اب فرمائیے کیا ارادہ ہے؛ سب سے پہلے آپ کو لکھ رہا ہوں۔ والسلام! جواب اگر دینا ہے تو جلد دیجئے۔

احقر: سلطان حیدر جوش۔ علی گڈھ ۷ راپریل ۱۹۴۴ء

مجھے آپ کے دولت خانہ کا پتہ یاد نہیں اس لئے یونیورسٹی کے پتہ سے بھیجتا ہوں۔

(۳)

بنام طاہر فاروقی صاحب اسلامیہ کالج پشاور

برادر مخلص و محترم! السلام علیکم

گرامی نامہ اس وقت موصول ہوا جب میں کئی روز سے ملیریا کے زیر اثر بستر پر تھا۔ افسوس ہے کہ پیشتر سے اطلاع مل سکنے پر ریڈیو نہ سنا جا سکا تاہم اس روز اس نشر کی اطلاع ایک سننے والے کی زبانی مختصراً ہو گئی تھی لیکن ان کو ناشر کا نام و نشان معلوم نہ تھا۔ آپ کے گرامی نامے نے اس پہیلی کی بوجھ ظاہر کر دی۔

آپ کے ناقدانہ نشر کا ممنون ہوں اور سب سے زیادہ اس غلطی کا جو آپ نے آیت کریمہ کے متعلق سمجھائی ہے۔ واقعی یہ نہایت بدنما سہو ہے۔ اگر میں بھی عربی میں مولوی کامل ہوتا تو غالباً یہ سہو نہ ہوتا۔ بہر کیف خدائے پاک اس سہو کو معاف فرمائے۔

"نقش و نقاش" پر اس قدر تنقیدیں نیرنگ خیال، ہمایوں، ادب، زمانہ اور آجکل میں شائع ہوئیں کہ مجھے لطف آ گیا۔ آپ نے بھی شکر ہے کہ اپنی ہی عینک سے جوش کو سرفراز اور اپنے پسندیدہ مقامات کو اجاگر کر دیا۔ اس کے سوا شکر زحمت اٹھانے خوشچینان کو زحمت اٹھائے تو" کے سوا اور کیا کہوں۔

ایک بڑے مزے کا خط مولوی عبدالماجد صاحب دریابادی کا موصول ہوا۔ ان کی عینک سے یہ ناول چوروں، جیب کتروں کا اچھا خاصہ ہے۔ میں ان کو بعض جگہ فقیہہ نظر آیا اگرچہ مجھ کو ان کی طبیعت منقبض بھی ہوئی مثلاً سوختہ کی سرخ شیطنت یا انسان کامل کا رشید اور نصیبن تک کی پول کھل گیا۔ مجھے ان کے قلم سے اپنی تعریف کے بجائے اس جھنجھلاہٹ میں اپنی پوری کامیابی کا یقین ہو گیا۔ "بادہ ظرف سیخ کے ایک دو جرعے آخر سر چڑھ کر بولے۔ کیوں ہے نا؛

بھائی مجھ غریب کی تعریف طاہر فاروقی نہ کریں تو اور کون کرے۔

اچھا صاحب! جزاک اللہ فی الدارین خیرا۔

آپ نے DAWN میں ۹ ۲ ستمبر کے جلسہ مسلم یونیورسٹی کورٹ کی اطلاع پڑھ لی ہوگی۔ کیا ۲۹ ستمبر کو آپ کا ارادہ ہے؟

باقی انشاءاللہ بروقت ملاقات۔

احقر سلطان حیدر۔ علی گڈھ ۱۳ ستمبر ۱۹۴۶ء

(۸)

(۱)

باستپریبا

جاتے۔ مثلاً کب لکھی؟ کن حالات میں لکھی؟ اس وقت وجہ تحریک کونسی شے تھی وغیرہ۔ تمہاری کیا رائے ہے؟
"شاہکار" نے پہلے سے زیادہ اپنے لب و لہجہ میں لطافت پیدا کی یا نہیں؟ لکھو۔ والدعا
تمہارا اختر ۴۰-۸-۲۲

(۴)

نام مجاز سکندر نازش (گندیان)

عزیزم سلمہٗ دعا
تمہارے کسی خط کا تمام و کمال جواب نہ دے سکا۔ کل اکتوبر نمبر کی طباعت و کتابت سے فرصت ملی اور آج جواب دینے کی کوشش کر رہا ہوں۔ تم غالباً میرے خطوط کو اچھی طرح نہیں پڑھتے۔ میں نے کب کہا۔ کہ تمہاری نظم شائع نہ ہو گی میں نے تو لکھا تھا۔ کہ جیسے جیسے درست کرتا جاؤں گا۔ شائع ہوتی جائیں گی
جن کو مناسب خیال کروں گا۔ ان کے متعلق اطلاع دوں گا۔
تمہاری خواہش کے مطابق۔ تمہارے دوست فضل حق صاحب کی نظم "معصوم آرزوئیں" اکتوبر نمبر میں شائع ہو گئی ہے۔ دو تین شعر قلمزد کر دیئے ہیں۔ تمہاری کوئی نظم اس دفعہ نہیں جا سکتی تھی اس لئے نومبر نمبر کا انتظار کرو۔ اب اپنے سوالات کا جو میرے لئے امتحانات کے سوالات سے کم نہیں ہیں۔ بالترتیب جواب سنو۔
(۱) شاہکار کے کل ۵۰۰ خریدار یعنی میرے حساب میں بنتے ہیں۔ جن میں سے ۱۵ نے ابھی چندہ ادا نہیں کیا ہے۔
(۲) گزارہ بدستور ہے۔ لیکن والد کی ماہ ریٹائر ہو رہے ہیں۔ گھر کے لوگوں کے یہاں آنے پر خرچ اخراجات چار گناہ بڑھ جائیں گے۔
(۳) رومان کے سلسلہ میں غداری کرنے والے (۱) میرا مینیجر شیخ محمد نواب مالک "زیب النساء" (۲) خلیل احمد بی۔ اے میرا اسسٹنٹ ایڈیٹر تھے جو اب "احسان" میں ملازم اور رسالہ "داستان" کا ایڈیٹر ہے۔
(۴) یہ بتانا کہ اپنی نظموں میں کون سی سب سے زیادہ عزیز ہے بہت مشکل ہے۔ لیکن اگر مجھے یک بیک جواب دینے پر مجبور کیا جائے۔ تو شاید میں "او دیس سے آنے والے بتا" کا نام لوں گا۔
(۵) اسکی شان نزول کیا ہے؟ صرف وہ تاثرات جو ایک دیس سے آنے والے سے برسوں کے بعد مل کر کسی غریب الوطن کے دل میں مترتب ہوتے ہیں۔ اور آنسو یا شعر بن کر چھلک پڑتے ہیں یہ واضح رہے کہ جہاں بچپن گزرا ہو۔ اس مقام کی یاد تو ہر ایک کے گوشۂ دل میں چھپی رہتی ہے۔ لیکن جس شخص کو اس مقام سے جدا ہوئے ۱۵ سال گزر چکے ہوں۔ اسکی تلخی جذبات اور شدت احساس ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔ میرا بھی ایسا ہی حال تھا۔
(۶) ہندوستانی شعراء اپنے قلم سے" یہ وعدہ پورا ہو گا۔ فی الحال اردو کا قلم موجود نہیں ہے۔

(۷) مقدمہ "کتاب" کے متعلق پہلے لکھ چکا ہوں جو یا مقدمہ لکھنے کا ارادہ تھا۔ وہ سردست ناممکن ہے۔ اصل کتاب ہی پوری کا مدہ بھی نہیں۔ تو مقدمہ کا خرچ کہاں سے لاؤں۔

(۸) انتساب "س" کے نام ہوگا۔

(۹) تقریباً ہر حصے میں اس قسم کی کچھ نظمیں لکھی گئیں۔

(۱۰) غزلیات کا مجموعہ اس سلسلے کا تیسرا حصہ ہوگا۔ مگر تم یہ سن کر افسوس کرو گے کہ سی ماہ یہ سارا مجموعہ (جس میں صرف غزلیات تھیں) چوری ہوگیا۔ اب پھر جمع کرنا پڑے گا۔ اور میرے پاس کسی بھی رسالے کا ایک پرچہ تک نہیں۔

(۱۱) "اختر نمبر" کو میں خود نمائی سمجھتا ہوں اور خود نمائی سے مجھے ہمیشہ نفرت رہی۔

(۱۲) احمد ندیم صرف "شاہکار" کیلئے مخصوص ہوگا مگر آجکل بہت پریشان ہے۔ اور اس خط کے ساتھ اُسے بھی عرصے کے بعد جواب دے رہا ہوں۔

(۱۳) "سلمٰی نورجہاں کے مزار پر" کی شان نزول خود نظم بتا رہی ہے۔

(۱۴) شعر کیسے کہتا ہوں؟ فرمائشی یا اختیاری؟ ہر وقت —— اپنی خاص نظمیں زیادہ تر چاندنی رات اور تنہائی میں، کم تر دوسرے اوقات میں جذبات کا غلبہ اور احساسات کا ورود ہر حالت میں لازمی ہے۔

(۱۵) مجھے اس کا رنج نہیں ہے کہ اب "شاہکار" میں میری نظمیں شائع نہ ہوں گی —— ارے بھائی تم سے کس نے کہا کہ اب تمہاری نظمیں شائع نہ ہوں گی۔ اس کے متعلق اوپر کی سطور میں لکھ آیا ہوں۔

(۱۶) منظور صاحب کو ابھی پرچہ نہیں بھیجا سکا۔ کیونکہ جواب طلب خطوط کا فائل آج کھولا ہے۔ اور اس سے آپ کے تین خط نکلے ہیں۔ جو اس وقت سامنے ہیں۔ جس وقت منظور صاحب کے نام والا خط آیا ہے۔ اس وقت میں دفتر میں موجود نہ تھا۔ بہرحال اب بھجوا دوں گا۔ ان سے نظم لے کر بھجوا دو۔

لیجئے اب آپ کے تمام خطوط اور سوالات کا جواب ختم ہوتا ہے۔ صرف پندرہ اشعار کے تحریر کا قرض میرے ذمہ باقی ہے اس سے بھی جلد سبکدوش ہونے کی کوشش کروں گا۔ امید ہے کہ تم مسرور اور مع الخیر ہوگے۔ والدعا

۴۶ — ۱ — ۱۱ تمہارا اختر

(۵)

بنام اعجاز سکندر نازش

عزیزمن دعا

تمہارے چار خط پہنچے۔ شرمندہ ہوں کہ اب تک جواب نہ دے سکا۔ علالت اور سیاحت اسکی ذمہ دار ہیں۔ سیاحت خود اختیاری نہیں، اور علالت تو بالکل ہی نہ تھی، اب جواب لکھتا ہوں۔

زمین کے عطیے کیلئے شکر گزار ہوں۔ مگر اس کے یہ معنی نہ ہوں گے۔ کہ تم فاقے کرو۔ آخر تمہارا گزر کس طرح

ہوگا؟ معاف کرو۔ میں مفلس سہی مگر خدا کا شکر ہے۔ کمینہ نہیں اس لیے جب تک تمہارے گزر اوقات کی کوئی صورت
نہ ہو یہ تجویز قطعی بے کار ہے۔

تمہاری دوسری تجویز کہ زمین نہیں تو اسکی تمام آمدنی ہر سال لے لیا کروں۔ اس میں بھی تمہارے گزارہ کے لئے
کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اگر کوئی ہو۔ تو مجھے بتاؤ!

مسٹر عبدالکریم خالد کی غزل سامنے نہیں۔ یا تو تم بھیجنا بھول گئے۔ یا میرے فائل کیساتھ چھوڑے گئے"
دوبارہ بھجواؤ۔ "شاہکار" سے بھی نظر نہیں آتی۔ دوسرے رسالے کی فکر پھر دامنگیر ہے۔ مگر کیا کروں ___ ؟ کچھ سمجھ میں نہیں
آتا۔ بہرکیف اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔

"اے ابرِ رواں" تمہاری خواہش کے مطابق مکمل کر دوں گا۔

منظور صاحب کو پرچہ بھجوا دیا تھا۔ مگر نہ وہ خریدار بنے اور نہ نظم بھجوائی۔ ملک فتح محمد صاحب سب انسپکٹر
کا چندہ ابھی تک نہیں ملا ہے۔ اپنے مختصر حالات پھر کسی فرصت میں لکھوں گا۔

"[illegible]" والی نظم بھی مکمل نہیں ہے۔ اس کے مخاطب کا نام پوچھ کر کیا کرو گے "غریب" کی رسوائی ہوگی
بیچاری پر رحم کرو۔

تمہارا خیال بالکل درست ہے "لارڈ بائرن" اور "راہگاری" کی نظمیں میری ہی ہیں۔ "مستورہ" کی نظم میری نہیں
مگر اصلاح ایسی ہوتی ہے۔ کہ اس کے اصل اشعار بالکل ہی مٹ گئے۔ اور پردے پر ہم ہی ہم باقی رہ گئے۔

تمہارے خطوں کا جواب ختم ہوتا ہے۔
اپنے متعلق سوچتے اس کے کیا لکھوں

سوختیم و سوزش ما ہر کسے ظاہر نشد
چوں چراغ غار در شب ماہتاب بے جا سوختیم

والدعا
تمہارا اختر

(۶)

نام ڈاکٹر سید عبداللہ

برادر محترم زاد مجدکم

تسلیم مع التکریم۔ ہم لوگ کل ہی یہاں پہنچے ہیں۔ اور آج حضرت قبلہ والد ماجد کی زبانی علم ہوا کہ آپ
کی محترم رفیقۂ حیات نے آپ سے دائمی مفارقت اختیار کی۔

یہ کہنا لاحاصل ہے کہ اس حادثہ کی اطلاع نے مجھے اور دوسرے متعلقین کو جن میں حضرت والد ماجد کا خاص حصہ ہے کس قدر اذیتِ قلبی سے دوچار کیا۔ علی الخصوص مجھے' جسے بخوبی علم ہے کہ آپ کے دل میں اپنی عزیز رفیقِ حیات کے لئے کس درجہ محبت کس قدر شیفتگی اور کیسی کچھ فریفتگی موجزن تھی۔ آپ حیران نہ ہوں گے' میں نے آپ کے روزنامچے کے چند اوراق پڑھے ہیں اور ان میں آپ کے شریکِ زندگی کے باب میں' ایک ایسے صحیفۂ محبت و جنون کا مطالعہ کیا ہے جو بہت کم افراد کے جذبات میں اتنی شدت' اتنی تابانی رکھتا ہے۔ یوں بھی ایک سے زیادہ مرتبہ' اگر مجھے غلط یاد نہیں' جو محترمہ کے تذکرے میں' مجھ جیسے نفسیات کے طالب علم کو' آپ کے حسین تر بر کے انداز' اور نگاہ و بیان کی روش میں' ایک ایسی داستانِ عشق و شیفتگی عریاں نظر آتی ہے' جو کسی رومان کی تجلی کی وسعت میں ہی دیکھی جا سکتی ہے۔

ان حالات کی روشنی میں آپ اچھی طرح اندازہ فرما سکتے ہیں کہ مجھے اور والد ماجد کو اس فاجعے کی اطلاع پر کس درجہ صدمہ ہوا ہوگا۔ اور جب ہم لوگوں کے رنج و اندوہ کی یہ کیفیت ہے تو آپ کی اذیتِ قلبی اور صدمۂ روحی کی شدت کا صحیح اندازہ کرنا دشوار نہیں۔

صبر کی تلقین' اس دنیا کی پامال رسم ہے اور یہ خاکسار پامال رسوم کا متبع نہیں' البتہ اتنا ضرور کہوں گا کہ مجھ گنہگار کی بہ نسبت آپ سے نیک اور عالی خیال انسان' مشیت و مصلحت ایزدی کی حکمتوں سے زیادہ آشنا ہیں ——— لہٰذا سوچئے' غور کیجئے۔ اور اور اگر خدا سے برتر کی الطاف' آپ کے قلبِ مضطرب اور جانِ بے قرار کو' صبر و سکون کی دولت سے آشنا کر سکیں تو اس کے حصول کی مقدور کوشش کیجئے یا کم از کم کوشش ضرور کیجئے! اور کسی کی خاطر نہیں' صرف اپنے کمسن اور معصوم بچوں کی خاطر آپ کو اپنے ناقابلِ برداشت صدمے کو فراموش کر دینے کی سعی ضرور کرنی چاہیئے ——— وما باللہ التوفیق!

والد ماجد کی حساس مگر خاموش طبیعت کے مجہول سکوت کا حال آپ کو بخوبی معلوم ہے ——— از راہِ کرم اس عریضے کو' جو انہی کی اطلاع' اور حقیقتاً انہی کے حکم سے لکھا جا رہا ہے' ان کے خط کا قائم مقام تصور فرمائیے ——— نیز ساتھ ہی ہمارے تمام گھر والوں کی طرف سے دلی اور صمیمی تعزیت قبول فرمائیے۔

خدا سے دعا ہے کہ مانسہرے کے مناظر (جن کا پچھلے سال آپ کی عدم موجودگی میں میں نے خوب مطالعہ کیا ہے) آپ کے غم و اندوہ کو کم کرنے میں مفید حصہ لیں۔

باسط صاحب (جو اس وقت یہاں تشریف فرما ہیں) بھی اس حادثہ کے سلسلے میں اپنی بے زبانی (اور بے زبانی آپ سمجھتے ہیں، صرف شدتِ اندوہ کی آئینہ دار ہوتی ہے) کا اعتراف پیش کرتے ہیں۔

والسلام

صداقت کیش

اختر شیرانی

در کوے نیک نامی ما را گذر ندادند

گر تو نمی پسندی تغییر کن قضا را!

ممکن ہے، آپ "تصورِ گناہ" کو زیادہ اہمیت دینے کے سلسلے میں میرے ساتھ کچھ رعایت فرمائیں، مگر میں انصاف کرانے کی جد و جہد پر لکھنا چاہتا ہوں۔ اور آپ کو بتلاتا ہوں کہ گناہ کا تصور، گناہ سے زیادہ مستحقِ ملامت ہوتا ہے۔ کیونکہ گناہ وصد تجاوزات وقتی شے ہے۔ مگر تصورِ گناہ کی تکرار اور پھر وسعت تکرار —— اس کی معصیت کوشیوں کا آپ اندازہ نہیں فرمائے [illegible]

می آرم استمداد گناہ بزورہ را!

"بہارستان" کا اجرا ابھی کھٹائی میں پڑا ہے۔ "ربدہ" کے اظہار کے لئے ایک طویل فرصت درکار ہے۔ اس سلسلے سے ملاقات پر اکتفا کرتا ہوں۔ خواجہ صاحب قبلہ کا افسانہ بھی دوسرے مضامین کے ساتھ میز کی دراز میں "محوِ خواب" ہے۔ قبلہ والد ماجد آج کل سکوکات کی تلاش میں باہر گئے ہیں۔ آپ کا "سلام" ابھی تک میرے پاس محفوظ ہے مطمئن رہیے یہ گراں مایہ امانت بحفاظت تمام پہنچا دی جائے گی۔

ڈپٹی صاحب کی مستی (یا پستی؟) ابھی تک "کھٹائی" میں پڑی ہے (تلازمہ ملاحظہ ہوا! اور آب عرض کرتا ہوں) اور ڈپٹی صاحب کا انکار —— وہی مرغی کی ایک ٹانگ! (یہ ٹانگ بھی اپنی "ہڈی" میں ایک "معنوی قلا زمے" کا "گودا" رکھتی ہے) کیا سمجھے آپ؟

سیاسیات کی شراب سے آپ کیوں محروم ہیں؟ کیا وہاں اخبارات نظر سے نہیں گزرتے؟

امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔

والسلام

آپ کا اختر

(۹)

بنام اعجاز سکندر نازش

عزیزم سلمۂ۔ دعا!

دونوں خط پہنچے۔ نورجہاں جلد مکمل کروں گا۔

اپنی نظموں کی کتاب پر سر دست مقدمہ نہیں لکھوں گا۔ کیونکہ وہ بہت بڑھ جائے گا۔ اور ادھر کاغذ جان سے زیادہ مہنگا ہے۔ دوسری اشاعت میں یہی تصویر کے متعلق احباب کی رائے ہے کہ وہی ہونی چاہیئے۔ جو شاعری کے آغاز کے وقت کی ہو۔ یعنی سنہ ۳۲ کی۔ اپنے ہاتھ سے اشعار لکھ کر بھجواؤں گا۔ اس وقت دفتر میں ہوں [illegible]

غزلیات وغیرہ گھر پر ہیں۔

داستانِ حیات بھی آئندہ صحبت میں لکھوں گا۔ شہنشاہ نے ایک ایک لمحے کو مصروف کر رکھا ہے۔ شاہکار کے فرمے بن رہے ہیں۔ گو سردست بڑی طرح پورا ہو رہا ہے۔ جو روپے آتے ہیں صرف ہو جاتے ہیں۔

والدہ کو مزید ایک سال کی توسیع مل گئی ہے۔ لیکن گھر کے تمام لوگ گرمی کی تعطیلات میں باہر گئے ہوئے ہیں۔ میں ہوٹل سے کھانا کھاتا ہوں۔ یہ خرچ روز بروز زیادہ بڑھ گیا ہے۔ غداری کرنے والے میرے منیجر اور جائنٹ ایڈیٹر خلیل احمد تھے کہ "رومان" کے رجسٹر وغیرہ چرا کر لے گئے تھے۔ اور چونکہ "رومان" کا ڈکلریشن منیجر کے نام کا تھا اس لئے قانوناً میں ایک حد تک بے بس تھا۔ یہ صحیح ہے۔ کہ مقدمہ بازی کا نتیجہ میرے حق میں نکلتا۔ مگر مقدمہ بازی کے لئے میری جیب اجازت نہیں دیتی تھی۔ ۱۲۰ روپے پہنچ گئے تھے۔ شکریہ۔

تمہاری نظمیں سب نہیں۔ مگر جوں جوں ٹھیک ہوتی جائیں گی۔ شائع ہوتی رہیں گی۔ فضل ملک صاحب کی ایک نظم تو میں شائع کر دوں گا۔ مگر ان کو ابھی مزید مشق کی ضرورت ہے مثلاً یہ

فضل ہے۔ اب بھی جذبۂ الفت سے جوش ناک

وزن سے خارج ہے۔

چاہیئے یہ کہ جب کوئی شاعر اچھی طرح پختہ ہو جائے۔ تب میدانِ اشاعت میں آئے۔ اس میں لطف ہے ورنہ شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔

امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔ والدعا

آپ کا

اختر

(۱۰)

بنام اعجاز سکندر نازش

عزیز من سلمہ دعا

خط اور نظمیں پہنچیں۔ ایک نظم درستی کے بعد اگست نمبر میں شائع ہو رہی ہے۔ جولائی سے پرچہ جاری کرا دیا ہے۔ اس پرچے کو میں نے ہی مرتب کیا ہے۔ سرورق پر نام بھی درج ہے۔

ملاقات کے لئے میری اجازت کی ضرورت ہی نہیں۔ لیکن چونکہ مکان بہت ذلیل ہے۔ اس لئے موجودہ حالات میں تمہارا آنا میری روحی اذیت اور ذہنی شرمندگی کا باعث ہوگا۔ ذرا حالات ٹھیک ہو جائیں۔ تو بلاؤں گا۔

مطلوبہ نظم کی نقل ارسال ہے۔ اس پر بھی کچھ اضافہ کروں گا۔ آج تو بہت خطوط لکھنے ہیں۔ خطوط کا جواب دینے

(11)

(٨١)

(الد)

(الم)

میں تمہیں ایک "فقیر" دیکھنے کی بجائے غالب کے شاگرد رشید مرزا ہرگوپال تفتہ اور نواب علائی کی حیثیت میں دیکھنا زیادہ پسند کرتا ہوں۔ اور بس۔

"والیہ ریاست" کا نام تم سے زیادہ عزیز نہیں۔ مگر خط میں لکھنا نامناسب سمجھتا ہوں۔ زبانی سہی۔

۱۵۔ شعر بھجوا رہا ہوں۔ حالات انشاء اللہ کل بھجواؤں گا۔

دفتر میں تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ فتح محمد صاحب کا چندہ وصول ہو چکا ہے۔ چودھری عبداللہ صاحب کا پتہ دودھیال ضلع اٹک ہے ان کا چندہ بھی وصول ہو چکا ہے۔

امید ہے تم مع الخیر ہو گے۔ والدعا۔

تمہارا

اختر

(۱۵)

بنام محمد اسلم نازش

عزیزم، دعا۔

خیال گیا تھا کہ پریشانیوں کی وجہ سے جواب جلد نہ دے سکا۔ گھر کے افراد کچھ سندھ میں ہیں۔ کچھ جودھپور میں۔ اور والدہ اور بڑا بچہ ٹونک میں۔

یہیں قیام کا ارادہ ہے۔ مکان کی تلاش میں ہوں۔ پرچہ نکالنے کا بھی ارادہ ہے۔ غرض آئندہ صورت حال سے مطلع کرتا رہوں گا۔ والد کا کچھ روپیہ بنک میں ہے۔ اس کی وصولی کی کوشش کر رہا ہوں۔ عدالت تک معاملہ جاتے گا وکیل کر لیا ہے۔ مگر

"ہنوز دلی دور است"

جو کچھ بھجوانا چاہتے ہو نیچے کے پتے سے بھجوا دو۔ والدعا

تمہارا

اختر

بیرون مستی دروازہ۔ لاہور

(۱۶)

بنام ڈاکٹر وحید قریشی

برادرم، تسلیم

آپ کو غالباً یہ معلوم کر کے مسرت ہوگی کہ علامہ تاجور مدظلہٗ کے حلقۂ ارادت و تلمذ کا ایک رکن میں بھی

تاجور نمبر کے لیے اس نمبر میں اعلان کر رہا ہوں۔ ضروری ہدایات جلد بھجوایئے۔
بیدار صاحب بیٹھے ہیں۔ وہ نمبر کے لیے ایک نظم لکھیں گے: "احسان" کو کل بلواؤں گا۔ مگر میں یہ نہیں سمجھا
ں سے کس قسم کا مشورہ لیا جانا چاہیے۔
ماہ اپریل اس مرتبہ بدلنا ہے۔ میں نے تو جولائی نمبر کے لیے بھی فیصلہ کر لیا تھا۔ مگر دفتر کی سستی اور پریس کی
سستی نے معاملہ خراب کر دیا یعنی پریس کو اطلاع پہنچنے سے پہلے ہی وہ طبع کر چکے تھے۔
اب آپ کا نام یوں شائع ہو گا۔ "شمس العلماء علامہ تاجور نجیب آبادی" مجھے اندیشہ ہے کہ شائع شدہ نمبر کی
طرف لوگوں نے زیادہ توجہ نہ کی ہو گی۔ کیونکہ دور سے سرورق دیکھ کر پرانے رنگ کا خیال پیدا ہو جاتا ہے۔
آپ کی (۱) غزل (۲) شذرات (۳) مبارکباد کے خطوط اور (۴) ہدایات کا سختی سے انتظار ہے۔
دو کاپیاں جو خطوط کے لیے وقف ہیں بہ فیصلہ تغیر وہ شروع میں جائیں گی یا آخر میں۔ پریس میں کوئی کاپی نہیں
بھیجی جا سکتی۔
امید ہے آپ مع الخیر ہوں گے۔ استانی صاحبہ کی خدمت میں آداب۔ بچیوں کو دعا اور پیار۔
زیادہ حد آداب: نیازمند
اختر

ANGLO SAXON ROMANCES 13-14 CENTURY

PEMBROKE COLL CAMB.

(A)

SPEAKER

CUTTING TIMES

TO HELL WITH THIS HOUSE IT IS ALL A FARCE.

MARCH

بھی کئی مقامات ایسے ہیں جہاں مغرب کی ؟ انصافی اور مشرق کی عظمت کی بحث ہے۔۔ یہ سب کچھ بطیب خاطر قبول کرتا جاتا ہے۔ ابھی تک تو یہی حال ہے۔ آگے جو خدا کی مرضی! ـــ

میں لنڈن تیسری دفعہ گیا ہوں۔ مگر وہ پہلے تاثرات کم کم اب بھی موجود ہیں۔ شاید پہلا سابقہ غیر معمولی حد پر اثر انداز ہوا ہے۔ میں اٹلی، سوئٹزرلینڈ اور فرانس میں چند دن ٹھہرتا ہوا سیدھا لنڈن پہنچا تو انگریزی زبان سن کر کچھ اپنایت سی محسوس ہوئی گو پہلے تجربات کچھ زیادہ خوشگوار نہ تھے۔ جن احباب کو ونیس سے تار دیا تھا وہ ان دنوں اٹلی میں تھے۔ چنانچہ میں سٹیشن سے اکیلا اُن کے گھر پہنچا تو وہ غائب تھے۔ اب اس محشر آباد شہر میں تن تنہا پھر رہا تھا۔ اور PICADILLY کے رات کے ہنگاموں میں لاہور کی گلیاں یاد آ رہی تھیں۔ لاہور سے بمبئی اور بمبئی سے وینس اور پیرس اور لنڈن تک تو بھاگم بھاگ چلا آیا تھا۔ اب (؟) پہلی منزل پر پہنچ کر اس سفر کی قطعیت اور وطن کی جدائی کا اول مرتبہ احساس ہوا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جب افسانوں میں پڑھی ہوئی گزرگاہوں میں یونہی گھومتے گھر سے ڈیڑھ بجے کے قریب "گھر" کی طرف لوٹا تو راستہ بھول گیا۔ آخر بصد مشکل دو بجے بستر میں گھسا تو یخ بستہ پایا۔ صبح سویرے کیمبرج (تار دے کر) روانہ ہوا تو سٹیشن پر ایک دو احباب موجود تھے۔ اور اب آگ کے پاس بیٹھا ہوا خط لکھ رہا ہوں۔ مجھے لنڈن کی یہ رات بھولتے بھولتے بھولے گی! ـــ لیکن میں نے کیا، ابیات افسانہ شروع کر دیا ہے۔ بھائی! حقیقت یہ ہے کہ ابھی تک میرا دل یہاں لگا نہیں اس لئے جب کسی عزیز دوست کو کچھ لکھنے بیٹھتا ہوں تو جی بھر آتا ہے۔ اور قلم بے قابو ہو جاتا ہے۔ خدا جانے کیا واہی تباہی لکھ جاتا ہوں۔ ہاں۔ لنڈن میں ایک نایاب چیز دستیاب ہوئی۔ سلطان سلیم، اول ترک خلیفۃ المسلمین کا فارسی دیوان۔ بہت زوردار کلام ہے اور تصنع سے پاک ہے۔ یہ سلطان سلیم ہی کا کلام معلوم ہوتا ہے:- رباعی

من شاخ درخت سایہ پرور دنیم　　من ہیچ حریف بادہ دزردنیم

گر بر سر دشمنان بزور بازو　　ہر قہر نہ نہم ہیچ نر ما مردیم!

کشور دہر گرفتیم بہ ہمت آساں　　گرچہ دشوار نماید بتو آسانی ما

در حسن گرچہ یار ندارد نظیر خویش　　در ملک عشق نیز نباشد نظیر ما

سلطان محمد فاتح کے خطوط بھی دیکھے۔ جامیؔ کے نام اور جامیؔ کا جواب۔ فتح قسطنطنیہ پر مسلمان سلاطین کو مبارکباد اور ان کا جواب! ـ

غرض ایک سمندر ہے بے کراں۔ کاش مجھے اور کام نہ ہوتا! ـــ میں یہاں دو سال کے لئے تو ضرور ہوں۔ آگے جو خدا کی مرضی! آپ کے پرمعنی استفسار نے مجھے مضطرب سا کر دیا ہے۔ فرمائیے کیا ارشاد ہے امید ہے کہ آپ مجھے یاد فرماتے رہیں گے۔ یوں آپ کی مصروفیتوں سے بخوبی آگاہ ہوں اور جانتا ہوں کہ آپ کے لئے

ـــــــــــــــــــــــــــــ

[1] تاثیر مرحوم کے بیشتر مکاتیب اس زمانے کے ہیں جب وہ بہ سلسلہ تعلیم انگلستان گئے ہوئے تھے۔ ان کی حیثیت یقیناً تبرکات کی ہے۔ البتہ بعض نجی اور ذاتی مطالب کی جگہ نقطے لگا دیے گئے ہیں۔ (مدیر)

PEMBROKE COLLEGE.

FARMER & HIS DEBT

رہ گیا ہوں کہ ہم وطن بھائیوں سے سرِ راہ سلام ہو جائے تو ہو جائے۔ زیادہ ملاقات بہت کم ہوتی ہے۔ یہ صاحب زیادہ چھڑتے تھے مگر اب خدا کا فضل ہے! ۔ میں نے ذکر اس لئے کیا ہے کہ شاید وہ دو کے تیسرا سہانے معلوم ہوں۔ یہ مہر صاحب کو لندن میں بڑے ادب سے ملے تھے۔ مگر ہیں "سیانے" بزرگ! آپ سیاسی لوگ ہیں فوراً تاڑ لیتے ہیں۔ ——— یا شاید مجھے غلط اندازہ ہوا ہو۔ یونہی "نقر کی صورت" معلوم دیتے ہوں! واللہ اعلم بالصواب۔

گرمی کی آمد آمد ہے۔ راستوں پر ہوا کے جھونکوں سے پھول برف کے گالوں کی طرح نچھاور ہوتے ہیں مگر شعر ہے کہ ایک نہیں آتا۔ کثرتِ کار کی وجہ سے کچھ سوجھتا ہی نہیں۔ نہ لفظی شاعری نہ عملی۔ صبح و شام ایسی خرافات کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ کہ الاماں۔ ازمنۂ وسطیٰ کا ادب! ۔ اگر "ادب" یہی ہے تو پنجاب کے ہر ضلع کی تاریخ ادب کئی جلدوں میں لکھی جا سکتی ہے۔ خدا کرے اس دور سے نجات ہو۔ معلوم نہیں مئی کے بعد کچھ لطف آئے گا ——— آپ لکھئے۔ شہر کے قریب کا اثر کیا ہوا؟ اخباری پرست کچھ کم ہوئی؟ ایک غزل لکھی رہی تھی آپ کے دماغ میں۔ کیا ہوا اُسے؟ جلد از جلد، لکھیئے ورنہ مجھے پہل ہو جائے گی اور آپ پچھتاتے رہیں گے۔

مہر صاحب نے پوچھا تھا کہ کب تک کیمبرج رہوں گے کچھ کہنا ہے۔ مگر میرے جواب کے باوجود "کچھ کہنے" پر ابھی پردۂ اسرار پڑا ہے۔ ان سے پوچھئے کیا بات تھی۔ یہ بھی کہئے کہ یہاں کیمبرج میں کنگز کالج پر ایک مسودہ ہے۔

۶ مئی ۱۹۲۸ء۔

(نامکمل)

(۴)

PEMBROKE COLLEGE

برادر محترم! السلام علیکم

یہ پچھلے ہفتے کچھ عجیب کیفیت میں گزرے ہیں۔ ادھر TERM کا اختتام تھا۔ اور لمبی چھٹیوں کی ابتدا۔ لہٰذا نگران صاحب (مدِ ظلہ قبلہ) ہدایات و نگرانی کے متعلق بہت فیاضی فرما رہے تھے۔ ادھر موسم قیامت ڈھا رہا تھا۔ پھر اس پہ MAY WEEK (جون کا دوسرا ہفتہ اس نام سے پکارا جاتا ہے) کی ہنگامہ خیز مصروفیات: BOAT RACES ہمارا کالج جیتا ہے۔ لڑکے پہلے ہی امتحان کے ختم ہونے پر "اندھیر" ("BLINDS" کا ترجمہ ہے) مچا رہے تھے۔ اس پر یہ آفت۔ الاماں۔ چار چار PROCTOR پھرتے رہتے ہیں مگر بے سود! ——— کالج کے ناچ ——— آج ہمارا آخری تھا۔ ....

دیوان صاحب سے ٹیلیفون پر لندن میں باتیں ہو چکی ہیں۔ عنقریب یہاں سے چھٹکارا ہو گا تو ملاقات ہو گی۔ بقول ان کے خوب "رولا گولا" ہو گا۔

میں نے PICTURE GOER میں ایک مضمون دو بار گرایا تھا۔ انہیں بھی پتہ چل گیا۔ اب لطف رہے گا۔ اس مضمون کی طفیل اور بھی فائدے ہوئے۔ نقدہ کے علاوہ بھی۔ ایک دو معتبر PRODUCERS نے خط و کتابت کی ہے۔ کسی P. DAWSON نے پارلیمنٹ میں اسی موضوع پر سوال کر دئیے۔ لیکن یہ وسط

ملک امانت ..... ضرور

لیکچر انگریزی میں ہوں گے۔ مگر کچھ "زبانش در دہان من" سے زیادہ قرب حاصل ہونا چاہیئے۔ گو شعراء یہی کہتے ہیں کہ
آنکھ سے آنکھ کہے دل سے ہوں دل کی باتیں　　　وائے وہ عرض تمنا جو زباں تک پہنچے

اگلی ٹرم میں یہاں کی فلسفہ کی بزم میں A NEW DIVINE COMEDY کے عنوان سے
PAPER پڑھ رہا ہوں۔ سنا ہے کہ ڈاکٹر صاحب قبلہ دو سو صفحے کا اردو
جاوید نامہ پر۔ RHODES LECTURE
کلام کا مجموعہ شائع کر رہے ہیں (ان کے اپنے خطوط سے معلوم ہوا ہے) ادھر
بھی ہیں۔ اور گلا بیٹھ گیا ہے۔ خدا خیر کرے۔ امید ہے کہ رشید[1] پاس ہو چکا ہو گا۔ ضرور اطلاع دیجئے۔ اور
اگر اچھا ڈویژن حاصل کرے تو اسے گورنمنٹ کالج بھجوا دیجئے۔ اس لئے نہیں کہ گورنمنٹ کالج بہتر ہے۔
(گو ہے) اس لئے کہ میں اب اسلامیہ کالج میں نہیں۔ میں ہوتا تو خود نگرانی کرتا۔ وہاں بخاری ہوگا۔
امتیاز واقعی خوش قسمت آدمی ہے۔ لیکن خدا کرے کہ وہ شادی کی وجہ سے دوستوں سے جاتا ہے
ہمہ تن محو عبادت ہو جائے۔ مگر ستم تو یہ ہے کہ وہ ایسا کرنے میں حق بجانب ہوگا۔ جب عورت (بیوی) دوست بننے کی بجائے
اہل ہو تو پھر فقط اسی کا ہو کر نہ رہنا "شرک" نہیں تو اور کیا ہے میں اسی لئے شادی کے خلاف رہا ہوں۔ صحیح شادی
ذریعہ ہونے کی بجائے مقصد حیات بن جاتی ہے اور ہونی چاہیئے۔ اور جو شادی یہ نہیں ہوتی وہ صحیح شادی نہیں ہوتی!
ـــــ جبھی بڑے بڑے ادیبوں کی ازدواجی زندگی عموماً ناکامیاب رہی ہے ـــ مرزا غالب۔ بائرن۔ ملٹن۔ شیلی
(پہلی بیوی) کی مثالیں موجود ہیں۔ پوپ اور کیٹس محروم ہی رہے۔ میر تقی کا یقیناً برا حال ہوا ہو گا ـــ بہر صورت
یہ دلچسپ مضمون ہے اور تحقیق طلب ہے۔ (ورڈزورتھ شادی کے بعد شاعری سے جاتا رہا)۔ اب کے دو کی
PERSONAL ECONOMY۔ بجائے تین خط ہیں۔ ایک مہر صاحب کے نام خط ہے اور ایک بخاری کو۔
PLAN کے ماتحت۔ والسلام

مخلص تاثیر

۱۲ر جون ۳۴ء

P. S.

کیا یہ ممکن ہو سکے گا۔ کہ مجھے "انقلاب" باقاعدہ ہر ہفتے بحری ڈاک میں ملتا رہے۔ لیکن BILL واپس آنے
سے پہلے ادا نہیں ہو سکتا اور بے قاعدگی سے سخت مضطرب ہوں گا۔ دو مہینے سے ایک پرچہ بھی دیکھنے میں
نہیں آیا اس لئے اداس ہو کر لکھ رہا ہوں۔

(۵)

مہر صاحب

برادر محترم! مہر صاحب!
السلام علیکم ـــــ اس ٹرم میں بے حد مصروف رہا ہوں۔ بالخصوص نصف آخر میں۔ چاہتا تھا کہ سلطان التواریخ کے
متعلق تحقیقات کر کے جواب لکھتا۔ مگر لندن جولائی سے پہلے جانا ناممکن نظر آتا ہے۔ لہٰذا "ملاقات" کے لئے حاضر ہوں۔

[1] سالک صاحب کا بڑا صاحبزادہ عبدالرشید ارشد۔

آپ لگے ہاتھ آ رہے ہیں! —— بریں مژدہ گر جاں فشانم رواست۔ لیکن کب! خدا کرے آپ چھٹیوں میں آئیں
تاکہ CONTINENT پر اکٹھے پھر سکیں۔ جب تک اگلے سال میرے کام کا معتد بہ حصہ ختم ہو چکا ہوگا اور میں بھی
آپ کے ساتھ رہ سکوں گا۔ روم کی VATICAN LIBRARY میں عربی کی نایاب کتابیں موجود ہیں۔ اور اٹلی
اور فرانس کے نگار خانے قابل دید ہیں۔ سپین میں الحمرا بذات خود زیارت کے قابل ہے۔ اور ٹوکس! —— صناعت
نگاری کے لئے اس ملک کا سفر از بس ضروری ہے۔ اور ترکی اور مصر کا بھی! —— ان میں سے چند ایک ممالک میں
خود پہلے دیکھ چکا ہوں اور دوبارہ دیکھنے کا خواہشمند ہوں۔ انشاء اللہ آئندہ سال تک زبان کی تکلیف بھی رفع ہو جائے گی
شاید میں فرانسیسی میں آپ کا ترجمان بن سکوں۔ گو ابھی تو یہ حالت ہے کہ انگریزی کے الفاظ غلط ہجوں سے لکھنے شروع
کر دیئے ہیں۔ فرانسیسی اور انگریزی کے ہجے ہیں۔ اور یہی حال تلفظ کا ہو رہا ہے۔

اور ہاں "تقویم التاریخ" کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ یہ مختلف کیلنڈروں کی مطابقت ہے جو سلطان
شاہد کے کہنے پر تالیف ہوئی ہے۔ یہاں KINGS COLLEGE میں اس کا ایک نسخہ ہے۔ میں نے ابھی دیکھا
نہیں۔ سلطان محمد اور چند اور ترک سلاطین کی ادب نوازی کے متعلق میں نے "بزم فروغ اردو" کے لئے مضمون
لکھ کر بھیجا تھا۔ امید ہے آپ کی نظر سے گزرا ہوگا۔ کاش مجھے فرصت ہوتی۔ مگر میرے اپنے THESIS کا کام
بہت زیادہ پھیل گیا ہے اور روز بروز مصروفیت زیادہ ہو رہی ہے بعض اوقات تو سر چکرانے لگتا ہے اور طبیعت میں
الجھن پیدا ہونے لگتی ہے، مگر کام نہایت دلچسپ ہے ہمت نہیں ہارتا۔ انشاء اللہ بطریق احسن سر انجام ہوگا۔ دعا
کرتے رہیئے۔ والسلام

۱۵ر جون ۳۲ء

مخلص تاثیر

آہواں را بہ شیراں شکار آموختند — نو زیاں ہمزادگاں را خوئے نار آموختند
غزاں از دل چناں بردند یاد از مہر — درس آں عشرت کہ در فصل بہار آموختند

(۶)

بنام قمر صاحب

برادر محترم و مکرم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

بھائی سالک کا خط مورخہ ۲۷ ش ۳۲ آیا۔ اس میں آپ کی مراجعت لاہور کی خبر کے ساتھ آنکھ کی شکایت
کی مراجعت کا بھی ذکر ہے[1]۔ خدا تعالیٰ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ مگر یہ ایسی بات نہیں کہ اسے آپ سرسری طور
پر ٹال دیں اور حسب دستور سابقہ کام میں جُت جائیں۔ ادھر سالک ہیں کہ آج کل ہر بلائے کز آسمان آید کا نشانہ
بن رہے ہیں۔ آپ کی حالت پر ان کا یہ فقرہ: "وہ ہمدم دیرینہ جو کام میں تفریح یا ہر قسم کے مشاغل میں شریک حال تھا
بیٹھا ہے۔ اور میری زندگی نصف رہ گئی ہے!" دیوان آتما نند شرر کی آنکھوں میں آنسو لے آیا۔ دیوان چلدہ بڑا

[1] میں عارضہ آشوب چشم کے سلسلے میں دو مہینے پہاڑ پر گزار کر واپس آیا تو لاہور پہنچتے ہی عارضہ عود کر آیا۔ اس میں اسی کا ذکر ہے۔ شفاء الملک حکیم فقیر محمد مرحوم کے علاج سے فائدہ ہوا تھا۔ قمر

آدمی ہے۔ اس کی اور ہم سب کی دعائیں آپ کے شریک حال ہیں۔ مگر ہم کہاں کے مستجاب تھے۔ یہاں تو ردیف مطلب مشکل نہیں۔ قصور نیاز۔ کا مضمون ہے۔

سلطان سلیم کے دیوان کا ایک مطبوعہ نسخہ اور حاصل کیا ہے۔ آپ کی خاطر۔ اگر روبرو ہو کر پیش کروں گا۔ آپ یہاں آئیں گے تو۔ یا خود حاضر ہو کر ——— یوں ڈاک کے ذریعے سے تلف ہونے کا بھی ڈر ہے اور پھر لطف کیا آیا۔

میں نے بزم فروغ اُردو اسلامیہ کالج کے لئے ایک مضمون لکھ کر برخوردار محمود نظامی کو بھیجا تھا اور کہا تھا کہ آپ کو اور سالک صاحب کو ضرور دکھائے۔ اس میں سلطان سلیم کے کلام پر تبصرہ تھا۔ سلطان محمدؒ فاتح کی فارسی انشا کے نمونے تھے۔ جامیؒ اور ترکی سلاطین کی خط و کتابت کا ذکر تھا۔ عام عنوان شاید "فارسی ادبیات اور ترک سلاطین" تھا۔ مگر اس برخوردار نے سارا معاملہ غت ربود کر دیا ہے۔ سالک صاحب کو فرصت ہو تو اسے ٹیلیفون کر کے بلائیں۔ میں چاہتا ہوں کہ سلطان محمدؒ کے وہ خط آپ ضرور پڑھیں جن میں فتح قسطنطنیہ اور اس کے بعد کی جنگوں کا ذکر ہے۔ میرے پاس نقل موجود نہیں۔

سلطان التواریخ کے متعلق عرض کر چکا ہوں۔ اور ہر طرح خیریت ہے۔ والسلام

مخلص تاثیر

۵ ستمبر ۱۹۳۲ء

(۷)

بنام سالک صاحب

میرے THESIS کا پھیلاؤ بے حد بڑھ گیا ہے۔ اس لئے اب دیر تک خطوط نہ لکھ سکوں گا۔ مگر متمنی ہوں کہ آپ گاہے گاہے حالات سے مطلع کرتے رہیں۔ نوازش ہوگی۔

انقلاب کی باقاعدگی کا شکریہ۔ مگر اب سلسلے کو منقطع کر دیجئے تاآنکہ دوبارہ درخواست کروں۔ ٹرم کے ختم ہونے پر شہر بہ شہر قریہ بہ قریہ پھرنے کا ارادہ ہے۔ اس لئے خواہ مخواہ ہوگا۔ اب تک جتنے پرچے آئے ہیں ان کا BILL بھجوا دیجئے تاکہ BUDGET میں شامل کر لوں۔ اور اپنی حیثیت کا جائزہ لے سکوں۔ ادائیگی تو واپسی پر ہی ہوگی۔

اور ہر طرح خیریت ہے۔ جواب کا طالب۔ والسلام

تاثیر

۲۸ نومبر ۱۹۳۲ء

حسرت کو سلام نیاز۔ اور شمیم صاحب کو بھی۔

(۸)

بنام سالک صاحب

PEMBROKE COLLEGE, CAMBRIDGE.

سالک بھائی!

السلام علیکم۔ انقلاب کے متعلق "کفران نعمت" کی اہم وجہ تو اقتصادی تھی۔ بجٹ بنا رہا تھا اور نئے سال کے لئے نیک ارادے مرتب کر رہا تھا۔ کتابوں کی اژدری مد سے "LONDON MERCURY" ——— "LIFE AND LETTERS" اور "انقلاب" کاٹا۔ تمام نئے ناول اور ڈرامے کاٹے۔ باقیات کے لئے

رقم نہیں کی۔ ملبوسات سے ٹائیاں اور رومال کاٹے اور ایک آدھ اور اشیاء، جو غالباً ملبوسات ہی میں شمار
ہوں گی۔ اسی سلسلے میں سینما اور تھیٹر کی تعداد مقرر کی۔ سگریٹ پینے تو کافی مدت سے ترک کر چکا ہوں۔ گو قسم نہیں
کھائی۔ خیال تھا کہ یہ کاٹ چھانٹ نفع آور ہوگی۔ مگر ایک ریڈیو گرام اور ایک TOUR. نے سب کچھ برابر کر
دیا بلکہ مضاعف الضاعف کر دیا۔ ہم اصل میں بجٹ سازی کے اہل ہی نہیں۔ میرا خیال ہے کہ مسلمان شرح
سود کے کم ہونے سے بھی کنگال ہی رہیں گے۔ سود مطلقاً حرام ہے۔ ہم حساب کتاب کے پیچ میں پھنسے اور گئے
ناحق بڑا ادب بہر اثرات بلکہ تمام بند غائب۔

لیکن "انقلاب" کے خلاف میری سب سے بڑی شکایت یہ ہے کہ یہ بے حد خیال افروز واقع ہوا ہے۔
پڑھنے کا کیا ہے۔ ایک آنہ افکار ہی سے دو دل ہو جاتا ہے۔ اور مہر بھائی کے اداریے سند در سند۔ مگر ستم یہ ہے
کہ پڑھنے سے ختم نہیں ہو جاتا۔ یہ سلسلہ چل نکلتا ہے۔ اور THESIS وغیرہ سب دھرے رہ جاتے ہیں

پچھلے ہفتے کا سوال سن بیٹھے۔ پنجاب کونسل کی روئداد میں پڑھا کہ وزیر تعلیم نے کسی سوال کے جواب میں فرمایا
کہ سرکار کی توجہ جنسی امراض کے پھیلنے کی طرف نہیں دلائی گئی۔ لہٰذا کوئی دفاعی تدابیر یا قوانین اختیار کرنے کا سوال
پیدا نہیں ہوتا۔ اور بتایا کہ فقط ایک میو ہسپتال لاہور میں پچھلے سال تین ہزار سے زیادہ لوگ جنسی امراض کے علاج
کے لیے آئے۔ یہ ایک ہسپتال کا حال ہے۔ گو یہ ہسپتال بہت بڑا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر سرکاری اور قومی شفاخانے
بھی ہیں۔ ڈاکٹر اور حکیم بھی ہیں۔ اور اشتہاری کارخانے بھی ہیں۔ اور بیشتر مریض اندر ہی اندر گھل کر رہ جاتے ہیں۔ یہ
موذی امراض بسرعت پھیلتی ہیں اور نسل بہ نسل چلتی ہیں۔ مردانگی اور جوانی کو کاٹ کر رکھ دیتی ہیں ——
(ADVERTISEMENT IN DAILY PAPERS AND BILLS OF شفاخانہ جات
جس قوم میں جڑ پکڑ لیں اس کی تباہی لازمی ہے۔ مگر MAJOR GENERAL, SIR JOHN MEGAW
DIRECTOR OF I.M.S. کی رپورٹ چھپ چکی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ ان امراض کا زہریلا اثر پندرہ
فیصدی آبادی تک پہنچ چکا ہے۔ گویا سات میں سے ایک آدمی زہر سے مسموم ہے۔ اور اگر کم عمر اور زیادہ عمر اور عورتوں
میں اس کا اثر کم تصور کیا جائے۔ تو جوانوں میں یہ تناسب بہت زیادہ ہوگا! انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ حالات ایسے
نہیں کہ ان سے چشم پوشی کی جا سکے۔ اور تپ دق کے متعلق اسی رپورٹ میں لکھا ہے کہ "کثرت سے اور سرعت
سے اور استقلال سے پھیل رہی ہے۔" اس پر ملیریا کا زور ہے جو ہر سال پانچ کروڑ سے دس کروڑ کو ہوتا ہے اور
امراض کو روکنے کی قوت کو کم کر دیتا ہے۔ مزید برآں فاقہ اور ندھا کر دینے والا افلاس۔ جس کا اثر اب پنجاب بھی محسوس
کرنے لگا ہے۔

میجر جنرل بہادر کی اس رپورٹ کا اردو میں ترجمہ ہونا چاہیے۔ اور اس کے خاص حصص پر مقالات سے زور
دینا چاہیے۔ جبھی سرکار کی توجہ اس طرف مبذول ہوگی۔ محض کونسل میں ایک آدھ سوال اور سرکاری رپورٹ ناکافی معلوم
ہوتی ہے۔ حالات تو اس قدر خطرناک ہیں کہ کونسل کو اس پر ایک خاص مجلس منعقد کرنی چاہیے۔ مگر یہ نہ فرقہ وارانہ

معاملہ ہے نہ جلوسی مسئلہ ہے۔ اور پھر گندی سی بات ہے۔ لوگ چہ میگوئیاں شروع کر دیتے ہیں۔ اور ہنسی مذاق شروع ہو جاتا ہے۔ اور حالت یہ ہے کہ سات میں سے ایک مسموم ہے۔ جوانوں میں غالباً پانچ میں سے ایک، ہر پانچ میں سے ایک۔ اس فضا میں گنہگار اور بے گناہ ہر کوئی خطرے میں ہے۔ کیونکہ یہ چھوت کے امراض ہیں۔ بلکہ گنہگار لوگ تجربہ کار اور محتاط ہونے کی وجہ سے شاید زیادہ محفوظ ہوں۔

تپ دق۔ آتشک سوزاک۔ فاقہ! ادھر کو آگ لگ رہی ہے اور ہم بیٹھے مرلی بجا رہے ہیں۔

اس ملک میں جنسی امراض کے متعلق نہایت تسلی بخش انتظام ہیں۔ لوگوں کو ہر ممکن طریقے سے تعلیم دی جاتی ہے۔ تصویروں، لیکچروں، مضمونوں اور کتابوں سے اس سے بچنے کے ذرائع بتائے جاتے ہیں۔ اور ڈاکٹر تو کہتے ہیں کہ یہ جہالت کے امراض ہیں۔ گنہ گاری کے نہیں۔ کیونکہ اس سے معصوم بچے بھی شکار ہو جاتے ہیں۔ فاقہ مست مزدور بیکاری سے تنگ آ کر کارخانوں اور شہروں کی طرف بھاگتے ہیں اور وہاں گھروں سے دور اور غربت اور افلاس کے مصائب میں گھرے ہوئے جاہلانہ طور پر کیا کچھ نہیں کر گزرتے اور جب دیہات میں واپس آتے ہیں تو معصوم بیویاں اور گھر کے دوسرے لوگ مسموم ہو جاتے ہیں۔ اور تپ دق تو ہماری ہوا میں ہے۔ پان کی پیک۔ گرد و غبار۔ عام لعاب انسانی جراثیم کو خانہ بخانہ لئے پھرتے ہیں۔

ان سب پر بیک وقت حملہ مشکل ہے۔ مگر جنسی امراض کا تدارک نسبتاً آسان ہے۔ ان کے خلاف عام پرچار ہونا چاہیئے۔ ڈاکٹر، معلم، جرائد نویس اور لیڈر سب مل کر بلا تفریق مذہب و ملت کام کر سکتے ہیں۔ اور پھر ان سب پر علماء اور پنڈت و دیاوانوں کا اخلاقی زور ہو تو کیا نہیں ہو سکتا۔ (یہاں حال ہی میں ایک جنسی امراض کے متعلق ایک فلم دکھائی گئی تھی)۔

اس مسئلہ پر مزید خاموشی بے معنی اور مجرمانہ ہے۔ یہ کہنا کہ یہ گناہ کی سزا ہے۔ غلط ہے کیونکہ بے گناہ بھی پھنس جاتے ہیں۔ بیویاں بچے دوست۔ چھوت کی وجہ سے۔ غرض تمام قوم کو خطرہ ہے۔ اور پھر

عدچاہیئے سزا ہیں عقوبت کے واسطے

یہ کہنا کہ اس کا ذکر بے حیائی ہے ایک حد تک صحیح ہوگا مگر اب تو آب از سر گزشت کا معاملہ ہے۔

یہ کہنا کہ باہر کی دنیا ہمارے خلاف کیا کہے گی بے معنی ہے کیونکہ یہ واقعات سب کو معلوم ہیں۔ اس وقت ہندوستان میں انگلستان سے زیادہ اس مرض کا زور ہے اور بعض لوگوں کی باتوں سے ڈر کر قوم کو تباہی کی نذر ہیں چلنے دینا قاتلانہ حماقت ہے۔

تدارک کی تدابیر کے متعلق ڈاکٹر حضرات کی رائے لینی چاہیئے۔

دیکھا آپ نے یہ تیسرا صفحہ ہے اور میں ہوں کر کے جا رہا ہوں۔ یہ سب "انقلاب" کی کارستانی ہے، نہ پڑھتا نہ وزیر تعلیم و طب کے جواب و سوال سے آگاہی ہوتی۔ نہ اس طرح اپنا اور آپ کا وقت ضائع کرتا۔ اور بالخصوص جب یہ تمام گفتگو بے سود ہے "امدادِ لائبریری" اور کاپی رائٹ کے متعلق بھی میں نے اسی طرح جوش میں آ کر لکھ دیا

THE UNION SOCIETY, CAMBRIDGE.

(6)

ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ہے پریم بھری تلواروں نے
مجھ کو تنہا رہنے دو تم اپنے حال پہ رہنے دو
ڈھانپ لیا ہے میرا تن من نازک نازک پردوں میں
چھوڑ دو مجھ کو۔ دم گھٹتا ہے میرا تم ہمدردوں میں!
مجھ کو تنہا ....

قید کیا ہے تم نے مجھ کو الفت کے بت خانے میں
محو ہوا جاتا ہوں اب میں آپ اپنے افسانے میں
مجھ کو تنہا ....

چار طرف سے گھیر لیا ہے تم میں کھویا جاتا ہوں
اب میں اپنی آنکھوں سے بھی اوجھل ہوتا جاتا ہوں
مجھ کو تنہا ....

میری اک تصویر۔ خیالی۔ تم نے آپ بنالی ہے
مجھ سے تم کو پیار نہیں ہے اپنی مورت پیاری ہے
مجھ کو ....

۵ مارچ ۳۵ء — تاثیر

(۱۰)

بنام سالک صاحب

4, St. PETER'S TERRACE, CAMBRIDGE.

برادر محترم!

السلام علیکم۔ مدت کے بعد فرصت ملی۔ ایک عدد نظم اور ایک عدد خط لکھ رہا ہوں۔ نظم اوپر منقول ہے اور خط لکھ رہا ہوں۔

کچھ زکام کی شکایت کچھ کام کی کثرت کچھ تعلقات کا پھیلاؤ۔ یہ ٹرم بہت بے سود پا رہی۔ اب وقت کا میزانیہ بنا رہا ہوں (وقت = دولت)۔ لیکن مجھ سے پروگرام کے مطابق کام نہیں ہو سکتا۔ ٹوٹ کر آتی ہے کمبخت جدھر آتی ہے۔ قسم کی طبیعت ہے۔

بھائی مہر آ رہے ہیں کیا؟ کب؟ — میں ۱۹۳۶ء میں شاید اپریل میں آؤں (پہلی کو نہیں) حج کی نیت ہے۔ اور کچھ سیر و سیاحت کی۔ یا اپریل کے بعد — اواخر ۳۶ء میں۔ "بال جبریل" پڑھی کیا رائے ہے احباب کی؟ سب کو سلام اور پیار۔ والسلام

تاثیر — ۵ مارچ ۱۹۳۵ء

(۱۱)

بنام سالک صاحب

سالک بھائی۔ السلام علیکم — آپ کا خط کیمبرج سے ہوتا ہوا BRIGHTON پہنچا۔ وہاں سے

میرے پیچھے پیچھے لنڈن آیا۔ اور اب میں جواب لکھ رہا ہوں۔

خط نہ لکھنے کے متعلق معذرت غیر ضروری ہے۔ میں جواب طلب باتیں کم لکھتا ہوں۔ یاد آئی فرصت ہوئی اور قلم دوات سامنے موجود پائے تو کچھ لکھ ڈالا۔ اور وہ بھی واہی تباہی۔ کہنا کچھ چاہتا ہوں اور کچھ اور کہہ دیتا ہوں پے بہ پے مصائب کے حالات سے دکھ ہوا۔ قیصر مجھے بھائیوں کی طرح عزیز ہے اور اس جوڑے پر جتنی خوشی ہوئی اسی قدر اب رنج ہوا۔[1] انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ میاں کی شان معلوم کچھ اسی طرح کی ہے۔ اپنوں ہی پر بس چلتا ہے۔ ان کا تسلیم کے سوا چارہ ہی کیا ہے۔ اور پھر ہمیں اگلی دنیا پر ایمان ہے۔ ہمیں یہاں کی آئی جائی مصیبتوں کے خلاف آہ و فغاں کرنے کا کیا حق ہے۔ بچارا حیرت[2] بھی مہجور گیا۔ انقلاب سے معلوم تھا۔

میں نے ایک دو بار لکھا تھا کہ انقلاب کا سلسلہ بند کر دیجئے۔ ان کا شاید متحمل نہ ہو سکوں۔ اور یہ کہ آج کل بہت کم فرصت ہے۔ ہفتے کے اخبار گھنٹہ بھر سے کم وقت میں پڑھے جاتے ہیں۔ مگر یادیں ہفتہ بھر نہیں جاتیں لیکن جو راحت ہوتی ہے اس کا میں نے ذکر نہیں کیا۔ خبروں سے نہیں بلکہ مقالات اور افکار سے۔ مجھے دو بھائی گفتگو کرتے نظر آتے ہیں۔ مہر کے صغرے کبرے۔ سالک کے چوچلے۔ ایک گرزافگن ایک نشتر زن۔ ایک باطل کا سر کچلنے والا۔ ایک دکھتی ہوئی رگ دبانے والا۔ خدا تمہارے دست و بازو و سلامت رکھے کہ تم احباب کے دست و بازو ہو۔ معاف رکھنا میں کچھ SENTIMENTAL ہو گیا ہوں اور یہ نئی تہذیب کے خلاف ہے۔ مگر میں ہوں۔ کیا کروں۔ ع نے ابلۂ مسجد ہوں نہ تہذیب کا فرزند! —— علامہ کی نئی کتاب سے مجھے مطالعہ پر کچھ مایوسی ہوئی۔ مگر دوبارہ پڑھنے سے سہ بار۔ پڑھنے سے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ اور کے امکانات غیر متناہی طور پر وسیع ہو گئے ہیں اور کیا ہو سکتا تھا۔

خودی کی خلوتوں میں مصطفائی
خودی کی جلوتوں میں کبریائی
زمین و آسمان و عرش و کرسی
خودی کی زد میں ہے ساری خدائی

اقبال نے فارسی میں بھی اس سے بہتر کیا کہا ہے۔ اور پھر ع اودے اودے نیلے نیلے پیلے پیلے پیرہن۔ اور ع پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار۔ حفیظ کی اقبال و ٹیگور والی نظم میں "..... سکھیاں قطار اندر قطار" ہیں۔ حفیظ کی خوش قسمتی اس سے زیادہ کیا ہو گی۔ . . . .

افکار میں کون سے اشعار چھپے ہیں؟ آپ کو پسند آ گئے تو اچھے ہی ہوں گے۔ اس داد کی سزا یہ ہے کہ دو نظمیں نقل کرتا ہوں۔ یہاں ایک ہندوستانی بزم بنی ہے (زیر صدارت سر عبد القادر۔ شرر سیکرٹری ہے)

---

[1] ملک لال دین قیصر مرحوم کی اہلیہ کا انتقال۔ مرحومہ سالک صاحب کی قریبی عزیزہ تھیں۔

[2] غلام مصطفیٰ۔

وہاں پڑھی تھیں ۔۔۔ ایک غزلیہ اور ایک ہجائیہ ہے۔

۱۔ میخانۂ افرنگ

ترے ہر جام کا یکساں ہے مزا اے ساقی — اب پلاتی ہے تو کچھ اور پلا اے ساقی
تجھ پہ کیوں مست ہوئے بیٹھے ہیں رندان کہن — وہ ترے پاس نیا نشہ ہے کیا اے ساقی
وہی پیمانہ فروشی وہی قطروں کا شمار — وہی انداز پرانا ہے ترا اے ساقی
وہی آقائی و محکومی کی زنجیریں ہیں — وہی بندے ہیں وہی ان کے خدا اے ساقی
جاں بلب پیاس سے کوئی کوئی بدمستی سے — کیا یہی مے ہے تری آب بقا اے ساقی
اب نئے رنگ کے میخوار یہاں آئیں گے — اب یہاں سے تو دکاں اپنی اٹھا لے ساقی

(۲)

اب یہاں سود و زیاں کا نہ تقاضا ہوگا — غم امروز نہ اندیشۂ فردا ہوگا
عہد سلطانی جمہور کی ساعت ہے قریب — تو معزز جسے سمجھا ہے وہ رسوا ہوگا
تری تلچھٹ کی گدائی پہ جو اب ہے مجبور — وہی مجبور بچارا ترا آقا ہوگا
یونہی رکھے ہوئے رہ جائیں گے آداب رسوم — جانے اے پیر مغاں حشر ترا کیا ہوگا
پھر بہار آئی گئی جیب و گریباں کی تمیز — قیس پھر دست کش دامن صحرا ہوگا
کھل جائے گی نئی رنگ کی پہلی تاثیر — میکشو مژدہ کہ جلدی یہ تماشا ہوگا

یہ اشعار اشاعت کے لئے نہیں - ہرگز نہیں - محض منیرہ صاحب اور آپ کے لئے ہیں - اور احباب کے لئے۔
یورپ کا مطلع بہت مکدر ہو رہا ہے - ان گرمیوں ہی خدا خیر کرے - اگر اب کے یہ بلا ٹل گئی تو سردیاں محفوظ ہیں
گی - میں سردیوں میں آرہا ہوں - جرمنی کی تیاری اکتوبر میں مکمل ہوگی - انگلستان کی نومبر میں - اسی طرح .. ..
ہر ملک اس سال پوری طرح لیس ہو جائے گا - مگر ہر ملک یہ چاہتا ہے کہ دوسرے کی تیاری سے پہلے چک پڑے - ۱۹۱۳ء
کی طرح - آپ کو یاد ہے سنہ ۱۹۱۳ء میں KIEL CANAL مکمل ہوئی تھی - لہٰذا LORD FISHER سنہ ۱۹۱۱ء
میں جرمنی پر حملہ کرنا چاہتا تھا EDWARD KING اس کا حامی تھا - مگر وہ مرگیا اور جرمنی نے CANAL
بنتے ہی حملہ کر دیا ۔۔۔

آج کل یہاں JUBILEE کا چرچا ہے - ایک پر لطف پمفلٹ شائع ہوا ہے "THE JUBILEE
(BY T.A. JACKSON) — AND HOW" ابتدا ملاحظہ ہو۔

Trade risks in the king business on may 6th we shall all have a holiday for most of us this will be without pay, but all of us will be (Offically) Expected to rejoice ! why ?

Becavse King George the Fifth has kept his job for twenty five years. To hold a job in a competitive market for a quarter of a century, is Now a days, no small feat. And although the post of a king can hardly be said to fall within the competitive category, there have been in the past years so many cases of kings deposed, dethroned and otherwise placed on the retired list that wecan under stand why

شاید ہندوستان میں ایسی باتیں کشتنی گردن زدنی کے قابل ہوں گی۔ یہاں بھی کوئی اتنی آزادی نہیں۔ قانوناً سہی۔ مگر اقتصادی بندشیں کچھ کم نہیں۔ [illegible] ـــ

افکار میں ایک صاحب جلال قریشی کی ناک [illegible] کے بیمے کے متعلق لکھا تھا۔ یہ صاحب جالندھری ہیں۔ بڑے باہمت مسلمان ہیں۔ عطریات کا ایک کارخانہ لندن میں کھول رکھا ہے۔ ناک کا بیمہ عطر شناسی کے لئے کرایا تھا۔ علی گڑھ کے OLD BOY ہیں۔ چنانچہ ALIGARH ASSOCIATION کے اجلاس پر ان کا ایجاد کردہ عطر — KHER MARINE — شاہزادی مرینہ کی شادی کی تقریب پر PRESENT کیا گیا ہے۔ جسے بصد تشکر قبول کیا گیا۔ آپ B.B.C میں براڈکاسٹ بھی کر چکے ہیں۔ ـــــ آج کل عربی لباس میں فوٹو اخبارات میں چھپتے رہتے ہیں۔ پلاؤ اچھا پکاتے ہیں۔

"ہندوستانی بزم" پُر لطف چیز ہے۔ یہاں چائے اور شاعری ہوتی ہے۔ سر شادی لال بھی ہوتے ہیں۔ غرض ہر طرح مخلوط جلسہ ہوتا ہے۔ مرد عورتیں۔ ہندو مسلم۔ عیسائی۔ افرنگی۔ پارسی۔ ہندی افراد کا۔ پچھلے جلسے میں آئندہ جلسے کی تاریخ کا تعین ہو رہا تھا۔ سر عبدالقادر نے گنتی میں کچھ غلطی کی۔ سر شادی لال نے ٹوک دیا تو سر عبدالقادر فوراً بول اٹھے "صاحب حساب میں تو ہمیشہ آپ سے ہارا ہوں۔ ہمیشہ" ـــــ اس پر زعفرانی قہقہہ ہوا۔ شادی لال غالباً اس مذاق کو سمجھے ہی نہیں۔ رسید ہی نہیں دی۔ شاید مطلقاً سمجھے ہی نہیں۔ اس بزم میں میں نے ایک دو بار "بالِ جبریل" سے بھی کچھ سنایا ہے۔ ۲۰ اپریل کو ایک اور جگہ میں نے علامہ پر ایک مضمون بھی پڑھا تھا۔ اس میں تازہ ترین کلام پر بھی تبصرہ تھا۔ لوگ "بالِ جبریل" کی سماعت پر بہت خوش اور حیران تھے۔

اور کیا لکھتا چلا جاؤں۔ مجھے اب برٹش میوزیم جانا ہے۔ اور پھر آج ایک دن میں تین دعوتیں ہیں۔ لنچ، چائے اور ڈنر۔ تینوں جا بجا۔ لندن کے فاصلوں کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مجھے بیس میل سے زیادہ مسافت سے

کرنی ہوگی۔ ان تینوں کو بھگتانے کے لئے۔ مہنگا سودا ہے۔ دو ڈھائی سو روپے کرایہ میں پڑ جاتا ہے۔
مہر بھائی نہیں آرہے پھر۔ مالویہ کے　　کا جواب مزیدی تھا۔ اچھا۔ عزیزی سلام۔ رشید ٹڈوٹ
کو پیار (ٹڈوٹ کیا کر رہے ہیں ؟) خدا ان کو کامیاب کرے۔ نتیجے کا منتظر رہوں گا۔
مہر بھائی کو سلام نیاز۔ امتیاز۔ بخاری اور حسرت کو سلام اور جو سامنے آجائے۔ والسلام

مخلص تاثیر
۱۴ اپریل ۳۵ء

(۱۲)

سالک صاحب

برادرم! السلام علیکم۔
خط لکھ کر لفافے میں ڈالا تھا کہ آپ کے اور میاں امین الدین کے خطوط اکٹھے پہنچے۔ میاں امین الدین لندن پہنچ گئے ہیں اور یہاں عنقریب آنے والے ہیں۔ کچھ گھر بار کی باتیں ہو سکیں گی۔ آپ کا خط حسب خواہش فرحت بخش تھا۔ میں بخاری اور حسرت کو لکھ چکا ہوں۔ مجھے اب سوائے خوشگوار یادوں کے اور کچھ یاد نہیں۔ اور ان کے سوا اور تھا بھی کیا؟ ہم سب نے ہمیشہ ایک دوسرے کی مسرت کے لئے کوشش کی ہے اور انشاء اللہ کرتے رہیں گے۔ زندگی رہی تو واپس آکر کچھ مفید کام کرنے کی نیت ہے۔ کئی امنگیں ہیں اور ان سارے ہوائی قلعوں کی بنیادیں انہیں چند احباب کے کاندھوں پر قائم ہیں۔ اگر یہ روٹھیں تو میں منا لوں گا ــــ اور مجھے تو روٹھنے آتا ہی نہیں۔ ان کی پرانی عادت ہے!۔

امتیاز صاحب کی شادی کی خبر سنی تھی۔ مگر یہ خسر کی وفات بہت بے وقت ہوئی۔ امید ہے کہ میاں بیوی اب بخیر و خوبی لاہور میں سکونت پذیر ہو گئے ہوں گے۔ انہیں کچھ تحفہ بھیجوں؟ کیا بھیجوں؟ MARIE STOPES کی کتابیں تو وہاں بھی با آسانی مل جاتی ہیں۔

شادی کے سلسلے میں مذاق ہی کیا جا سکتا ہے سو کر دیا ہے۔ تریاق بھی زہر کھا مرا۔ چشتی صاحب اب کیا کر رہے ہیں؟ "ڈھونڈے" گا رہے ہیں کیا؟ عراق میں تھے تو انگریز کی حکومت کا ستیاناس کیا۔ امرتسر گئے تو احرار کے ساتھ احرار کو بھی ندیں لے آئے۔ زمیندار میں چند دن قیام فرمایا تو اس کی بنیادیں ہلا دیں۔ اور تریاق کے لئے تو سم قاتل ثابت ہوئے۔ ساتھ ہی کانگریس کے لئے بھی! ــــ ان کی یہاں بہت ضرورت ہے۔ یونیورسٹی نے بہت سر اٹھا رکھا ہے۔ تحقیقات کیلئے قبلہ کبھی بستی میں قیام فرماتو نہیں رہے؟ مجھے تو یقین سا ہونے لگا ہے۔

حسرت صاحب قبلہ پر سوء ظن کے لئے ان سے معذرت خواہ ہوں اور ہو چکا ہوں۔ یہیں سے کسی نے لکھا تھا۔ میں نے نقل کر دیا۔ گنہگار ہوں۔ افسوس حسرت کی والدہ فوت ہو گئیں۔ بے چارہ بے خانماں ہو گیا۔ خدا اسے تسکین قلب عطا فرمائے۔ بہت حساس آدمی واقع ہوا ہے!۔

کام اچھا ہو رہا ہے۔ پچھلی ٹرم اور اس ٹرم کے وقفے میں ایک مضمون لکھ کر "بزم فروغ اردو" کے لئے برخوردار محمود نظامی کو بھیج چکا ہوں۔ "ترکوں کی ادب نوازی" کے متعلق۔ چند نئی چیزیں ہیں۔ نظامی کو لکھ رہا ہوں کہ آپ

کو اصلاح کے لئے دکھائیے (میں نے یونہی گھسیٹ کر بھیج دیا ہے اور نقل کرنے والے خدا جانے کیا کر ڈالیں
سے لکھتا تو بھی جائے استاد خالیست) آپ اسے فوٹو کرکے خود بھی کہہ دیجئے۔ موجودہ ٹرم ۹ رجون کو ختم ہو گی
چار مہینے کی چھٹیاں۔ برائے نام چھٹیاں ہیں۔ THESIS بہت وسیع ہے۔ صبح و شام کا کام ہے۔ دعاؤں کا
ہوں ــــ فرانسیسی شروع کر رکھی ہے۔ لہجہ درست کرنے کے لئے کچھ وقت فرانس بھی جانا پڑے گا۔ شاید اگلے
یہاں سے۔ فرانسیسی کا ایک وظیفہ مل گیا تھا۔ میں نے کہا یہ بھی سہی۔ گو اب کثرت کار کی وجہ سے پچھتاتا ہوں کہ یونہی
بہانگر زبان ہے بڑی لذیذ! ــــ۔ اور میرے THESIS میں ممد ہو گی۔
برخوردار رشید کے نتیجے سے مجھے ضرور مطلع کیجئے۔ منتظر رہوں گا۔ یہاں سے دعائیں ہی دے سکتا ہوں
دیتا رہتا ہوں۔

فارسی غزل تلاش کے باوجود اس وقت نہیں ملتی۔ اردو بھیج چکا ہوں۔ یہ پھر سہی۔
شرر صاحب کو LLYOD BANK کی معرفت خط لکھا تھا۔ بنک والوں نے "لاپتہ" کہہ کر واپس کر
دیا تھا۔ اب دوسرے پتے پر لکھتا ہوں۔ ......

۸ رمئی ۳۵ء

والسلام
مخلص تاثیر

(۱۴)

بنام سالک صاحب

4 st. PETER'S TERRACE CAMBRIDGE.

برادر مکرم السلام علیکم۔ "انقلاب" گاہے گاہے آتا رہتا ہے لیکن پچھلے چند ماہ سے تو کچھ نامہ لاتا
وطن سے نامہ بر اکثر کھلا ــــ خدا آپ پر رحم کرے۔ اتنی ابتلائیں اور یوں پے بہ پے۔ اور اس پر
کی شفقت "روزنامہ" کا اتنا کام۔ بھائی مہر کی علالت سے بوجھ المضاعف ہو گیا ہو گا۔ اچھا اس کی مصلحت
وہی جانے۔ تصور تو اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ چند حالوں سے آپ اپنا تن من بھول کر اپنے طریقے سے
کے لئے جو کچھ بھی کر سکتے ہیں کر رہے ہیں۔ اگر اس کی یہی جزا ہے تو اچھا ــــ دم مارنے کی جا نہیں۔
میں آج کل کام میں غرق ہوں ــــ THESIS کے آخری ایام ہیں۔ اور پھر اتنی دور بیٹھا دعا کے
علاوہ اور کیا کر سکتا ہوں۔ اٹلی کے متعلق آپ کا نوٹ پڑھا۔ تو خیال آیا کہ تھوڑا بہت ہاتھ بٹا سکتا ہوں۔ فائل کے
لئے ایک مختصر سا نوٹ بھیج رہا ہوں۔ مناسب سمجھیں تو کہیں درج کر دیں۔ اس میں غیر معمولی معلومات ہیں
غیر اختیاری ہے۔ رشید کا امتحان ہو چکا ہو گا۔ نتائج بھی نکل آئے ہیں۔ کیا ہوا۔ رشید یا ثروت کو کہیں لکھ بھیجیں
کو تکلیف دینا نہیں چاہتا۔
میں شاید ۱۹۳۶ء کی ابتدا میں آؤں۔ دعاؤں کا طالب ہوں۔ THESIS کامیاب ہو جائے
شمیم۔ بخاری۔ امتیاز۔ حسرت۔ عباس۔ حفیظ و دیگر احباب کو جو سامنے آجائیں سلام۔ امید
صاحب رو بہ صحت ہوں گے۔ والسلام　۲۷ رجون ۳۵ء　مخلص تاثیر

(۱۴)

سالک صاحب

7, KERAN BOVLEVERO, SRINAGAR.

برادر مکرم السلام علیکم

اس کالج میں ... لڑکے لڑکیاں ہیں۔ باقاعدہ دفتریوں کی طرح صبح سے شام ہوئی شام سے پچھلا پہر۔ دستور کار بنا ہوا ہے۔ آج کل امتحانات ہیں۔ ذرا فرصت ہوئی ہے تو سر کھجانے کی بجائے خامہ فرسائی کر رہا ہوں۔

مگر موسم اور منظر قیامت در قیامت! — خزاں کے تابناک رنگ عجیب بہار پر ہیں۔ چناروں کے آتشیں پتے جھڑ رہے ہیں۔ اور سبز زمین تانبے کی جھیل بنی ہوئی ہے۔ پرسوں برفباری ہوئی۔ قبل از وقت! — آج سورج چمک رہا ہے۔ اور چاروں طرف برف سے ڈھنپے ہوئے پہاڑ جگمگا رہے ہیں۔ جھیل کے سیاہ مست درختوں پر برف کی تہیں ڈل کے نیلگوں پانی کی طرح لہرا رہی ہیں۔ جیسے زمین کا عکس آسمان پر پڑ رہا ہو۔ اور چٹیل پہاڑیوں پر سنہری روپہلی آفتابی جھلکیاں آنکھ مچولی کھیل رہی ہیں۔ نغفاً! — ہمارا مکان تخت سلیمان کی گود میں ہے۔ سامنے ڈل اور افق پہ ہری پربت کا قلعہ ہے! — اے کاش آپ کرسمس میں یا بہار میں آ سکتے۔ گرمیوں میں تو محض تبدیل آب و ہوا ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں مکانیت کافی ہے۔ بقدر ذوق نہ سہی۔

ہوا کی مستی کا یہ عالم ہے کہ میرے چہرے پر بھی سرخی دوڑ رہی ہے۔ ....

آپ لوگ بہت بے ہمت ہیں۔ اخبار ہفتے کے لئے بند کیجئے۔ مہر صاحب اور آپ دونوں یہاں آ جائیے اور کشمیر نمبر نکال ڈالئے۔

عزیزم عظیم حسین نے حسرت صاحب کا بندوبست کرنے کا شملہ میں مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ کہتا ہے بلا کر دیا ہے! — تو پھر حسرت کہاں ہے؟

....

ہم سب کا محبت بھرا سلام۔
۲۱ر نومبر ۱۹۴۱ء

والسلام
مخلص تاثیر

مولانا عبدالسلام ندوی

(۱)

بنام نواب سید شمس الحسن صاحب

مکرمی السلام علیکم!

جناب نواب صاحب مرحوم کی وفات کا سانحہ ایک ایسا دردانگیز سانحہ ہے جس کے اظہار کے لئے مجھ کو مناسب الفاظ نہیں ملتے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم لوگوں کے سر سے ایک بزرگ کا سایہ اٹھ گیا ہے، خداوند تعالیٰ آپ کو اور آپ کے تمام خاندان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور آپ کو نواب صاحب مرحوم کا صحیح قائم مقام کرے۔ والسلام

عبدالسلام اعظم گڑھ ۲۳ نومبر ۱۹۲۳ء

(۲)

بنام ڈاکٹر سید عبداللہ

مکرمی السلام علیکم

آپ کا جو مضمون تشریح اقبال کے عنوان سے آثار اقبال میں شائع ہوا اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے شعرائے فارسی اور علامہ اقبال کے عنوان سے ایک مضمون اور دوسرا اقبال کے محبوب فارسی شعراء کے عنوان سے لکھا ہے براہ کرم مطلع فرمایئے کہ یہ دونوں مضمون کہاں شائع ہوئے ہیں اور اگر آپ کے پاس ہوں تو مستعار بھیج دیجئے۔ اگرچہ آپ سے مجھ کو تعارف حاصل نہیں ہے تاہم علمی اشتراک کی وجہ سے میں نے آپ کو یہ تکلیف دی ہے

والسلام

عبدالسلام ندوی دارالمصنفین اعظم گڑھ ۲۰ ستمبر ۱۹۴۵ء

(۳)

بنام ڈاکٹر سید عبداللہ

مکرمی السلام علیکم

میں اقبال پر جو کتاب لکھ رہا ہوں وہ انشاء اللہ دسمبر ۴۵ء میں ختم ہو جائے گی اس لئے آپ کے موعودہ مضمون کا شدت سے انتظار ہے اگر آپ کے پاس اور کچھ مضامین ہوں تو ان کے نام سے مطلع فرمایئے تاکہ اگر وہ میرے پاس نہ ہوں تو میں انکو منگواؤں اور نظر ثانی میں ان سے فائدہ اٹھاؤں

ـه نواب سید علی حسن صاحب

(۷)

(۶)

مولوی عبداللہ قریشی جو نوٹ تیار کر رہے ہیں وہ ابھی اب تک موصول نہیں ہوئے، آپ کا جو مضمون معارف میں شائع ہو رہا ہے اس کی کاپی اور پروف میں نے خود دیکھے ہیں، خود مسودہ میں بہت کم غلطیاں تھیں، مضمون صحت کے ساتھ چھپے گا لیکن کئی نمبروں میں کیونکہ مضمون لمبا ہے۔
دوسرے مضمون کو حسب ارشاد معارف میں نہ دوں گا، لیکن کیا اسکو دیکھ کر واپس بھی کرنا ہوگا؟ [illegible]
آپ کی مہربانیوں کا اور بھی محتاج رہوں گا اور بار بار شکریہ ادا کروں گا۔ والسلام
عبدالسلام ندوی　دارالمصنفین شبلی منزل، اعظم گڑھ　— ۵ مارچ ۱۹۴۶ء

(۹)

بنام ڈاکٹر سید عبداللہ

مکرمی، السلام علیکم
میں سفر میں تھا اس لئے جواب میں تاخیر ہوئی، خواجہ عبدالوحید صاحب نے میرے سوالات کا مفصل جواب بھیج دیا، میں نے ان کا شکریہ بھی ادا کر دیا ہے اور آپ کا بھی ادا کرتا ہوں۔
آپ کے مضمون "محبوب شاعر" کا مسودہ محفوظ ہے۔
ڈاکٹر اقبال پر جو مضامین انگریزی میں لکھے گئے ہیں ان کے اردو ترجموں کی تلاش ہے، بعض میرے پاس ہیں اور بعض نہیں ہیں، اگر آپ کے پاس ہوں یا آپ ان کے ملنے کا پتہ بتا سکیں تو عنایت ہوگی۔ والسلام
عبدالسلام ندوی　دارالمصنفین شبلی منزل، اعظم گڑھ، ۲۱ مارچ ۴۶ء

چراغ حسن حسرت

(۱)

بنام عبدالمجید سالک

برادر مکرم۔

السلام علیکم۔ آپ کا خط مل گیا۔ میں آپ کا خط آنے سے پہلے ہی طے کر چکا تھا۔ کہ اخبار نکالنے کی کوشش کرنا بے سود ہے۔ وزارت امور کشمیر سے بھی میں نے نامہ و پیام ترک کر دیا تھا۔ بلکہ گورمانی صاحب سے ملاقات ہوئی تو ان سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ مجھے ریڈیو میں ملازمت مل گئی ہے۔ اس لئے میرے لئے کوئی دوسری ملازمت قبول کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ یہ سب کچھ میں نے اس مفروضہ کی بنا پر کیا تھا۔ کہ ن۔ م۔ راشد اور آغا بشیر کی زبانی مجھے جو اطلاع ملی ہے۔ وہ بالکل صحیح ہے۔ اور آغا بشیر صاحب کو تو اصرار تھا۔ کہ فوراً کراچی چلے جاؤ۔ چنانچہ میں نے ٹیلیفون اٹھوا دیا۔ فالتو سامان ٹھکانے لگایا۔ بال بچے کو ایبٹ آباد بھجوانے کا بندوبست کیا۔ سامان کا ایک حصہ اپنے ایک عزیز کے ہاں بھجوا دیا۔ اور اب چلنے کی تیاریاں کر ہی رہا تھا۔ کہ دفعتہً اطلاع ملی۔ کہ وہ پندرہ سو دفتری کارروائی کے شکنجے میں آکر بارہ سو رہ گئے۔

تعجب ہے۔ کہ اگر ریڈیو والوں کے لئے مجھے پندرہ سو روپے تنخواہ دینا ناممکن تھا۔ تو آغا بشیر کی زبانی مجھے یہ پیام کیوں بھجوایا گیا کہ "پندرہ سو منظور ہیں۔ فوراً کراچی روانہ ہو جاؤ"۔ ظاہر ہے کہ ریڈیو کی ملازمت کوئی مستقل ملازمت نہیں۔ کنٹریکٹ کی نوکری ہے۔ جس کے لئے غالباً مہینہ بھر کا نوٹس دینا بھی ضروری نہیں۔ جب سٹیشن ڈائرکٹر صاحب مناسب سمجھیں گے۔ ملازمت ختم کر دیں گے۔ پروگرام اسسٹنٹ بھی اپنے آپ کو میرا افسر سمجھیں گے۔ اور معمولی معمولی باتوں میں دخل دیں گے۔ اس کے علاوہ بارہ سو روپے لاہور میں تو معقول رقم ہے۔ لیکن کراچی میں میرا اپنا خرچ ہزار روپے کے قریب ہو گا۔ انکم ٹیکس وضع کرنے کے بعد سوا سو روپے باقی رہ جائیں گے۔ جو میرے اہل و عیال کے مصارف کے لئے ناکافی ہیں۔ اس قصے میں سب سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ ریڈیو والے وعدہ کر کے پھر گئے اس وعدہ شکنی نے ایسا افسردہ خاطر کر دیا ہے۔ کہ جی چاہتا ہے۔ کوئی ملازمت قبول ہی نہ کروں۔ بلکہ لاہور چھوڑ کے کسی دور افتادہ گاؤں میں جا بیٹھوں۔

ذوالفقار صاحب سے پوچھئے۔ کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ پندرہ سو کے چودہ سو ہو جاتے۔ تو بڑی بات نہیں تھی۔
لیکن یہاں تو پورے تین سو روپے ...... تخفیف میں آگئے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ قدرت کو میرا کراچی آنا منظور نہیں۔
تاریخ اسلام [illegible] کے بعد فروخت ہوگی۔ شہرت کی رائلٹی آپ کو مل چکی ہوگی۔ تاریخ اسلام میں زیادہ سے
زیادہ اس سے دوگنے روپے مل جائیں گے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ پرائمری کی کتابیں خصوصاً ہندی اور دوسری سے دو چار ہزار
روپے اور ہاتھ آجائیں۔

ریڈیو کی ملازمت کے سلسلے میں آپ کو کوئی مزید اطلاع ملے۔ تو مجھے جلد خط لکھیئے۔ تاکہ میں یکسو ہو کے اپنے
لئے کوئی مشغلہ تجویز کر سکوں۔ کرنل مجید ملک صاحب۔ مجید لاہوری صاحب اور دوسرے احباب کی خدمت میں میرا
سلام عرض کر دیجئے۔

نیاز مند حسرت

لاہور ۹ راگست ۱۹۵۱ء

(۲)

بنام عبدالمجید سالک

برادر مکرم۔ السلام علیکم

آپ کا خط ملا۔ آج ذوالفقار صاحب کا خط بھی آیا ہے مضمون وہی ہے۔ کہ بارہ سو سے زیادہ ممکن نہیں۔
آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ کہ اس تنخواہ کے ساتھ کچھ الاؤنس بھی ہوگا۔ کیونکہ یہ پکی سرکاری ملازمت نہیں۔ کنٹریکٹ کی نوکری
ہے۔ جس کے ساتھ الاؤنس نہیں ہوتا۔ میرا عہدہ سٹاف آرٹسٹ کا ہوگا۔ گویا عہدہ کے لحاظ سے مجھ میں اور [illegible] جان
میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ اس سے تو اچھا تھا۔ کہ مجید ملک صاحب نے جو ملازمت پیش کی تھی۔ اُسے قبول کر لیتا۔ ہزار
روپے کے ساتھ سو سوا سو روپے الاؤنس کے مل جاتے۔ کام تھوڑا کرنا ہوتا۔ کیونکہ ریڈیو کے لئے ہر روز پروگرام بنانا
روزانہ اخبار مرتب کرنے سے زیادہ مشکل ہے۔ بہرحال میں پانچ چھ دن میں یہاں کے چند قضیے نمٹا کے کراچی آ رہا ہوں
(ان شاء اللہ تعالےٰ)۔

سنا ہے۔ کرمانی کو بارہ چودہ سو کی مستقل سرکاری ملازمت مل رہی ہے۔ یہ معلوم نہیں ہوا۔ کہ یہ ملازمت
سندھ گورنمنٹ کی ہوگی۔ یا پاکستان کی مرکزی حکومت کی۔ حبیب نے جو آفاق کا رپورٹر ہے کراچی سے ٹیلیفون کیا
ہے۔ کہ سندھ گورنمنٹ انہیں ڈائرکٹر پبلک ریلیشنز کا عہدہ دینے پر آمادہ ہے۔ تاہم وثوق سے یہ نہیں کہہ سکتا
کہ سندھ گورنمنٹ میں جا رہے ہیں۔ یا مجید ملک صاحب کے محکمے میں۔ مجھے کراچی آنے اور ریڈیو کی ملازمت قبول کرنے
میں اس لئے بھی تامل ہے۔ کہ یہ صورت پیش آئی۔ تو لوگ کیا کہیں گے۔ میں تو نقصان ہمسایہ سے زیادہ شماتت ہمسایہ
سے ڈرتا ہوں۔ اتنا ہنگامہ بھی کیا۔ اور پھر بھی پھسڈی ہی رہے۔ زیادہ تنخواہ مل جاتی۔ تو کم از کم لوگوں کے طعنے تو نہ سننے
پڑتے۔ بہرحال یہ بات اپنے تک ہی رکھیئے۔ اور کرمانی وغیرہ سے ذکر نہ کیجئے۔ میں ان شاء اللہ پانچ چھ دن میں یہاں سے
چل پڑوں گا۔ اور چلنے سے پہلے آپ کو تار دے دوں گا۔ تاکہ آپ میرے لئے نگار ہوٹل ہی میں کمرے کا انتظام کر دیں۔
لیکن یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ میں ریڈیو کی ملازمت ضرور قبول کروں گا۔ اگر کوئی اور صورت نکل آئی فبہا۔ ورنہ مجبوراً ریڈیو کی

ملازمت قبول کرنی پڑے گی۔ اور اس بات کا بھی امکان ہے۔ کہ میں کچھ روز کراچی رہ کے واپس چلا آؤں اور لاہور میں
محنت مزدوری کرکے پیٹ پالوں۔ کیونکہ ؎

بدست آہک تفتہ کردن خمیر   بہ از دست بر سینہ پیش امیر

گورمانی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ کہتے تھے۔ میں نے تمہارے لئے ہزار روپے ماہانہ کی ملازمت تجویز کی ہے تمہیں
لاہور ہی میں رہنا ہوگا۔ کاغذات فنانس والوں کے پاس ہیں۔ امید ہے چند دنوں میں منظوری آجائے گی۔ لیکن معلوم
نہیں یہ فنانس والوں کا مرحلہ مہینوں میں طے ہوتا ہے یا برسوں میں۔

اکثر لوگ اخبار نکالنے کے لئے اصرار کر رہے ہیں۔ پچاس ساٹھ ہزار روپے کا انتظام تو منٹوں ہو جائے
گا۔ کیونکہ روپیہ لگانے والوں میں زیادہ تر پبلشر ہیں۔ جن کے پاس روپے کی کمی نہیں۔ عارف صاحب کاغان سے
آگئے۔ حنیف صاحب کراچی سے آج یا کل واپس آجائیں گے۔ تھوڑی سی دوڑ دھوپ کی جائے۔ تو لاکھ روپے کا
انتظام بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اشرف۔ نیاز۔ حنیف۔ عارف۔ حمید وغیرہ کے لئے لاکھ روپے فراہم کرنا کچھ ایسا مشکل
نہیں۔ با ایں ہمہ میرا جی اخبار پر نہیں جمتا۔ سب احباب خصوصاً مجید ملک صاحب۔ مجید لاہوری اور حنیف ہوشیارپوری
کو سلام کہہ دیجئے۔ ذوالفقار صاحب سے کہہ دیجئے کہ خط مل گیا۔ اور وہ اتصال امر کراچی آرہا ہوں۔ باقی باتیں
بالمشافہ ہوں گی۔

لاہور ۱۰/ اگست ۱۹۵۱ء   نیاز مند حسرت

(۳)

بنام عبدالمجید سالک

مکرمی۔ السلام علیکم

آپ کو شکایت ہوگی۔ کہ میں نے خط نہیں لکھا۔ لیکن آپ ایسے بزرگوار چند سطریں لکھنے کی زحمت گوارا نہیں
تو مجھ سے جس کی کوتاہ قلمی مسلم ہے۔ کیا شکایت ہو سکتی ہے؟

مجھے کراچی سخت ناپسند ہے۔ یہاں کی آب و ہوا بہت بری ہے۔ پھر میرے سپرد جو کام کیا گیا ہے۔ وہ بھی
مجھے پسند نہیں۔ متعلقہ لوگوں کا انداز سخت غیر ہمدردانہ ہے۔ اب سوچتا ہوں۔ کہ کراچی کیوں آیا؟ اور یہ حماقت کر بیٹھا
تھا۔ تو واپس کیوں نہ چلا گیا؟ میں نے زندگی میں بڑی بڑی حماقتیں کی ہیں۔ لیکن یہ حماقت ایسی ہوئی ہے جس کی مجھے خود
بھی اپنے آپ سے توقع نہیں تھی۔

گورمانی صاحب سے ایک دو مرتبہ ملاقات ہوئی۔ کچھ لکھ کے دکھایا بھی۔ لیکن یہ نہ کھلا۔ کہ وہ کیا چاہتے ہیں؟
اصل میں جہاں تک وزارت امور کشمیر کا تعلق ہے۔ سارا معاملہ ہی غتر بود نظر آتا ہے۔ اور یہاں کا قصہ یہ ہے۔ کہ
عجیب لوگوں سے واسطہ پڑا ہے۔ بدقسمتی سے مجھے دربارداری کے ڈھنگ نہیں آتے۔ اپنے کام سے سروکار رکھتا
ہوں اور مستعدی سے کام کرتا ہوں۔ لیکن یہاں دربارداری مقدم ہے پھر جو لوگ اس معاملہ میں "[illegible] ہمہ" کی
حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ بھی "بے ہمہ" ہیں۔ کام سے رغبت نہیں۔ مطالعہ کرنے اور اپنی معلومات بڑھانے

کو بڑی گھٹیا سی بات سمجھتے ہیں۔ بال بچہ آ گیا۔ ایک کمرے میں جو نگار ہوٹل والے کمرے سے کچھ ہی بڑا ہے رہتا ہوں۔ ایک آدمی کا کھانا میس سے آتا ہے۔ باقی کا گھر میں پکتا ہے۔ ایک کمرے اور ایک آدمی کے کھانے کا خرچ پونے تین سو روپے ہے۔ اس سے باقی اخراجات کا اندازہ کر لیجئے۔

انقلاب کے فائلوں کے لئے میں نے فقیر محمد کو لکھا تھا۔ اس نے اگر نہ پہنچائے ہوں تو خورشید صاحب سے کہئے۔ کہ وہ "امروز" کے دفتر میں فقیر محمد دفتری کو پوچھ لیں۔ میں آج اُسے پھر خط لکھتا ہوں۔

اپنے محمدی پریس والوں نے تاریخ اسلام کی رائلٹی ادا کر دی یا نہیں؟ حاجی محمد یہاں ہے۔ اُس سے رجوع کیا تو اس نے ٹال دیا۔ اگر آپ رائلٹی وصول کر چکے ہوں تو اُن سے کہہ کے مجھے بھی بھجوا دیجئے۔ قومی کتب خانے والے نہ جانے کب رائلٹی ادا کریں گے۔ مجید لاہوری سے کبھی کبھار ملاقات ہو جاتی ہے۔ لیکن گوشہ گزینی ہی اچھی ہے کچھ دنوں میں میرا یہ حال ہو جائے گا۔ کہ "زبان بریدہ بکنجے نشستہ صُمّ بُکمٌ"۔ مجید سے آخر میرے وہ معاملات تو نہیں جو آپ کے ہیں۔

اُمید ہے آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔

۱۰ ر نومبر ۱۹۵۱ء　　نیازمند حسرت

(۴)

بنام محمد ایوب اولیا　　(لاہور)

مکرمی! السلام علیکم

آپ کی رائے صحیح ہے۔ چنڈول بفتح اول ہی درست ہے۔ تنزیل میں چنڈول کی بجائے چنڈَل اور چنڈل کی بجائے چنڈول لکھا گیا ہے۔ میں مدت سے عارضۂ قلب میں مبتلا ہوں اس لئے گھر سے بہت کم باہر نکلتا ہوں جو کچھ لکھتا ہوں اس میں کچھ میری غلطیاں ہوتی ہیں کچھ کتابت کی۔ کاپیاں اور پروف خود نہیں پڑھتا۔ اس لئے اکثر غلطیاں جوں کی توں رہتی ہیں۔

آپ نے اپنے اعتراض کو جسارت سے کیوں تعبیر کیا۔ میں شاعر ہوں نہ ادیب۔ معاش کا کوئی ذریعہ ہاتھ نہ آیا تو اخبار نویسی کی جانب جھک پڑا۔ چنانچہ تیس بتیس برس سے اُستخواں بندی کر رہا ہوں۔ علم و فضل کا دعوےٰ نہیں۔ دوسروں سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ اور اس زمانے میں بھی کہ زندگی کے دن بہت تھوڑے رہ گئے ہیں۔ بہت کچھ سیکھ رہا ہوں۔

جواب دینے میں اس لئے تاخیر ہوئی کہ میں ہسپتال میں تھا۔

۵ ر مئی ۱۹۵۵ء　　نیازمند حسرت

(۸)

(۴)

بنام مالک رام

شفیق محترم!

تسلیم۔ کرم نامہ پہنچا۔ یاد فرمائی کا شکریہ۔ مطلوبہ کتابیں روانہ کی گئی ہیں۔ رسید سے مطلع فرمائیں۔ انجمن کی دیگر مطبوعات شاید گلاب سنگھ کے ہاں سے مل جائیں ورنہ آپ انجمن ترقی اردو علی گڑھ کو لکھیں۔ ممکن ہے وہاں سے مل جائیں۔

وہاں بیٹھ کر آپ لکھنا چاہیں تو میرے خیال میں آپ اردو کے معاصر ادیبوں پر الگ الگ یا مجموعی حیثیت سے لکھ سکتے ہیں۔ جدید اردو ادب یا گذشتہ سو سال کے اردو ادب پر آپ تحریر فرمائیں تو آپ کو اپنے حافظہ سے بہت کچھ مدد مل سکتی ہے۔ آپ کے قلم سے ایک سرسری جائزہ بھی بہت قابل قدر ہوگا۔ رسالۂ اردو کے لئے یہ ایک اچھا تحفہ ہو سکتا ہے۔

مولانا خیریت سے ہیں اور سلام کہتے ہیں۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

عربی فہرستیں اب تک نہیں ملیں۔ آپ نے غالباً عربی سیکھ لی ہوگی۔ مجھے ایک عربی ناول کی ضرورت ہے۔ اس کا نام حسب ذیل ہے: الشیخ سیّد عبیط و اقاصیص اُخریٰ از محمود تیمور پاشا۔

براہ کرم اس کو تلاش کرا کر ضرور ارسال فرمائیں۔ بہت ممنون ہوں گا۔ پہلے یہ کتاب علی گڑھ میں نصاب عربی میں داخل تھی۔

خدمات و لائقہ سے یاد فرمائیں۔

مخلص: قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی۔ کراچی ۲۲ فروری ۱۹۵۰ء

(۵)

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

عزیز مکرم!

السلام علیکم۔ موقت نامہ مورخہ ۱۷ فروری آج صبح کی ڈاک سے پہنچا جس کا شکریہ قبول فرمایئے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں غالب نمبر کی رسید نہیں دے سکا۔ یہ نمبر مجھے ملا۔ اس کے دو روز بعد حفیظ ہوشیارپوری لے گئے اور پھر شیخ محمد اکرام صاحب کے پاس پہنچا۔ ان کے پاس سے آیا تو ایک اور دوست اٹھا لے گئے۔ خدا خدا کر کے چند روز ہوئے واپس آیا ہے۔ انشاء اللہ آئندہ اپریل نمبر میں اس پر تبصرہ کر دیا جائے گا۔ غالباً اب تک اردو کے اس سخنورِ اعظم پر جتنے خاص نمبر نکل چکے ہیں ان سب میں آپ کا مرتبہ نمبر سب سے بہتر نکلا ہے۔ حیات و کلامِ غالب پر یہ ایک مستقل کتاب کا حکم رکھتا ہے۔ مولانا نے بھی اسے بہت پسند فرمایا ہے۔

رسالۂ اردو آپ کو بھیجا جاتا رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے ڈاک والوں نے اڑا لیا۔ میں نے آج ہی دفتر کو ہدایت کر دی ہے کہ اس کے تینوں نمبر آپ کو بذریعہ رجسٹری آپ کے ذاتی پتے پر بھیج دیے جائیں۔ رسید سے مطلع فرمائیں۔

اردو کے اپریل نمبر میں سر سیّد مرحوم کی آثار الصنادید کا چوتھا باب یعنی اہل دہلی کتابی صورت میں شائع ہوگا اس

(۷)

(11)

(۱۸)

گئی ہیں۔ تاہم کوشش کروں گا کہ اس پرچہ پر لکھوں۔
پیر سید حسام الدین صاحب آپ کو بہت یاد کرتے اور سلام عرض کرتے ہیں۔ اپنی خیریت اور حالات سے مطلع فرمائیں۔ ملا
آج کل کوئٹہ تشریف لے گئے ہیں۔

آپ کا: اختر - کراچی ۸ ۲ر ستمبر ۱۹۵۱ء

(۱۳)

بنام مالک رام

بندہ نواز!
تسلیم و نیاز۔ آپ کے تین تین کرم نامے پہنچے اور مجھے ان میں سے ایک کا بھی جواب لکھنے کی توفیق نہ ہوئی۔ بدقسمتی
سے آپ کے جانے کے بعد میں تقریباً تین ماہ تک بستر علالت پر رہا۔ پتی URTECARIA بخار، اور درد گردہ کے پے در پے
حملے ہوتے رہے۔ مزمن وجع صدر (ANGINA) نے بھی کافی پریشان کیا۔ ادھر انجمن کے حالات روز بروز بگڑنے لگے جس سے
میری پریشانیوں میں کافی اضافہ ہو گیا۔ بہرحال خدا کا شکر ہے کہ ایک مدت کے بعد میری صحت عود کر آئی اور انجمن کے حالات نے بھی
کروٹ لی ہے اور کچھ کچھ اس کی مالی حالت درست ہو رہی ہے۔ تمام رسالے برابر جاری ہیں۔
اس اثنا میں ایک خط آپ کو دہلی کے پتے پر روانہ کیا تھا اور مضمون کی کاپیاں بھی بھیجی تھیں جو واپس آ گئیں۔ اس کے بعد آپ
کے ہم عنایت نامے ۲۱ اپریل، ۹ار جون اور ۱۵ر ستمبر کے یکے بعد دیگرے ملتے رہے۔ میں آپ سے سخت نادم ہوں کہ اپنے کسالہ
کے جوابات نہیں لکھ سکا۔ اس کو خواہ میری سستی اور کاہلی پر محمول کریں یا معاشی پریشانیوں اور تفکرات پر، بہرحال عفو و کرم کی التجا کے سوا
اور کوئی طریقہ عذر خواہی کا میرے پاس نہیں۔ والعذر عند کرام الناس مقبول۔ میری مسلسل خاموشی پر بھی آپ کا فیضان مراسلت برابر
جاری رہا۔ اس سے یقین ہوتا ہے کہ آپ کی شرافت نفس آپ کو انتقام لینے پر آمادہ نہیں کر سکی۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آپ
کی اس مروت و وفا سے ناجائز فائدہ اٹھایا جائے بلکہ میری یہ کوشش ہوگی کہ حتی الامکان آپ کی دو نصف ملاقات سے مستفید
اور مستفید ہوتا رہوں۔ آپ کی محبت اور عنایت میرے حال پر فراموش کر دینے کی چیز نہیں۔

دور دوستاں را بہ ہمت یاد کردن مشکل است
ورنہ ہر نخلے بہ پائے خود ثمر می افگند

اگر اس نیاز نامہ کے ذریعہ میں اپنی پچھلی خاموشی کی کچھ تلافی کر سکا تو میرے لئے یقیناً اطمینانِ قلب کا باعث ہوگا۔
سب سے پہلے مجھے یہ بتلایئے کہ صاحبزادے سلمہ کا کیا حال ہے۔ آپ نے ۱۹ر جون کے مکتوب میں یہ مژدہ سنایا تھا کہ
بچہ پہلے سے بہت بہتر ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے صحت کامل عطا فرمائے۔
آپ یہاں دوبارہ تشریف نہ لا سکے، اس کا بہت افسوس رہا۔ مدتوں میں ملاقات نصیب ہوئی اور وہ بھی ادھوری
کی دل ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی - خیر یار زندہ صحبت باقی۔
افسوس ہے کہ محمود آبادی اور غالب والے مضامین کے دس دس نسخے نہیں نکل سکا جس کے متعلق آپ نے بہت

(الف)

(٤١)

(٥١)

(71)

437 Malika Street Cairo

MENA

(۷۱)

(٨)

(١)

(لم)

(۴)

مکتوب نواب مزمل اللہ خاں

بنام نواب سید علی حسن

گرامی نامہ را چوں برکشادم گہے بر دیدہ گہ بر سر نہادم

مخدومی و مکرمی و محترمی سلامت۔
السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ جناب کے ہدیۂ تبریک کو میں صرف اپنے حق میں مبارک ہی نہیں سمجھتا بلکہ موجبِ عزت و تفاخر مباہات خیال کرتا ہوں۔ خدائے تعالیٰ آپ کو بیادفرمائی دیر گاہ سلامت با کرامت رکھے۔ آمین۔
آپ کی ناسازیٔ مزاج کا خیال کر کے مجھے ہمیشہ تردد رہتا ہے۔ اور آپ کی خیر و عافیت کی دعا کرتا ہوں۔
اگرچہ بظاہر اسباب کوئی توقع نہیں۔ لیکن اگر کبھی لکھنؤ آنا ہوا تو انشاء اللہ تعالیٰ مزید شرفِ نیاز حاصل کروں گا۔
خطاب اور عتاب ہم وزن بھی ہیں اور قریب الخاصیت بھی یعنی "گاہے بسلامے برنجند و گاہے بدشنامے خلعت دہند" تقریباً پچاس سالہ عملی زندگی میں مجھے دونوں تجربے ہو چکے ہیں۔ خدائے تعالیٰ طریق استقامت و صراط مستقیم پر قائم رکھے اور انجام بخیر کرے۔ آمین۔ وَآخِرُ دَعْوَانَا عَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہ۔
خاکسار خیر خواہ۔ مزمل اللہ

(۵)

مکتوب محمد سمیع اللہ

مخدومی و مکرمی۔
تسلیم۔ اس وقت تلاش کرتے کرتے ایک روایت نکلی ہے اور وہ یہ ہے۔ لا و لا یۃ لصغیر و لا مجنون و لا لکافر علی مسلم و مسلمۃ ۔۔ اگر دختر مسلمہ ہے تو عیسائی ماں ولیہ نہیں ہو سکتی ہے۔ اور جب ولیہ نہیں ہو سکتی تو اوس کو استحقاق بھی نہیں ہے۔ لیکن ابھی میں اور تلاش میں ہوں۔ میں آپ کو ایک یہ مشورہ دیتا ہوں کہ آپ شرعی ولی دختر کے ہیں۔ آپ اوس کا نکاح کسی اچھے لڑکے سے کر دیجئے۔ اگر آپ ایسا کریں گی تو پھر تمام پریشانی رفع ہو جاوے گی۔ اور ان کی اختیار کے روایت صاف ہے۔ لولی الصغر والصغیرۃ ان ینکحان۔ وان لم ترضیا۔ دوسرے ورق پر روایتیں دیکھ لیجئے معہ نشان کتاب۔
محمد سمیع اللہ
۱۳ر فروری

(۶)

مکتوب محمد سمیع اللہ

مکرمی و مخدومی۔
براہ عنایت اس قدر مجھ کو بتا دیجئے کہ مولوی مہدی علی صاحب لندن میں کب تک مقیم ہوں گے۔ اور ان کے نام تار یا خط کس پتہ سے پہنچتے ہیں۔ اس سفر میں آپ سے نہ ملنے کا افسوس ہے۔
خاکسار محمد سمیع اللہ
۲۶ر جولائی

(۷)

مکتوب ابو محمد عبدالحق

بنام نواب عماد جنگ بہادر

السلام علیکم ما وجب کے بعد التماس ہے کہ فقیر کی دائمی رخصت کی بابت عالیجناب نواب مدار المہام صاحب

بیوہ نہیں کر سکتیں اور ابھی ڈیڑھ برس تعلیم کے باقی ہیں اس لئے اگر سرکار منظور فرماویں تو تعلیم کا خرچ اس مدت کا جو باقی ہے سرکار عالی کی طرف سے دیا جاوے اور اوس کی بیوہ کو دو سو روپیہ ماہانہ وظیفہ تاحیات عطا کیا جاوے کہ مدارالمہام مرحوم کے وقت میں بھی بنظر پرورش بعض لوگوں کے ساتھ ایسی رعایت کی گئی ہے۔ چنانچہ جیونجی اور جمشید جی معتمد کے ساتھ اسی قسم کی رعایت مدارالمہام مرحوم نے کی تھی فقط ؎

۲۵ ذیقعدہ ۱۳۰۴ھ عرضی۔ خانہ زاد قدیم آسمان جاہ

مکتوب سید شوکت حسین شوکت فہمی (۱۰) بنام منشی محمد الدین فوق

برادرم سلام علیکم والدعوات

برخوردار نورچشم فیروز الدین نے اصلاح کے لئے میری ہدایت کے موافق نظم یا نثر صاف کر کے کیوں نہیں بھیجی؟ میں نے تو فیس میں بھی رعایت کر دی۔ برخوردار کی طبیعت موزوں ہے۔ اور ترقی پر آمادہ۔ غالباً نظم سے بھی اچھی مناسبت ہوگی۔ وہ چند روز میں خود اپنے کو تمام مشہور اساتذہ سے ہر طرح بہتر سمجھنے لگیں گے۔ کیونکہ "محمد" کے فیض ہی کا کرشمہ ہے۔ البتہ استقلال اور محنت درکار ہے۔

مضمون ظفوف جون کے طریقت میں شائع فرمائیے۔ اس کے بعد شاعری اور وحدت الوجود پر تیسرا نمبر دوں گا

۱۳ جون ۱۹۱۵ء سید احمد حسن شوکت (محمد، مالک سنر قبہ شوکت میرٹھی)

مکتوب مولانا ظہر علی آزاد (۱۱) بنام منشی محمد الدین فوق

برادر مکرم!

کارڈ مورخہ ۵ فروری کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور آپ کی ہمت مردانہ کی داد دیتا ہوں۔ مجھے پہلے ہی آپ کی حق پسندی۔ حق گوئی۔ ایثار اور سچے قومی جوش اور خلوص سے ایسی ہی امید تھی۔ جب تک ہم میں اتنی صلاحیت موجود نہ ہو کہ قومی اغراض و مقاصد پر ذاتی اغراض بے تکلف قربان کر دیا کریں۔ ہم کسی طرح قومی خدمت کے اہل نہیں ہو سکتے۔ اخبار اور رسالے ملک کو انہی باتوں کے تیار کرنے کے لئے مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ اور جب ایڈیٹران اخبارات خود ہی اتنے تنگ نظر ہوں کہ ہر بات کے ہر پہلو میں ذاتی فائدہ ڈھونڈیں تو وہ قوم اور ملک کو کیا فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔

۱؎ یہ ایک نادر تحریر کی نقل ہے۔ سر آسمان جاہ مرحوم حیدرآباد کے وزیر اعظم یا دیوان تھے۔ انہوں نے ایک معروضہ اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خان آصف جاہ کی خدمت میں پیش کیا کہ دلیل الدین متوفی ملازم سرکار کی وفات پر اس کے متبنّیٰ کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں رہا۔ دو سو روپے وظیفہ مرحوم کی بیوہ کو تاحیات دیا جائے۔ اعلیٰحضرت نے یہ معروضہ منظور فرمایا۔ وہ دستخط کی جگہ "یا محبوب" لکھا کرتے تھے۔ ایک بڑے فرمانروا اور اس کے وزیر اعظم کے انداز تحریر کے علاوہ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ دولت آصفیہ کے کارفرما اپنے ملازمین کے حقوق کا کس قدر خیال رکھتے تھے۔ اصل تحریر جناب تمکین کاظمی کے ذخیرہ میں محفوظ ہے۔ اس سلسلے کی بقیہ تحریرات آگے آتی ہیں: (مہر)

۲؎ آپ منشی محمد الدین فوق کے چھوٹے بھائی ہیں۔ بڑے ذہین۔ خود کار۔ خود ساز۔ جہانیاں جہاں گشت۔

(محمد عبداللہ قریشی)

ہمیں ایسے ہی زبردست ایڈیٹروں کی ضرورت ہے جو ہوا کے رُخ پر نہ چلیں بلکہ طوفان سے مقابلہ کرنے کے لئے ہمیشہ
سربہ میدان بن کر سامنے آجانے پر تیار رہیں۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آپ کا قابل فخر وجود ... ملک میں موجود ہے
کل کی ڈاک سے میں نے دہلی، لاہور، پیسہ اخبار اور وکیل امرتسر میں بھی تحریک کی ہے۔ مجھے ان معزز ایڈیٹروں
سے پوری امید ہے کہ وہ ایک روزانہ اخبار کی مروّت پر قوم کو قربان نہ کردیں گے۔

۱۸ فروری ۱۹۱۷ء   فقیر اظہر علی آزاد رسالہ پیام امید آگرہ۔

(۱۲)

مکتوب بہ رضا بلگرامی [illegible]

جناب صفیر۔ تسلیم۔ مزاج شریف۔ بندگی حضرت بندگی۔ آپ کی دعا ہے۔ اس جملہ مہملہ کو یوں معنی پہناتا ہوں
کہ آپ تو اس وظیفہ اور اس تسلیم کا اور مزاج شریف کا جواب دیں گے نہیں۔ لہٰذا بمصداق:

از من بمن سلام و هم از من بمن پیام   رنج دلی مهاد پیام و سلام را

خود ہی سلام کہا اور خود ہی جواب بھی دے لیا۔ خود ہی مزاج پوچھا خود ہی دعا کہہ لی۔ آج دوپہر کا وقت، دھوپ کی شدت
گرمی کا تراقہ، لوں کا زور شور۔ بیٹھے بیٹھے جی گھبرایا رشحات صفیر دیکھنے لگا۔ اس کتاب کا کیا کہنا۔ اگرچہ کلیتاً تانیث تذکیر
کے قواعد کا انضباط بہت دشوار ہے تاہم آپ نے خوب ہی قواعد منضبط فرمائے۔ مگر ساتھ ہی اس کے ایک بہت
ستم ظریفی یہ کردیا ہے کہ دہلی اور لکھنؤ کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکا ہے۔

اسی طرح یہ کہ طلسم میرٹھی کو بھی مستند ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ خود آپ اختلاف دہلی اور لکھنؤ کے قائل ہوئے ہیں
دیکھئے صفحہ ۱۴۵ رشحات صفیر۔ درحالیکہ اختلاف مابین دہلی و لکھنؤ مسلّم ٹھہرا تو مقلدین لکھنؤ کو مجرد دلی والوں کی تانیث
و تذکیر پر بھروسا کرنا کب ٹھہرا۔ مگر کیا کیجئے حبّ الشیٔ ...... آپ کو اور جناب قدر کو مرزا غالب صاحب کی محبت نے
ایسا مجبور کر رکھا ہے جیسا قوم نصیری کو حب علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے۔ حالانکہ میرا یہی اعتقاد ہے کہ مرزا غالب
صاحب فارسی میں اکثر اہل ہند سے بہتر ہیں مگر اردو میں تو ایک مبتدی لکھنوی کے مقابل نہیں ؎

کاو کاو سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ

ملاحظہ و انصاف طلب ہے۔ اگر نقص اس کتاب میں ہے تو یہی ہے۔ مجھ کو یہ بھی آپ کے اور جناب قدر کی طرف سے احتمال
ہے۔ عجب نہیں کہ مرزا صاحب مرحوم تاریخ بلگرام میں بھی کسی نہ کسی پیرایہ سے داخل کر دئے جائیں۔ میری اس رائے
ناقص سے آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں مرزا غالب صاحب کا غیر معتقد ہوں۔ مگر بمقابلہ لکھنؤ، دلّی والوں کو میں صفر و ناقص
سمجھتا ہوں۔ اس میں کوئی ہوں۔

دوسرے یہ کہ اسیر کی نسبت جو آپ نے اپنا اعتقاد بہت کچھ ظاہر کیا ہے۔ میاں بحر صاحب سے کچھ اچھے

حاشیہ از سید مرتضیٰ حسین بلگرامی:

۱۔ جناب سید غلام حسنین قدر بلگرامی اور جناب سید فرزند احمد بلگرامی صفیر دونوں کو حضرت غالب سے شرف تلمذ حاصل تھا۔

۲۔ رشحات صفیر۔ جناب صفیر بلگرامی کا تذکیر و تانیث پر معرکۃ الآرا مضمون ہے جو دو بار طبع ہوا اور مقبول عام ہوا۔

میٹھی ہی نہیں۔ بچے تھے؛ بڑے غضب کی بات ہے کہ ناسخ طبقۂ سوم میں معلم ثالث کہلائیں۔ اور آتش جو طرزِ عاشقانہ میں فرد تھے صرف ناسخ کے شریک مشاعرہ لکھے جائیں اور اس پر آپ اعتقاد لائیں۔

۱۸ مئی ۱۹۰۳ء آرزو عفی عنہ

مکتوب نواب صدر الدین حسین (۱۳) بنام نواب سید علی حسن خان

معظمی و مکرمی جناب نواب صاحب عنایت فرمائے مستمنداں سلامت!

بعد ابلاغ مراسم سلام نیازمندانہ واضح رائے عالی باد۔ الحمد للہ کہ تادمِ تحریر بفضلِ ربِ قدیر یہاں خیریت ہے اور خیر و عافیت ہر دم نیک مطلوب!

دیگر التماس یہ کہ بوجہ تفکرات دنیاوی چند روز سے بندہ سخت پریشانی کے عالم میں ہے۔ اِبتداوقت نہایت بدمزگی و بے لطفی سے گزر رہا ہے اور اس پر خشک سالی اور مخلوق کی پریشانی دیکھ کر ہوش و حواس ٹھکانے نہیں۔ لیکن ہزار ہزار شکر اُس کریم کارساز کا کہ شہر پونا سے یکایک یہ مژدۂ جاں بخش گوش زد ہوا کہ اعلیٰ حضرت سرکار نظام خلد اللہ ملکہٗ نے آپ کو طلب فرمانے اور ایک منصب جلیلہ عنایت کرنے کا قصد کیا ہے اور یہ خبر معتبر ذریعہ سے ملی ہے۔ للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید۔ واللہ ثم باللہ اس نویدِ جانفزا کو سن کر اس قدر خوشی حاصل ہوئی کہ گویا مجھی کو منصب ملا ہے۔

اس لئے کہ آپ کے لواحقین اور وابستگان سے اور آپ کے فرزندان سید فخر الدین اور معز الدین سلمہٗ بھی ہیں اور تاحیات مہاراجہ سیاجی راؤ گائیکواڑ یہاں کس مپرسی کا عالم ہے۔ ممکن ہے کہ کسی وقت ان کے لئے بھی کوئی جگہ نکل آئے اور سرکار نظام کی مرحمت خسروانہ سے مدتوں کے بچھڑے ہوئے اور نمک خوران قدیم بہ برکت آپ کے قدوم میمنت لزوم کے پھر یکجا جمع ہو جائیں تو کچھ عجب نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو یہ خوشی مبارک کرے۔

اور اس سے زیادہ آپ کو مراتب و درجاتِ عالیہ پر پہنچائے سے ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔

۸ راگست ۱۹۱۸ء مرسلہ خاکسار خیر طلب میر صدر الدین حسین از بڑودہ

مکتوب تمیز شکوہ آبادی (۱۴) بنام سید محمد نور شبیر مجھلی شہری

سرمایۂ نازش نیرہ روز منیر برخوردار سید الجلیل الشبیر سلمہ اللہ القدیر۔

بعد از اسلمہٗ شائقہ وادعیہ متکاثرہ لائقہ واضح خاطر سعادت مآثر عزیز ہو۔ الحمد للہ والمنۃ کہ میری دعاؤں کا اثر ظاہر ہوا اور حضرت تقدس تعالیٰ شانہٗ نے مژدہ ولادت[1] باسعادت فرزند ارجمند بخانہ آں عزیز سعادت پیوند وطالع مند سنایا۔ سال گزشتہ میں فوت صبیہ سے جو گرد ملال عارض چہرۂ حال ہوئی تھی وہ اس آبیاری رحمت و فضل ایزدی سے زائل و برطرف ہوگئی۔ قطعۂ تاریخ ولادت عن قریب انشاءاللہ پہنچے گا۔ ان دنوں باوجود آلام و سقام پیری و تکلیف حضوری دربار دُربار حضور ولی نعمی ادام اللہ اقبالہ العالی جس قدر وقت ملتا ہے آپ کی تعمیل فرمائش میں صرف ہوتا ہے

[1] سید محمد مجتبیٰ المتخلص بہ مشہور خلف اکبر حضرت شبیر کی طرف اشارہ ہے

(۵۱)

نہیں میں شائع کی اور وہ غزلیں طبع بھی ہوئیں - اور دوسری طرح نہ معلوم کس مصلحت سے شائع نہ کی ورنہ میں اپنی غزل
بھیج دیتا - المختصر میں آپ سے اور جناب وسیم سے معذرت کرتا ہوں صحیح سمجھ کر مسموع ہو لہذا آپ کے اصرار کے بموجب
کل ذرا مزاج بحال ہوا تو یہ چند شعر قلم برداشتہ کہہ کر ارسال خدمت ہیں - عزیزی اپنے صاحب شہرت سلمہ آج کل
باہر ہیں اور سید ماجد حسین صاحب سے جینڈرل ہو گئے کہ ملاقات نہیں ہوئی - نہ معلوم کہاں ہیں - فقط ... زیادہ
نیاز - جناب وسیم صاحب کو سلام شوق - ان کو بھی یہ تحریر دکھا دیجئے گا - تصنع نہ سمجھئے گا، نہ مبالغہ شاعری آپ
کے دیکھنے کو بہت جی چاہتا ہے، دیکھئے کب ملاقات ہوتی ہے' راقم الآثم -

سید عباس حسن فصاحت عفی عنہ

غزل

سوتے سے چونک کر یہ کہا شب کو یار نے نالہ کیا کسی نہ کسی بے قرار نے
مارا نہیں غم و الم روزگار نے لی جان میری حسرت دیدار یار نے
دہلا یا ناتواں مرے دل کو غضب کیا دکھلا کے منہ بلائے شب انتظار نے
ہمسر جو گل ہوا ترے چہرے سے باغ میں دُرّے لگائے موج نسیم بہار نے
تربت پہ میری اور گلوں کو ہنسا دیا افسوس اُن کے خندۂ بے اختیار نے
لاشے نے اضطراب کا اظہار کر دیا شق ہو کے دو جگہ سے ہمارے مزار نے
رونے کو تھے یہ زخم بدن اپنے حال پر لیکن ہنسا دیا ترے اوچھے سے وار نے
جامے گلوں کو باغ نے پہنا کے سرخ سرخ کانٹوں کو سبز کر دیا فصل بہار نے
جھانکے نہ ان کو روزن دیوار سے رقیب اندھا کیا ہے بند ہمارے غبار نے
سیماب و برق و موج نے جیب کی برابری دے دی شکست میرے دل بیقرار نے
مژگاں کے ساتھ لشکر غم نے چڑھائی کی بڑھ کر نشان سرمۂ دنبالہ دار نے
موسیٰ نبی کا حفظ کیا جل شانہٗ دشمن کے گھر میں بھیج کے پروردگار نے
،، ،، گیا کیا ہوائے دامن ابر بہار نے
آئے وہ نزع میں تو اشارے سے یہ کہا میرا کیا یہ حال ترے انتظار نے
واعظ کے گرد کیوں ہے تماشائیوں کی بھیڑ کیا لی خبر کسی نہ کسی بادہ خوار نے
گلشن میں سرو بہر حفاظت کھڑے ہیں خاک گل کی شمیم اڑا لی نسیم بہار نے
ہم جلنے والے عاشقوں کے دل ازل کے روز کیا آگ سے بنا دیئے پروردگار نے
روکا اندھیری رات میں آتے ہوئے انہیں افسوس جھلملا کے چراغ مزار نے
آواز ایک نے بھی فصاحت نہ دی ہمیں قبروں پہ دوستوں کی گئے جب پکار نے

تحریر تاریخ
۴ ستمبر ۱۹۱۱ء

اس باب میں مسلم لیگ سے کچھ مدد ممکن ہو ارقام فرمائیں گے میں اس میں کما حقہ کوشش کروں گا۔

محمڈن اینگلو اورینٹل کالج ایسوسی ایشن کا لندن میں قائم رہنا از حد ضروری ہے۔ اس کی نسبت میں عنقریب بہ [illegible] حکم جناب والا کے ایک یادداشت آپ کی خدمت میں روانہ کروں گا۔ مجھے تو اس قدر ہجوم کام کا ہے کہ عرض نہیں کر سکتا تاہم انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ ہفتہ میں ضرور یادداشت مطلوبہ ارسال کرونگا۔

اس ایسوسی ایشن سے جو فائدہ مسلمان طلبا کو پہنچتا ہے اس کو کمال و تمام جناب ڈاکٹر ضیاءالدین صاحب سے آپ کو معلوم ہوگا۔ ہر چند سال گزشتہ میں بوجہ آمد ایک دوست کے بعض طلبا سرکشی شروع کر دیتے تھے۔ تاہم بہر حال سب کے سب اب سعادت مند ہیں اور ہدایت و رہنمائی سے گریز نہیں کرتے، جو عنقریب آنے والے ہیں اور اکثر جو آئے ہوئے ہیں خوشحال معلوم ہوتے ہیں۔ میری رائے ہے کہ نومبر اور دسمبر میں کچھ لکچر کا انتظام کیا جائے۔ اس کی نسبت میں سرایمرل اور سرتھیوڈور ماریسن اور دیگر احباب کو لکھتا ہوں۔ ان لکچروں سے نوجوانوں کو نہایت فائدہ پہنچنے کا احتمال ہے اور میں بھی انشاء اللہ تعالیٰ اخلاق احمدی پر ایک لکچر عنقریب دینے والا ہوں۔

مسجد کی نسبت ہز ہائنس آغا خان صاحب سے اور مجھ سے بالکل اتفاق ہے اور امید قوی ہے کہ خدا کے فضل و مدد سے قیصر ہند کا PATRONAGE اس امر میں عطا ہو۔ مگر اس امر کو محض محرمانہ سمجھئے۔ کیونکہ اس کی اشاعت سے فائدہ متصور نہیں ہے۔ باقی التسلیم

۱۲ راکتوبر سنہ ۱۹۱۰ء — اخلاص کیش امیر علی رضوی عفی عنہ

مکرر معروض یہ ہے کہ اس سال بھی دعوت مجھے بہت دیر سے ملی۔ جیوڈیشل کمیٹی کے سامنے جو مقدمات پیش ہونے والے ہیں اس کا پورا لسٹ LIST مقرر ہو گیا۔ اب میں اس کو چھوڑ کر چلا جانا دشوار سمجھتا ہوں۔ اس واسطے میں جناب مولوی عزیز مرزا صاحب کی خدمت میں لکھتا ہوں کہ اگر آئندہ سال میری صدارت چاہتے ہوں تو مجھے ماہ جولائی میں ضرور خبر دیں تاکہ میں لارڈ چانسلر سے اس کے لئے انتظام اول سے کر لوں۔ اب پھر ان کو اس باب میں فرما دیویں۔

مکتوب جسٹس امیر علی رضوی — (۲۰) — مکتوب الیہ سید خورشید علی

THE LAMBDENS
BEENHAM,
No. READING.

To. Mr. SYED KHURSHED ALLY,
KHURSHED COTTAGE,
HYDERABAD-DECCAN.
(DECCAN) INDIA.

عنایت فرمائے من۔

سلام و نیاز قبول ہو۔ .. .. .. آپ کا التفات نامہ مورخہ ۲ رمئی موصول ہو کر باعث مسرت خاطر ہوا۔ میں بخوشی تمام اپنا فوٹو آپ کی خدمت میں ارسال کرتا۔ مگر افسوس ہے میرے پاس کوئی موجود نہیں، مگر آپ بآسانی تمام ایک کاپی JOHNSTON AND HOFFINAM, PHOTOGRAPHERS CALCUTTA, 19th CHOWRANGI ROAD. کے یہاں سے منگوا سکتے ہیں۔ شاید جو فوٹو جج کے لباس میں لیا گیا تھا وہ آپ کو زیادہ

منتظر خاطر ہوگا۔

میرے تصنیفات کا نام میں تفصیل وار لکھتا ہوں:

1. ARTISTICAL EXAMINATION OF THE LIFE AND TEACHINGS OF MOHAMMAMED.

جس کا ترجمہ لکھنؤ میں چھپا ہے تنقید الکلام فی احوال شارع الاسلام۔

2. PERSONAL LAW OF THE MOHAMMEDANS, — شرع محمدی
3. LAW LECTURES. — شرع محمدی
4. MOHAMMEDAN LAW, VOLS. 1 AND 2.
5. STUDENTS HAND BOOK MOHAMMEDAN LAWS.
6. HISTORY OF THE SARACENS. — تاریخ اسلام
7. THE SPIRIT OF ISLAM. — جوہر اسلام
8. THE LAW AND EVIDENCE APPLICANTS IN BRITISH INDIA. (AMIR ALI & WOODFORE)
9. COMMENTARY ON THE BENGAL TENANCY ACT (AMIR ALI & FINUCANCE.)
10. ISLAM.

میں اس وقت چند کتابوں کی تصنیف میں مشغول ہوں اور ایسا قلیل الفرصت ہوں کہ جس کا بیان نہیں ورنہ آپ نے جو مضمون مجھ سے طلب کیا ہے ۔ وہ ضرور میں بھیج دیتا مگر آپ کو دو تین مضمون سے میرے جو —— NINETEENTH CENTUARY میں چھپے ہیں فائدہ مل سکتا ہے ۔

(1) THE STATES OF WOMEN IN ISLAM MAY 1893.
(2) THE INFREANCE OF WOMEN IN ISLAM.

اور پتہ آپ کو HISTORY OF THE SARACENS یہی ملے گا۔ یہاں ایک اخبار ہے WOMEN AND PROGRESS. اس کو کبھی کبھی دیکھ سکتے ہیں ۔ باقی والتسلیم[1]

۳ / جون ۱۹۰۴ء — امیر علی رضوی عفی عنہ

(۲۱)

بنام سید علی بلگرامی

مکرمی و مخدومی ۔ سواران علاقہ ہمت خاں در ضلع انگلندل نزد ایں جانب بودند و کار خود را بدرستی انجام دادند

[1] مولانا عرشی ... علی نے یہ خط میرے ذخیرے کے لئے عنایت فرمایا ہے اور میرے یہاں محفوظ ہے۔ (تمکین کاظمی)

لہٰذا اگر سوالات مذکور کہ پنج نفرانند در تحصیل باقیات کہ علاقہ دیوانی است متعین نمودہ شوند بسیار ممنون خواہم شد

۱۹ر محرم ۱۳۰۳ھ (مطابق ۲۸ر اکتوبر ۱۸۸۵ء) سید علی

مکتوب سید علی بلگرامی (۲۲) ؎ مکتوب الیہ عماد الملک [illegible]

جناب مخدومی

معلوم نہیں ڈاکٹر سید المظفر خاں صاحب کی جگہ پر آپ نے کیا انتظام فرمایا ہے۔ کیا آپ میر حسن کو اس نہیں کر سکتے کہ اپنی خدمات کالج کو دیں۔ میری رائے میں تو وہ لندن میں وقت ضائع کر رہے ہیں۔ اور شاید اگر وہ کوئی خدمت اپنے لائق سمجھتے تو مزدور آتے۔ انشاء اللہ ناگپور میں ملازمت حاصل ہوگی۔ والسلام

۲۰ر دسمبر ۱۹۱۰ء نیاز مند سید علی بلگرامی

مکتوب سید میر حسن (۲۳) مکتوب الیہ منشی محمد الدین فوقؔ

مخدوم و مکرم و عنایت فرمائے حال بندہ بعافیت باشید

پس از سلام مسنون عرض خدمت والا یہ ہے کہ جناب کا فرمان عالیشان باعث افتخار خاکسار ہوا۔ افسوس ہے کہ مجھے علامۂ زماں فخر دوراں جناب مولانا مولوی عبدالحکیم صاحب کے حالات سے آگاہی نہیں ہے جیسی کہ آپ کو ہے؎۔ واقعی زمانہ کے انقلاب سے وہ حالات ایسی تاریکی میں ہیں کہ ان کو روشنی میں لانے کے لئے سامان کا بہم پہنچنا بہت دشوار ہے۔

"مآثر الکرام" کے حصہ اول صفحہ ۲۰۴ پر حضرت کا مختصر سا تذکرہ ہے۔ مگر جس شرح و بسط سے آپ لکھ رہے ہیں اور چاہتے ہیں وہ اس میں بھی نہیں ہے۔

سکھوں کے زمانہ میں سیالکوٹ لوٹا گیا۔ شہر میں آگ لگائی گئی۔ اکثر کتب خانے جل گئے۔ بزرگوں کی اولاد آوارہ ہوگئی۔ اب جو لوگ ان کی اولاد سے ہیں علم سے بے بہرہ ہیں۔ چند باتیں اگر کسی کو بطور نقل در نقل یاد بھی ہوں تو محل وثوق نہیں۔ امید ہے آپ مجھے معاف رکھیں گے۔ فقط زیادہ والسلام

۲۹ر مارچ ۱۹۱۹ء نیاز مند کہن میر حسن

؎ ڈاکٹر سید علی بلگرامی مترجم تمدن ہند و تمدن عرب وغیرہ۔ حیدر آباد میں معتمد تعمیرات عامہ (سیکرٹری پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ وغیرہ) کی حیثیت سے مدتوں رہ چکے ہیں۔ ان کی یہ چٹھی غالباً یہاں کے ملٹری سیکرٹری کے نام ہے جو ۱۳۰۳ھ کی لکھی ہوئی ہے۔ اُن دنوں حیدر آباد میں عام طور پر سرکاری کاروبار فارسی میں رائج تھے۔"

؎ علیہ ڈاکٹر مختار الدین احمد

؎ شاہ جہانی عہد کے مشہور فاضل ملا عبدالحکیم سیالکوٹی۔ فوقؔ صاحب نے ان کے سوانح لکھے تھے۔ غالباً فراہمی احوال کے سلسلے میں مولانا سید میر حسن کو بھی لکھا تھا جس کا یہ جواب ہے۔

(مہر)

مکتوب مولوی عبدالرزاق کانپوری (۲۵) مکتوب الیہ منشی محمد الدین فوق

فلک منزل شاہجہان آباد (ریاست بھوپال)

برادر محترم فوق! السلام علیکم

یاد فرمائی کا دلی شکریہ! ۴ جنوری ۱۹۲۹ء کا خط سامنے ہے۔ لیکن عدیم الفرصتی کی وجہ سے جواب نہ دے سکا۔ معاف فرمایئے گا۔ خدا کا شکر ہے کہ زندہ ہوں اور باوجود رعشہ کے قلم چل رہا ہے ۱۹۱۷ء لغایت ۱۹۲۷ء اس مدت میں حسب حکم سرکار عالیہ مرحومہ فرمانروائے بھوپال میں نے تاریخ اسلام کے پانچ حصے لکھے ۔۔۔ عہد جاہلیت عرب تا خلافت فاروق اعظم۔ عہد جاہلیت کی دو جلدیں دیمک کے حملہ سے گم ہو گئیں جس کا انتہائی صدمہ ہے اور دوبارہ لکھنا غیر ممکن ہے۔ اب ریاست اس کو طبع نہیں کرے گی۔ روپیہ کا انتظام ہو گیا تو خود شائع کروں گا۔

البرامکہ بعد نظر ثانی زیر طبع ہے۔ تقریباً تین سو صفحات کا اضافہ ہو کر سات سو صفحات پر کتاب ختم ہوئی ہے اب کتاب مکمل ہو گئی ہے اور صدہا نئے مضامین بڑھ گئے ہیں۔ انشاء اللہ اس ششماہی میں شائع ہو گی کا نپور میں زیر طبع ہے۔

میں فی الحال اعلیٰ حضرت نواب صاحب بھوپال کی سوانح عمری لکھ رہا ہوں۔ از ولادت تا صدارت ۲۶ سال کے واقعات لکھ چکا ہوں۔ اور ایک جلد بانی ریاست بھوپال کی تاریخ مکمل ہو گئی ہے۔ یہ سرکاری پریس میں طبع ہو گی۔

جب تک آپ زندہ ہیں ادبی خدمات انجام دیجئے اور آئندہ نسلوں کے لئے کارنامے چھوڑ جایئے معاف کا دور ختم ہو چکا ہے۔ اس کا چارج تعلیم یافتہ طبقہ کے سپرد فرمایئے۔ کبھی کبھی خیریت سے اطلاع دیا کیجئے۔

۲ مئی ۱۹۲۹ء (مولوی) عبدالرزاق (کانپوری) مصنف البرامکہ و نظام الملک طوسی

مکتوب مولوی عبدالرزاق (۲۶) مکتوب الیہ مولوی محمد الدین زبیری

میرے اور مولانا شبلی کے تعلقات کانفرنس کے پہلے جلسہ منعقدہ ۱۸۸۶ء لکھنؤ سے شروع ہوئے جو کہ تکمیل ندوۃ العلماء کے قیام پر ہوئی مولانا محمد علی جو ناظم اول تھے وہ میرے بھی اُستاد تھے۔ اور انہیں کی وجہ سے مجھے ندوہ میں شرکت کا موقع ملا۔ میں نے "یاد ایام" میں اپنے ان تعلقات کو تفصیل سے لکھا ہے لیکن اس بیان میں زمانہ شباب کی رنگین صحبتوں کو نظر انداز کر دیا ہے کیونکہ مولوی سید سلیمان صاحب ندوی کا بے انتہا اصرار تھا کہ ان واقعات کو نہ لکھا جائے وہ میرا مسودہ دیکھ چکے تھے اور چھاپنے کے لئے بھی لے گئے تھے لیکن نہیں معلوم کیا سبب ہوا کہ مسودہ واپس کر دیا اور اس حصہ کے خارج کر دینے پر زور دیا۔ کوئی شک نہیں کہ مولانا شبلی رنگین مزاج تھے اور رنگین صحبتوں کے شائق ممکن ہے کہ یہ مذاق شاعرانہ طبیعت کا باعث ہوا ہو۔

وہ حادثہ گزندیا کے بعد بھی لکھنؤ میں ایک عقد کرنا چاہتے تھے اور ایک مہذب اور شائستہ بیگم بھی انتخاب ہو چکی تھی مجھ سے جب مشورہ ہوا تو میں نے کہا تیمور کا اقبال گر چکا ہے۔ لکھنؤ کی بیگم سے نکاح کر کے آفت میں پڑ جاؤ گے تجویز عقد سے پہلے یہ بھی ایک شرط تھی کہ جس سے عقد ہو وہ سخن سنج اور خوش مذاق اور شاعر بھی ہو اور حسن صورت اور حسن سیرت بھی ضروری ہے۔ میں نے یہ بھی کہا کہ ایسی عورت آپ کو پسند نہ کرے گی۔ چنانچہ دوسرے ہفتہ میں جب ملاقات ہوئی تو مولانا نے کہا کہ میں نے غور کر کے تمہاری رائے سے اتفاق کر لیا ہے مگر معلوم ہوتا ہے

نزدیک جمع اور تثنیہ کا نون بحالت اضافت وجر باقی رکھنا جائز ہے ---- علامہ فاسی محدث شرح
دلائل میں اس مقام میں مباحث علمیہ کے بعد فرماتے ہیں۔ فان ذھبت الی ان الضمیر منصوب
فی المثنی والمجموع علی حدۃ اثبت النون کما ھنا وان ذھبت الی انہ مخفوض علی حدۃ
حذفتھا انتہی ص۱۴۷

مجریہ و مرسیہ:۔ یہ وہ الفاظ ہیں جو مختلف طور سے پڑھے جاتے ہیں اور سب کے لئے فی الجملہ وجوہات ہیں علامہ
فاسی مطالع المسرات میں فرماتے ہیں۔ والبحار مجریۃ بضم المیم وکسر الراء وتشدید الیاء فی النسخ
السہلیۃ علی نقل بعضہم۔ وظاہر ما عند غیرہ انہ فیہا بضم المیم وکسر الراء وتخفیف الیاء - وفی
بعض النسخ المعتبرۃ بضم المیم وفتح الراء، وفی بعضہا بفتح المیم وکسر الراء وتشدید الیاء۔ ---
پھر سب کی وجوہات بیان کرنے کے بعد تمہاری موجودہ قرأت کے متعلق فرماتے ہیں۔ من اسماء
مفعولٍ مقام مَفعلٍ لمجریۃ المذکور بمعنی مُجراۃ بالالف ص۱۴۹

فَانْزَ سَتْ:۔ باب افعال نے اپنی تعدی کی قسم نہیں کھائی ہے قد افلح وغیرہ کو مدنظر رکھو معہٰذا اکثر
نسخوں میں فَرَسَتْ بحذف الالف ہے اور میں فَرَسَتْ ہی پڑھا کرتا ہوں تم بھی ایسا ہی پڑھو

عَظمتک:۔ تخریجات صحیح ہے اور بالسکون کاتبوں کی تصحیف ہے، پھر اس کی تقلید استخواں فروشی ہے

الاحیاء والاموات:۔ یہاں بھی طباعت کی غلطی ہے صحیح فتحہ ہے۔

اجمعین:۔ بعض نسخوں میں اجمعون ہے۔ علامہ فاسی اجمعین کی وجہیں فرماتے ہیں یحتمل انہ منصوب
علی الحال من اصل او علی التاکید لضمیر مقدر کانہ قال اعنیھم اجمعین او مخفوض
علی الجوار لطاعتک او للتناسب مع اجمعین قبلہ او علی لغۃ من یلتزم فی جمع المذکر السالم
وما حمل علیہ الیاء فی جمیع الاحوال ص۱۸۹ یہ پانچ وجہ علامہ فاسی نے بیان کی ہیں اور مجھے یاد
آتا ہے دسوقی شرح مغنی اللبیب میں بھی یہ بحث ہے، میرے یہاں سے ایک جلد گم ہے اور ایک
مولوی تمنا کے پاس ہے۔

حزب جمعہ والجبال مرساۃ والبحار مجراۃ:۔ یہاں بھی اختلاف قرأت ہے۔ اور وجہ شبہ یوں ہے کہ
ومصدر اس کا ثلاثی و رباعی دونوں ہی ہے۔ قاموس، مختصر صحاح جوہری وصراح ومنتہی الارب
المصباح المنیر سبھی میں رسا یرسو رسوّ بالتشدید یعنی رباعی بھی لکھا ہے۔ اب اختلاف قرأت
سنو مطالع المسرات میں ہے۔
مُرسیۃ بضم المیم وسکون الراء۔ ثم اختلف النسخ المعتمدۃ ففی بعضہا مع فتح السین والف
وفی بعضہا بکسرہا ویاء مفتوحۃ (مُرسِیَۃ) وکلاھما من ارسی الرباعی الا ان مرسیۃ بالیاء
اسم فاعل من رسا اللازم ومُرساۃ بالالف اسم مفعول من ارسی المتعدی ص۱۸۱ اور المعلیۃ

مکتوب مولانا عبدالباری فرنگی محلی | (۲۹) | مکتوب الیہ شاہ حسین میاں پھلواری

بسم اللہ الرحمن الرحیم حامداً و مصلیاً و مسلماً۔

برادرم حسین میاں صاحب دام مجدہٗ

السلام علیکم ۔ ڈاکٹر رائے کی جس تحریر کا آپ نے تذکرہ فرمایا تھا جس اخبار میں وہ شائع ہوئی ہے اگر وہ اخبار موجود ہو تو بھیج دیجئے، اور اگر اخبار نہ ہو تو تاریخ اور نام اخبار سے اطلاع دیجئے ۔ ضرورت ہے، انشاء اللہ بعد عصر حاضر ہوں گا [illegible]

فقیر محمد عبدالباری عفا اللہ عنہ

مکتوب مولانا عبدالباری | (۳۰) | مکتوب الیہ مولانا شوکت علی

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ حامداً مصلیاً و مسلماً ۔

برادرم دام مجدکم السلام علیکم (فرنگی محل، لکھنؤ)

اللہ کے فضل سے سب خیریت ہے ۔ خدا سے امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے ۔ عزیزم عابد سلمہ ماشاء اللہ خوب پڑھ رہے ہیں ۔ پانچ چھ دور میں ختم کریں گے ۔ اس وقت آپ کو یہ خط محض اس ضرورت سے لکھ رہا ہوں کہ مجھے احساس تھا کہ آپ کو آج کل خلافت کمیٹی کے مصارف میں زحمت ہوگی بعض صورتوں سے میں نے کوشش کی کہ کچھ لوگ امداد کردیں اور کام چلے مگر افسوس ہے کہ اس درجہ لوگ اس نام سے بدظن ہو گئے ہیں کہ کسی طرح کامیابی نہ ہوئی ۔

مجھے خیال ہے کہ آپ کو زحمت ہوگی اس لئے میری رائے ہے کہ آپ خدام کعبہ کا روپیہ وصول کرلیں اور اس سے کام چلائیں ۔ میرے نزدیک جس قدر مجلسیں مسلمانوں کی ہیں ان کی روح رواں آپ ہی ہیں، خلافت کمیٹی اور خدام کعبہ جو [illegible] وہ آپ ہی سے عبارت ہے میں نے جو آپ کے نام روپیہ منتقل کردیا تھا اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ضرورت کے وقت آپ وصول کرکے کام چلائیں لہٰذا میری قطعی رائے ہے کہ آپ اس وقت اس روپیہ کو وصول کریں، اگر اس طرح صرف کرنے میں تامل ہو تو بطور قرض سہی جب موقع ہوگا ادا ہو جاوے گا ۔ اور سب خیریت ہے ۔ فقط

جمال میاں سلمہ تسلیم کہتے ہیں ۔

۲۸ راپریل سنہ ۲۵ء

محمد عبدالباری

مکتوب جلیل مانکپوری | (۳۱) | مکتوب الیہ حسرت موہانی

مکرما ۔

میں وطن گیا تھا ۔ واپس آیا تو آپ کا کارڈ پایا ۔ اردوئے معلی کا اشتہار دبدبۂ آصفی کے ایک پرچے میں چھپ چکا ہے دو مرتبہ اور چھپے گا ۔ ۹ ربیع الاول کے پرچے میں یہ لکھا گیا ہے کہ "وہ شخص روک لیا جائے" کی جگہ "اس شخص کو [illegible] لیا جائے ۔ بھی کثرت سے مستعمل ہو رہا ہے ۔ گو یہ قاعدے کے خلاف ہو مگر روزمرہ کو کیا کیجئے ۔ روک لیا جائے مضارع [illegible]

۵ یہ خط زمانہ ترک موالات کا ہے، اور حضرت مولانا شاہ سلیمان پھلواری کے صاحبزادے مولانا شاہ حسین میاں کو لکھا گیا تھا [illegible] تمام لوگ اُس وقت اجمیر شریف میں تھے، اس خط پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے ۔

(۵۸)

(۵۹)

(۷۸)

(۷۹)

(۸۰)

(۳۹)

مکتوب خوشی محمد ناظر — مکتوب الیہ منشی محمد الدین فوق

مکرمی منشی صاحب السلام علیکم۔ ڈپٹی آفیشل از محکمہ گورنری کشمیر (سری نگر)

آپ کشمیر تشریف لائے ہوئے ہیں اور اپنے وطن علاقہ ننگیر میں مقیم ہیں۔ امید ہے آپ سری نگر بھی مزید آئیں گے۔ جب تشریف لائیں تو مجھ سے ضرور ملیں۔ مجھے آپ کی ملاقات سے کمال خوشی ہوگی۔

۲۳ر جولائی ۱۹۱۱ء

خوشی محمد ناظر گورنر کشمیر

(۴۰)

مکتوب غلام احمد مہجور۔ کاشمیری — مکتوب منشی محمد الدین فوق

مخدومی و مکرمی۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

میرے پاس شیخ نور الدین ولیؒ کی سوانح عمری موسومہ "نور الدین نامہ" قلمی موجود ہے جو ۱۲۳۵ھ کی تصنیف ہے۔ اس میں ۱۲۶۷۲ ابیات ہیں۔ اس کتاب کی زیادہ خوبی یہ ہے کہ مصنف نے شیخ صاحب کے اس کشمیری نظم کلام کا ترجمہ بھی کیا ہے اور اس کی شرح بھی لکھی ہے۔ اور فی الحقیقت شرح کے بغیر شیخ کے عارفانہ اور حکیمانہ کلام کو سمجھنے کی آج کل کسی کو اہلیت بھی نہیں ہے۔ شیخ کے شلوک (اشعار) فارسی رسم الخط میں ہیں۔ اور ترجمہ فارسی نظم میں ہے۔ ضمناً مصنف نے تین سو سے زیادہ ابیات میں للہ عارفہ کے حالات زندگی بھی لکھے ہیں۔ اور یہ مضمون بجائے خود ایک چھوٹی سی کتاب ہے۔

"تاریخ ادبیان کشمیر" کے حصہ اول میں ۱۷، حصہ دوم میں ۱۴۰۔ حصہ سوم میں ۳۶۔ کل ۱۹۳ شعراء کے حالات اور ان کا کلام کم و بیش فراہم ہوا ہے۔ ان سب میں ۲۱ شاعر کشمیری پنڈت ہیں۔

بیماری ہیضہ کی شکایت کشمیر میں بدستور ترقی پر ہے۔ خداوند کریم اپنا فضل کرے۔

۲۹ مئی ۱۹۲۵ء

غلام احمد مہجور پٹواری جوالاپورہ بڈگام کشمیر

(۴۱)

مکتوب مہجور کاشمیری — مکتوب الیہ منشی محمد الدین فوق

مخدومی مکرمی جناب فوق صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ شاید آپ کو یاد ہو یا نہ ہو۔ ۷ر اپریل ۱۹۲۸ء کے کشمیری اخبار میں پہرا شریف کے پوسٹ مین کی شکایت چھپی تھی کہ چونکہ وہ اسی قصبہ کا باشندہ ہے اس لئے ڈاک وقت پر نہیں پہنچاتا۔ بلکہ کئی لوگوں کو عدم رسیدگی خطوط کی شکایت ہے۔ افسران ڈاک نے اس پر توجہ کی۔ لیکن پوسٹ مین بہ صرف "قاضی الحاجات" بچ گیا بلکہ اسی حیلہ سے وہ انفرادی شکایتوں کی تحقیقات سے بھی بچ جاتا رہا۔

اب شامت اعمال سے میری ڈاک بھی اسی ڈاک خانہ کی معرفت آتی ہے اور مجھے بھی اس سے وہی شکایات ہیں جو اور لوگوں کو ہیں۔ اخبارات کا تو سخت دشمن ہے ایک دو پیسے لے کر اخبار کسی نہ کسی کو دے دیتا ہے۔ میں نے بھی شکایت کی۔ لیکن اس شیطان سیرت کو ایسے گر یاد ہیں کہ ان کے مقابلہ میں کہ کون سنتا ہے فغان مہجور"۔ ادھر شکایات بے نتیجہ ثابت ہوئیں اور ادھر جو تیر اس نے مارا اور بے نشانہ وہ پھر بھی ایسا نشانہ پر بیٹھا کہ مرغ بے خبر تڑپ اٹھا

آپ نے اس کے سفر پنجاب اور قیام لاہور کے طویل ایام میں جو ہمدردانہ و مشفقانہ سلوک میرے اس عزیز [illegible]
ساتھ کیا ہے اور بہ این پیرانہ سالی میری توقعات سے زیادہ جو تکالیف اس کی آسائش کے لئے برداشت کی ہیں [illegible]
اس کے لئے عزیز مذکور کا بال بال تو مشکور ہی ہے مگر اس سے زیادہ میں خود شکر گزار ہوں اور اس امر کے لئے بارگاہ [illegible]
کا شکر بجا لاتا ہوں کہ دوستانہ تعلقات پیدا کرنے کے سلسلہ میں میری نگاہ انتخاب نے کوئی غلطی نہیں کی تھی [illegible]
کو میں نے اپنے ایام خورد سالی [illegible] میں اپنا رفیق تصور کیا تھا وہ ایک صدی کی تہائی گزرنے پر بھی حقیقی دوست [illegible]
و ہمدرد ثابت ہوا ہے۔

۱۹ مارچ ۱۹۳۷ء — مہجور کاشمیری ڈاکخانہ بڈگام (کشمیر)

مکتوب مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ — (۴۳) ۱؎

بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند۔ بندہ بحمد اللہ تعالیٰ بخیریت ہے۔ مژدۂ عافیت آپ کا باعث مسرت ہوا [illegible]
لڑکی کا مدرسہ ندوہ میں داخل کرنا فقیر کے نزدیک مناسب نہیں ہے۔ آپ ہرگز نہ بھیجیں۔ مقدمہ کی بابت میں دعا کرتا ہوں [illegible]

۲۹ ذی القعدہ ۱۳۱۱ھ — فقط والسلام — بندہ رشید احمد عفی عنہ

مکتوب مولوی بشیر الدین البشیر اٹاوہ — (۴۴) — مکتوب الیہ شاہ سلیمان پھلواری

جناب مولانا صاحب مخدوم و معظم بندہ سلامت،

آپ کے گرامی نامہ اور ہمدردی کا صدق دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور اس بات کا افسوس کہ شکریہ ادا کرنے
میں کسی قدر دیر ہوئی۔ میں پھر کئی سال سے مختلف آزمائشوں میں مبتلا ہوں۔ گھر میں کا انتقال ہوا اور ایک کے بعد
اور دوسری کے بعد تیسری جوان بیاہی لڑکیوں کا حالت دردزہ میں انتقال ہوا۔ بڑا لڑکا بشیر احمد جو پولیس کا کام کرتا
تھا اوس کو تصوف کا شوق ہوا خدا معلوم کہ کوئی عمل خراب ہوا یا مایوسیوں اور ناکامیوں کا اثر ہوا۔ یا بہنوں کی مرگ
کا صدمہ، غرض کہ اس کا دماغ خراب ہوا، جو ہر وقت ایک روحی صدمہ ہے۔ پولیس کا حال خراب ہونے کی وجہ سے
مالی مشکلات ہیں، اب چھوٹے لڑکے نے جس سے بہت سی امیدیں وابستہ تھیں اس حالت میں انتقال کیا۔ بہرحال
خدا کی مصلحتیں خود وہ بہتر جانتا ہے۔ اس کا شکر ہے کہ متواتر صدمات ہیں اس نے مجھے غیر معمولی توفیق صبر عطا
فرمائی، اس کی مرضی پر صابر و شاکر ہوں، دعا فرمایئے کہ خدا سبھوں کے گناہوں کی مغفرت کرے، مدت سے نیاز
نہیں ہوا جس کی تمنا ہے۔ والسلام۔

۱۷ جولائی ۳۲ء — محمد بشیر الدین (اٹاوہ)

مکتوب مولانا عبدالباری آسی لکھنوی — (۴۵) — مکتوب الیہا زاہدہ بیگم

سالی کے نام ایک خط

نیک اطوار زاہدہ بیگم — تم ہمیشہ رہو خوش و خرم

۱؎ بشکریہ ڈاکٹر مختار الدین احمد۔ محفوظہ لٹن لائبریری۔ مکتوب الیہ کا نام معلوم نہ ہو سکا۔

تم ہنسو گی کہ خط یہ کیا تھا	خط جو میں آدھی رات کو لکھا
ہنسنے کی بات کچھ نہیں نہ ہنسو	میں کہوں تم سے ایک بات سنو
ہوتے ہیں شاعر اور سڑی یکساں	ہیں عجب طرح کے یہ سب انساں
ہوتے ہیں سب کے سب یہ دیوانے	ایسے ہی ہیں سب ان کے افسانے
اور اس کے سوا لکھوں اب کیا	صرف باقی ہے ذکر جیکی کا
خط لکھا تھا بنام خاں صاحب	ایک ہفتہ جسے ہوا ہے اب
اُس کا اب تک نہیں جواب آیا	نہیں معلوم اس کا باعث کیا
تھے جو اُس وقت واجب الاتمام	اُس میں لکھے تھے وہ ضروری کام
ایک تکلیف تم کو دیتا ہوں	کام تھوڑا سا تم سے لیتا ہوں
پَوْد اناناس کی مجھے بھیجو	جس طرح بھی ہو اور جیسے ہو

اس سے گو فائدہ ہے مجھ کو کیا
کیا ہے ایک دوست سے وعدا

آسی

(۴۶)

مکتوب عبدالباری آسی

مکرم و محترم۔ السلام علیکم۔

مزاج شریف۔ آپ کا ۲ر فروری ۳۹ء کا لکھا ہوا عنایت نامہ جو آپ نے نگار کے توسط سے بھیجا تھا۔ برسوں ملا۔ اس لئے کہ درمیان میں مولانا نیاز صاحب سے ملاقات ہی نہیں ہوئی۔ میں وہاں پہنچا تو انہوں نے عنایت فرما کر ڈال نامہ دیا۔ جواب میں مضمون مثنویات مصحفی پر نظر ڈالنے اور نقد کا شکریہ امور مستفسرہ کا جواب جو کچھ معلوم ہے وہ عرض ہے۔ (۱) شاہ مبارک آبرو کی مثنوی میری نگاہ سے نہیں گذری ورنہ میں ذکر کرتا آپ نے اس کو ملاحظہ کیا ہے تو اب شوق ہوا کہ دیکھوں (۲) مولوی سید احمد صاحب کا نقادان سخن نے ذکر کیا ہے۔ اور غالباً یہ ذکر شعر الہند میں بھی ہے۔ ان کے تفصیلی حالات معلوم نہیں۔ نہ اپنے مضمون میں اس کاوش کی ضرورت سمجھی بہر حال تلاش میں کامیابی ہوئی تو مطلع کروں گا۔ (۳) مودی خانہ کا تعلق سلیمان شکوہ سے تھا اور میں نے بھی یہی لکھا تھا۔ نہ معلوم کیوں تحریف ہوئی۔ (۴) مودی خانے کی مثنوی میں ۵۲ شعر ہیں نگار میں ایک شعر درج ہونے سے رہ گیا۔ یہ چوتھا شعر ہے سے ہے کسی کے ہاتھ میں اک بادیا ئوگھی کی خاطر کوئی لائی دیگچا۔ (۵) یہ مثنوی نسخہ ندوہ سے ماخوذ ہے میرے نسخے میں نہیں۔ (۶) دیوان پنجم کہیں میری نگاہ سے ضرور گذرا ہے مگر غالباً اس میں مثنویاں نہیں تھیں۔ مگر چونکہ عام طور سے ہر جگہ دواوین کی ترتیب بدلی ہوئی ہے اس لئے مجھے اس تحقیق پر وثوق نہیں (۷) میرے پاس اور کوئی مثنوی نہیں ہے البتہ مولانا عبدالحق صاحب نے ایک مرتبہ اپنے ایک عنایت نامے میں مجھے لکھا تھا کہ (میرے پاس بھی ان کی بہت سی مثنویاں ہیں) آپ میرے حوالے سے یا از خود مولانا کو اس پتہ سے خط تحریر فرما کر دریافت فرما سکتے ہیں۔ ڈاکٹر مولانا

عبدالحق صاحب سیکرٹری انجمن ترقی ہند ۲۴۔ ایونیو ہارڈنگ نئی دہلی یہیں سے دوسری مثنویوں مرغ نامے وغیرہ کا پتہ چل سکے گا۔ (۸) میرے دیوان دوم میں علاوہ موری خانہ اور سب مثنویاں موجود ہیں۔ آپ مقابلہ کی جو صورت بہتر ہو تجویز فرمائیں۔ (۹) میرے پاس ایک اور دیوان مصحفی قلمی ہے جو لکھنؤ کا لکھا ہوا ہے اور ۶۲ سال کی عمر کا ہے۔ لیکن ناتمام ہے اس لئے نہیں معلوم ہو سکا کہ کونسا دیوان ہے اتنا معلوم ہے کہ مصحفی کی سنگلاخ زمینوں کی تمام غزلیں اسی میں ہیں۔ امید ہے کہ مزاج بخیریت ہوگا۔ جو خدمات میرے قابل ہوں میں آپ سے ضرور بجالاؤں گا۔

۱۰ ار اپریل ۳۹ء — نولکشور بکڈپو۔ لکھنؤ — عبدالباری آسی

مکتوب مولانا آزاد سبحانی — (۴۷) ✻ — مکتوب الیہ شاہ سلیمان پھلواری

مخدوم و مکرم حضرت قبلہ جناب شاہ سلیمان صاحب مدظلہم العالی۔

سلام مسنون۔ شاید حضرت کو معلوم ہو کہ آج کل ایک نئی تجویز طبقۂ علماء میں گشت لگا رہی ہے اور اس کی تکمیل کا پختہ عزم ان میں نظر آ رہا ہے، یہ "شیخ الاسلام فی الہند" کی تجویز ہے، اس کی قریب العہد تاریخ یہ ہے کہ فرنگی محل کے جلسۂ علماء میں بصورت تجویز پیش ہوئی، وہاں کثرت آراء اس کی تائید میں تھی۔ لیکن بعض مصلحتوں کی بناء پر واپس لے لی گئی اس کے متصل ہی کچھ دن بعد علماء دیوبند کی جماعت کی طرف سے، جناب وزیر ہند کی خدمت میں بصورت مطالبہ پیش کی گئی۔ اس کے بعد جماعت علماء میں فرداً فرداً حصول تائید کے لئے وہ پیش کی جا رہی ہے اور جس قدر تائیدیں حاصل ہوتی جاتی ہیں بعض اخباروں میں شائع ہوتی جاتی ہیں۔ انجمن علماء بہار کی تقریب پر بھی وہ، جماعت علماء میں پیش کی گئی اور تائیدوں کا ایک بڑا حصہ حاصل کیا گیا۔

حضرت قبلہ ایک مشہور عالم، اور صائب الرّائے و مقدس مقتدائے قوم ہیں، ضرورت ہے کہ اس اہم مسئلہ میں حضرت قبلہ کی بھی رائے زرّیں دریافت کی جائے اور اس سے نفع اٹھانے کی کوشش کی جائے۔

اس حقیر استفسار کے جواب باصواب کا انتظار ہے، امید ہے کہ خدمت اقدس سے محرومی نہ ہوگی۔ اور جلد سے جلد رائے اقدس سے اطلاع حاصل ہوگی۔

خادم آزاد سبحانی جامعہ الہیہ کانپور

مکتوب پنڈت شیو نرائن شمیم — (۴۸) — مکتوب الیہ منشی محمد الدین فوق

ڈیر فوق۔ تسلیم

آپ کی نظم میں نے بڑے شوق سے پڑھی۔ آپ کی کوئی نظم ہو وہ کشمیر کا ذکر کئے بغیر مکمل نہیں سمجھی جا سکتی۔ یہی حال میری طبیعت کا ہے۔ ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو کو الہ آباد میں آپ کے اخبار کی خریداری کے لئے لکھ رہا ہوں۔ وہ ملنے کے لائق شخص ہیں۔ شاید عنقریب وہ لاہور میں اپنی صاحبزادی کو ملنے آئیں گے۔ ان کا تعارف آپ سے کراؤں گا آپ مل کر محظوظ ہوں گے۔ کسی دن تشریف تو لائیے۔ (رائے بہادر پنڈت) شیو نرائن شمیم ایڈووکیٹ ۹ مارچ ۱۹۳۴ء

✻ یہ خط اس زمانے کا ہے جب ہندوستان میں "شیخ الاسلام فی الہند" کا منصب وضع کرنے کی تحریک علماء نے چلائی تھی۔

(۵۰)

(۵۱)

سمجھئے مذہب گیا۔ آج نہیں تو کل۔ یہ آثار ہندوستان کے لئے اچھے نہیں ہیں۔ دیکھئے گاندھی جی کا برت ان کی موت کا باعث ہوتا ہے یا معاملہ رُو بہ اصلاح ہوتا ہے۔ "ہم اُلٹے بات اُلٹی یار اُلٹا" کا معاملہ ہو رہا ہے۔

۲۵ ستمبر ۱۹۳۲ء — شیو نرائن شمیم۔ (کوہ کسولی)

مکتوب میرزا ثاقب لکھنوی (۵۱) مکتوب الیہ طاہر فاروقی
پروفیسر اسلامیہ کالج لائل پور

ذو المناقب دامت معالیکم

بعد تحیات زاکیات آنکہ عنایت نامہ باعث امتنان ہوا۔ حیران ہوں کہ جناب کے اس محبت آمیز عنایت نامہ کا کیا جواب لکھوں اور کس صورت سے آپ کے دل پُر نور کو اپنی سقیم حالت کا آئینہ دار بناؤں۔ میں اپنی خرابی صحت کے باعث تقریباً بارہ سال سے مشاعروں کی شرکت یک قلم ترک کر چکا ہوں اس قابل نہیں ہوں کہ بزم مشاعرہ میں رات بھر جاگ سکوں یا دو چار گھنٹے بیٹھ سکوں۔ دماغ کے از کار رفتہ ہو جانے سے شعر کہنے پر بھی قادر نہیں رہا۔ غزل سرائی کی طاقت بھی لکھنے میں باقی نہیں رہی۔ ستر برس کا بوڑھا ہو گیا ہوں۔ دانت بھی ٹوٹ گئے ہیں، بینائی میں بھی فرق پیدا ہو گیا ہے۔

سوائے رحمت رب کچھ نہیں ہے — بہت کچھ تھا مگر اب کچھ نہیں ہے

مزید برآں موسم میرے لئے سخت اذیت دہ ہوا کرتا ہے بالخصوص دسمبر اور جنوری کے مہینوں میں تو بیرون خانہ یعنی گھر کی چار دیواری کے اندر بھی پانچ بجے شام سے صبح کے ۹ بجے تک خوابگاہ سے باہر قدم نکالنا میرے لئے سخت مصیبت کا باعث ہوتا ہے فوراً تحریک نوازل میں مبتلا ہو جاتا ہوں۔ اس صورت میں جو اجمالاً عرض کیا گیا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں کر امتثال امر بجالاؤں اور کن الفاظ میں اپنی معذوری اور مجبوری کا اظہار کروں۔ ہاں اگر فروری یا مارچ کا زمانہ ہوتا تو میں ضرور سر آنکھوں سے جناب کا ارشاد بجا لاتا۔ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ ماہ دسمبر اور ماہ جنوری میں، میں قطعاً سفر کے قابل نہیں ہوتا اور نہ شب کے اوقات میں گھر سے باہر نکل سکتا ہوں۔ آپ کے اخلاق کریمانہ سے امید واثق ہے کہ اس عذر معقول کو قبول فرما کر جناب مجھ کو شکر گزاری کا موقع دیں گے اس سے زیادہ بجز شوق قدم بوسی اور اظہار نیاز کیا عرض کروں۔ والسلام

۹ ماہ نومبر ۱۹۳۲ء — لکھنؤ کربلا حیدر حسین خاں — نیاز کیش میرزا ثاقب

مکتوب میرزا ثاقب لکھنوی (۵۲) مکتوب الیہ طاہر فاروقی

ذو المجد والکرم دامت معالیکم۔ عید مبارک

بعد تحیات زاکیات آنکہ صحیفۂ گرامی باعث امتنان ہوا۔ ماہ جنوری میں میرا شریک مشاعرہ ہونا بالیقین محال ہے۔ ہاں آخر ماہ فروری یا ابتدائے ماہ مارچ میں اگر موقع ملا تو بلا طلب حاضر خدمت ہونے کی کوشش کروں گا اور اپنی یاوہ گوئی سے آپ کی اور آپ کے احباب خاص کی سامعہ خراشی کروں گا۔ یہ صحبت مختصر اُس مشاعرے سے جس کے لئے آپ مجھے ماہ جنوری میں بلانا چاہتے ہیں کہیں زیادہ اچھی ہو گی۔ یقین ہے کہ مزاج مبارک ہمقرین صحت

(۲۵)

(۳۵)

اس شاعری کی سرداری اور اس کی حمایت اس زور سے کی جس کا وہ واقعی مستحق تھا۔ مغرب کے نقادوں نے اس کی تعریف کے ڈھیر لگا دیئے۔ کاول نے اسے "ہندوستان کا دولہا" لکھا۔ اور شاعر گیٹے کالیداس کی مشہور تصنیف شکنتلا کی تعریف میں کہتا ہے۔

"آسمان و زمین دونوں ایک ہی نام میں شامل ہو جائیں تو پھر اے شکنتلا میں تیرا نام لوں گا اور جو کچھ کہنا تھا وہ ختم ہو جاتا ہے۔"

سر ولیم جونز نے کالیداس کو "ہندوستان کا شیکسپیئر" لکھا۔ لیکن آج کل کے نقاد اس سے بھی آگے بڑھ جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اگر شیکسپیئر تخیل کی قوت میں بڑھا ہوا ہے یعنی انسانی خصائص کے بیان میں بڑھا ہوا ہے تو کالیداس ترکیب کلام میں اور اس فن میں کہ انسانیت کی خصوصیات کیا ہونی چاہئیں بڑھا ہوا ہے۔ شیکسپیئر انسان کے خصائص کو بیان کرتا ہے اور کالیداس کا مقصد کمال کو پہنچنا ہے۔ شیکسپیئر کی شاعری اس دنیا کی دنیوی زندگی سے آگے نہیں بڑھتی۔ لیکن کالیداس کے شاعرانہ خیالات زیادہ بلندی تک پرواز کرتے ہیں یعنی روحانی عالم میں پہنچا دیتے ہیں۔ اس طرح کالیداس دنیا کے شاعروں میں سب سے بڑھ جاتا ہے۔

جب زمانۂ حال کے بہترین نقادوں نے کالیداس کی اتنی تعریفیں کی ہیں اور اس کو اتنا سراہا ہے تو ضروری ہے کہ ہم دریافت کریں کہ دنیا کے کس زمانہ میں شاعری کا یہ چمکتا ہوا ستارہ ہندوستان کے آسمان پر اور ملک کا وہ کون سا حصہ ہے جو اس کی جائے ولادت تھا۔

پس اس غرض سے کہ ہم اس شاعر کی پوری قدر کر سکیں اس زمانہ کے معلوم کرنے کی ضرورت ہے جبکہ وہ ملک میں رہتا تھا اور جہاں وہ پیدا ہوا تھا۔ چنانچہ اس مضمون میں ہم کالیداس کے مولد یا جنم بھوم کی نسبت تحقیق کریں گے۔

کالیداس کے مولد کا تحقیق کرنا آسان بات نہیں ہے۔ شاعر نے خود اپنے کلام میں اپنا تذکرہ نہیں کیا۔ اس کی طبیعت شرمیلی تھی۔ دیگر شعراء کی طرح اس نے فخر کے ساتھ اپنا شجرۂ نسب سامعین کے سامنے پیش نہیں کیا۔ ستاروں کی طرح وہ چمکتا رہا۔ مگر خود اپنا کوئی ذکر نہیں کیا۔ اس کی تصانیف کو پڑھ کر پتہ لگانا آسان نہیں کہ وہ ملک کے کس حصہ کا باشندہ تھا۔ یا یہ کہ وہ کہاں پیدا ہوا تھا اور کہاں اس نے اپنی زندگی کا زیادہ حصہ گزارا۔ کالیداس ہندوستان کا قومی شاعر تھا۔ اور وہ ہمیشہ ہندوستانی قوم کی شان و شوکت کے گیت گاتا رہا۔ وہ ہندوستان کے باشندوں کا سب سے زیادہ عزیز شاعر ہے۔ ہندوستان کی تہذیب کا اس نے نہایت عمدہ نقشہ ہمارے سامنے کھینچا ہے۔ طبیعت کے اعتبار سے وہ اول و آخر ہندوستانی تھا۔ اس کی حب الوطنی تنگ و محدود نہ تھی۔ اس حب الوطنی میں عالمگیر انسانی ہمدردی کا جوش موجود تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کالیداس نے اپنے مولد کی بحث نہیں کی۔ یہ مشکل اس طرح رفع ہو سکتی ہے کہ ہم کالیداس کے کلام کا نہایت استقلال کے ساتھ اور کثرت سے مطالعہ کریں۔ ہم اس قدر تاریکی میں ہیں کہ نہ ہم کو اس کی پیدائش کا زمانہ معلوم ہے۔ نہ پیدائش کا مقام۔ نہ صرف یہ بلکہ ہم اس پیغام سے بھی آشنا نہیں جو یہ شاعر اعظم ہمارے لئے لایا تھا۔

تو اس صورت میں ملک کا کوئی حصہ مثلاً اجودھیا، متھرا، وندھیا دیس - مدراس - برار - بہار اور بنگال جن کے حالات کم و بیش تفصیل سے کالیداس نے اپنی تصنیفات میں تحریر کئے ہیں۔ یہ سب اُس کا مولد اور وطن ہو سکتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ بدمانی کے ایک مضمون نگار نے یہ سوال اُٹھایا ہے کہ کیا کالیداس بنگالی نہ تھے؟ کالیداس کی نسبت یہ غلط فہمی اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ کالیداس نے جیسری میں اپنا سال اشدھ کے مہینے سے شروع کیا ہے۔ اس نامہ نگار نے یقین کر لیا ہے کہ بنگال کی تقویم اسی ماہ اشدھ سے کچھ زمانہ ہوا شروع ہوا کرتی تھی لیکن اس کی وجہ کہ کالیداس نے اپنا ناٹک میگھ دوتا کیونکر اشدھ مہینے کی پہلی تاریخ سے شروع کیا۔ ملی ناتھ نے بخوبی بیان کر دی ہیں جو لوگ چاہتے ہیں کہ کالیداس انہی تاریخوں میں ان ... زیادہ صحت سے کام لیتا۔ وہ اس خیال سے اپنا اطمینان کر لیتے ہیں کہ کالیداس نے کم سے کم گیارہ دن بادل کے گذرنے کے ہیں کہ وہ ہمالیہ تک یعنی رام گری کی پہاڑیوں سے بالکل شمال میں پہنچ جائے چنانچہ جب بادل یکشا کی بیوی سے اشدھ کی گیارھویں کو ملاقات کرتا ہے تو اشدھ کی اکادشی سے کریتک کی اکادشی تک پورے چار مہینے ہو جاتے ہیں اور یہی زمانہ ہے جس میں یکشا نے دعا مانگی ہے کہ اُس کی بیوی خوش رہے اور شوہر کی عدم موجودگی کا خیال نہ کرے۔ علاوہ اس کے نامہ نگار یہ بات بھول گیا کہ ریتو سمہار جیٹھ کے مہینے سے شروع ہوتا ہے نہ کہ اشدھ کے مہینے سے۔

جو لوگ بنگال کو کالیداس کا مولد بتاتے ہیں وہ گرم جوشی سے کام لے کر یہ لکھتے ہیں کہ کالیداس بنگال سے باہر کہیں کا باشندہ نہ تھا۔ کیونکہ اُس نے املی کے درخت کا حال لکھا ہے جو بنگال کا درخت ہے۔ اس خیال کی بنا پر ایک کشمیری کو کشمیری نہیں کہہ سکتے اگر اُس نے اپنی تصانیف میں کہیں نمک کا ذکر کر دیا ہے۔ کیونکہ نمک کشمیر کی پیداوار نہیں ہے اور اسی طرح ایک بنگالی بنگالی نہیں رہ سکتا اگر اُس نے اپنی تصانیف میں کہیں زعفران کا ذکر کر دیا ہے۔ جو خاص کر صرف کشمیر کی پیداوار ہے۔ سچ یہ ہے کہ جو تعدد سے قلیل وجوہ کالیداس بنگال کا باشندہ ہونے کی پیش کر سکتا ہے وہ اس سے زیادہ نہیں کہ وہ بنگال میں گیا تھا۔ چاول جو خصوصیت کے ساتھ بنگال میں پیدا ہوتا ہے۔ اُس کا ذکر کالیداس نے کیا ہے کیونکہ وہ خود ایک ایسے ملک میں پیدا ہوا تھا جو علاوہ بنگال کے چاول پیدا کرنے والا ملک تھا۔ علاوہ اس کے بنگال کے پنڈتوں میں یہ روایت چلی آتی ہے کہ جب کالیداس بنگال میں آیا ہے تو سرسوتی اُس کے استقبال کے لئے گئی تھی۔ اس واقعہ سے تائید نہیں ہوتی کہ کالیداس کا مولد بنگال تھا۔

مکتوب مولوی نورالحسن نیر (۵۷) مکتوب الیہ سید مسعود حسن رضوی ادیب

سراپا لطف و کرم زاد لطفہٗ۔

تسلیم۔ عنایت نامہ صادر ہوا۔ آپ کی ہمدردی کا شکریہ زبانِ قلم سے ادا نہیں ہو سکتا۔

مجھ کو آپ کی رائے سے بالکل اتفاق ہے۔ صرف یہ انتظار ہے کہ ابھی تک صرف ب و پ دو حرف لکھے گئے ہیں۔ تین چار حرف اور مرتب ہو جائیں تو لغت کے اجزا نصف صفحوں پر چھپوا کر ہندوستان کے اُن اہل علم کی خدمت میں روانہ کر دوں جو علاوہ زبان دان ہونے کے لغت کا مذاق رکھتے ہوں۔ اور اُن کی رائیں لینے کے بعد لغت میں جہاں

(۶۵)

(۷۵)

(۶۰)

مکتوب مولانا حمید الدین فراہی مرحوم

مخدومی و مکرمی زاد لطفہٗ

تسلیم۔ آپ کے خط کی تعمیل کچھ کچھ کر رہا تھا کہ بیمار ہو گیا اور سخت بخار اور درد سر اور زکام میں مبتلا [illegible] ہفتہ ہو گئے اور ہنوز طاقت نہ آئی اور ابھی کبھی درد سر عود کرتا ہے۔ خیال تھا کہ عید اضحیٰ کی تعطیل میں اس کا کام سرانجام ہو جائے گا۔ مگر تعطیل تمام بیماری کی نذر ہو گئی اور اب بھی بے کار ہوں۔

کتاب کے مقدمہ میں تفاسیر اور فقہ میں پوری توضیح موجود ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہاتھ اور چہرہ کھلا رکھنا [illegible] [illegible] نظم قرآن پر توجہ نہ کرنے سے یہ غلط فہمی پیدا ہوئی ہے۔ ایسی قدیم غلطیوں کا کیا علاج کیا جائے۔ کون [illegible] ہے [illegible] اور پھر وہ بھی زمانی میری۔ فقہا اور مفسرین کا گروہ ہم زبان ہے مگر صحابہ اور تابعین زیادہ واقف تھے [illegible] متشابہ سمجھا ہے مگر متاخرین حضرات نے ان کا کلام بھی نہیں سمجھا۔ بہر حال الحق احق بان یتبع میں [illegible] [illegible] ہوں اور میرے نزدیک اجنبی سے پورا پردہ کرنا واجب ہے۔ اور قرآن نے بھی حجاب واجب کیا ہے [illegible] مروج ہے بلکہ اس سے قدرے زائد۔

ذرا مجھے طاقت آئے تو مفصل مضمون آپ کی خدمت میں بھیجوں والسلام

۱۱ اکتوبر ۱۹۱۵ء

حمید الدین

مکتوب الیہ ڈاکٹر غلام یزدانی

(۶۱)

مکتوب میر ناصر علی دہلی

جناب بندہ۔

نوازش نامہ اور نوازش نامہ کے ساتھ مذاکرۂ علمیہ کی روئداد پہنچی۔ دونوں سے جی بہت خوش ہوا۔ [illegible] یہاں [illegible] اردو کی تعریف کی۔ میں آپ کی تحریر اور دور کی تعریف کرتا ہوں کہ آپ کی ادائے بیان مجھے زیادہ پسند ہے [illegible] میں نے ہی نکالا [illegible] اس کا ذکر میں صلائے عام میں کر دوں گا۔ آپ کی تحریر کی نسبت بھی میں کچھ لکھوں گا۔ مجھے [illegible] شکایت ہے کہ اب میری زندگی کے دن تھوڑے رہ گئے [illegible] بے کار سا ہو گیا۔ اس وقت کے نوجوان آپ جیسے [illegible] کی طرف توجہ کریں۔

۵ مئی ۱۹۲۶ء

نیاز مند ناصر علی

مکتوب الیہ ڈاکٹر غلام یزدانی

(۶۲)

مکتوب میر ناصر علی دہلی

جناب بندہ۔

آپ کی اسپیچ پہنچی۔ اسپیچ بہت پاکیزہ ہے۔ میں نے جی لگا کر پڑھی۔ بہت لطف آیا۔ علماء ولایت کے علم میں محویت کی مثالیں آپ نے بہت عمدہ دیں۔ مسٹر براؤن صاحب کا شاعری کی سفارش میں یہ لکھنا کہ اس کو [illegible] چھوڑ دو ورنہ یہ سمجھ لو کہ براؤن کا بیٹا سزا پا گیا۔ خوب لکھا۔ ہندوستان میں بھی علم میں محو ہونے کی مثالیں آگے [illegible]

؎ عطیہ ڈاکٹر مختار الدین احمد علی گڑھ۔

یا علم ارشاطیقی کا کوئی رسالہ دستیاب ہو تو مرحمت فرمایئے گا۔ زیادہ اس وقت کوئی حال قابلِ گزارش نہ تھا۔ ہذا
مکالمے کا باب بالفعل بند کیا۔ بارِ زندہ انشاء اللہ وصحت باقی۔ زیادہ شوق۔ فقط

محررہ ہادی بقلمہ

مکتوب سید بے نظیر شاہ وارثی (۶۵) مکتوب الیہ مرامین جنگ بہادر

بملاحظہ عالی جناب نواب امین جنگ امین الدولہ امین الملک والسلطنتہ دامت برکاتہٗ
چیف سیکرٹری دربارِ ابد قرار دولت آصفیہ حفظہا اللہ عن شر النوائب۔

السلام علیکم و قلبی لدیکم۔ کانپور کے واقعات جان خراش یعنی مسلمانوں کا ایک منظم گروہ کے ہاتھوں بے
بیدردی سے قصداً قتل کیا جانا اور ان کی مستورات کی چھاتیاں اور ناک کان ہاتھ پاؤں کاٹ کر ہلاک کیا جانا اور ان کے معصوم
بچوں کا ان کے سامنے ٹانگیں چیر کر پھینک دیا جانا ان پر پانی اور بازار کا سب سامان بند کر دیا جانا تو آپ نے صرف اخبار
میں پڑھا ہوگا۔ باوجود گورنمنٹ کی فوج اور مسلح پولس کی موجودگی کے حکام وقت کا کسی مسلمان کی فریاد پر کان نہ دھرنا
اور کم سے کم پانچ اور چھ ہزار کے درمیان نفوس کا پامال ہو جانا واقعات کربلا کی بہیمیت سے زیادہ درد انگیز تھا۔ جو
مسلمان یہاں موجود نہیں وہ اس ہولناک منظر کا جو چار پانچ روز برابر قائم رہا پورا تصور نہیں کر سکتے۔ فرضی امن قائم کر دیا
گیا ہے مگر ہر طرف دیہاتوں میں جہاں مسلمان معدودے چند آباد ہیں یہی حشر ہو رہا ہے۔

ان سب کا اصلی سبب مسلمان کا منظم نہ ہونا اور ایک مرکز پر نہ جمع ہونا ہے۔ جس کا سبب علماء کا اختلاف
آرا اور مشیخت مآبی اور اپنی دنیا طلبی کے لئے الگ الگ ٹکڑیوں کا قائم رکھنا ہے۔ رہ گئے عام فقرا باستثنائے چند
خواص انہیں اپنے مریدوں کی تعداد بڑھانے اور نذر و نیاز اور عرسوں کے بہانے چندے وصول کرنے سے فرصت
...... اس لئے ہمیں ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو قوم کا من حیث القوم دلدادہ ہو اس کو شیعہ سنی وغیرہ کے
اختلاف سے کچھ واسطہ نہ ہو اور باوجود قابلیت تامہ الیسی وجاہت ظاہری بھی رکھتا ہو جو گورنمنٹ کے اعلیٰ عہدہ
داروں مثل وائسرائے و گورنرز وغیرہ کی نگاہ میں باوقعت ہو اور ہر موقع پر گورنمنٹ اور نیز مخالفوں کو کما حقہٗ جواب
دے سکے۔

ہمارے کالج اور یونیورسٹی سے اس وقت تک کم سے کم پچیس ہزار ایسے تعلیم یافتہ نکل چکے ہیں جو ہر
موقع و محل کے مصالح کو بخوبی سمجھ کر قوم کا نظام اپنی اپنی جگہ پر حلقہ وار ایک ہی اصول پر قائم کر سکتے ہیں اور اس
کے لئے ضروری ہے کہ اس کا محرک اور عامل خود صدر دار العلوم یعنی وائس چانسلر ہو جو ساری جماعت کو ایک نقطہ
پر جمع کر کے اس تنظیم کا رکن بنا دے اور مخالفوں کے ہندو راج کے منصوبوں کو خاک میں ملا دے اور خوش قسمتی سے
اس وقت ایسا ہی وائس چانسلر یہاں موجود ہے جو دولت آصفیہ کا بھی نمک خوار قدیم اور خادم خاص ہے۔ اس
بات پر خدا شاہد ہے وکفیٰ باللہ شہیدا کہ بجز میرے نفس کے یا آپ کی نگاہوں کے جو اس تحریر کو پڑھ رہی ہیں دوسرا

ا؎ سرامین جنگ حضور نظام کے پرائیویٹ سیکرٹری اور بعد میں وزیر عدالت وغیرہ تھے۔

کوئی محرم نہیں اور میں جو کچھ لکھ رہا ہوں وہ خالصتاً لوجہ اللہ خدا کو گواہ کر کے لکھ رہا ہوں۔ کہ ہمارے قلوب ماتم کدے ہو رہے ہیں۔ لہٰذا للہ ہمارے آقائے ولی نعمت کی خدمت میں یہ ہماری درخواست پہنچا دیجئے۔ کہ بفرمان و آتینہ الحکمۃ والنبوۃ۔ نعمت نبوت پر نعمت حکومت مقدم رکھی گئی ہے اس کے بغیر سعی کامیاب مشکل سے ہوتی ہے۔ یہ امر بعید ہے کہ مسٹر سید راس مسعود یونیورسٹی سے پندرہ سو ماہوار الاؤنس لیتے ہیں بغیر اس کے ترک کے قوم پر پورا اثر نہیں پڑ سکتا اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ حضور اقدس اپنے بیت المال اسلامی سے کوئی حیدر پرورش یا خوشنودی لگا کر ان کے دو ہزار روپیہ منصب مقرر کر دیں اور وہ بہ اطمینان قلب اس رقم سے اپنا سفر خرچ و دیگر مصارف پورا کرتے رہیں۔ اور تمام کالج کے اولڈ بائز اور جملہ اکابر قوم سے مل کر ایک مستحکم تنظیم قومی قائم رکھیں تاکہ آئندہ آفات سے بچنے کا سہارا ہو اور مسلمان تباہی سے بچیں۔ فقط والسلام

۳۰ مئی ۱۹۳۰ء علیگڈھ

سید بے نظیر شاہ

مکتوب سید بے نظیر شاہ وارثی (۶۶) مکتوب الیہ سر راس مسعود (نواب مسعود جنگ بہادر)

مخدوم و مطاع مخلصان۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

عرصے سے میں علیل ہوں۔ اختلاف آب و ہوا کا بفضلہ اب اثر زائل ہو رہا ہے۔ دو چپاتیاں صبح کو اور دو شام کو کھا لیتا ہوں۔ امور مذہبی سے اطلاع پر اطلاع آ رہی ہے کہ آپ فوراً یہاں آیئے ورنہ آپ کا وظیفہ بند۔ وظیفے کے بند اور نہ بند ہونے کی تو کوئی بات نہیں۔ کیا یوں وہ بلاتے اور میں وہاں نہ جاتا۔ مدینے شریف کا بہر حینے قصد تھا اور بشرط صحت اب بھی ہے۔ کیونکہ صحت تمام عبادات پر مقدم ہے۔ جب میرا ضعف اس سفر کا مانع ہو رہا ہے تو اور سفر دور دراز کیا ہو سکے۔ بہر حال میں مخلص دعا گو ہوں اور انشاء اللہ تعالیٰ رہوں گا۔ مخدومی پروفیسر برنی[1] کا خط آیا ہے مثنوی الکلام جو ان سے عاریتاً لے کر میں نے آنجناب کی خدمت مبارک میں پیش کی تھی وہ ان کو واپس شاید نہیں ملی۔

میں نے مسودہ غزلیات آپ کی کتاب کی صحت کے لئے مولوی عظمت اللہ خان صاحب[2] مددگار کو خود دے دیا تھا کہ اس کتاب مذکور کو ملا کر میرے پاس بھیج دیجئے گا۔ مگر جب تعطیل کلاں میں پہنچے وہاں گئے تو معلوم ہوا کہ جناب مولوی محی الدین صاحب کے پاس اصل اور مسودہ دونوں ہیں۔ وہ دورے سے واپس نہیں آئے تھے کہ مجھے میری عیادت کو بمبئی چلے آئے۔ اور پھر کالج آ گئے۔ وہ مسودہ بھی بذریعہ بک پوسٹ رجسٹرڈ مجھے ارسال فرمایئے۔ کہ بفضلہ تعالیٰ بقیہ ردیفیں پوری کر کے دیوان مرتب کر دوں۔ جملہ احباب کو سلام مسنون۔

۱۵ ربیع ۲۳ء

سید بے نظیر شاہ
مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

[1] محمد الیاس برنی سابق پروفیسر معاشیات و رجسٹرار جامعہ عثمانیہ جنہوں نے قادیانی مذہب پر بھی ۔۔۔ مدد کتب بھی شائع کی ہیں۔
[2] عظمت اللہ خاں مرحوم محکمہ نظامت تعلیمات کے مددگار اور جدید طرز کی اردو شاعری کے بانیوں میں سے تھے۔

مکتوب شفق عمادپوری | (۶۷) | مکتوب الیہ کیفی بریاروی

نہ دل نزدیک از نظر دور۔ معزز کرم فرمائے شفقی مہجور۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ پرتاب گڈھ کے مشاعرے میں تشریف لانے کی تقریب اور عزیزی [illegible] سے ملاقات سے جناب کا نشان قیام معلوم ہوا۔ امید ہے گاہے ماہے دو کلمۂ خیریت سے مطلع فرمایا کریں۔

آپ نے رباعیوں کے بیاض والے مجموعے پر جو مقدمہ لکھا تھا وہ ساتھ اس کے طبع ہوگا۔ جب کہ رباعیات زیر طبع ہیں۔ حوادث زمانہ سے موقع نہیں ملتا کہ دیوان طبع ہو لیکن چار مہینے کے بعد ممکن ہے خداوند کریم کوئی راہ نکال دے۔ اس کا مقدمہ بھی خدا رکھے [illegible] تو آپ ہی کو لکھنا ہوگا۔

علی گڈھ میں آپ کیوں ہیں؟ کب تک وہاں قیام رہے گا۔ میں تو علی گڈھ آتا اگر کوئی موقع ایسا نکلتا اور مشتاق رہ کر ذرا وہاں کی تعلیمی و ادبی صورت حال کو دیکھتا لیکن کل امر مرہون بہ وقت تھا۔ میں یہاں فقط دو یا تین دن اور کم سے کم ایک مہینے کے لئے ضلع گیا جا رہا ہوں۔ نیاز نامہ کا جواب وہیں عنایت ہو۔

سیرۃ الاسلامیہ کا قصیدہ لامیہ بطور تحفہ ربیع الاوّل ارسال ہے۔ اگر وہاں ضرورت دیکھیں تو اور کاپیاں وہیں سے بھیج دوں۔ جہاں جا رہا ہوں وہیں زیادہ تعداد میں نسخے پڑے ہوئے ہیں۔ مرقع حامزہ مثنوی تو چھپ گئی تھی۔ آپ تک پہنچی یا نہیں یہ بھی معلوم نہیں ان کی کاپیاں زیادہ یہیں پڑی ہوئی ہیں۔ لکھئے تو اس کی بھی ایک کاپی اور اشتہارات تصانیف مطبوعہ بھی آئندہ بھیجوں۔ پہلے یہ معلوم ہو لے کہ آپ کا قیام وہاں کب تک رہے گا؟

۸ جولائی ۱۹۳۹ء محلہ کٹرہ الہ آباد

زیادہ نیاز شفق عمادپوری

نشان جواب آخر اپریل تک یہ ہے حسن مرتضیٰ شفق۔ حاجی پور۔ رفیع گنج۔ ضلع گیا۔

مکتوب ڈاکٹر ضیاءالدین | (۶۸) | مکتوب الیہ مولوی محمود [illegible]

مخدوم مکرم۔

چند خطوط کتاب کے بارے آپ کی خدمت میں بھیج چکا ہوں۔ جواب نہیں آیا۔ یہ بھی نہیں معلوم ہے کہ آپ اُسے ترجمہ کریں گے یا نہیں اور کب تک امید ہے اور ترجمہ کے بعد آیا آپ [illegible] یا کانفرنس کے ذمہ کی جاوے آپ کے جواب کا انتظار ہے۔ کانفرنس اس کتاب کو اپنے خرچ سے طبع کرانے کے لئے اور ترجمہ کرانے کے لئے تیار ہے۔

۹ مئی ۲۹ء

نیازمند ضیاءالدین احمد

مکتوب ڈاکٹر ضیاءالدین | (۶۹) | مکتوب الیہ مولوی بشیرالدین مرحوم

جناب من۔

خط پہنچا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ بحث بہت گرم ہے اور اب مناسب ہے کہ اس کا تصفیہ ہو جائے اور دوسری بحث متعلقہ دینیات جس پر ایک مضمون آپ کے پاس پہنچ بھی گیا ہے چھیڑی جائے۔ یہ مسئلہ اس وقت بہت

ل یہ عبارتیں پڑھی نہ جا سکیں

(۱۶)

(۰۶)

کسی مضمون کا حوالہ دیا ہے۔ تاریخ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کے نام سے عہد طالب علمی میں ایک نہایت ذلیل مضمون لکھا تھا
جو آپ کی کتاب میں نام دیکھ کر یاد آیا۔ آپ نے ایسی چیز کا حوالہ دے کر ناحق اپنی کتاب کے مرتبہ کو گھٹایا۔ ...
کتاب کی رسید کے طور پر بھیج رہا ہوں۔ برادرم عبدالمجید خاں صاحب نواب سے اب تک ملاقات نہیں ہوئی
مفصل عریضہ بعد میں بھیج سکوں گا۔ والسلام مع الاکرام

۴؍ مارچ ۱۹۳۴ء

اکبر شاہ خاں نجیب آبادی

مکتوب اکبر شاہ خاں نجیب آبادی

(۷۲)

مکتوب الیہ غلام رسول مہر

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ حامداً و مصلیاً

مخدومی محترمی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

آج صبح کی ٹرین سے عزیزم محمد ایوب خاں بجنور گئے ہیں۔ شام کو واپس آئیں گے۔ صبح کی ڈاک میرے پاس پہنچی۔ میری غیر موجودگی میں وہ میرے نام کے خطوط میری اجازت کے موافق کھول لیتے ہیں۔ اور ہر حالت میں اکثر خطوط کے جوابات وہی لکھتے ہیں۔ میں عموماً کتب بینی کی بیماری میں مبتلا رہتا ہوں۔ اُن کی غیر موجودگی میں اُن کے نام کے خطوط میں کھول لیتا ہوں اور مجھے اس کی اجازت ہے۔ چنانچہ میں نے آج آپ کا خط جو ایوب خاں کے نام تھا پڑھا اور معلوم ہوا کہ آپ سے "معیار العلماء" کے ریویو کا تقاضا کیا گیا تھا۔

آپ نے اپنے اس دور افتادہ خادم کی نسبت جو الفاظ لکھے ہیں وہ آپ کی سچی محبت کے مظہر ثابت ہوئے ہیں جن سے آپ کی شرافت و للّٰہیت کی نہایت تیز اور بے حد خوش گوار خوشبو آتی ہے۔ میرے دل سے آپ کے لئے دعائیں نکل رہی ہیں۔ اس سے زیادہ تکلف و تصنع کی راہ سے جواباً اظہارِ محبت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ میں بیحد شرمسار ہوں کہ میں نے اب تک آپ کی شائع فرمودہ حیاتِ غالب کو مطالعہ کئے بغیر کیوں [illegible]

اس عریضہ کو ملاحظہ فرماتے ہی ایک جلد میرے نام بذریعہ وی پی پیکٹ بھجوا دیجئے[1]۔ میں کتاب کا وی پی وصول کرنے کے لئے ہمہ تن انتظار ہوں۔ مجھ کو بحیثیت ایک اردو خواں طالب علم کے غالب کے ساتھ خصوصی تعلق ہے لیکن آپ کی ایک تحریر پڑھنے اور اس سے مستفیض ہونے کا شوق سب سے زیادہ ہے اور اس لئے میں اس کو شوق و ذوق اور توجہ کے ساتھ مطالعہ کروں گا۔ اور اس کتاب کے متعلق اپنے جذبات و خیالات انشاء اللہ تعالیٰ ایسے راست راست جس کو بے کم و کاست کہا جا سکے لکھ کر ضرور آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا۔

اخبار کا ایڈیٹر عالم اور قارئین اخبار اس کے معمول یا یوں کہئے کہ ایڈیٹر سیاسی پیر اور اس کے ناظرین اس کے مرید ہوتے ہیں۔ میں "انقلاب" کے مدیری مقالات کو لازماً بغور پڑھتا ہوں اور اس سیاسی افراتفری اور ہڑبونگ کے عالم میں کہ سب بولائے ہوئے نظر آتے ہیں آپ کے نسبتاً سکون و وقار کو بخوبی محسوس کر رہا ہوں اور

[1] کتاب بطور ہدیہ ان کی خدمت میں بھیج دی گئی تھی۔

(۲۵)

(۲۶)

مسلم جمعیتیں و جماعتیں ملا دی جائیں۔ خدا آپ کے ذریعے سے اس کام کو مکمل کرا دے۔ اہل جمعیتہ دہلی کی نیت بخیر نہیں ہے شاید آپ درست کریں۔ فقط۔

(۷۶)

بنام رضوی سید ممتاز علی

مکرم و محترم تسلیم۔

افسوس عنایت نامہ کا جواب اس قدر دیر میں دے رہا ہوں۔ پہلا نیاز نامہ شاید میں نے اپنے ہاتھ سے نہیں لکھا تھا۔ اس مرتبہ میں نے خود لکھنا چاہا۔ مجھے دماغی عارضہ ہے جسے ڈاکٹر SCLEROSIS OF ARTERIES یعنی صلابت شرائین کہتے ہیں اس سے ایسے عوارض لاحق ہو رہے ہیں جن کی وجہ سے معالجین کو بہت خطرہ ہے کہ شاید فالج گرے یا سکتہ ہو۔ دو سال سے ہر قسم کا گوشت اور ہر قسم کی دال ممنوع ہے۔ لقمات میں سے بھی مٹر اور بعض دیگر چیزیں منع ہیں۔ اس پر پرہیز سے اتنا ہوا ہے کہ مرض نے بہت ترقی نہیں کی۔ اس پرہیز میں نوشت و خواند کا کام اور کسی امر خاص پر لگاتار توجہ قائم رکھنا منع ہے۔ یہاں کسی دوست کو لکھتا ہوں تو صرف خیریت کا تین چار سطور کا کارڈ۔ میں نے یہ دیکھ کر کہ آپ نے تہذیب کی طرف اس قدر توجہ فرمائی، اس کے شکریہ میں یہ وظیفہ اپنے قلم سے لکھنا مناسب جانا۔

آپ کے مضمون کو چند بہنوں کے سوا عموماً سب خواتین نے ناپسند کیا۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ بعض فقرے ضرورت سے زیادہ تیز تھے۔ اور ابھی چند تحریریں اس کے متعلق اور بھی چھپنے والی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ نے نہایت نیک نیتی اور ہمدردی سے مضمون لکھا تھا۔ اگر چند فقرے تیز اور مذاق نما نہ ہوتے تو اچھا ہوتا۔ اگر آپ اپنی کسی اور تحریر سے اس کی تلافی کر دیں تو آپ کی ہمدردی مشتبہ مشہور ہونے سے محفوظ ہو جائے۔ میں خود آپ کی تحریر کے متعلق کچھ لکھنا چاہتا تھا۔ مگر دماغ میں اتنی ہمت نہیں۔ اور ایسا غیر معمولی توجہ صرف کرنے سے کیا۔ تو BLOOD PRESSURE بڑھ جانے کا بہت خطرہ ہے۔ میں جو کچھ کہنا چاہتا تھا اس کا ماحصل یہ ہوتا کہ مستورات کا اخبار میں واویلا بے فائدہ نہیں۔ دوم جو تحریریں اخبار میں شائع ہوتی ہیں ان سے یہ پتہ نہیں لگتا کہ یہ کس شہر اور کس خاندان کے متعلق ہے۔ سوم ایسی شکایات مستورات قرون اولیٰ میں علماء دین کے روبرو کرتیں اور خلع کی ڈگری حاصل کرتی تھیں۔

میں ابھی کچھ لکھنا چاہتا تھا مگر میرے دماغ پہ بار بڑھتا جاتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ بیچاری عورتوں کی کچھ مدد کریں اور وہ یہ ہے کہ جن ائمہ کے مذاہب سے عورتوں کے حقوق کی حفاظت ہو ان کے مذاہب کو جمع کیا جائے خلع کے مسئلہ کو احادیث کی مدد سے زیادہ وسیع کیا جائے اور عورتوں کے متعلق ان مسائل کو جمع کیا جائے جن میں حنفی مذہب ان کی پوری حفاظت نہیں کرتا ——— وغیرہ کے مسائل سے مدد لے کر ایک قانون کا مجموعہ تیار کر کے گورنمنٹ سے پاس کرانا چاہیے۔ مجھ سے اپنی موجودہ حالت میں کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ لکھنا تو کجا میں پڑھ بھی نہ سکوں گا۔ کوئی صاحب دل اس کام کو لیں۔ کتب دینیہ سے کس کس مسئلہ کو کہاں کہاں سے مدد ملے گی یہ میں بتا دوں گا۔

میں نے اتنا خط بہت مشکل سے لکھا ہے۔ میرے دل میں کوئی خیال آتا ہے تو وہ لڑکوں کو ظاہر کر دیتا ہوں۔ وہ لکھ کر مجھے سنا دیتے ہیں جسے میں بہت ہی بے غرضی سے سنتا ہوں۔

(٧٦)

(٧٧)

مکتوب نواب بہادر یار جنگ (۸۲) مکتوب الیہ مولانا شاہ حسین پھلواری شریف

حضرت مخدوم و محترم دامت الطافکم۔

السلام علیکم و رحمتہ اللہ۔ مزاج اقدس۔ ایک عریضہ اس سے قبل فتوے کی رسید کے طور پر روانہ کر چکا ہوں۔ آج پہلی مرتبہ فرصت ملی اور "شانِ اُردو" کا تفصیلی مطالعہ کیا۔ ماشاء اللہ اس مزدوری اور اہم موضوع پر جس تعمق اور دقتِ نظر سے بحث کی ہے وہ ہر طرح قابل تحسین ہے۔ چار پانچ نسخے روانہ فرمائیے۔ حضرت جلالة الملک خلد اللہ ملکہ کی بارگاہ میں مزید پیش کر دوں گا۔

حفظ میلاد کا قضیہ زیادہ تشویش ناک نہیں ہے۔ بعض اصحاب نے بعض بزرگانِ دین کے ایام ولادت کے لئے میلاد کا لفظ استعمال کیا اور بعض علماء نے اس پر اعتراض کیا۔ اور بات طول پکڑ گئی۔ منصوری سے آیا تو دیکھا کہ سب ضروری کام چھوڑ کر اسی کے پیچھے پڑے ہیں۔ خود درمیان میں آنے سے قبل چاہتا تھا کہ آپ جیسے بزرگوں سے استفادہ کروں اور صحیح معلومات کے ساتھ معاملہ میں دخل دوں اسی لئے زحمت دی تھی۔ الحمد للہ اب حالات معتدل ہیں اور فتنہ فرو ہو چکا ہے۔

۳۰ رجولائی دعا کا طالب محمد بہادر خاں غفرلہٗ

مکتوب نواب بہادر یار جنگ بہادر (۸۳) مکتوب الیہ سید الطاف علی بریلوی

مکرمی۔ السلام علیکم و رحمتہ اللہ۔

صدارت منزلی کی تبدیلی سے متعلق آپ کا اور شمالی ہند کے حضرات کا خیال صحیح ہے۔ میں آپ کی مبارک باد کو دل سے قبول کرتا ہوں۔ اور شکر گزار ہوں۔

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے معاملے میں مجھے نواب[1] صاحب سے سخت شکایت ہے۔ انہوں نے گزشتہ چار مہینے سے میرے دو تین خطوط کا کوئی جواب نہیں دیا۔ صدارت مجلس استقبالیہ کے قبول کرنے میں نہ مجھے پہلے عذر تھا نہ اب ہوتا۔ میں تو صرف مصلحتاً یہ چاہتا تھا کہ اگر نواب صاحب حکومت کا تعاون چاہتے ہی ہیں تو میری بجائے کسی اور کو صدر منتخب کر لیا جائے۔ مجھے ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد صاحب کی زبانی یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ آئندہ اجلاس حیدر آباد میں نہ ہوگا۔ اس کے بعد بھی میں نے نواب صاحب کو ایک تفصیلی خط لکھا اور متاسف ہوں کہ ذرا سخت لکھا۔ لیکن اس کا بھی انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں جب عزم کر لیتا ہوں تو میرے عزائم میں کوئی چیز حارج نہیں ہوا کرتی۔ پھر جس وقت میں نے آپ کے کہنے پر کانفرنس کو حیدر آباد آنے کی دعوت دی اس وقت بھی یہاں کے حالات میری ذات کے لئے موافق نہیں تھے۔ چنانچہ اس سلسلہ کی ایک گفتگو میں جو نواب کمال یار جنگ بہادر کے سیالوں میں ہوئی تھی نواب صاحب اور ڈاکٹر حلیم صاحب موجود تھے۔ اگر نواب صاحب کو عقلمندوں ہی سے کام لینا تھا تو انہوں نے مجھ دیوانے کی دعوت قبول کیوں کی۔ چاہیے سرکار ساتھ دیتے یا نہ دیتے حکومت ان کی ہوتی یا کسی اور کی، دعوت میری

[1] نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی۔

(۵۷)

سخنؔ دہلوی[1] کے متعلق جو معلومات آپ دریافت کرنا چاہتے ہیں افسوس ہے کہ اُن سے کوئی واقف نہیں۔ البتہ ایک مختلف البطن بھائی سخنؔ دہلوی کے یہاں ہیں۔ میں اُن سے یہ تمام امور خاص کر "مکاتیب سخنؔ" کے متعلق دریافت کروں گا اور جو کچھ وہ کہیں گے، آپ کو مطلع کروں گا۔ اگر اُن سے خدانخواستہ پتہ نہ چلا تو پھر انا للہ وانا الیہ راجعون۔ سخنؔ دہلوی کے دو لڑکے اور متعدد لڑکیاں تھیں۔ ان میں سے اب کوئی بھی نہیں ہے۔ صرف اللہ کا نام باقی ہے۔ بتائیے کس سے پوچھا جائے۔ سخنؔ دہلوی جن کا نام خواجہ فخرالدین حسین تھا ان کی ایک مختلف البطن بہن نواب علی حسن خاں مرحوم[2] کو بیاہی ہوئی تھیں اور انہی بہن کے سگے بھائی اب لکھنؤ میں ہیں۔ انہی سے پوچھوں گا۔

خواجہ صاحب مجھ سے بہت محبت کرتے تھے۔ اُن کی شکل و شباہت اوصاف و خصائل سب مجھ کو خوب یاد ہیں۔ ایک لطیفہ ان کا سن لیجئے۔ خواجہ صاحب جوانی اور بڑھاپے میں آرہ اور پٹنہ میں رہتے تھے۔ ۱۸۹۸ء میں میں والد مرحوم کے ساتھ آرہ گیا۔ خواجہ صاحب وہیں تھے اور صفیرؔ بلگرامی جن کا تذکرہ "گلشن خضر" ہے وہ بھی زندہ تھے اور والد سے ملنے آئے تھے۔ خواجہ صاحب سے اُن سے چشمک تھی۔ صفیرؔ ہکلاتے تھے۔ خواجہ صاحب اُن کو بہت بنایا کرتے تھے۔ ایک دن صفیرؔ نے کہا کہ میں اپنے والد کے ساتھ بچپن میں دہلی گیا تھا۔ غالبؔ زندہ تھے میرے والد اُن کے واسطے بہت سے آم بطور تحفہ لے گئے تھے۔ جن کی زیادہ تعداد غالبؔ کو بھیجی گئی اور کچھ اور دوستوں کو بھی بانٹی گئی۔ غالبؔ کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو انہوں نے ایک رباعی آموں کے شکریہ میں لکھ بھیجی۔ اس کا ایک مصرعہ مجھے یاد رہ گیا ہے ع کھانا نہ انہیں کہ یہ پرائے ہیں آم۔ خواجہ صاحب نے جب یہ قصہ سُنا تو صفیرؔ سے کہا کہ کیوں جھوٹ بکتے ہو غالبؔ سے تم سے کیا تعلق؟ اپنی بڑائی ثابت کرنے کے واسطے یہ قصہ گھڑ لیا ہے۔ اس پر صفیرؔ بہت شرمندہ ہوئے۔ جس پرچے میں آپ "نوادر"[3] پر ریویو لکھیں وہ مجھ کو ضرور عنایت فرمائیے گا۔

۵ رجولائی ۱۹۳۹ء

نیازمند محمد عسکری

مکتوب مولوی اکرام خاں ندوی

(۸۶)

مکتوب الیہ سید الطاف علی بریلوی

محترمی جناب سیّد صاحب زاد لطفہٗ السلام علیکم۔

گرامی مورخہ ۱۲ ستمبر ملا۔ دن میں کئی بار پڑھا، دل بے حد متاثر ہوا، اور مختلف خیالات کا ایک طوفان اُٹھتا رہا مگر اپنی کمزوری و ناتوانی کی وجہ سے زیادہ نہیں لکھ سکتا۔ علی گڑھ میں جو ٹھہر ٹھہر کر طوفان برپا رہتے ہیں، میں اُن سے بخوبی واقف ہوں۔ مجھے ہمیشہ اس پر حیرت ہوتی ہے کہ علی گڑھ ہمیشہ اپنوں ہی کو نشانہ بناتا ہے۔ ایسے اپنے کہ جو درحقیقت اس کے سچے دل سے خیرخواہ ہیں اور جن کے دلوں میں علی گڑھ کے لئے لگن ہے، مزید حیرت یہ ہے کہ یہ سب کچھ بغیر کسی وجہ و سبب کے کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب شروع میں کوئی شخص جوش خدمت اور ولولہ

---

[1] خواجہ فخرالدین حسین سخنؔ صاحب "سروش سخن" وغیرہ

[2] صفی الدولہ حسام الملک نواب علی حسن خاں ابن نواب صدیق حسن مرحوم۔

[3] میرزا محمد عسکری مرحوم کی ایک تصنیف

[illegible] ارمی گدھ آتا ہے، تو چند روز بعد اس کو مایوس و شکستہ دل ہو کر سب چیزوں سے دست بردار ہونا پڑتا ہے۔ کوئی حوصلہ و ولولہ اس کے دل میں باقی نہیں رہتا۔ ایسے بہت سے لوگوں کو میں نے دیکھا ہے۔ مولوی سید ظہور [illegible] صاحب وحشی مرحوم کا ایک شعر ہے ؎

ہمیں یاد آئے تیرے وہ فریب دلربائی — کسی نو اسیر الفت کو جو کامیاب دیکھا

شاعر کہتا ہے کہ کسی "نو اسیر" نئے پھنسے ہوئے کو دیکھ کر ہمیں یاد آجاتا ہے کہ جب ہم نو اسیر تھے تو ہماری بھی آؤ بھگت تھی، مگر انجام مایوسی اور دل شکستگی، اسی مضمون کو ایک فارسی شاعر نے بھی خوب کہا ہے ؎

چوں ببینم کسے از کوئے تو دل شاد می آید — فریبے از تو اول خوردہ بودم یاد می آید

غرض یہ چیزیں وہاں کی روایات میں داخل ہیں۔ آپ پہلے شخص نہیں ہیں جس کے ساتھ یہ بے مہری و بیگانگی کا سلوک کیا گیا۔ اس لئے صبر کرنا چاہئے اور ابھی کوئی مزید قدم نہیں اٹھانا چاہئے۔ میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ کارکنان ادارت خود انتظام میں مصروف ہیں۔ جو انقلاب ہوا یہ آنکھیں کھولنے کے لئے کافی نہیں، اور ہم اس سے کوئی عبرت و بصیرت حاصل نہ کر سکے اس لئے میرا خیال ہے کہ تقدیر پس پردہ ہمارے لئے کسی اور عبرت انگیز کھیل کی تیاری میں مصروف ہے ؎

لذت سیر اگر چشم تماشا لے گی — ایک بار اور بھی دنیا ابھی پلٹا لے گی

آپ مایوس نہ ہوں، یہی وقت ہمت و امتحان کا ہے انشاء اللہ مستقبل اچھا ہوگا۔ البتہ اپنے مفاد کی فکر سے غافل نہ رہنا چاہئے۔ چنانچہ اسی سلسلے میں ایک ضروری کام یہ ہے کہ آپ پریس سے حسن تدبیر سے اپنا روپیہ نکال کر آزاد اور بے کھٹکے ہو جائیں۔ جب پریس بک رہا تھا تو اسی وقت میری یہ رائے تھی کہ معاملہ کر لینا چاہئے۔ مگر نرخ بڑھ جانے کی وجہ سے آپ کے حصہ داروں کو نفع کی مزید توقعات پیدا ہو گئی تھیں۔

پریس کے معاملہ میں ایک بنیادی مصیبت یہ ہے کہ اس کے عملہ میں مختلف قسم کے کام کرنے والے بہت سے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے، جو اکثر حریص، خود غرض، بے مروت، ناقابل اعتماد اور غیر ذمہ دار ہوتے ہیں۔ غریب مالک یا منیجر ہر شخص سے کس طرح نپٹے اور کس طرح خوش رکھے۔ بہرحال یہ ایک ضروری کام کرنے کا ہے آپ نے "مصنف" بند کرنے کی جو مصلحت لکھی ہے، وہ میرے بھی ذہن نشین ہو گئی۔ ہمیشہ وقت کے تقاضہ اور حالات کے مطابق کام کرنا چاہئے۔ بے شبہ حالات ناسازگار ہیں۔ اور مستقبل دھندلا۔ ملک میں گزشتہ سال جو انقلاب ہوا وہ ابھی ختم نہیں ہو گیا بلکہ جاری ہے اور یکے بعد دیگرے بہت سے واقعات پیش آ رہے ہیں۔ یعنی ہم ابھی تک انقلابی دور سے گذر رہے ہیں، اس لئے کسی دلدل میں قدم نہیں پھنسانا چاہئے۔ معلوم نہیں مستقبل قریب میں کیا واقعات پیش آئیں۔ لیکن اسی کے ساتھ مجھے یقین ہے کہ سال دو سال میں انشاء اللہ حالات سنبھل جائیں گے اور جو شور اور جنون برپا ہے، یہ باقی نہیں رہے گا۔ آپ نے بعض بڑے لوگوں کے ساتھ اپنی ناخوشگوار گفتگو کا جو حال لکھا ہے، وہ ذرا بھی خلاف توقع نہیں، میں ان لوگوں کی ذہنیت، پرواز فکر اور گرگٹی سیاست سے بخوبی واقف ہوں۔ ان کے سامنے زندگی کا یا قوم کی ترقی کا کوئی خاص مقصد و نصب العین نہیں ہے۔ ماحول کا رنگ دیکھ کر مرغ بادنما کی طرح اپنا رخ بدلتے رہتے ہیں،

ان پر کبھی اعتماد نہ کرنا چاہئے۔ افسوس کہ کمزوری کی وجہ سے میں زیادہ نہیں لکھ سکتا، مگر اتنا تو لکھ ہی دوں کہ بدنصیبی سے مسلمانوں میں طبقاتی امتیاز بہت زیادہ موجود ہے۔ اونچے طبقے والے ہم لوگوں کو عزت و احترام کی نظر سے نہیں دیکھتے، خواہ ہم ان کے لئے اپنے کو ہلاک کر دیں اور قومی خدمت میں اپنے کو خستہ و تباہ کر کے اپنا مستقبل بگاڑ دیں۔ یہ لوگ جب جھکتے ہیں اپنے ہی طبقے کی طرف جھکتے ہیں اور جب ان کا کام نکل جاتا ہے تو ہم لوگوں کو حرف غلط کی طرح درمیان سے مٹا دیتے ہیں، اس لئے احتیاط کرنا چاہئے اور کبھی یہ توقع نہ رکھنا چاہئے کہ وہ کسی مصیبت کے وقت ہماری دستگیری کریں گے لہٰذا ہمیں صرف اپنے طبقہ میں مخلصین کی تلاش کرنا چاہئے۔ میں بجز چند جانے بوجھے آزمودہ لوگوں کے اس طبقے کے کسی فرد پر اعتماد نہیں کرتا، اسی پر ہمیشہ سے میرا عمل ہے۔ آپ کے اس فقرہ سے میرا دل نہایت متاثر ہوا کہ روزانہ شام ہوتی ہے تو گھر سے نکل کر سوچتا ہوں کہ کہاں جاؤں الخ ایک انسان کے لئے یہ حالت کس قدر مایوس کن ہے۔

اعجاز میاں کے لئے آپ پریشان نہ ہوں، اوّل تو وہ خود بہت ہوشمند ہیں۔ اس کے علاوہ جب آندھی آتی ہے تو بڑے بڑے تناور درختوں کو گراتی ہے وہاں جو انقلاب ہوگا وہ بڑے بڑے انتظامی و کلیدی صیغوں میں ہوگا، اس لئے پریشانی کی کوئی بات نہیں۔

ایک فقرہ آپ نے یہ لکھا ہے۔ "میں خوش ہوں گا اگر میں تخفیف الخ ابھی اس خوشی کی تیاری نہ کیجئے، بلکہ نہایت صبر طلبی سے قدم ...... میرا خیال ہے اور خدا جانے کیوں، کہ عنقریب ان لوگوں کو ایسی مشکلات میں مبتلا ہونا پڑے گا، جس کا حل کرنا ان کے لئے دشوار ہوگا۔ اور وہ اپنے کاموں میں اس طرح پھنس جائیں گے کہ دوسروں کے معاملات کی طرف آنکھ بھی نہ اٹھا سکیں گے۔

آپ نے خود دیکھا ہوگا کہ جب سے آپ آئے ہیں یہاں کیسے کیسے انقلاب ہوئے، کس کس کا عروج اور پھر زوال ہوا۔ بنے بن بن کے کھیل ایسے لاکھوں بگڑ گئے ہیں، یہ چند روز کا تماشہ ہے، ہمت نہ ہاریئے۔ افسوس کہ میں اپنی بیماری کی وجہ سے اس وقت کچھ نہیں کر سکتا۔ اخبار کے متعلق جیسا کہ آپ نے لکھا ہے بے شک لکھنے میں احتیاط کیجئے۔ سرکاری اور غیر سرکاری حریف اپنے اپنے مقصد کے لئے آج کل کڑی نگرانی رکھتے ہیں۔ ۱۴ ستمبر کا لکھا ہوا مولوی حاجی ابوالحسن صاحب کا ایک خط کو ٹھی سے آیا تھا۔ جس میں میری علالت کا حال دریافت کیا تھا اور یہ بھی لکھا تھا کہ آپ کی رخصت نواب صاحب نے منظور کر کے بھیج دی"۔ غالباً دفتر ہی میں بھیجی ہوگی۔ میرا مرض ابھی باقی ہے ۳۰ ستمبر تک پوری صحت کی کوئی امید نہیں نہ یہ مناسب ہے کہ مرض موجود ہوتے ہوئے لکھنؤ چھوڑ دوں اس لئے میں امروز فردا میں ایک اور درخواست عید تک چھٹی کے لئے بھیجوں گا۔ ابھی میرا حق ہے اس لئے مہربانی کر کے منظور کرا دیجئے گا۔ اب جگہ بھی نہیں اور زیادہ لکھا بھی نہیں جاتا۔

۲۴ ستمبر کو مولوی حاجی ابوالحسن صاحب سے ملاقات ہوئی، وہ کسی کمیٹی میں یہاں آئے تھے اس سے فارغ ہو کر میرے دیکھنے کو بھی آ گئے۔

مکرمی جب یہ خط لکھنے کا ارادہ کیا تو یہ خیال تھا کہ ایک صفحہ لکھوں گا، مگر چار تک پہنچ گیا، اور پھر بھی دل میں بہت کچھ رہ گیا۔ آپ اس وقت پوری ہمت اور ہر ممکن تدبیر سے کام لیں، انشاء اللہ نتیجہ اچھا ہوگا۔

۲۷ ستمبر [illegible] ۔ لکھنؤ

محمد اکرام

مکتوب سعید انصاری (۸۷) مکتوب الیہ سید مبارک علی شاہ جیلانی

جناب من ۔ تسلیم

پیشہ معلوم نہیں، انصار عموماً زراعت پیشہ تھے حضرت انس کے پاس بھی زمین ہوگی۔ اس کی نصر[illegible]

کہ دعا رسول کی برکت سے ان کے برابر انصار میں ایک شخص بھی متمول نہ تھا، واقعات بھی تصدیق کرتے ہیں۔ کہ وہ

نہایت شان و شوکت سے رہتے تھے۔ بصرہ سے باہر طف میں ایک محل بنوایا تھا، اور اس میں بود و باش رکھتے تھے

خز کے کپڑے پہنتے اور دسترخوان وسیع رکھتے، وغیرہ وغیرہ۔

اولاد کی تفصیل مشکل ہے۔ خاص ان کے ۸۰ بیٹے اور ۲ بیٹیاں تھیں، وفات کے وقت تک بہت سے فوت

ہو چکے تھے، تاہم سو، سوا سو کا پورا کنبہ تھا۔ نزہتہ الابرار میں جو وجیہ الدین کی تصنیف ہے اور حکیم پور کے کتب خانہ

میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔ حسب ذیل نام تحریر ہیں۔

۱۔ ابو حمزة انس بن مالک الانصاری المتوفی ۹۳ھ

۲۔ عبداللہ عبیداللہ زید یحیی خالد موسی نضر ابوبکر براء علاء عمر + رملہ امیمہ ام حرام

۳ مثنی ثمامہ قاضی بصرہ — عبداللہ

۴ ابوالمثنی عبداللہ

۵ مثنی ابو عبداللہ محمد الفقیہ قاضی البصرہ و البغداد المتوفی ۲۱۵ھ

۶ سلمہ عبدالکبیر

اسد الغابہ میں حضرت انس کی لڑکیوں کے نام یہ ہیں۔ حفصہ، ام عمرو، طبقات کا وہ حصہ جس میں بصریوں

کے حالات ہیں، شاید اس میں کچھ مل سکے، لیکن وہ یہاں موجود نہیں۔ والسلام

۳ رجنوری ۱۹۱۷ء

سعید انصاری[1]

مکتوب مولانا مسعود علی ندوی (۸۸) مکتوب الیہ نواب سید شمس الحسن

جناب مکرم! سلام مسنون!!!

کل اچانک نواب صاحب مرحوم و مغفور کی وفات کا تار ملا۔ جس نے ہم لوگوں کو بےچین کر دیا۔ اگر [illegible]

[1] مصنف سیر الصحابہ

نہ ہوتے تو ہم دونوں لکھنؤ حاضر ہو کر آپ حضرات کے ساتھ شریک غم ہوتے۔ نوابصاحب مرحوم کے تعلقات کی نوعیت اب خاندانی ہو گئی تھی۔ اس لئے ہم لوگوں کے تمام گھر پر اس اندوہناک حادثہ کا اثر ہے۔ بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے۔ اپنے زمانہ کی خود یادگار تھے۔ اب مولانا شروانی صاحب اور دو ایک اسی قسم کے اور بزرگ باقی رہ گئے ہیں یہ لوگ اب اپنا دور ختم کر رہے ہیں اس مقدس مہینہ میں وفات نے نوابصاحب مرحوم کی مذہبی و مقدس زندگی کی تکمیل کر دی۔ اللہ کے مقبول بندے تھے اس لئے ان کی وفات بھی اسی ماہ میں ہوئی اللہ مغفرت کرے۔ یہ اتفاق ملاحظہ فرمائیے۔ علامہ شبلی مرحوم کے آخر وقت تک قائم رہے۔ پرسوں ۱۸ نومبر کو مولینا مرحوم کی برسی کی تعطیل تھی۔ اور ۱۹ کی صبح نوابصاحب کی خبر وفات نے دل و دماغ معطل کر دیا۔ دنیا میں ساتھ رہا اور دنیا سے روانگی بھی اسی شان سے ہوئی۔ اس مرتبہ لکھنؤ میں آخری زیارت نہ کر لی ہوتی تو اور بھی زیادہ قلق ہوتا۔ اس وقت تو یہ خیال ہوا تھا کہ اب خدا نے صحت دے دی لیکن بعد کو معلوم ہوتا ہے کہ بیماری نے دوسری شکل اختیار کر لی۔ اللہ تعالیٰ مغفرت کرے آمین۔ تمام ممبران خاندان کی خدمت میں میری دلی تعزیت پہنچا دیجئے۔ انشاء اللہ عید کے بعد حاضر ہونگا

۴ رمضان

والسلام مسعود علی ندوی

مکتوب الیہ نواب سید علی حسن (۸۹) ب مولانا مسعود علی ندوی

جناب محترم زاد مجدہم!

سلام مسنون!! حیدرآباد سے اجراء وظیفہ پر مبارکباد قبول فرمائیے۔ گو ۔۰۰ ۳ کی رقم امید کے خلاف ہوئی لیکن خدا کا شکر ہے کہ کم از کم ہم لوگوں کے جدید تعلق کے ساتھ ایک ایسی جگہ سے امداد ملی تو جہاں کے لئے ابتدائی قیام ندوہ سے برابر کوشش ہوتی رہی اب پیر رکھنے کی گنجائش ہو گئی۔ اس میں اضافہ انشاء اللہ آسانی سے ہو سکے گا۔ کیونکہ حیدرآباد میں ابتدائی زحمتیں بہت سخت ہوتی ہیں۔ کل جناب مولینا حبیب الرحمن خاں صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ حضور نے ۳۰۰ روپیہ ماہوار کی رقم منظور کی ہے۔

اس کے قبل ایک عریضہ روانہ کر چکا ہوں غالباً جناب کو مل گیا ہوگا۔ فتنۂ ارتداد کی — کیفیت اگر جناب ہمدم و وکیل میں روزانہ پڑھتے ہوں گے۔ تو میں نے اگلے خط میں جو گزارش کی ہے اس کی پوری تصدیق ہوتی ہوگی لوگ ان مبلغین و انجمنوں سے بدظن ہو رہے ہیں اور غالباً بہت جلد یہ لوگ شکریہ کے ساتھ واپس کئے جائیں گے! اس وقت انشاء اللہ ندوہ کا یہ طرز عمل زیادہ پسندیدہ رہے گا۔

اب ضرورت یہ ہے کہ تعمیرات کے لئے روپیہ کی فکر کی جائے۔ حیدرآباد سے کچھ نقد نہ ملنے کا مجھ کو افسوس ہوا۔ میں نے ایک خط بھوپال لکھا ہے۔ اگر وہاں کچھ امید ہوئی تو انشاء اللہ ایک حملہ فوراً کیا جائے۔ رنگون بھی انشاء اللہ آج یا کل تک خطوط لکھوں گا۔ ندوہ میں ایک مرض بہت قدیم ہے کہ یہاں کے لوگ اپنے ذاتی رسوخ و فائدہ کے لئے ندوہ کے ذمہ دار ارکان و معاونین میں سخت اختلاف پیدا کر دیتے ہیں اور ایسی حالت پیدا کر دیتے ہیں جو کچھ دنوں کے بعد ناقابل علاج ہو جاتی ہے اس لئے اس کو پیش نظر رکھنے کی سخت ضرورت ہے۔ والسلام خاکسار مسعود علی ندوی۔

" I WILL SEE IT PUBLISHED "

GINNINE

مکتوب مولوی مسعود عالم صاحب ندوی (۹۲) مکتوب الیہ سید الطاف علی بریلوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محب مخلص ۔ سلام و تحیات

ایک دور افتادہ مریض و بدحال یاد آوری کا شکریہ ادا کرتا ہے مسلسل علالت نے کمر توڑ دی ۔ ادھر بہت شدت تھی ، کل سے کچھ افاقہ ہے ۔ دعا کیجئے ، کہ جان آفریں ، اس تن خاکی میں بھی کچھ جان بخشے ۔

معنف کا چوتھا نمبر ملا تھا ۔ شکریہ کب تک اور کس زبان سے ادا کرتا رہوں ۔ بہر حال بلا کسی تکلف اور تصنع کے کہتا ہوں ، کہ رسالہ خوب ہے اور اچھے اردو رسالوں کی صف میں اچھا اضافہ ہے ۔ اور مضامین کے تنوع کے لحاظ سے تو شاید فرد ہے ۔ اللہ نظر بد سے بچائے ۔ کاغذ کی یورش ، گرانی میں زندگی قائم رہ جائے تو یہ آپ کی کرامات میں شمار ہوگا ۔

امام شافعی کا سفر نامہ : مسودہ بے ترتیب رکھا ہے ، مقدمہ باقی ہے اور اس کے لئے کچھ مطالعہ صحت کا یہ عالم کہ کتاب خانہ کا خوشہ کام بھی مشکل ہی سے انجام پاتا ہے ۔ حسب وعدہ سفر نامہ نذر معنف ہوگا مگر کب ؟ نہیں کہہ سکتا ۔

امید کہ مزاج عالی بخیر ہو ۔ پرسان حال کی خدمت میں بہت بہت سلام ۔

محترمی مولانا اکرام اللہ خاں صاحب اور مولانا کیفی اور مولانا انتظام احمد صاحبان کی یاد آوری کا دلی شکریہ اور سلام شوق ۔ والسلام

۱۹ ذی قعدہ ۶۲ھ (مہندرو ، پٹنہ) مسعود عالم ندوی

مولوی عزیز مرزا

(۱)

بنام مولوی حبیب الرحمان خاں صاحب شروانی

مخدومی و مکرمی!

یاد آوری کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ گو تعلقات ظاہری سے محروم سہی مگر مجھے بھی آپ کے ساتھ روحانی تعلق ہے اور میں بھی چاہتا تھا کہ کسی طرح سلسلہ مراسلت کی بنیاد پڑے مگر الحمد للہ اس کی ابتدا آپ نے فرمادی حقیقت میں یہ صدمہ مجھے حال میں ایسا سخت پہنچا ہے کہ دنیا میں مجھے ہی آثار نظر آتے ہیں۔ بچوں کے متعلق بھی خدا نے میرے ساتھ بڑی فیاضی کی ہے کہ سات بچے ہیں جن میں سے چار بالکل ہی خرد سال ہیں اپنے آپ رہ ان کی فکر ہے لیکن بفضلہ تعالیٰ بر سر فرزند آدم ہرچہ آید بگزرد۔ کارساز حقیقی کوئی نہ کوئی بندوبست ان کی پرورش کا کر ہی دے گا۔ بہرحال میں آپ کی اس ہمدردی کا دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اگر میں حیدرآباد میں آپ کی کوئی خدمت انجام دے سکوں تو اس کو باعث فخر سمجھوں گا۔ تقریباً ایک ماہ سے میں دورے پر ہوں اور اب دو تین روز میں حیدرآباد واپس جانے والا ہوں۔ امید ہے کہ آپ مع جملہ متعلقین بوجوہ خیریت ہوں گے۔ فقط والسلام!

خاکسار: محمد عزیز مرزا۔ از رائے چور۔ یکم فروری ۱۹۰۶ء

(۲)

بنام مولوی حبیب الرحمان خاں صاحب شروانی

مخدومی و مکرمی!

یاد فرمائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مبارکباد نے ممنون کیا۔ جناب مولوی لطف اللہ صاحب کا معاملہ پیش گاہ حضور پرنور میں پیش ہو چکا ہے اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں ہے کہ خاموش بیٹھے رہیں اور نتیجے کا انتظار کریں۔ میں نے بادری کے لئے پھر لکھا ہے مگر کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کب اس کا تصفیہ ہوگا۔ دو تین سال ہوئے میں نے کالیداس کے ایک ڈراما کا ترجمہ اردو میں کیا تھا، اب وہ چھپ کر تیار ہو گیا ہے عنقریب ایک کاپی آپ کے ملاحظے کے لئے بھیجوں گا۔ امید ہے کہ آپ بہ وجوہ خیر و عافیت سے ہوں گے فقط والسلام!

خاکسار: محمد عزیز مرزا از حیدرآباد دکن۔ ۱۳ مئی ۱۹۰۷ء

سیّد فرزند احمد صفیر بلگرامی

(۱)

بنام عبدالرحمان خانصاحب

بخدمت مکرمی عبدالرحمان خانصاحب مالک مطبع نظامی کانپور۔

تسلیم۔ آپ کا خط میاں نبی بخش نے لاکر دیا اور مجھے ممنون کیا۔ مبلغ پندرہ کا حساب بابت اجرت اخبار مجھے پہنچا۔ اس وقت مبلغ پانچ روپیہ موجود تھے دست دے گئے اور مبلغ دو روپیہ مسمی ظہیر الحق صاحب کاتب مطبع [illegible] کے حساب کا آپ کے مطبع کے ذمہ ہے وہ بھی مجرا کرکے مبلغ سات روپیہ ۷ گویا آپ کو پہنچے اور مبلغ سات روپیہ ۸ اب باقی رہے۔ انشاءاللہ عنقریب پہنچاتا ہوں۔ خاطر جمع رکھئے۔

محررہ ۲۸ ستمبر ۱۸۸۱ء

سید فرزند احمد صفیر

(۲)

بنام سردار سندر سنگھ صاحب

بخدمت سراپا محبت سردار سندر سنگھ صاحب

تسلیم۔ آپ کا پوسٹ کارڈ بطلب گلدستہ بزم آرا کے پہنچا۔ دو جلدیں اس کی لے جاتے ہیں اور تذکرے جاتے ہیں قیمت کی ضرورت نہیں اگر اور کوئی صاحب طالب ہوں تو ٹکٹ محصول بھیج دیں۔ میں روانہ کروں گا۔ گلدستہ ہمیشہ نہیں چھپتا ہے۔ یہ گلدستہ جب مشاعرہ ارا کین ہوتا ہے تب چھپتا ہے۔ چنانچہ یہ تیسرا گلدستہ ہے جو دو برس کے عرصہ میں مشاعرہ ہوئے ہیں ان میں سے تیسرا مشاعرہ یہ تھا۔ اب اگر اتفاق ہوگا تو آپ کو بھی بھیجا جائے گا۔

۲۸ ستمبر ۱۸۸۱ء

نیازمند سید فرزند احمد صفیر بلگرامی مالک مطبع نورالانوار کانپور

(۳)

بنام سید رجب علی شاہ صاحب مطبع وکٹوریا پریس لاہور

بخدمت سید رجب علی شاہ صاحب مطبع موصوف

تسلیم۔ تذکرہ آب حیات مصنفہ مولوی محمد حسین صاحب آزاد پروفیسر عربی گورنمنٹ کالج لاہور۔ جو آپ کے مطبع میں ۱۸۸۱ء میں چھپا ہے اور اس کی قیمت مبلغ ایک روپیہ اور محصول ۳ ٹائٹل پیج پر چھاپا گیا ہے مجھے اس تذکرہ کی بہت ضرورت ہے۔ اس لئے ایک روپیہ بذریعہ منی آرڈر بھیجا ہے۔ آپ بہت جلد تذکرہ مذکور روانہ کیجئے اس [illegible]

(۵)

ہوتا ہے۔ کیونکہ تمام دام کا حساب لکھا ہے مگر ایسے مقام پر تنگہ کا حساب لکھا ہے۔ اور روپیہ سے کم اس لئے ہے
کہ اگر روپیہ کو تنگہ کہتے ہوئے تو سی و پنج روپیہ میں ملا دیتے نہ کہ روپیہ کے بعد کا درجہ جدا رکھا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ روپیہ
سے کم ہے اور دام سے کہ ایک پیسہ کو کہتے ہیں زیادہ کو نہیں۔ ابو الفضل نے آئین اکبری میں نقود کے اسمائیں سے
یہ لفظ داخل نہیں کیا۔ اور نہ کہیں حساب میں یہ لفظ دیکھا گیا۔ سوائے اس جگہ کے جہاں پر لکھی گئی۔ اور حضور نے
بھی اس کا حاشیہ نہ چڑھایا۔ شاید یہ لفظ عام نہ ہو اور اس ملک کے مزاولت میں نہ ہو اس لحاظ سے حاشیہ کی [illegible]
نہ ہو سکی۔ بہر حال مجھے اس وقت اشد ضرورت اس کی لاحق ہے اور وہ یہ کہ اہل بلگرام کا "مہر معیّن" ایک فقرہ ہے
جو سلف سے چلا آتا ہے یعنی بست و پنجم ہزار تنگہ راجگانے یا رائج گانے "اور ایک دینار زر سرخ سلطانی یعنی اشرفی
اکبری۔ اکبری اشرفی تو مبلغ معہ (سات روپے) تھی جس کا حساب حضور نے آئین اکبری میں لکھ دیا ہے۔ مگر تنگہ کا
حساب معلوم نہیں ہوتا ہے۔ اس کی تحقیق کے لئے حضور کو تکلیف دیتا ہوں کہ از راہ بندگانہ بہت جلد اس سے
اطلاع دی جائے اور راجگانے یا رائج گانے کی بھی تحقیق سے مطلع کیا جائے۔ کہ کس لفظ کا استعمال درست اور
مناسب ہوگا۔ اور لغت میں تنگہ کے معنی روپیہ پیسہ دونوں کے ہیں۔ غیاث اور برہان سے معلوم ہوتا ہے۔ مگر
آئین اکبری میں درجہ تنگہ کا روپیہ کے بعد اور پیسہ یعنی دام کے پہلے معلوم ہوتا ہے۔ اب حضور کی تحقیق پر اس
کا فیصلہ ہے۔

اور اسی فقرہ مہر کے لئے بست و پنج ہزار تنگہ راجگانہ یا رائج گانے۔ یک دینار زر سرخ سلطانی کے
تطبیق بزرگان سلف نے صدی آخری ہجری میں نقود حال سے کر کے لکھا ہے۔ کہ ایک ہزار و بست و چار روپیہ
پایہ یا بست و پنج روپیہ ہوتا ہے۔ اگر توجہ کر کے اس کا حساب بھی ٹھیک کر دیا جائے تو ہم مسلمانوں کی رفاہ کے
واسطے بڑا فائدہ ہو۔ اور حضور کو اس کا ثواب ملے گا۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

جواب اس عریضہ کا بیرنگ بھیجا جائے۔ محصول یہاں دیا جائے گا۔ نشان یہ ہے کہ آرہ شاہ آباد معرفت
مہاتمک سادات بلگرام نزدیک مسید فرزندا احمد صفیر بلگرامی کو پہنچے۔

۲ر جون ۱۸۸[illegible]ء - رجب ۱۳[illegible]ھ از آرہ　　　　صفیر بلگرامی

مولوی غلام حسنین کنتوری

(۱)

از نواب حبیب الرحمٰن خاں شروانی

مکرم معظم ملاذ الاکارم زید مجدہ۔

بعد سلام وتحیۃ آج نامۂ نامی مع پمفلٹ کے پہنچا شکریہ یادآوری کے بعد ہزار افسوس کہ آپ کو فرصت اشغال ریاست سے اس قدر کم ہے کہ ۵۴ دن میں بھی پورا مسودہ نظرِ انور سے نہ گزرا۔ دو بزرگ اپنے معین خاکسار نے تجویز کئے تھے ایک جناب مولوی ابراہیم صاحب بانی مدرسہ احمدیہ آرہ اُن کی علالت اس قدر ہے کہ خط پڑھنا اُن سے دشوار ہے۔ دوم حضور جن کی کم فرصتی کا یہ حال ہے دائے بر من۔ اور حضرات علما چہ سنی وچہ شیعہ اُن کے ذہنی خیالات اور وہی طرز جس کی بو آنے سے باب چہارم حضور کو ناپسند ہوا۔ اب فرمائیے کہ میں کیا کروں۔ آج اس خط کے آنے سے میرا خیال جو دیر رسی جواب خطوط میں تھا پختہ ہوگیا۔ ۲ دسمبر کو ۴ جزو انتصار الاسلام کے جو چھپ گئے تھے روانہ خدمت کئے تھے آج کے خط میں بھی اُس کی رسید ندارد ہے اور تردد ہے کہ پہنچے یا نہیں۔ مجھے ہزار زبان سے شکریہ آپ کی اصلاح اور ہدایات کا کرنا ضرور ہے جن پر عملدرآمد کرنے سے میں بہت سی جولانیوں سے بچوں گا۔ الہلال کے لفظ مجھ سے پڑھے نہ گئے امید ہے کہ پورا پتا حضور تحریر فرمائیں۔ میرے پاس ایک تاریخ الفلاسفہ مطبوعہ مطبع الجوائب قسطنطنیہ سنہ ۱۳۰۱ھ جو زبان فرنچ سے ترجمہ ہوئی ہے اُس کے صفحہ (۱۳۵) میں حکیم بیرحون کی لائف میں درج ہے وکذلک یکون الشی فضیلۃ عند امۃ رذیلۃ عند اخرین مان العجم یتزوج الرجل منھم بنتہ بلا نکیر وذلک مرذیۃ عند الیونان۔ اور اپنی مذہبی تاریخ اور حدیث میں بھی مثل تفسیر کبیر وغیرہ کے اس کا ذکر ہے اور حدیث میں بھی۔ اسی وجہ سے مجھے شواہد منقولہ کی زیادہ ضرورت ہے۔ آپ کی رائے نہایت قوی ہے کہ اس مسئلے کا ذکر انتصار میں چنداں ضروری نہیں ہے مگر سبب ہم تحریم محرمات نسبیہ کو عقلی دلائل سے بھی ثابت کرنا چاہیں۔ آخر پھر ہم کو کیا کرنا ضرور ہوگا۔ آج نہیں تو کل ہی مرحلہ پیش آئے گا کہاں تک گریز کریں گے۔ انگریزی عبارت کا حاشیے پر ہونا بلکہ ساری کتاب کا ایک کالم انگریزی ایک اردو میں ہونا ضرور ہے۔ مگر مجھے تو یہ بھی امید نہیں کہ جس قدر چھپ رہی ہے اُسی کا بار مصارف مجھ سے اٹھ سکے۔ اگر خریداری بھی کتاب کی اہلِ اسلام ایک ہزار جلد کرلیں جب بھی میں سب کچھ کردوں سے

کے رفع کرنے میں۔ ہزار افسوس اب کیا کہوں جس کو یہ بھی معلوم نہیں کہ اصول جدیدہ کس چڑیا کا نام ہے اور اپنے خیالی علم کلام سے سب کو رد بھی کر رہے ہیں۔ دوسرا نقصان یہ ہے کہ اگر کوئی عالم کسی شبہ کا جواب لکھے گا پھر اس کو وحی آسمانی کے برابر سچا خیال کرے گا گو نفسہٖ کیسا ہی غلط جواب فرمائیے ان علما سے کیا امید ہو سکتی ہے۔ جن اصول پر لاکھوں فلاسفر کمیٹیاں کر کے اور آپس میں بحث فحص کر کے ان کو قائم کر رہے ہیں ان کو ایک عالم صدر اخوان کا رد کرنا کیا شاید سمجھ بھی نہ سکے گا۔ اسی نظر سے خاکسار کم مایہ اور ہیچمداں بحث آپ ایسے حضرات سے بہزار عجز و انکسار گزارش کر رہا ہے کہ میرے مسودات کو بنظر اصلاح ملاحظہ فرمائیے تب جا کر ان کو مشتہر کروں اور میں ہرگز مدعی اس کا نہ ہوں گا۔ کہ مجھے قابلیت انتصار الاسلام کی تصنیف کی بلا امداد اکابر فحول کے ہے۔ اضیا روپیہ دیں یا نہ دیں مگر آپ ایسے علما جن کو میرے نزدیک اصول قدیمہ اور جدیدہ سے استیناس ہے میرے اصلاح مقاصد پر ضرور توجہ فرمائیے اور نیز اور حضرات جن کو آپ قابل اس کے جانتے ہوں ان کی بھی اصلاح سے مجھے تقویت قلبی دیجئے۔ میری تحریک سے ۱۲ نومبر کو ایک جلسہ علما اور امرا لکھنؤ میں اسی غرض سے ہوگا۔ جو غرض انتصار کی ہے۔ اس کی روداد سے آپ کو اطلاع دوں گا۔ میں امید کرتا ہوں کہ تاریخ یورپ سے مجوسیوں کے افعال جو باب چہارم انتصار میں حدیث امام جعفر صادقؑ سے درج کر چکا ہوں ان کا ثبوت پورا دیا جائے ورنہ وہ مضمون خارج کر دیا جائے۔ نور چشم مولوی کرامت حسین صاحب بیرسٹرایٹ لا سے بھی یہی درخواست کی ہے۔ مکرر یہ ہے کہ آج ایک اسلامی ہمدرد کا نکتہ چیں ہونا چاہیے یا فرد اکسی دشمن اسلام کا۔ والسلام مع الاکرام۔

۳۱ راکتوبر ۱۸۹۹ء		بنارس		غلام حسنین

(۳)

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خاں شروانی

جناب معین الاسلام والمسلمین ادام اللہ وجودہٗ

بعد تحیۃ و سلام۔ آج میں نے جو بلندار جسٹری شدہ روانہ کیا ہے اس میں نیچر شکن جو نظائر درج ہیں اور اخبار آتے سے زیادہ فراہم ہو سکتے ہیں۔ مگر بڑی خرابی متکلمین قوم نے یہ ڈالی ہے کہ خرق عادت بدون معجزہ کے محال کہتے ہیں۔ ایضاً اگر کثرت سے خوارق عادات کا ظہور ہو۔ معجزے کی وقعت باقی نہ رہے۔ اسی وجہ سے میں نے عجائب واقعات کو داخل نہیں کیا ہے اور مضطر ہوں۔ اگرچہ میں نے تحدی کی شرط کی ہے یعنی دعوائے نبوت یا دعوائے تصدیق نبی کرکے خارق عادت معجزہ ہے۔ اور بدون تحدی کے معجزہ نہیں ہے اور یہ قید معجزے کی تعریف میں اجماعی متکلمین اہل اسلام ہے۔ اگر یہ قید ملحوظ رہی تو شاید متکلمین کی مخالفت میری تقریر سے لازم نہ آئے اور روزانہ خوارق عادت بلا تحدی ہونے سے فقط اظہار قدرت و اختیار باری تعالیٰ شانہٗ کا ثابت رہے۔ آپ بھی پورا غور فرمائیں ایسا نہ ہو کہ الٹی پڑے اور معجزہ ہاتھ سے جاتا رہے۔ مثلاً مباہلہ زمانہ موجودہ میں جس کی اجازت ہم کو اثبات حقیقت دین محمدی میں ہے وہ بھی تحدی میں داخل ہوگا یا نہ۔ جناب مولوی حیدر علی صاحب مصنف منتہی الکلام نے دہلی میں ایک رسالہ چھپوایا تھا کہ مباہلہ اہل اسلام کو حرام ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نیچر شکن امور جس قدر ہم ثابت کریں گے۔ خوارق عادت کی کثرت

مزید ثابت ہوگی۔ ریاضت نفسانی کے اعمال جن میں مسمریزم بھی داخل ہے اور بنظر وجوب کفائی میں نے کچھ کہا تھا مزید ثابت کرتے ہیں کہ ہمارا نفس بعد ارتیاض بھی وہ اثر نہیں پیدا کر سکتا ہے جو مثلاً ریاضت انبیا اور اوصیائے کرام کرتے تھے۔ مگر یہ مسئلہ کسی پر واضح ہے جس کو ریاضت نفسانی کچھ ہوتی ہے عام بلکہ خاص لوگوں پر اس کا ثبوت برہانی دشوار ہے۔ آپ یقین میں خوشامد کی باتیں کرتا ہوں کہ مجھے آپ کی لیاقت علمیہ پر پورا بھروسا ہے ورنہ علمائے موجودین ہر چند نزد جس سے مجھے کچھ بھی تعارف ہے ان سے مجھے امید انتصار اسلام کی اصلاح کی نہیں ہے۔ دینی فلسفہ لیا نہ شروع مسئلہ کا جس کو میں غلط بحث جانتا ہوں جدل اور سفسطہ کے سوا دیگر ہیچ۔ بہائی علوم بالکل ہم سے چھوٹ گئے تمام عمر تین دو طالب علم نے مجھ سے سماع طبیعی شفا کے اور مناظر اقلیدس سے پڑھی ہے۔ آپ کا وقت عزیز بہت ضائع ہوگا مگر مجبوری ہے کیا کروں ؎

کس کو دکھلاؤں آبلے دل کے — داغ پڑ پڑ گئے ہیں چھل چھل کے

یہ طول نان اور جملہ اسلام پر اور یہ غفلت علمائے اسلام کی باللہ۔ والسلام

۲ نومبر ۱۸۹۹ء بنارس — غلام حسنین

(۴)

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی

ملاذ مکرم ذوالمجد الاتم زید مجدہ۔

ادام ظلکم۔ تعلیقہ لدیکم۔ مسئلہ نکاح دختران نفد مجوس میں تاریخ الفلاسفہ جس کو ادیب اریب السید عبداللہ آفندی مصری نے زبان فرنچ سے ترجمہ کیا اور مطبع الجوائب قسطنطنیہ میں سنہ ۱۳۰۲ھ میں چھپی ہے بر آمد ہوا صفحہ ۱۳۵ تاریخ بیرھون فیلسوف۔ قال نان الاعجم یتزوج الرجل منھم بنتہ بلا نکیر وذلک موبقۃ عند الیونان۔ اور ظاہر ہے کہ مراد عجم سے دینی مجوسی زردشت پرست لوگ ہیں اب اور تواریخ میں بھی مزید مل جائے گا آپ بھی تلاش کریں۔ بعض افاضل احباب نے حیدر آباد سے لکھا تھا کہ اس کو یعنی مضمون حدیث کو تاریخ سے ثابت کرنا اہل اسلام پر فرض ہے۔ دوسرا اعتراض ان کا اقسام محبت پر تھا کہ محبت کے اقسام نوعیہ (جس پر بنائے استدلال سبب سیوم باب ۱۳ کے ہے) بھی عقلاً ثابت کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ امر بدیہی ہے عقل معمولی بھی اس کو مانتی ہے تاہم معلم اول ارسطو نے اقسام اولیہ محبت کے تین قرار دیں۔ احدھا شفقۃ القرابۃ وثانیھا المیل للالف والثالث محبۃ الاحسان۔ اب ہم ان انواع سے اصناف بنا سکتے ہیں۔ چونکہ صفحہ ۴۲ تک مسودہ حضور نے آج تک واپس نہیں فرمایا اگرچہ میں نے گزارش کی تھی کہ اب کاپی لکھنی شروع ہو چکی لہٰذا میں نے پہلا باب ارادی اور مطلق الثانی کا قرار دے کہ کاپی لکھوا لی۔ آج سے انشاء اللہ چھپنا شروع ہوگا۔ میری رائے یہ تھی کہ اگر یہ کتاب مدارس اسلامیہ میں لڑکوں کو سبقاً سبقاً پڑھائی جاتی یا کہ اسکول اور کالج کے طلبا کو بطور اسپیچ کے سنائی جاتی شاید آپ کا مطلب بہت زیادہ تر کرسی نشین شہود ہوتا۔ مثلاً ریاست بھوپال کے مدارس خواہ رام پور حیدر آباد وغیرہ۔ ایضاً اور جس قدر مدارس اہل اسلام کے جاری ہیں ان کے مہتمم اور مدرسین کو اس کی نزدیک پر آمادگی ضرور تھی۔ مگر یہ امر بدون اس کے کہ حا[illegible]

(٥)

(٨)

(١)

(۳)

بنام سید افتخار عالم صاحب مارہروی

بھائی افتخار۔ السلام علیک

تعجب ہے آپ کو ایسی ناواجب طلب پر اصرار ہو۔ بھئی گرمی نے بازو لا بنا رکھا ہے۔ گھر پر رہا نہیں سفر کی کرن کہے۔ کافرہ ہی گرگیا جینا
کی کافی سزا گھر بیٹھے مل رہی ہے۔ سفر پر سقر سے جھونکے کی کیا ضرورت۔ خدا کے لئے اس دفعہ تو معاف رکھو۔ جو اس درست نہیں ہیں کبھی جا شد ل میں آ نئی تو
کہ احباب مارہرہ کی گرم جوشیوں سے بھی فائدہ اٹھاؤں گا۔ میرا کلام آپ سن چکے ہیں، اخباروں میں شائع ہو جانے کی وجہ سے آپ کے احباب بھی دیکھ چکے ہیں
یا شاید دیکھ چکے ہوں۔ پھر مجھے خاص اس اغراض سے بلانا تو کچھ ٹھیک نہیں۔ تصنیف یا مصنف نکو گنہ بیاں کا زمانہ تو گیا۔ اگر بعز من محال کہیں ہو بھی تو میرے
اس تو یقینا نہیں ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے وعدہ وعدی نہیں کیا تھا۔ چلتے وقت عرض کیا۔ اب مجھے ذرہ سے کیوں نہ جاتے ہو دیکھ ہیں مجھے سن ہوں مجھے
شنوائی نہ ہوئی تو آپ کی وقتی تسکین کے عوض پر بالکل ابتدائی مذاق میں ڈوبا ہوا ایک رنگین خوش نما وعدہ کر دیا۔ آپ کو تو غالب کا وہ شعر [illegible]
ترے وعدے پہ جیے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا / کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا۔ مجھے آپ کی سخن فہمی سے یقین تھا کہ آپ نے بھی اس
وعدے کو اسی رنگ میں خیال کیا ہو گا۔ لیکن اب جب مجھے خواہ مخواہ وعدہ خلاف کا خطاب دیتے نظر آتے ہیں تو پھر بھی کسی طرح سخن فہمی کو ملامت آپ سے
بے چھپے نہیں رہ سکتا۔ یہ بات اس سے مارہرہ جان کو روانہ ہونگا یاد ہو جاؤں گا۔ بخیال کفایت اجمیر کی راہ سے جانے کا ارادہ ہے لیکن ابھی تک کوئی رائے
مصمم قائم نہیں ہوئی۔ وطن سے چھوٹی لڑکی کو بھی بلوایا ہے۔ وہ بھی ساتھ جائے گی۔ آپ کو گر منظور ہو تو علی گڑھ میں مل سکتے ہیں۔ میں ٹھیک تاریخ روانگی
سے بشرط قصد اطلاع دے سکتا ہوں۔   آپ کا بندہ گنہگار مگر شرمسار عبدالغفور

دہلی ۱۳ رجب ۱۹۰۲ء

(۴)

بنام سید افتخار عالم صاحب مارہروی

مکرمی تسلیم

دونوں خط پہنچے۔ پہلا جواب طلب نہ تھا اس سے جواب میں تاخیر ہوئی۔ دوسرے کا جواب فوراً بلکہ فوراً سے بھی پیشتر عرض کیا جاتا ہے۔ میں
ہرگز نہیں چاہتا کہ دربار دہلی کے مزے بغیر دوستوں کے تنہا اوٹوں۔ آپ شوق سے تشریف لائیے اور اپنے دونوں عزیزوں کو بھی لائیے مگر آنے سے پیشتر
کم از کم دو چار روز قبل مجھے مطلع کیجئے تاکہ میں آپ کی راحت و آرام کا سامان پہلے سے کر رکھوں۔ یہاں مکان ایک کرایہ کو میں نے لے لیا ہے۔ اس میں
وسعت تو کافی ہے مگر وہ سامان جو ایک گھر کو کافی آرام کا ذریعہ بنا سکے ابھی تک بہم نہیں پہنچا۔ آپ اور آپ کے عزیز آئیں تو کافی سے زیادہ سامان
لے کر آئیں۔ مکان کا میرا ذمہ۔ اطلاع آئیں تو وقت روانگی بھی مجھے تار دیں کہ میں اسٹیشن پر حاضر رہوں۔ میاں احسن کا آنا بھی احسن ہے۔ میں شاید ان سے زیادہ
ان کا مشتاق ہوں۔ آئیں اور دل پر آنکھوں پہ احسان کریں۔ والسلام۔ خاکسار سراپا نیاز شہباز

دہلی۔ ۸ دسمبر ۱۹۰۲ء

(۸)

(۹)

پہلی دسمبر کا پوسٹ کارڈ آج چوتھی کو بعد چشم انتظار کر چوتھی کی ذہن کا جلوہ نظر آیا۔ حافظ عبدالجلیل صاحب کا تاریخی دیوان بھیجیے کار اصلاح مناسب اصلاحات مناسب کے ساتھ دے دی۔ فرصت ہے بھی اور نہیں بھی ہے۔ الغرض مجنون ان کی نظر میں وقت عبارت ہے ایسے ایسے برسے جس کی (ELASTICITY) کی انتہا نہیں۔ یہ حضرات باوجود تنگی وقت اس میں وسعت پیدا کر ہی لیتے ہیں۔ آپ کی بھابی جان نے جس وقت سے قلم دان کی خوشخبری سنی ہے پڑھنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ کہتی ہیں اب جبھی پڑھوں گی جب قلم دان مع ضروری سامان آجائے گا۔ ریل پارسل اگر منظور ہو تو قلم دان جلد بھیجیے۔ بچوں کو ہم دونوں کی طرف سے دعا کہیے اور بیوی کو بیوی کی طرف سے سلام۔ رحمن صاحب کو حسن التحیۃ شہباز قرل
خاکسار شہباز۔ شہباز منزل اورنگ آباد دکن ۲۴ دسمبر ۱۹۰۲ء

(۷)

بنام سید منتخب عالم صاحب مارہروی

مکرمی سید صاحب۔ تسلیم

مولوی سعید احمد کا مضمون دیکھا گیا اور آپ کی تحریک نظر سے گزری۔ یہ خیال میرے دل میں بھی مدتوں سے تھا مگر گردش زمانہ نے ظاہر ہونے کا موقع نہ دیا۔ ایک زمانے میں میرے مخدوم اکبر میر اکبر حسین صاحب آگرے کے سب جج تھے اس وقت یہ خیال اس عنوان سے ذہن میں آیا تھا کہ ان کے توسط سے حکام والا مقام فرنگستان سے تحریک کرائی جائے تاکہ لارڈ کرزن کے ماتحت لب آثار قدیمہ گورنمنٹ مدد کرے اور یہ مرحلہ ساتی سے طے ہو مگر یہ خیال بھی دل کا دل ہی میں رہا۔ مولوی سعید احمد گویا میرے خیال کے ترجمان بنے اور فضیلت تقدم انھوں نے حاصل کی۔ حالی تائید جس کی طرف آپ اشارہ کرتے ہیں میں کیا کر سکتا ہوں جب کہ میں خیال تائید ہی بطور خود مستقلاً نہ کر سکا۔ کتاب جو میں نے نظیر کے حالات میں لکھی وہ بھی غربت سے نہ چھپا سکا۔ مجبوراً اس کا حق تصنیف مطبع نول کشور کو ہبہ کر دینا پڑا۔ اگر اس کا حق تصنیف میرے قبضے میں ہوتا تو شاید آج میں اسے خاص یادگار نظیر کی غرض سے کمیٹی یادگار نظیر کو ہبہ کر دیتا۔ اب بھی اتنا کر سکتا ہوں کہ اس کتاب کو مجدداً نہایت تحقیق اور زیادتی سے نظیر کی سوانح عمری میں معقول مدد آپ جیسے احباب جو خود آگرے میں رہتے ہیں جہاں سے آسانی سے بہت سے حالات تازہ بہم پہنچ سکتے ہیں فراہمی مواد سوانح عمری میں معقول مدد فرمائیں۔ جہاں تک میرا خیال ہے نظیر کی نواسی ہنوز زندہ ہیں۔ میں نے جس قدر حالات زندگی بے نظیر کی ان کی روایت سے درج کیے ہیں وہ صرف ایک ملاقات کا نتیجہ ہیں۔ آپ یا مولوی سعید احمد ان سے کر رل سکتے ہیں اور کثرت سے دل چسپ حالات بہم پہنچا سکتے ہیں اگر خدانخواستہ وہ مر چکی ہوں تو اور ذرائع ہنوز باقی ہیں۔ مثلاً وہ معدوم البصر دیش نما بڑے میاں یا میاں نظیر کے اور زندہ ورثہ۔ دیوان فارسی و اردو نظیر کا ہنوز دستیاب نہیں ہوا۔ سنا ہے کہ الہ آباد میں ان کی کسی وارث کے پاس ہے۔ اس کو کسی تدبیر سے بہم پہنچانا چاہیے۔ اگر مولوی سعید احمد صاحب اسی کام میں مصروف ہیں تو ان کو مجھ پر ہر حال میں ترجیح حاصل ہے۔ وہ مجھ سے اس کام کو بہتر اور جلد کر پائیں گے۔ شاید ان کی کتاب دیکھنے کے بعد چراغ سے چراغ جلتے ہیں کے اصول پر میں بھی کچھ اپنی روشنی طبع دکھاؤں۔ یادگار کے باب میں صرف قبر کا چبوترا بنوا دینا اور لوح مزار کندہ کرا دینا کافی نہیں ہے۔ اور نہ صرف عام رعایا کی خدمت میں اپیل مفید مطلب سمجھی جا سکتی ہے۔ حکام انگریزی ایسے امور میں مدد دینے کو ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ صرف تحریک کی دیر ہوتی ہے۔ کیا آگرے میں کوئی ایسا کلکٹر یا کمشنر نہیں ہے جو اس کمیٹی یادگار نظیر کا پریسیڈنٹ مقرر کیا جائے۔ سب سے پہلے مناسب یہ ہے کہ باضابطہ ایک کمیٹی یادگار نظیر قائم کی جائے بعد ازاں وہ کمیٹی اپنے ممبروں کا ایک ڈپیوٹیشن اعلیٰ حاکم شہر کی خدمت میں لے جائے اور اس سے حمایت و اعانت چاہے خیالی اور عملی ہمدردی کی درخواست کرے۔ جب ایسے حاکم کی سرپرستی حاصل ہو جائے

(٧)

وارڈن کی اصل کتاب انگریزی بذریعہ بک پوسٹ آج اسی طریقے کے ساتھ روانہ ہوئی ہے کمیٹی جلد فیصلہ کر لے ورنہ شاید پھر مجھے فرصت نہیں رہنے کی . . . اگر کہیں نوکری ہو گئی تو ترجمے کے لئے شاید صبح یا شام وقت نکال سکوں گا ۔ مکرر ۔ آپ کے شعروں نے بہت مزہ دیا رو، جس کی تو کہاں مگر اظہار شکریہ ضرور ضروری تھا ۔ لہٰذا دو شعر میں بھی عرض کرتا ہوں ۔

بہتر از برج شرف بیت حبیب — نقش بر روز نوروزے ہیں
ہر طرف بزمِ نگر و زعقل او — عقل آمادۂ افروزے ہیں

خاکسار سراپا نیاز شہباز

دہلی ۔ ۸ رمئی ۱۹۰۶ء

سیّد علی حسن خاں

(۱)

بنام مولانا ابو الکلام آزاد

مخدومنا المکرم!

تحیہ و تسلیم۔ پہلا پرچہ "الہلال" کا جب میرے پاس پہنچا تو بے اختیار دل چاہا کہ سب سے پہلے میں اس کا خیر مقدم کروں اور
اس کے متعلق کچھ مضمون لکھوں لیکن عرفت ربی بفسخ العزائم بعض مکروہات لاحقہ کی وجہ سے میری یہ آرزو پوری نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ
الہلال میں طلب رائے کے [illegible] مضمون شائع ہوا اور ہندوستان کے اطراف و جوانب سے خطوط پہنچنا شروع ہوئے اور اکثر الہلال میں
شائع ہوئے مگر بدقسمتی سے یہاں اس وقت بھی اپنے ارادہ میں ناکام رہا اور یہ سمجھ لیا کہ کل امر مرہون [illegible]۔

خدا کا شکر ہے کہ خوش قسمتی سے اب مجھ کو ایک موقع ملا کہ میں اپنی دیرینہ رفیق آرزو کو پورا کروں واللہ ولی التوفیق۔ اس
اظہار کی تو چنداں ضرورت نہیں کہ آپ کے مشن الہلال کے اور مقاصد عظمیٰ کے ساتھ مجھ سے بڑھ کر کون متفق اور متحد الخیال ہو سکتا ہے
میری ناچیز تالیفات اور خصوصاً المدینۃ فی الاسلام کا مسودہ جو اب چھپ کر شائع ہو گیا ہے اور جس کی ایک جلد بطور ہدیہ [illegible]
ہے آپ بماہ رمضان شریف جس کو تقریباً دو برس کا عرصہ ہوا ہے جستہ جستہ ملاحظہ فرما چکے ہیں اس میں میں نے کتاب و سنت ہی کے ذریعہ سے [illegible]
دکھانے کی کوشش کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ کتاب و سنت کے عمل یا ترک عمل پر مسلمانوں کی ترقی و تنزل اور زندگی و موت کا انحصار ہے

میرا قدیم سے یہ سچا مستحکم یقین ہے کہ مسلمانوں کی قومیت کا مدار صرف اسلام پر ہے۔ مسلمان جب تک کتاب و سنت کو نہ [illegible]
ذریعہ نجاتِ آخرت سمجھ کر بلکہ ایک مکمل قانونِ ربانی اور دستور العمل زندگی سمجھ کر مضبوط نہ پکڑیں گے نہ ان کی آخرت درست ہو سکتی ہے نہ دنیا میں
ذرہ بھر کامیابی ہو سکتی ہے۔ افسوس ہے کہ یورپ کی دو رنگی تہذیب اور مصنوعی فریب مادی ترقی نے مسلمانوں کو ایسا مبہوت کیا [illegible]
من المس رہا کہ نہ صرف وہ اپنے قومی محور (اعلاء کلمۃ اللہ) ہی سے دور جا پڑے اور اپنی قومی خصوصیات، اسلامی شعائر اور قانونِ [illegible]
ربانی کے حکیمانہ طریقۂ عمل سے بے خبر ہو گئے بلکہ یورپین تہذیب اور تمدنی ترقیوں کی چمک دمک دیکھ کر ان کی آنکھیں ایسے چندھیا گئیں کہ وہ [illegible]
ظاہری طلسم میں پھنس کر یورپین تہذیب اور ترقی کے ہاتھ میں کھلونا بن کر رہ گئے ہیں

نہ شنودت زدنیا نہ زدیں نصیب مظہر تو برفن بے کمالی بہ تو ہر کمال داری

کاش اس سے تو دعالم برہمن، وہ مسلمان ہی نہ رہتے تو ان بدان کی چند روزہ زندگی کچھ سنور جاتی اور کچھ کام کے کسی بن جاتے [illegible]

مدعیان راہنمائی ... کرسی نشینانِ رشد و ہدایت کی بھی کوئی ادا اسلامی شان کی جھلک لیے ہوئے بہت کم نظر آتی تھی۔ ان کی تمام تحریر و تقریر اور اقوال و افعال میں سوائے تمدنی اور فضول یورپ کی داستانوں کی ترتیبوں کے ذکر کے کتاب و سنت کا نام تک نہیں آتا تھا۔ جو ہر شے ذکالعدم میں داخل ہے اس کا لازمی نتیجہ جو ہونا چاہئیے تھا وہ ہوا۔ عام مسلمان جو ایک ربانی قانون کو ازلی و ابدی ہے صرف ایک مقدس قابلِ ادب دینی کتاب سمجھ کر اپنے روزانہ اعمالِ زندگی میں اس سے بے پروا ہو گئے اور دنیاوی معاملات میں اس سے کچھ سروکار نہ رکھا۔

جو خاندان علوم مذہبی سے بالکل کورے تھے ان کے نونہالوں نے جب آنکھ کھول کر یہ کارخانہ دیکھا تو انہوں نے اسلام کو ایک پرانا فیشن یا زیادہ سے زیادہ ایک پولیٹیکل پانسہ جان کر اور شعائرِ مذہبی کو ایک لغو بیہودہ سمجھ کر اپنی کتابیں ....

.... ایسے مذہبی جہل و ضلالت کے تاریک زمانہ میں اور ایسے پُر آشوب وقت میں جبکہ راستی و کذب، اخلاقی جرأت و بدلگامی، حق و باطل اور ترقی و تنزل کے اسباب میں تمیز کرنا مشکل اور بہت مشکل ہو گیا ہے۔ زبانیں دراز اور دستِ عمل کوتاہ ہو گئے ہیں۔ قحط الرجال نے قومی ترقی کے لہلہاتے ہرے بھرے کھیتوں کو بار کر تباہ و برباد کر دیا ہے، الہلال جیسے سراپا نام میگزین کا قومی افق پر ابرِ رحمت بن کر نمودار ہونا عجائباتِ قدرت کا ایک عظیم کرشمہ نہیں تو کیا ہے۔ بارش کے ساتھ ہوا کا زور، بجلی کی چمک اور بادل کی گرج کا ہونا کوئی غیر متوقع امر نہیں ہے۔ نازک مزاجوں، کمزور طبیعتوں، مظلوم نما آنکھوں کو رعد کی آواز اور بجلی کی چمک کیسی ہی ناگوار ہو لیکن اس کی قدر و قیمت ایک فلاکت زدہ خشک لب کسان کے دل سے پوچھنا چاہئیے جس کی کھیتی پڑی سوکھ رہی ہو اور راتوں کو وہ بار بار اپنی جھونپڑی کے روزنوں سے آسمان کی طرف حسرت و امید سے نظر ڈال رہا ہو کہ اتنے میں دفعتہً اس کو [illegible] آسمان کے ایک جانب بجلی چمکتی ہوئی دکھائی دے۔ یا ایک تشنہ جگر آرزومندِ وصال سے پوچھنا چاہئیے کہ ایک پرجوش اور سراپا اشتیاق بھرے دل سے ہاتھ اٹھا اٹھا کر اور آسمان کی طرف دیکھ کر یہ دعا کرتا ہے ؎

پلٹ جاتے ہیں وہ بجلی کے ڈر سے　　الٰہی یہ گھٹا کچھ دن تو برسے

خدا کرے کہ اسی بجلی کی طرح یہ رعد و برق یعنی الہلال کا لب و لہجہ بھی بجائے ناخوشگوار ہونے کے قوم کے بچھڑے ہوئے دلوں کو آپس میں ملانے اور روحانی وصال کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہو جائے۔ قوم کی سوکھتی ہوئی کھیتی لہلہا اٹھے اور ہماری قومی خزاں کا موسم فصلِ بہار سے متبدل ہو جائے ؎

بہار رفتہ پھر آئی ترے تماشہ کو　　چمن کو یمن قدم نے ترے نہال کیا

وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

اب اخیر میں اس مضمون کو اس استدعا پر ختم کرتا ہوں کہ جہاں تک ممکن ہو الہلال کے اوراق میں اضافہ کیجئے اور تشنہ لبانِ آبِ حیات کو سیراب کیجئے۔ ایک پرچہ آنے کے بعد دوسرے پرچہ کا ہفتہ بھر ویسا ہی انتظار رہتا ہے جیسا کہ ایک روزہ دار کو وقتِ افطار کا۔ سلام مع الاکرام!

خاکسار علی حسن - ۲۸ اکتوبر ۱۹۱۲ء

(٨)

(TO BE GOOD AND TO DO GOOD)

(١)

(6)

(۲)

بنام جناب مولوی محمود احمد صاحب عباسی

INDIA OFFICE
WHITE HALLIS. W. I.

مائی ڈیر مولوی محمود احمد صاحب!

تسلیم - میں پرسوں آپ کے عنایت نامہ کا جواب لکھ چکا ہوں - کل مجھ کو کانفرنس رسالہ کی دونوں جلدیں اور ...
کی آنریری جلدیں وغیرہ ملیں - اس وقت یہ عریضہ صرف بطور رسید کے لکھتا ہوں تاکہ اس ڈاک سے روانہ ہو سکے - آئندہ انشاء اللہ
رسالہ کانفرنس کے متعلق لکھوں گا -

آپ نے مجھ کو جو سفید سُرمہ دیا تھا وہ مجھ کو بہت مفید ہوا میں ہر روز رات کو اس کو استعمال کرتا ہوں اس قسم کا اور اگر
آپ بھیج سکیں تو ممنون ہوں گا - عرصہ ہوا میں نے شمشاد کو لکھا تھا کہ وہ آپ سے دریافت کر کے اس قسم کا سُرمہ بھیجے ...
اس نے آپ سے دریافت کیا ہوگا - میری آنکھ کا مزاج بہت گرم ہے ... گرم سُرمہ مفید نہیں ہوتا - جہاں تک ...
ٹھنڈے اثر کا ہو - والسلام!

آفتاب احمد - ۱۳ اگست ۱۹۱۸ء

(۳)

بنام شاہ سلیمان پھلواروی

جناب والا شاہ صاحب!

تسلیم - کل جس وقت میں ریل میں یہاں آ رہا تھا دل میں یہ خیال تھا کہ کیا اچھا ہو اگر جناب سے نیاز حاصل ہو - میں خود
ملنے کے لئے دل سے مشتاق ہوں - سر علی امام صاحب فرماتے ہیں کہ کل شام کو پانچ بجے جناب یہاں تشریف لادیں اور چائے نوش ...
جناب مولوی رحیم بخش صاحب ابھی دفتر سے واپس نہیں آئے - فقط!

خاکسار آفتاب احمد - بانکی پور ۱۸ نومبر ۱۹۱۸ء

(۴)

مکرمی!

تسلیم - عنایت نامہ پہنچا - ممنون ہوا - میں خدا کے فضل سے اب بہت بہتر ہوں - آپ نے جس امر کی نسبت لکھا ہے
اوس کے متعلق عرض ہے کہ آپ کی جو اسکیم ہے وہ آپ درخواست با خط کی شکل میں ہز ہائی نس کے نام لکھیں - اوس پر میں آپ کے
متعلق جو جانتا ہوں بخوشی لکھ دوں گا - میرے خیال میں ہز ہائی نس کو نواب محسن الملک بہادر کی لائف کے متعلق زیادہ دلچسپی ہوگی ...
وہ مرحوم نواب کے دل سے مداح ہیں - فقط!

خاکسار آفتاب احمد - آفتاب منزل علی گڑھ ۲۱ فروری ۱۹۲۰ء

(۷)

حکیم حبیب الرحمٰن خاں

شفاء الملک حکیم حبیب الرحمٰن خاں اپنے زمانے کے بلند پایہ ادیب اور باکمال شاعر تھے۔ آبا و اجداد کا وطن پشاور تھا۔ آپ کے والد نے دیوبند میں تعلیم حاصل کی مولانا اشرف علی تھانوی ان کے ہم سبق تھے۔ اس کے بعد ڈھاکہ پہنچے اور وہیں مقیم ہو گئے۔

حکیم حبیب الرحمٰن [illegible]ء میں پیدا ہوئے تھے۔ بچپن میں شعرگوئی کا شوق پیدا ہوا۔ احسن تخلص اختیار کیا۔ لکھنؤ، دہلی، آگرہ، کانپور کی خوب خوب سیر کی۔ وہیں دینیات اور طب کے درس سے سبکدوش ہوئے۔ بڑے بڑے شاعروں میں شرکت کی۔ شعر بہت کم کہتے تھے مگر جب کہتے تھے تو ایسا کہتے تھے ؎

زاہد فسردہ زمانے کے نہیں ہم پابند کو — کعبہ یا دیر غرض ہم نے کہیں دیکھ لیا
جھک کے سجدہ کیا بت کے لیے توبہ توبہ — ہم نے احسن ترا ایمان ترا دین دیکھ لیا

نوابان ڈھاکہ کے مشیر طبی کی خدمت انجام دینے کے علاوہ ۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ سے "المشرق" اخبار ان کی ادارت میں جاری ہوا۔ ۱۹۲۳ء میں ماہنامہ "جادو" جاری کیا۔ ۱۹۳۳ء میں طبیہ حبیبیہ کالج کی بنیاد رکھی جس نے بنگال میں علم طب کو فروغ دیا اور غریبوں کی طبی امداد میں بڑا کام کیا۔ یہ کالج آج تک قائم ہے۔ ان کے علاوہ حیاتِ سقراط، ثلاثہ غسالہ، آسودگانِ ڈھاکہ، ساعو ڈھاکہ، ڈھاکہ اب سے پچاس برس پیشتر، کچھ اپنی باتیں، ڈھاکہ کی تاریخی عمارتیں وغیرہ تصانیف بھی ان کی یادگار ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں بمقام ڈھاکہ ان کا انتقال ہوا۔

منشی محمد الدین فوق [illegible] ان کے بڑے اچھے تعلقات تھے جن کا اندازہ ان خطوں سے ہو سکتا ہے جو حکیم صاحب نے وقتاً فوقتاً منشی صاحب کے نام لکھے۔

(محمد عبد اللہ قریشی)

(۱)

(۵)

بنام منشی محمد الدین فوق

مکرمی محترم!

آپ کا پیام خان بہادر تک پہنچا دیا گیا۔ جلد انتظام ہو جائے گا۔ گھبرائیے نہیں۔

آپ کا مضمون احباب کو بہت پسند آیا۔ سب نے تعریف کی۔ جون کے پرچہ کے لئے مضمون کا انتظار ہے۔ اب کے آپ کی کشمیری برادری ہی جادو میں جلوہ گر ہے۔ خورد ایڈیٹر[1]، خواجہ معظم، میرزا جعفر، خواجہ اسحاق، سید بیدار، سید ممتاز، حضرت فوق، یعنی آپ اور سب دوسرے کشمیری ہیں۔ اس کے بعد ندا علی خاں، مولوی ثاقب اور در پردہ میاں حبیب الرحمان یہ سارے پٹھان ہیں۔ معلوم نہیں کوئی کمبوہ بھی ہے یا نہیں۔

آپ کا حبیب الرحمان - ۱۴ جون ۱۹۲۳ء

(۶)

بنام منشی محمد الدین فوق

مکرمی حضرت فوق! سلامت رہیں

تسلیم۔ مزاج گرامی۔ مشترک تحریر نے سرفراز کیا۔ اس وقت رسالہ جادو آپ کے ہاتھوں میں ہوگا۔ یہ عذر صحیح نہیں۔ آپ نے طریقت میں اور طریقت کے لئے یہاں کا سرمایہ (علمی) بہت استعمال فرمایا ہے اور اب تک ذخیرہ میں ہے۔ اچھا آپ کو یاد دلاؤں۔ آپ نے مقیم کے لڑکے اور لڑکی کا جو قصہ لکھا تھا (ماخوذ از تاریخ ڈھاکہ) مہربانی کرکے اس کو ایک بار اچھی طرح دیکھ جائیے اور حک و ترمیم کے بعد بھیج دیجئے۔ آپ کی مصروفیت سے اس قدر بھی بہت ہے۔ سچ بات یہ ہے کہ آپ دوستانہ برتاؤ سے گذر کر ہم لوگوں سے محبت کرتے ہیں ورنہ رات کے تین بجے کون کسی کو خط لکھتا ہے۔

سخت شرائط کی پابندی کی وجہ؟ آپ خود جادو میں دیکھئے۔ نظر بندی کی خوب کہی۔ شباب اردو (لاہور) دیکھتا ہوں ع

گل پھینکے ہے اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی

اے خانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی

تاریخ آثار جلد چھپوا دیجئے تاکہ اب کے جو لاہور آؤں تو اس سے کام لے کر جی بھر کر دیکھ سکوں۔ والسلام!

آپ کا حکیم حبیب الرحمان - (تاریخ ندارد) ۱۹۲۳ء

(۷)

بنام منشی محمد الدین فوق

برادرم!

علامہ سیالکوٹی کی سوانح عمری لکھ کر آپ ایک بڑا حق ادا کر رہے ہیں۔ لیکن علامہ ممدوح کی یہی تعریف کافی نہیں ہے کہ

---

[1] خواجہ محمد اعظم [2] خواجہ محمد عادل

(٦)

(٧)

(۱۱)

(۰۱)

(۸)

(۱)

(٧)

(٦)

٨

حکیم ناطق گلاؤٹھی

(۱)

بنام حضرت آسی مرحوم لکھنوی

برادرمن السلام علیکم۔ (از جونا بیل روڈ ناگپور سٹی)

زندہ ہوں اور دعا کرتا ہوں۔ اچھا ہوا کہ حسن اتفاق سے حسام صاحب کاکوری لکھنؤ پہنچ گئے تھے۔ جناب ممدوح سے آپ کو میری مسلسل پریشانیوں کی داستان معلوم ہوگئی ہوگی۔ واپسی پر مجھ سے اور ان سے کپتان صاحب کے گارڈن میں ایک رواداری کی ملاقات ہوئی جس میں انہوں نے مختصراً بتایا کہ آپ میرے شاکی ہیں اور بے حد شاکی کہ عرصے سے میں نے آپ کو خط نہیں لکھا اور کچھ بات نہیں کہی۔ وہ اس کے بعد ایک مرتبہ میری غیر موجودگی میں گھر آکر چلے گئے اور میں ان تک نہیں پہنچ سکا۔ ناگپور کی گرمی معاذ اللہ ایک سو سترہ ڈگری کے خط پر نیچے اوپر پارہ کھیل رہا ہے۔ حسام صاحب تین میل کے فاصلہ پر رہتے ہیں۔ بہت ہمت کی کہ جاؤں اور ملوں اور آپ کے تفصیلی حالات پوچھوں مگر کچھ بڑھاپے نے اور کچھ صحت نے مزاحمت کی۔ نتیجہ یہ ہے کہ اب تک ان سے ملاقات نہ ہوسکی۔ یہ لکھوں تو کیوں کر لکھوں کہ عدیم الفرصت رہا اس لئے خط نہ لکھ سکا اس طرح تو آپ کو حق ہو جائے گا کہ مجھے جھوٹا کہہ دیں کیونکہ عدیم الفرصتی کا سلسلہ مہینوں نہیں آسکتا البتہ اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ مختصر خط لکھ دینے کا تو ضرور موقع تھا لیکن میں یہ چاہتا تھا کہ فرصت سے بیٹھوں اور اطمینان کے ساتھ سب کچھ لکھوں ایسا وقت نہ ملا۔ اور آج کل آج کل کرتے ہوئے اتنی دیر ہوگئی کہ میں آپ سے معذرت کرنے کے قابل بھی نہیں رہا۔ اب آپ خود ہی معاف کردیں گے تو عنایت ہوگی۔ ورنہ قصوردار تو ہوں ہی۔ بھائی خدا جانتا ہے کہ نہ مجھے نام و نمود کی تمنا ہے اور نہ مشاعروں میں شریک ہونے کا شوق اور شوق ہوتا بھی تو ایسی حالت میں کیا شرکت گوارا کرتا۔ جب کہ فرقہ بندی کی داد ملتی ہے۔ اور غلط اشعار پسند کئے جاتے ہیں۔ میں چوبیس گھنٹے کا سفر اور وہ بھی ان گرمیوں میں کرکے جے پور گیا تھا تو آپ کے اور محض آپ کے لئے کیونکہ آپ نے بھی لکھا تھا اور میاں اطہر نے بھی یقین دلایا تھا کہ آپ ضرور شریک ہوں گے۔ بڑی مایوسی ہوئی اور بہت پچھتایا۔ جب میں وہاں پہنچا اور آپ کو نہ پایا۔ قسمت نے دوسرا ظلم مجھ پر یہ کیا کہ جب میں یہاں سے روانہ ہوا تو میری اطلاع کے بغیر مولوی عبدالکریم شاہ نے جونا گپور میں تاج الدین رح ولی کے جانشین اور جے پور میں بڑے پیر مانے جاتے ہیں نواب الزار الرحمن صاحب بسمل کے نام ایک تار کھٹکا دیا۔

یہ صاحب ریل پر تشریف لائے اور اسٹیشن ہی سے پکڑ باندھ کر ایک گاڑی میں ڈالا اور مجھے اپنی کوٹھی پر لے گئے
حق تو یہ ہے کہ جناب ممدوح نے بڑی خاطر مدارات کی لیکن میرے خیال کے مطابق ان بزرگ نے ناحق مجھے شعرا کی
قیام گاہ سے علیحدہ کر دیا کہ کسی سے مل کر تھوڑی دیر اطمینان سے باتیں بھی نہ کر پایا کہ جب جاتا تھا نواب صاحب تشریف
لے جاتے تھے اور انہیں ہر وقت ٹی، ٹفن، لنچ، بریک فاسٹ، ڈنر اور سپر کی فکر بنی رہتی تھی یعنی ہر وقت یہی تقاضا
رہتا تھا کہ جلدی چلو اور کھاؤ۔ حاصل یہ کہ یہی کھانا مجھے کھا گیا اور ملنے والوں سے بھی نہ مل سکا۔ نئی راہ و رسم تو کبھی
سے کیا پیدا کرتا۔ معلوم ہوا کہ وصلؔ مقبول بھی تشریف لائے ہیں، آپ کے لئے ان سے ڈھونڈ کر ملا۔ مگر وہ جیسے انسان
ہیں آپ بھی جانتے ہیں اور میں بھی۔ اول تو انہوں نے پہچانا ہی نہیں اور جب زبردستی کی یاد دلائی تو ملے بڑی محبت
سے مگر کوئی پتے ٹھکانے کی بات نہ ہوئی بلکہ اس ملاقات کا ایک برا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے تدیرؔ، سراجؔ سے بھی ملنا پڑا اور
مشاعرے میں سراجؔ کے اس شعر پر

کچھ اور مانگنا مرے مشرب میں کفر ہے لا اپنا ہاتھ دے مرے دستِ سوال میں

جو میں نے رُک کر داد دی تو مشاعرہ الٹ گیا اور سراج الدولہ ملک الشعرا بن گئے۔ حالانکہ شعر کی لغویت خود شعر سے ظاہر
ہے۔ مگر مشاعروں میں ایسی باتیں کون دیکھتا ہے۔ میں نے بھی اپنی غزل پڑھی لیکن اظہرؔ۔ یگانہؔ۔ عطا بدایونی۔ بزم اکبر آباد
اور چند دہلی والوں کے علاوہ کسی نے داد نہ دی۔ لکھنؤ کے شعرا تو اس وقت خصوصاً خوش گپی میں مشغول تھے۔ جس سے
مجھے معلوم ہوا کہ سراجؔ اور تدیرؔ میں کس قدر شکر گزاری کا مادہ ہے۔ آپ کے ناشاگرد شاگرد وصلِ بلا فصل تو قابلِ ذکر ہی
نہیں مگر مجھے ان باتوں کی کوئی پروا ہی نہیں کہ میں تو مشاعرے کے لئے گیا ہی نہیں تھا۔ اور زمین ایسی تھی کہ ہندوستان
کا شاعرِ اعظم بھی تقطیع سے پھسل پڑا۔ فانی بدایونی کوئی کام کا شعر نہ نکال سکے اور یگانہ صرف دو شعر پڑھ کر
معہ باقیات صالحات کے معافی مانگ کر منبر سے اتر آئے۔ باقی رہے جگرؔ و جوشؔ سو انہوں نے طرح میں راہ نکالی
اور بے طرح سنائی۔ ساغرؔ کس گنتی میں ہیں۔ یہ بیچارہ بھی منبر پر آیا اور بے طرح گا گیا۔ میری غزلِ مشاعرہ و نیز میاں
قمرؔ کی غزل اس کے ہمراہ بھیجتا ہوں۔ خدا جانے ان میں کیا کیا لکھا ہے۔ میاں قمرؔ جو اس وقت کاتب الحروف بھی ہیں۔

۳ رجون ۳۵ء ناطق

A.H. NATIQE (۲)

JUNA JAIL ROAD, NAGPUR CITY, C.P.

بنام حضرت آسیؔ مرحوم لکھنوی

برادرمن۔
السلام علیکم۔ محبت نامہ ملا۔ جواب میں پورے ایک ہفتہ کی دیر ہو گئی۔ وجہ یہ ہے کہ آپ نے تحریر کیا ہے کہ کل کی
میٹنگ میں تیرے نام دعوت نامہ مشاعرہ نمائش لکھا گیا ہے اور اس امید کے ساتھ کہ پہنچا ہو گا یا ایک دو روز میں پہنچے
گا۔ یہ خط ہنوز نہیں آیا اور میں اس خیال میں رہا کہ وہ آئے تو جواب بھی لکھوں اور آپ کو اطلاع بھی دے دوں مگر
پورا ہفتہ گزر گیا وہ نہ آیا اور اب میں اس کے انتظار میں جواب کو روکنا پسند نہیں کرتا۔ آپ کا عقد انہاک بکر قابل
پذیرائی بھی ہے مگر مصیبت یہ آ پڑی کہ میں اگر احباب فراموش نہیں تو خود فراموش ضرور ہوں۔ احباب اپنی مصروفیتوں

میں ہی سہی مجھے خط نہیں لکھتے اور میں اس خیال میں رہ جاتا ہوں کہ جواب میرے ذمہ نہیں اُن کے ذمہ ہے مگر جب زیادہ عرصہ گزر جاتا ہے تو پھر مجھے خیال نہیں رہتا اُلٹی شکایت ہو جاتی ہے اور معافی مانگنا پڑ جاتا ہے۔ میرے دوش کے لفظ والے شعر سے آپ مطمئن ہو گئے۔ تو مجھے بھی اطمینان ہو گیا ورنہ غزل سے نکالنا پڑتا۔ مینا میں میرا جو خط شائع ہو گیا وہ میری اطلاع کے بغیر چھپ گیا اگر مجھے معلوم ہو جاتا تو روک دیتا یا کم از کم کچھ رد و بدل ضرور کر دیتا ایک وصل ہی کیا۔ میرا خیال یہ ہے کہ اُس سے کئی اشخاص کو ناگواری پیش آئے گی۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ خط میں نے بوجہ علالت بیٹھے بیٹھے قمر سے لکھا یا تھا اور اُنہی سے پوسٹ کر دینے کو بھی کہہ دیا تھا یہ کس کو خبر تھی کہ وہ نقل رکھ لیں گے اور یہ کریں گے۔ شاکر غریب سمجھے کہ میرے ایما سے بھیجا گیا ہے اس لئے داخل کر لیا اور بعد میں جب میں نے انہیں لکھا تو یہی جواب بھیج دیا۔ خیر رفت و گذشت اب تو چھپ گیا۔ میری غزل جو آپ نے مینا میں دیکھی اور پسند کی یہ بھی کوئی نئی نہیں قمر کے پاس رکھی تھی۔ اُنہوں نے بھیج دی۔ یہ غزل آپ کے پاس بھی ضرور موجود ہے۔ لیکن آپ کو خیال نہیں رہا۔ امید ہے کہ آپ نے حسب تحریر کچھ نہ کچھ ضرور اب تک اس پرچہ کے لئے بھیج دیا ہوگا۔ مشاعرہ کا دعوت نامہ اگر آئے گا۔ تو آپ کی تحریر کے مطابق جواب دے دیا جائے گا۔ اطمینان رکھئے۔ کائنات کا بھی حال معلوم ہوا۔ آپ کیوں شوکت سے ناراض ہوں یہ کیوں نہ سمجھیں کہ کائنات میں ایسا بھی ہوتا ہے اور پھر مجھ غریب کی کائنات کیا جس کا انہیں خیال ہوتا۔ آپ فرماتے ہیں کہ لکھنؤ آنے کے وقت سنترے ضرور لائے جائیں آپ کی ایسی اشتیاق آمیز تحریر آنے کے بعد ساتھ کا انتظار دیکھنے کی ضرورت نہ تھی میں ابھی بھیج دیتا مگر بھائی سنترے اور اس موسم کے اللہ جانتا ہے ناگپور والے تو ہاتھ بھی نہیں لگاتے خدا جانے ان سنتروں کو بیرونجات کے لوگ کیونکر کھاتے ہیں۔ میں نے آپ کا خط آنے پر اس خیال سے کہ دیکھوں کیا حالت ہے۔ دس بہترین سنترے مارکیٹ سے (منڈی) منگائے اور کئی روز رکھنے کے بعد بھی کھول کر دیکھے تو وہی ترش۔ سب پھینک دیئے گئے بہر حال کچھ ضرور لاؤں گا اور اچھے سنترے آپ کو اپریل میں بھیجے جائیں گے۔ مشاعرہ کی غزل کے جو پانچ شعر آپ نے ارسال کئے ہیں بہت خوب ہیں۔ میں نے اخیر کے دو اشعار کو خصوصیت سے پسند کیا۔ بھلا آپ نے مطلع کیوں نہیں بھیجا۔ میری غزل بھی اس زمین میں ہے مگر بس ہے یاد اب ایک شعر بھی نہیں۔ بچوں کو پیار اور دعائیں۔ والسلام

۲۰ نومبر ۱۹۳۶ء

ناطق

A.H. NATIQUE (۳)

JUNA JAIL NATIQUE ROAD, NAGPUR CITY, C.P.

بنام حضرت آسی مرحوم لکھنوی

مولوی صاحب۔

ابھی ابھی ڈاکیہ نے آپ کا محبت نامہ لا کر دیا۔ اوّل تو لفافہ ہی دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی کھول کر پڑھا تو اور خوش ہوا کہ اس میں آپ کے فرزند ارجمند کے تولد کا مژدہ جانفزا بھی موجود تھا خدا اُس کی اور اس کی ہمشیرہ کی عمر دراز کرے اور آپ کو ان کی خوشیاں دکھلائے۔ آپ کی خیریت وجہ مسرت مزید ہے۔ میں مردہ دل بھی بظاہر تندرست

ہوں۔ لیکن صدمہ جاتا نہیں اور اس کے اثر سے وہ سب عوارض بھی لاحق ہوگئے ہیں جنہیں لوازم پیری کہا جاتا ہے
ابراہیم خاں صاحب کی جو آپ نے شکایت کی وہ میں ان تک پہنچا دوں گا۔ بات اصل یہ ہے کہ یہ صاحب جس کام
لئے لکھنؤ گئے تھے وہ نہایت مصروفیت کا تھا۔ کچھ تو اصل مدعا کی مشغولیت میں اور کچھ اہل لکھنؤ کی ضیافتوں میں
انہیں اتنی فرصت تو ضرور نہیں ملی کہ آپ کو بار بار تلاش کرتے مگر وہ کہتے تھے کہ روانگی کے روز ایک وقت
آپ کے وہاں گئے تھے اور آپ کو موجود نہ پاکر مایوس ہوئے۔ ان کا خلوص میرے ساتھ ایسا ہے کہ میں اس بیان
یقین کرتا ہوں۔ خیر رفت وگذشت۔ اب آپ کا خط آگیا اور سب برابر ہوگیا۔ یقیناً خربوزے وہاں سے یہاں تک
لاری کا مسافر نہیں لا سکتا چنانچہ وہ خود بھی جو میرے لئے لائے تھے اُن میں سے صرف چار صحیح سالم پہنچا سکے۔
لیکن ریل میں کل ۲۴ گھنٹے کا معاملہ ہے ساسی سال کاکوری کے ایک دوست نے مجھے بھیجے تھے اور نصف سے
زیادہ اچھی حالت میں مل گئے تھے مگر میں نے یہ کیا تھا کہ پیشگی اطلاع آنے پر ٹون ڈیوٹی کے وارڈ کو اطلاع کر دی تھی
نے اسٹیشن پر آنے سے ایک گھنٹہ کے اندر پارسل مجھے پہنچا دیا تھا۔ اور بلٹی بعد میں گئی۔ تاہم خربوزوں کا ذکر
موسم کی بات تھی اور خط میں کچھ لکھنا تھا۔ ورنہ اُس سے میرا مقصد یہ نہیں تھا کہ آپ خربوزے بھیج دیں کیونکہ
خربوزوں کی طرف کوئی خاص رغبت نہیں ہے تو صرف آم کا دلدادہ ہوں اور بدقسمتی سے یہ پھل ناگپور کیا پورے
ممالک متوسط میں خاطر خواہ نہیں ملتا۔ امسال آم یہاں بالکل نہیں ہوا اور چونکہ لکھنؤ کی فصل کا حال بھی مجھے معلوم ہو چکا تھا
اس لئے آپ کو تکلیف نہیں دی ورنہ جس طرح گزشتہ بے تکلف آپ کو لکھ کر منگا لیا تھا۔ اب کے بھی منگا لیتا
سال زندگی ہے تو دسہری یا لنگڑی جو کچھ آپ مرحمت فرمائیں گے کھاؤں گا۔ مگر اب میری زندگی ایسی نہیں جس
سے کم از کم مجھے اطمینان ہو۔ امسال ناگپور کلاوٹی اور لکھنؤ کے آموں کی کمی کو ارکاٹ نے پورا کر دیا کہ شاگرد
نے آم بھیجے الفانسو بھیجے بہت بھیجے اور مسلسل فصل بھر بھیجے۔ یہ شاگرد شاگرد کا پوری نہیں بلکہ نائطی ہیں
سے انہیں کوئی واسطہ نہیں تقریباً عرصہ دس سال سے میں انہیں مشورہ دے رہا ہوں۔ غضنفر حسین ان کا نام
ہے اور علوم عربیہ کے فارغ التحصیل ہیں۔ چنانچہ عمرآباد ضلع شمالی ارکاٹ کے مدرسہ عربیہ میں مدرسی کے فرائض
دے رہے ہیں اور وہیں سے رسالہ بھی بنام مصلحت عرصہ ڈیڑھ سال سے نکالتے ہیں جو میرے اور آپ کے
نقطۂ نگاہ سے بھی بُرا نہیں ہو سکتا میں انہیں لکھ دوں گا۔ اور رسالہ انشاءاللہ آپ کے پاس آنے لگے گا۔
دیوان غالب کے متعلق انشاءاللہ منجر سے خط و کتابت کروں گا۔ مگر آپ کے وہاں سے اس خط کا جواب آجانے
کے بعد۔ کیا آپ خود اُن سے اس کا سلسلہ چھیڑنا مناسب نہیں سمجھتے۔ بے شک اپنا آرگن ہونا بہت مفید
ہے مگر اگر آپ پھر سے ایسا اقدام کریں تو پورے انتظام کے ساتھ کیجئے کہ ایک عدم پابندی وقت پرچہ کی ساری
خوبیوں پر پانی پھیر دیتی ہے۔ میں انشاءاللہ پوری کوشش کروں گا اطمینان رکھئے۔ اپنے رسالہ تذکیر و تانیث کے لئے
آپ جتنے اشعار مجھ سے لکھانا چاہتے ہیں میں بخوشی لکھ دوں گا۔ اور جہاں تک ممکن ہوگا جلدی تعمیل کر دی جائے گی آپ
تمام الفاظ مجھے بھیج دیجئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس معاملہ میں اظہر ہاپوڑی اور احسن مارہروی بھی ضرور آپ کی امداد کریں گے

اور اگر آپ چاہیں گے تو میں بھی ان دونوں حضرات کو لکھ دوں گا۔ آپ نے جو غالب کے کچھ کلام کی بعد میں شرح کر کے چھپائی ہے وہ اب تک نہیں ملی۔ بار بار میں نے لکھا اور آپ نے بھیجنے کا وعدہ کیا مگر بھیجی اب تک نہیں۔ آپ کی رباعیات کا مجموعہ شائع ہو کر اردو ادب میں ایک بیش بہا اضافہ ہوگا۔ میں آج کل کسی رسالہ کو اپنا کلام دیتا ہی نہیں تو آپ کی نظر سے کیونکر گزرتا۔ حسب طلب دو غزلیں ارسال کرتا ہوں۔ دیکھئے یہ وہی رنگ ہے نا جس کی آپ کو مجھ سے ضرورت ہے۔ اب آگے مجھے خود ایک لفظ کے متعلق تحقیق کی ضرورت پڑ گئی۔ بات یہ ہے کہ میں عرصہ ۲۵ سال سے وطن سے دور ہوں اور اس درمیان میں زبان نے جو جو پلٹے کھائے ان سے تقریباً لاعلم، اس لئے کسی ایسی بات کے متعلق جو ایک اہل ادب کی زبان سے نکلے اور میرا علم اس کے خلاف ہو تصحیح کر لینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ میں نے اہل وطن سے ہمیشہ تعین سال میں گزشتہ اور آئندہ کے ساتھ لفظ امسال سال موجودہ اور پرسال یا پار سال سال گزشتہ کے لئے سنا ہے اور اب بعض رسالہ جات میں یہ لفظ سال آئندہ کے لئے بھی نظر آتا ہے۔ جسے میں درست نہیں سمجھتا تھا لیکن اس خط میں آپ نے بھی آموں کا وعدہ کرتے ہوئے لفظ پار سال، سال آئندہ کے لئے استعمال کیا ہے۔ اس لئے تحریر کیجئے کہ موجودہ (شرفا کا) کیا استعمال ہے اور آپ کی تحقیق کیا ہے۔ والسلام۔ آپ کے بچوں کو پیار

ناطق

مولوی سیّد محمد حسین محویؔ

نوٹ: مولوی محوی صاحب لکھنوی کے مضامین سے میں واقف تھا۔ رسالہ اردو میں کئی مضامین اور رسالہ ساقی جامعہ وغیرہ میں نظمیں شائع ہوتی تھیں۔ انہی مضامین کی بنا پر سلسلہ خط و کتابت جاری ہوا۔ مولانا سے اب تک ملاقات نہیں ہوئی مگر خط و کتابت کا سلسلہ جاری ہے۔

مخفی نہ رہے مولانا سے مجھ سے لکھنؤ میں مراسلت کا سلسلہ شروع نہیں ہوا بلکہ مولانا کے مدراس کی ملازمت کے زمانہ میں سلسلہ جاری ہوا ہے۔ مولانا کے کئی خطوط کا خاصا ذخیرہ تھا مگر زیادہ خطوط تلف کر دئے گئے۔

(نصیر الدین ہاشمی)

(۱)

بنام نصیر الدین ہاشمی

مکرمی و محترمی!

سلام مسنون۔ نوازش نامہ ملا۔ معاف فرمائیے گا کہ جواب بہت دیر سے حوالۂ قلم کر رہا ہوں۔ اول تو یہ کہ میں یہاں موجود نہ تھا بوسم گرما کی طویل تعطیلات میں چند روز کے لئے باہر ایک پہاڑی مقام پر چلا گیا تھا۔ دوسری بات یہ ہوئی کہ پتہ صحیح نہ تھا۔ اب میں آیا ہوں اور احباب کے کرم ناموں کے جواب لکھ رہا ہوں۔ بلا تعارف خط لکھنے میں کیا برائی ہے اور رسمائی کی کیا ضرورت ہے۔ ظاہری نہ سہی مگر معنوی تعارف اور ملاقات تو کافی ہے۔ میں جناب کے مضامین معارف اور دیگر بعض رسائل میں بہت شوق اور دلچسپی سے پڑھتا رہتا ہوں۔ آپ کے علمی اور تاریخی ذوق سے پورا آگاہ ہوں۔ یہ ممکن ہے کہ آپ مجھ سے زیادہ واقف نہ ہوں۔ بہر حال مجھے یہ عنایت نامہ پاکر نہایت درجہ مسرت ہوئی اور جناب کی اس بے تکلف یاد فرمائی کا نہایت درجہ شکر گذار و مرہون کرم ہوں۔

نتھر اولیا کا مزار ترچناپلی میں ہے، میں خود دو بار زیارت کی سعادت حاصل کر چکا ہوں۔ ان کی تاریخ وفات اور دیگر حالات کے متعلق میرا خیال ہے کہ مولوی عبد الجبار صاحب صوفی ملکاپوری کی کتاب تذکرۂ اولیاء دکن[1] وغیرہ میں مفصل ملیں گے۔ یہ کتاب

---

[1] اس کتاب کو میں اوّل ہی دیکھ چکا تھا کوئی مدد نہیں ملی۔

حیدرآباد ہی میں بھی ہے۔ آسانی مل سکتی ہے اور غالباً نظر سے گذری ہوگی۔ اور جو کام میرے لائق ہو اس سے ارشاد فرماتے رہیں۔
یہاں سے بہ دشواری ایک ماہانہ رسالہ بشریٰ جاری کیا گیا ہے جو غالباً نظر سے گذرا ہوگا۔ بھیجا گیا ہے۔ یہ رسالہ میری اور میرے چند خاص احباب کی بے پایاں کوششوں سے نکل رہا ہے۔ مدراس میں اردو دشواریوں کے علاوہ طباعت و کتابت بہت گراں ہے اور یہ کام کرنے والے بہت بدمعاملہ اور وعدہ خلاف ہیں۔ ان مشکلات کی وجہ سے پرچہ ٹھیک وقت پر نہیں نکلتا۔ تاہم کوششیں جاری ہیں اور کامیابی کی امید ہے۔ یہاں کے حالات اور زمانہ کی ضروریات کے لحاظ سے مذہبی مضامین بھی رکھے جاتے ہیں اور علمی و ادبی بھی۔ میں بھی اس کا ایک خادم ہوں۔ نہایت شکر گذار رہوں گا اگر جناب اسے بھی اپنے رشحات قلم سے سیراب فرماتے رہیں۔ والسلام!

آپ کا محمد حسین محوی۔ مدراس ۸ ر جولائی ۱۹۳۳ء

مختصر حالات نہتر ولی

ان کا پورا نام بابا مطہر الدین سرمست طبل عالم ہے۔ دارالخلافہ روم استنبول کے رہنے والے تھے۔ مشہور ہے کہ سرزمین دکن میں جب انھوں نے قدم رکھا ہے تو سات سو پالکی نشین اولیاء ان کے ہمراہ آئے۔ ان کا مزار جنوبی ہند کے مشہور شہر ترچناپلی میں واقع اور عام و خاص کی زیارت گاہ ہے۔ انہی کے پائیں نواب والاجاہ اول محمد علی حسب وصیت مدفون ہیں۔ ان کی کرامات بے حد مشہور ہیں۔ پندرہ ماہ رمضان المبارک ۴۱۷ھ میں انتقال کیا۔

(یہ حالات کتاب بہار اعظم جاہی سے ماخوذ ہیں جو ۱۲۶۳ھ میں تالیف ہوئی ہے۔
مصنف کا نام غلام عبدالقادر اور تخلص ناظر ہے۔ خطاب قادر عظیم خان بہادر۔ کتاب
ہنوز طبع نہیں ہوئی ہے)

(۲)

بنام نصیر الدین ہاشمی

مکرمی و محترمی!
سلام مسنون۔ معاف فرمائیے گا کہ آپ کے نوازش نامے کے جواب میں پھر بہت دیر ہو گئی اور اب پھر آپ نے وہی رائے قائم کی ہوگی جو پہلے کہہ چکے ہیں۔ مگر میں اپنی مصروفیتوں اور کثرت کار کی وجہ سے مجبور رہا۔ اب انشاء اللہ ایسا نہ ہوگا کہ آپ یا کسی اور صاحب کے کرم نامہ کا جواب حوالۂ قلم نہ کیا جائے۔ آپ نے جن مدراسی ارباب علم کی کوتاہ قلمیں کا شکوہ کیا ہے بجا ہے مگر میں ان میں شامل نہیں۔ نہ اتنا بڑا آدمی اور نہ میرا یہ وطن ہے۔ البتہ آب و ہوا کا اثر ممکن ہے جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ تاہم اس حد تک ابھی اثر پذیر نہیں ہوا ہوں۔ آپ کے مضامین پڑھ کر اس وجہ سے بہت زیادہ مسرت ہوتی ہے کہ یہ چیزیں میرے خاص ذوق کی ہیں اور آپ نے ان کی جانب جو توجہ فرمائی ہے وہ تمام حامیان اردو کے شکریہ کی مستحق ہے۔ آپ بہت مفید کام کر رہے ہیں

اور آپ کے ہر مضمون سے کاوش خاص کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ کا شوق اور دلچسپی قابلِ مبارکباد اور لائقِ قدر ہے۔ خالی علم و فضل سے کیا ہوتا ہے۔ ملک میں ہزاروں لاکھوں عالم فاضل موجود ہوں گے مگر کون ادھر متوجہ ہوتا ہے۔ اصل چیز شوق اور دلچسپی ہی ہے۔

نہر اولیاء کے استعمال کی نسبت میں نے جس کتاب کا حوالہ دیا ہے وہ بہت معتبر ہے اور سرکاری طور پر تالیف ہوئی ہے۔ خاص اہمیت رکھتی اور کوئی کتاب پیش نظر نہیں ورنہ مزید تحقیق سے کام لیتا اور آپ کی خدمت میں مزید تفصیل و تحقیق پیش کرتا۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ نہر اولیاء قدیم میں سے ہے۔ ممکن ہے کہ جو نظم آپ کو ملی ہے ان کی نہ ہو بلکہ کسی اور کی ہو۔ چونکہ میرے پیش نظر نہیں اس لئے کچھ عرض نہیں کیا جاسکتا۔ آئندہ آپ کچھ اور لکھیں تو میں بھی ناچیز خیال ظاہر کرسکوں گا۔

تعجب ہے کہ بشریٰ ہنوز نظر عالی سے نہیں گذرا۔ بھیجا گیا تھا شاید ڈاک میں تلف ہوا۔ تازہ نمبر اب روانہ ہے خدا کرے کہ آپ پسند فرمائیں اور کچھ اس پر بھی نظر نوازش مبذول رکھیں۔ تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ میری نسبت آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے از راہ نوازش فرمایا ہے۔ میں بیحد شکر گذار ہوں۔ وعدۂ مضمون کا مزید شکریہ قبول فرمائیے۔

یہ معلوم کرکے بہت زیادہ مسرت ہوئی کہ آپ کے خاندانی تعلقات مدراس کے نامور مشاہیر سے ہیں۔ ان سب حضرات سے میں بھی کسی قدر واقف ہوچکا ہوں اور مزید واقفیت کی کوشش میں ہوں۔ رائے پیٹھ میں ہمارا دفتر ہے۔ باغ دیوان صاحب کے بعض علماء سے شرف نیاز بھی حاصل ہے۔ کیا آپ ادھر کبھی نہیں آتے۔ آئیں تو اچھا ہے۔ الحمد للہ کہ میں بخیریت ہوں اور آپ کے لئے دعا سے خیریت کا خواہاں۔ والسلام!

آپ کا: محوی۔ مدراس ۱۹؍ اگست ۱۹۴۳ء
۲۱ کفایت خاں اسٹریٹ۔ مونٹ روڈ

(۳)

بنام نصیر الدین ہاشمی

مکرمی و مشفقی!

سلام مسنون۔ حضرت امجد حیدرآبادی زاد کرمہ کے کلام پر آپ نے جو تبصرہ فرمایا ہے اور از راہ نوازش اس کا ایک نسخہ مجھے بھی عنایت کیا ہے وہ پہنچا اور اس کا بہت سا حصہ نہایت دلچسپی کے ساتھ پڑھ ڈالا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے مولانائے موصوف کے کلام پر بہت اچھا تبصرہ کیا ہے اور ان کے کلام کے محاسن کو بہت خوبی سے اجاگر کرکے دکھایا ہے۔ حضرت امجد کا کلام میں بہت زمانے سے بشوق و ذوق دیکھتا ہوں۔ جب سے یادش بخیر "دکن ریویو" زندہ تھا۔ مرسیٰ ندی کی طغیانی کے بعد موصوف کی جو نظمیں چھپیں وہ بہت دلگداز اور اثر انداز تھیں۔ مخزن قدیم میں بھی پڑھتا رہا ہوں اور معارف میں بھی دیکھتا ہوں اور موصوف کی دو تین کتابیں رباعیات امجد، حرزِ امجد، نذرِ امجد بھی میرے پاس موجود ہیں۔ حضرت امجد سے افسوس ہے کہ ہنوز ملاقات نہیں ہوئی لیکن میں ان کا دیرینہ غائبانہ مداح ہوں اور جب سے مدراس آیا ہوں اپنے ایک عزیز مدراسی دوست سے اکثر مولانا کا ذکر خیر اور اوصاف سنتا رہتا ہوں۔ اس نے اور زیادہ مشتاقِ ملاقات بنا دیا ہے۔ خیر زندگی ہے تو کبھی یہ شرف بھی حاصل ہو رہے گا۔ موقع ہو تو میرا سلام نیاز بھی پہنچا دیجئے۔

آپ نے بہت تفصیل سے اور جامع تبصرہ لکھا ہے۔ پڑھ کر بہت خوش ہوا اور آپ کے اس علمی تحفہ کا نہایت

احسن القصص کے متعلق صادق صاحب سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ بہت مختصر کتاب ہے۔ میں حاضر کروں گا۔
بہرحال شکر گذار ہوں کہ آپ نے اس کا پتہ دیا۔ حاصل ہوگئی تو اس سے بھی استفادہ کروں گا۔
آپ کے پہلے خط سے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ نصیب دشمناں آپ کچھ خانگی فکروں اور پریشانیوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ اللہ آپ کو جلد ان سے نجات دے۔ اہل علم و ادب کے لئے یہ فکریں بڑی بلا ہیں، سوہان روح ہیں مگر دنیا میں ان سے نجات کہاں۔ اہل ہمت و استقلال اس قسم کے موانع پر بھی خدمت کئے ہی جاتے ہیں۔ زندگی کے چند روزہ اوقات کو غنیمت سمجھتے ہیں۔ میری دلی دعا ہے کہ خدائے برتر جلد آپ کو ان سے چھٹکارا دے اور ہمیشہ کے لئے محفوظ رکھے، آئندہ مجھے امید ہے کہ آپ ہمت سے کام لے کر پورا مقابلہ کریں گے اور ان سب پر غالب آئیں گے۔ اس کا کوئی اثر آپ کے علمی و ادبی اشغال پر نہ پڑے گا۔
دوسرے کرم نامے کا جواب ملاحظہ ہو۔ شاعروں کی تو شاید مدراس میں کمی نہیں مگر مشہور لوگ یہ ہیں:
(۱) نواب محمد منور خاں گوہر نجم الفضل و امیر الشعرا (شاطر صاحب کے بڑے بھائی)
(۲) نواب انصیر الدین صاحب بیخود افسر الشعرا۔
(۳) نواب مولانا افضل حسین خاں صاحب ایان سراج العلماء (خسر نواب صاحب ارکاٹ) گوپاموی۔
(۴) مولانا نور صاحب (حکیم سید شاہ صبغۃ اللہ مرحوم)
(۵) مولوی محمد عباس مدرس مدرسۂ اعظم۔
(۶) جناب عبد القادر صاحب اختر (برادر شاطر صاحب)
اور لوگ نوجوان ہیں مگر وہ ابھی نو آموز ہیں۔
بہتر ہوگا کہ آپ براہ راست ان لوگوں کو خط لکھ کر کلام طلب کریں۔ میرا واسطہ ٹھیک نہیں۔ یہاں اور شعرا اگر ہوں گے تو ان لوگوں سے پتہ چلے گا۔
یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ آپ اپنے ذاتی مکان میں منتقل ہو گئے۔ مبارک ہو، خدا سازگار کرے۔
الحمد للہ ہم سب بخیریت و آرام سے ہیں۔ آپ بھی مع الخیر ہوں گے۔
ہاں ایک بات یاد آئی۔ مدراس کے علاوہ آمبور، وانیاڑی، ترپاتور وغیرہ میں بھی شعر ہیں اور شاعرے ہوتے ہیں۔ وہاں ایک میں شرکت کا بھی اتفاق ہوا۔ ان کا ذکر بھی کرنا چاہیئے اور وہاں کے لوگوں کا کلام بھی ہو سکے تو منگوا لیجئے۔ وہ لوگ اردو کے زیادہ خیر خواہ خدمت گذار معلوم ہوتے ہیں آگے خدا جانے۔ والسلام!
دعا کا طالب: محمد حسین محوی۔ مدراس ۳ دسمبر ۱۹۳۴ء

(۵)

بنام نصیر الدین ہاشمی

جناب مشفق و مکرمی!
سلام مسنون۔ عرصے کے بعد کرم نامہ پایا۔ یاد فرمائی کا شکریہ قبول کیجئے۔ میں بھی مدت سے خط نہ لکھ سکا۔ کچھ ایسے ہی حالات ہیں

مبتلا رہا کہ اس کی تفصیل بیکار اور تکلیف دہ ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ میرا چھوٹا بچہ برخوردار حامد حسین سلمہ علیل ہو گیا تھا۔ بہت فکر تھی۔ اللہ نے فضل فرمایا اور اب بالکل تندرست ہے۔ الحمد للہ۔

آپ شاید مجھ سے زیادہ مدراس کی حالت سے واقف ہوں گے۔ یہاں کام کرنا بہت دشوار بات ہے۔ میں کچھ بھی کیا کر سکتا ہوں۔ آپ نے میری ناچیز خدمات پر جو حوصلہ افزائی کی ہے اس نے میرے دل پر بہت اثر کیا اور بہت ممنون و شکر گزار ہوا واللہ شہید وہی ہے جو آپ نے ظاہر کیا۔ لیکن نہ کوئی کرتا اور نہ کرنے دیتا ہے تو بہت زیادہ ناامید ہوں۔ اگرچہ ہمت نہیں ہارتا اللہ مالک ہے۔

آپ نے ہندوستانی اکاڈمی الہ آباد میں جانے اور ایک مقالہ سنانے کا ارادہ اپنے کرم نامے میں ظاہر فرمایا تھا، جانا ہوا کہ نہیں۔ اگر گئے ہوں تو وہاں کے مفصل حالات سے اطلاع دے کر ممنون کیجئے اور مقالہ چھپا ہو تو ایک نسخہ عنایت فرمائیے۔

نہایت درجہ کی مسرت ہے کہ ایک دیرینہ آرزو بر آئی مصحف اور کوثر جاری ہوئے۔ میں تو مدراس میں ناکام رہا۔ خدا ان دونوں کو جاری رکھے اور خوب ترقی دے، آمین! میں بھی کچھ نہ کچھ خدمت کرتا رہتا ہوں مگر فکروں اور پریشان خیالیوں کی وجہ سے دلی تمنا کے موافق کسی کام کا موقع نہیں ملتا۔ جو کچھ ہو جائے غنیمت ہے، یہی سمجھ کر مصحف اور کوثر کے لئے کچھ نہ کچھ لکھ دیتا ہوں۔

دونوں علمی تحفے 'مکتوبات امجد' اور 'سیرۃ نبوی' کا رسالہ پہنچے۔ اس نوازش کا بھی ممنون ہوں۔ بہت مسرت ہے کہ آپ برابر زبان اور علم کی خدمت کرتے رہتے ہیں۔ مبارک ہے یہ زندگی اور مبارک ہیں یہ ہستیاں۔

مولانا امجد کی خدمت میں ہدیہ سلام مسنون پیش ہے۔

آپ کے بچوں کو بہت بہت دعائیں۔ کبھی ادھر آ نکلئے۔ آئندہ خط آپ کے دفتر ہی کے پتے پر روانہ کرتا رہوں گا۔ والسلام!

بندۂ محبت: محمد حسین محوی۔ مدراس یکم فروری ۱۹۳۶ء

(٦)

بنام نصیر الدین ہاشمی

مکرمی و مشفقی!

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ مدتوں کے بعد نوازش نامہ پایا شکر گزار و مرہون کرم ہوں۔ اس سے پہلے مجھے جناب کا کوئی محبت نامہ نہیں ملا۔ ورنہ ضرور جواب حاضر خدمت کرتا۔ کچھ اپنی مصروفیتوں اور پریشانیوں کی وجہ سے خود ہی نہ لکھ سکا۔

الحمد للہ میں مع متعلقین خیریت اور آرام سے ہوں لیکن اس قدر مصروف کہ خدا کی پناہ۔ میرے مضامین جو آپ مصحف وغیرہ میں ملاحظہ فرماتے ہیں وہ بھی سکون خاطر کا نتیجہ نہیں۔ تاہم اڈیٹر صاحبان کے اصرار سے مجبور ہو کر کچھ نہ کچھ لکھنا پڑتا ہے۔

آپ کے علمی کارناموں کا حال پڑھ کر بہت جی خوش ہوا۔ رسائل میں بھی دیکھتا رہتا ہوں اور مسرور ہوتا ہوں۔ خدا آپ کو مطمئن رکھے۔ آپ اردو کی بہت عمدہ ادبی و علمی خدمت کر رہے ہیں۔ یہ کتابیں چھپنے کے بعد بہ قیمت یا ہدیۃً جس طرح مناسب ہو ضرور بھیجئے گا۔ میں بھی کچھ کرتا رہتا ہوں۔ ایک تو دیوان بیدار دہلوی مرتب کیا ہے جو ایک دو ماہ کے اندر شائع ہوگا۔ چھپ چکا ہے جلد بندی ہو رہی ہے۔ مدراس یونیورسٹی شائع کر رہی ہے اور یہاں کے ایف۔ اے یا بی۔ اے کے کورس میں لے لیا گیا ہے۔

دوسری کتاب واقعات اظفری کا ترجمہ چھپ رہا ہے اور کئی کتابیں تیار ہیں مگر جلد چھپنے اور شائع ہونے کی امید نہیں۔ ان کا ابھی ابھی
آپ تذکرہ نہ کریں جب تک شائع نہ ہو جائیں۔ یہ علمی خدمت تو یونیورسٹی کے ذریعے جاری ہے۔
میں محسوس کرتا ہوں کہ اس صوبے میں اردو کی عملی خدمت کی شدید ضرورت ہے۔ نہ یہاں کے مسلمان کرتے ہیں اور کرنے
دیتے ہیں۔ آپ تو خوب واقف ہوں گے۔ بہرحال جو کچھ مجھ سے ممکن ہے او جو سمجھ میں آتا ہے انفرادی صورت سے کر رہا ہوں۔
ایک رسالہ بنگلور سے کوثر اور ایک لیونگ پیٹ سے شعر و شاعری کا ماہانہ جاری کرایا ہے۔ ایک روپیہ سالانہ قیمت اور حجم کم ہے
کہ آسانی سے ہر غریب آدمی بھی خرید اور پڑھ سکے۔ جگہ جگہ اردو کی انجمنیں قائم کر رہا ہوں۔ خواہ اس وقت برائے نام ہی ہوں۔ آپ کی
کیا [illegible] شے ہے۔ کاش کوئی ہاتھ بٹانے والا ہوتا۔ ایک بڑا پریس قائم کرایا ہے۔ حقانی پریس نام ہے۔ بڑی مشینیں ہیں جو برقی طاقت
سے چلتی ہیں۔ کام عمدہ اور نفیس و ارزاں ہوتا ہے۔ ہندوستان سے بہترین کاتب اور نقاش بلائے ہیں۔
دونوں بچوں کو تعلیم کے لئے جامعہ ملیہ دہلی کو روانہ کر رہا ہوں۔ کل یا پرسوں چلے جائیں گے اور سب خیریت ہے۔
خط لکھتے رہئے۔ والسلام!
دعا کا طالب: آپ کا محوی۔ جنرل پٹرسن روڈ مدراس ۳ ؍ اگست ۱۹۳۶ء

(۷)

بنام نصیر الدین ہاشمی

محبی و مشفقی!
سلام مسنون۔ محبت نامہ اور کارڈ پایا۔ اپنی مصروفیت اور پریشانیوں کی وجہ سے جواب میں دیر ہوگئی۔ معذرت خواہ ہوں۔
میری نسبت از راہِ اخلاص و محبت جو الفاظ آپ نے تحریر کئے ہیں ان کا شکریہ قبول فرمائیے۔ خدا آپ کو خدمتِ ادب کی اس سے
زیادہ توفیق دے۔ آمین!
خواتینِ عہدِ عثمانی کے نام سے آپ نے جو جدید کتاب چھاپی ہے اس کا اشتیاق ہے اور قبل از حصول شکریہ۔
دکن میں اردو' ہمارے دفتر کے کتب خانہ میں آگئی ہے۔ اب اس کی ضرورت نہ رہی۔ رسالہ ہندوستانی بھی ہمارے یہاں
دفتر میں آتا ہے۔ اس میں جو آپ کے مضامین چھپے ہیں اگر وہ بھیج سکیں تو بہتر کہ میرے پاس رہیں گے، ورنہ میں یہاں کی لائبریری سے
لے کر دیکھ لوں گا۔ آپ کی جو مرضی ہو۔
میری تصنیف یا تالیف سے ہنوز کوئی کتاب شائع نہیں ہوئی ہے۔ جب شائع ہوگی میرے امکان میں ہوا تو ہدیۃً
پیش کروں گا۔
کتابیں کئی تیار ہیں مگر خدا ہی جانے کہ کب طباعت کی نوبت آتی ہے۔ یہاں مدراس میں جہاں تک مجھے علم ہے اردو کی
کوئی انجمن نہیں۔ باہر جو ہیں ان کے مختصر حالات منگوا کر روانہ کر سکوں گا۔
تحریکِ ہندی کی بہت کوششیں ہیں اور باقاعدہ ہیں۔ مالی حالت بھی اچھی ہے لیکن ہم غافل ہیں۔ باہمی جنگوں سے ہنوز فرصت
نہیں ہے۔ آئندہ دیکھا جائے گا۔ یہ مشغلہ زیادہ دلچسپ ہے۔ میرے خیال میں یہاں دولت مند تین مسلمان ہیں جو ہمیشہ اس قسم کے نیک اور

CHATTERJI

Mr. JUSTIC P.C.

(A)

(1)

جس کا نام ہے مسٹر جسٹس لال چند MR. JUSTIC LAL CHAND وہ بھی پلیڈر تھا ۱۸۸۸ء سے
وہ پیشہ وکالت کرتا تھا۔ اس لئے مجھ سے وہ قریباً ۱۱ سال سینئر ہے۔ گورنمنٹ نے سینئر ہونے کے لحاظ سے اس کا
حق فائق سمجھ کر اس کو جج مقرر کیا۔ لیکن اصل وجہ یہ ہے کہ مستقل بنگالی جج مسٹر جسٹس چیٹرجی کا بہت بھاری اثر یہاں
کے چیف جج پر ہے اور ان کی کوشش سے چیف جج نے لالہ لال چند کی زیادہ زور سے سفارش کی تھی اور اس
لئے گورنمنٹ نے بلا سوچے سمجھے اس سفارش کی بنا پر ان کو جج مقرر کر دیا۔
اب ایک اور موقعہ نکلا ہے جس کے متعلق ہمیں اپنے حقوق پیش کرنے چاہئیں۔ وہ یہ ہے کہ منجملہ چار
عارضی ججوں کے ایک انگریز بیرسٹر جج مسٹر جسٹس چیٹی ہے جو کہ بمبئی کا بیرسٹر ہے۔ اور جو رہا چیف کورٹ کا کچھ عرصہ
تک جج رہ چکا ہے۔ وہ یہاں سے تبدیل ہو کر پھر برہما چیف کورٹ میں بطور جج کے جاتا ہے۔ چنانچہ فیصلہ ہو گیا ہے
کہ وہ جنوری ۱۹۰۸ء میں برہما میں جا کر چارج لے گا۔ اب مسٹر جسٹس چیٹی کی جگہ ایک عارضی جج مقرر ہوگا۔ پس اس
موقعہ پر آپ کو کوشش کرنا چاہیئے کہ ایک مسلمان جج اس کی جگہ مقرر ہو۔ سب سے عمدہ تجویز یہ ہے کہ آپ بہت جلدی کریں
کہ تھوڑی سی تاخیر سے نقصان کا اندیشہ ہے کہ متعلقہ ذیل افسران کو پرائیویٹ خطوط لکھیں۔
۱۔ کرنیل ڈنلاپ سمتھ صاحب پرائیویٹ سکرٹری حضور وائسرائے۔
۲۔ مسٹر ارل رچرڈس لیگل ممبر کونسل وائسرائے۔ MR. EARL RICHARDS
۳۔ مسٹر رزلے RISLEY سیکرٹری ہوم ڈیپارٹمنٹ۔
۴۔ سر ڈینزل اینسٹن صاحب آئندہ لفٹنٹ گورنر پنجاب۔
ان میں سے ۱ و ۲ مجھ کو بخوبی جانتے ہیں اور میرے حقوق سے واقف ہیں۔ اور بالخصوص ۱ جہاں
تک ان سے ہو سکا میرے مدد کرنے میں دریغ نہ کریں گے۔
آپ ان سب افسران کو لکھ سکتے ہیں کہ پنجاب چیف کورٹ میں مسٹر جسٹس چیٹی عارضی جج کی جگہ جلد خالی ہوگی
اور چونکہ ہندوستان بھر میں کوئی مسلمان جج نہیں ہے۔ جیسا کہ ہمارے میموریل میں ذکر کیا گیا تھا اور چونکہ وعدہ فرمایا گیا تھا
کہ گورنمنٹ ہمارے حقوق کو پورا کرنے کی کوشش کرے گی وغیرہ وغیرہ اس لئے یہ عہدہ جو خالی ہونے والا ہے ایک مسلمان
کو دیا جانا چاہیئے۔ پنجاب چیف کورٹ کے BAR میں اس قسم کے مسلمان موجود ہیں۔ جو اس عہدہ کے ہر طرح سے لائق
ہیں اور اس لئے گورنمنٹ کو یہ موقع ان کے حقوق کو پورا کرنے کا نظر انداز نہ کرنا چاہیئے۔ میں خود بھی یہاں کوشش کر
رہا ہوں کہ میرے حقوق کا اس موقع پر خیال رکھا جائے۔ اور اگر آپ ان افسران بالادست کے سدبد بذریعہ خط و
کتابت میرے حقوق کی تائید میں کوشش کریں تو تعجب نہیں ہمیں کامیابی ہو۔
بہر حال یہ پہلا موقع ہے کہ گورنمنٹ ہم کو عملی طور سے ایفائے وعدہ کا ثبوت دے سکتی ہے۔ محض زبانی
باتوں سے ہم خوش نہیں ہو سکتے، جہاں تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ گورنمنٹ تیار ہے کہ ہمارے حقوق کی حفاظت
کرے۔ چونکہ یہ تقرر صرف عارضی طور سے ہوگا۔ اس لئے یہ اعتراض قابل وقعت نہیں کہ وہ دیسی جج پہلے سے

موجود ہیں۔ اس لئے تیسرے دیسی جج کا ہونا انگریزوں کے حقوق پر برا اثر پیدا کرے گا۔
علاوہ اس کے موجودہ دو دیسی جج ہندو ہیں۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ ایک مسلمان جج مقرر نہ کیا جاوے۔ آپ نے جو تعزیت کا تار مجھے بھیجا ہے اس کے لئے آپ کا تہ دل سے مشکور ہوں۔ آپ کی بزرگانہ ہمدردی قابل قدر ہے اور اس سے میرے غمگین دل کو بہت تسکین ہوئی ہے۔

۴ر نومبر ۱۹۰۶ء　　　محمد شاہ دین (دستخط اردو اور انگریزی دونوں میں کئے ہیں)

(۳)

بنام نواب محسن الملک

مخدومی مکرمی جناب نواب صاحب

آپ نے جو خط پرائیویٹ سیکرٹری حضور وائسرائے کے نام چیف کورٹ کی ججی کے متعلق لکھا تھا اس کی نقل کسی ذریعہ سے یہاں کے ایک ہندو اخبار انگریزی THE PUNJABEE کے پاس پہنچی ہے اور خط اخبار مذکور نے آج کے پرچے میں چھاپ دیا ہے اور اس پر ایک سخت نوٹ لکھا ہے جو کہ میں آپ کے ملاحظہ کے لئے بھیجتا ہوں۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۳)

میں یہ پرچہ دیکھ کر سخت حیران ہو رہا ہوں کہ آپ کے خط کی نقل کس طرح سے پنجابی اخبار کے ہاتھ لگی ہے۔ یہ معاملہ نہایت اہم اور نازک ہے اور اس کے متعلق آپکو پوری تحقیقات کرنی چاہئے۔ یہاں لاہور میں بڑی شورش پھیل رہی ہے اور مسلمان یہ اخبار پڑھ کر دم بخود ہیں، براہ مہربانی بواپسی ڈاک بذریعہ رجسٹری اس کا جواب عنایت کریں۔ آپ نے اپنے خط مورخہ ۲۰ر نومبر میں لکھا تھا کہ پرائیویٹ سیکرٹری کا جواب آپ میرے ملاحظہ کے لئے بھیجتے ہیں۔ میں نے آپ کو ۲۲ر نومبر کو جو خط لکھا تھا اس میں میں نے تحریر کیا تھا کہ وہ جواب ابھی تک میرے پاس نہیں پہنچا میں اب تک انتظار میں ہوں۔ مگر وہ جواب مجھے نہیں ملا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لفافہ جس میں آپ نے وہ جواب ملفوف کیا تھا کسی ایسے شخص کے ہاتھ لگ گیا جس نے مجھ تک پہنچنے نہیں دیا، یہ کیا راز ہے آپ مزید مفصل لکھیں کہ آیا وہ جواب آپ نے علٰحدہ لفافہ میں بند کیا تھا۔ یا اسی خط کے ساتھ بھیجا تھا جو ۲۰ر نومبر کو لکھا گیا تھا۔ اس خط کے الفاظ یہ ہیں کہ پرائیویٹ سیکرٹری کا جواب آپ کے ملاحظہ کے لئے بھیج دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے بھیجا گیا تھا لیکن وہ اب تک مجھے نہیں ملا۔ یہ خط میں آپ کو بصیغۂ رجسٹری بھیجتا ہوں آپ بھی جواب رجسٹری شدہ لفافہ میں بھیجیں اور آئندہ احتیاط رکھیں کہ جو ضروری اور کانفیڈنشل خط ہو وہ بذریعہ رجسٹری روانہ کریں۔

لاہور ۲۷ر نومبر ۱۹۰۶ء　　　شاہ دین

P.S. کیا آپ نے اس لفافہ میں جس میں پرائیویٹ سیکرٹری کا جواب بھیجا تھا۔ اس خط کی نقل بھی میرے ملاحظہ کے لئے بھیجی تھی جو کہ پرائیویٹ سیکرٹری کو لکھا گیا تھا۔ اگر نقل بھیجی تھی تو اخبار پنجابی کو میرے نام کا لفافہ مل گیا ہے اور اس میں سے وہ نقل لے کر اس نے شائع کر دی ہے۔　　　شاہ دین

۱؎ عطیہ ڈاکٹر مختار الدین احمد

(۴)

بنام نواب محسن الملک

مخدومی مکرمی جناب نواب صاحب[1]   (لاہور)

آپ کا رجسٹری شدہ خط مجھے ابھی پہنچا ہے، اس خط سے معلوم ہوا کہ مجھے آپ کے خطوط نہیں پہنچے۔

(۱) خط مورخہ ۹ر نومبر جس میں خط موسومہ پرائیویٹ سیکرٹری کی نقل میرے ملاحظہ کے لئے ملفوف تھی ملا

(۲) خط مورخہ ۲۰ر نومبر جس میں جواب پرائیویٹ سیکرٹری کی نقل ملفوف تھی۔

خط مورخہ ۲۴ر نومبر جس میں آپ نے دوبارہ پرائیویٹ سیکرٹری کے خط کی نقل بھیجی ہے مجھے پہنچ گیا ہے (اصل میں یہ خط مورخہ ۲۳ر نومبر کا ہے نہ کہ ۲۴ر نومبر) علاوہ ازیں رچرڈس صاحب کے خط کی نقل آپ کے خط مورخہ ۲۳ر نومبر کے ساتھ مجھے پہنچ گئی ہے۔

تعجب یہ ہے کہ باقی خطوط مجھے پہنچتے رہے ہیں صرف دو خطوط مورخہ ۹ر نومبر و ۲۰ر نومبر نہیں ملے۔ اور انہیں دو خطوط میں ضروری نقول ملفوف تھیں۔

آپ نے پنجابی کے نوٹ میں دیکھا ہوگا۔ کہ اس نے یہ نہیں لکھا ہے کہ آپ نے ایک ہی خط چار افسران کے نام بھیجا ہے ...... یہ بات کہ ان سب افسران کے پاس آپ نے خطوط لکھے ہیں پنجابی کو صرف اس صورت سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اگر آپ نے خط مورخہ ۹ر نومبر میں خط موسومہ پرائیویٹ سیکرٹری کی نقل بھیجتے وقت مجھے بھی یہ لکھا ہو۔ کہ ان افسران کے نام اس مضمون کے خطوط روانہ کئے گئے ہیں۔ کیا آپ نے اس خط میں ایسا لکھا تھا۔ میں نے آپکا خط مورخہ ۶ر نومبر پھر پڑھا ہے (جو میرے پاس موجود ہے) اس میں آپ نے لکھا تھا کہ میری تحریک کے مطابق آپ ان سب افسران کو خطوط لکھیں گے پس خط مورخہ ۹ر نومبر میں اس امر کے دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن اگر آپ نے اس خط میں دوبارہ مجھے یہ لکھا تھا تو اس میں شک نہیں رہتا کہ پنجابی کو اسی خط سے یہ اطلاع ملی ہے۔ اس امر کے متعلق آپ مجھے بواپسی ڈاک اطلاع بخشیں کیونکہ میں پوسٹ ماسٹر جنرل کے پاس اس معاملہ کے متعلق جو کہ نہایت سنگین اور اہم ہے ان واقعات کی بنا پر شکایت کرنا چاہتا ہوں تاکہ وہ اس کی نسبت انتظامیہ طور سے تحقیقات کریں

اخبار پنجابی نے پھر ایک پرچے میں اس مضمون پر دوبارہ ایک نوٹ لکھا ہے۔ اس پرچے کی ایک کاپی میں آپ کو کل بھیجوں گا۔

کیا آپ کے دفتر میں کوئی ایسا شخص نہیں جو پنجابی کو ایسے خطوط کی نقل بھیج سکتا ہے۔

۲۸ر نومبر ۱۹۰۶ء   شاہدین

(۵)

بنام منشی محمد الدین فوق

جناب من!

آپ کا خط ملا۔ میں نے آنریبل صاحبزادہ آفتاب احمد خاں[2] کی تحریر پر اپنے کشمیری مسلمان بھائیوں کے فائدہ

[1] عطیہ ڈاکٹر مختار الدین احمد   [2] آنریری سیکرٹری علی گڑھ کالج۔

(4)

حکیم فقیر محمد چشتی نظامی

(۱)

بنام محمد الدین فوق

فقیر نواز! السلام علیکم ۔ مزاج شریف ۔

کثرت مشاغل ۔ مریضوں کی الجھنیں بعض مرتبہ اپنے خاص عنایت فرماؤں سے بھی مجھے مجبور بنا کے چھوڑتی ہیں ۔ پچھلی مرتبہ جناب نے طبی مضامین کے لئے یاد فرمایا ۔ مگر کچھ اس قسم کا کوتاہ قلم ہوں کہ اعتذار تک کا خط نہ لکھ سکا

آپ نے کتاب کیا عنایت فرمائی ۔ گویا میرے سکوت غیر طبعی کے چراغ پر ایک دیا سلائی کھینچی ہے ۔ اچھا جلائیے اور خوب جلائیے ۔ کبھی نہ کبھی تو اس ایک آنچ کی کسر آخر نکلے گی ۔

فقیر نظامی [illegible]

تاریخ ندارد ۔ غالباً ۱۹۱۹ء کا ہے ۔

(۲)

بنام زبدۃ الحکماء حکیم نور احمد نعمانی

عزیزم حکیم نور احمد صاحب ۔ السلام علیکم

بیاض نور الدین بھیج رہا ہوں ۔ یہ تو میرے پاس بھی ہے ۔ ایک پہلی بیاض نور الدین قادیاں سے شائع ہوئی تھی جو میرے پاس موجود تھی ۔ اس کا کہیں پتہ نہیں چلتا ۔ میں یہ سمجھا تھا کہ شاید وہ بیاض میں نے تمہیں دے رکھی ہے ۔ پرسوں جب آپ آئیں گے ۔ تو زبانی کہوں گا ۔ کیونکہ آج سر شام مجھے شیخ محمد نقی صاحب کے ہاں کا بلاوا ہے اور سر شام وہاں چلا جاؤں گا ۔

۱؎ حجراؤں ضلع لدھیانہ وطن تھا ۔ حکیم فقیر محمد صاحب بڑے باذاق اور زندہ دل بزرگ تھے ۔ طبیعت نہایت سلجھی ہوئی پائی تھی ۔ ایک عرصہ دہلی میں رہے ۔ حکیم عبد المجید کے قابل شاگردوں میں سے تھے ۔ لاہور میں طبابت کرتے تھے اور وقت کے ممتاز ترین طبیبوں میں گنے جاتے تھے ۔ یہیں اکتوبر ۱۹۳۷ء میں وفات پائی اور میانی میں مدفون ہیں ۔ ان کی مجلس ہر وقت گرم رہتی تھی ۔ شاعر ، اخبار نویس ، اعلیٰ مذاق کے لوگ ان کی صحبت سے بہت مستفیض ہوتے تھے ۔ وہ خود اعلیٰ درجے کے زباندان ، شاعر ، ادیب ، خوش نویس اور مصور تھے ۔ عبد المجید پرویں رقم حکیم صاحب ہی کے شاگرد تھے ۔ (محمد عبداللہ قریشی)

۲؎ حکیم فقیر محمد چشتی بعد میں خطاب شفاء الملک ۔

کو رکھے والوں میں سے ابھی تک کوئی نہیں آیا - اور نہ آئندہ امید ہے - ہاں اگر مریضہ کی طبیعت خراب ہوتی تو ان کے آنے کی امید تھی - والسلام

فقیر نظامی   ۸ / فروری ۱۹۳۳ء

(۳)

بنام زبدۃ الحکماء حکیم نور احمد نعمانی

(سرینگر کشمیر - رام منشی باغ - کوٹھی کمار صاحب ٹکاری)

عزیز کرم حکیم نور احمد صاحب!

السلام علیکم دونوں خط ایک ہی ڈاک سے پہنچے - میاں صاحب نے تو اسی وقت جواب لکھوا دیا تھا میں دو روز کے لئے پیچھے رہ گیا کیونکہ ہم لوگ گلمرگ چلے گئے تھے - میاں صاحب نے واپسی کے وقت گھوڑا چھوڑ کے خوب لو کرنے لگائے - جب ٹنگ گئے تو سوار ہوئے - بہر بات کہ ایسے گھوڑے بیچ کے سوئے کہ صبح کی خبر لائے طبیعت میں کسمساہٹ اور تھکاوٹ تھی - لیکن صبح کی پیدل قدمی اور ہوا خوری عمدہ تھی - اب اس وقت نمائش میں تشریف لے گئے ہیں

اس مہینے کی ۱۵ تاریخ تک بھیڑ چھٹ گئی - اب پنجاب کے اکا دکا لوگ نظر آتے ہیں - گلمرگ میں ابھی وہ ہجوم نہیں - اکتوبر کی پندرہ تاریخ تک ڈاکخانہ بھی بند ہو جاتا ہے - الغرض رہا روی کا عالم ہے ؎

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں   بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

اللہ کو منظور ہوا تو اگلے مہینے کے پہلے ہفتہ تک ہم بھی لاہور کی گہما گہمی آ دیکھیں گے - کشمیر بیشک دیکھنے کی جگہ ہے - یہاں کی زمین میں وہ قوت نامیہ موجود ہے کہ سوکھی چیز ہری ہو جاتی ہے ؎

ہر سوختہ جانے کہ بہ کشمیر در آید الخ

اس شعر کا مصداق بے شک یہ خطہ جنت نظیر ہے - پہنچیں گے تو زبانی بیان کریں گے - خط میں اس داستان کو کہاں تک لکھا جائے -

بچی کا علاج بالکل صحیح طریق پر ہو رہا ہے - اوزان کے بڑھانے کی ضرورت نہیں - غذا تولید دم ہوئی ورم وغیرہ سب تحلیل ہو جائے گا - اطمینان سے کام کئے جائیے - عجلت کی ضرورت نہیں - حالات اچھے ہیں - سب کی خدمت میں ما وجب کہہ دیجئے گا - والسلام

فقیر نظامی   ۲۵ / جولائی ۱۹۳۶ء

(نوٹ) یہ خط اس زمانے کی یادگار ہے - جب صوبہ بہار کی ریاست ٹکاری کے ولی عہد کمار صاحب ٹکاری کی رانی بیمار ہو کر حکیم صاحب کے زیر علاج تھی حکیم صاحب کے علاج سے فائدہ تو ہوا - مگر وہ لاہور کی گرمی برداشت نہ کر سکی - رانی نے حکیم صاحب کو مجبور کیا کہ وہ اس کے ساتھ کشمیر چلیں - حکیم صاحب نے اکیلے جانا پسند نہ کیا - اپنے دوست میاں جلال الدین برادر میاں احمد دین بی اے - ایل ایل بی ایڈووکیٹ لاہور کو بھی ہمراہ لے لیا - اور اپنے مطب کی نگرانی حکیم نور احمد نعمانی کے سپرد کر دی -

(محمد عبداللہ قریشی)

بیخود دہلوی

(۱)

بنام سید دل محمد نقشا

مکرم بندہ!

سلام علیکم۔ آپ کا پوسٹ کارڈ ملا۔ میں عرصہ سے بیمار اور صاحبِ فراش ہوں۔ میرے دو دیوان چھپ چکے ہیں۔ ایک دیوان میں میری تصویر بھی ہے اور مقدمہ میں میری سوانح عمری بھی درج ہے۔ میری سوانح عمری میں زیادہ تر شاعری ہے۔

گھوڑے کی سواری اور شکار کا شوق ہے۔ اگر آپ چاہیں تو دونوں دیوان بذریعہ وی۔ پی بھیج دوں جن کی قیمت پانچ روپیہ ہے۔

بیخود دہلوی۔ دلّی (شیا محل) ۲۶ فروری ۱۹۴۹ء

---

(۲)

بنام سید دل محمد نقشا

مکرمی!

وعلیکم السلام۔ میری ۹۱ برس کی عمر ہے۔ حافظہ جواب دے چکا۔ رعشہ کے سبب سے اپنے قلم سے اپنا نام بھی نہیں لکھ سکتا۔ آپ لکھتے ہیں بواپسی جواب دیجئے۔ میں نے دس گیارہ برس کی عمر میں سب سے پہلا شعر یہ کہا تھا ؎

دل سے نکل گیا کہ جگر سے نکل گیا
تیرِ نگاہِ یار کدھر سے نکل گیا

اس عمر میں یہ بھی نہ سمجھ سکتا تھا کہ میں نے شعر کہا ہے۔ جس کو سناتا تھا اس سے کہتا تھا کہ مجھے شعر یاد آ گیا ہے۔ امانت کی غزل اس زمین میں تھی اسے دیکھ کر کہہ لیا تھا۔ بیماریوں سے پہلے میرا دماغ بہت صحیح تھا۔ مجھ پر تکلّف کا اثر کیا ہو۔

مولانا محمد عرفان

(۱)

بنام مہر صاحب

جناب محترم و صدیقی الاکرم غلام رسول خاں صاحب "مہر" دام فضلہم۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ میں اس سے قبل ایک عریضہ لکھ چکا ہوں مگر خدا معلوم اس کا کیا حشر ہوا؟ آج دوسرا عریضہ لکھتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ کم از کم فوراً جواب تو آپ لکھ دیں گے۔

مولانا محمد علی صاحب ایڈیٹر "کامریڈ" "ہمدرد" کے لئے آپ کی خدمات حاصل کرنا چاہتے ہیں، مجھے متعدد دفعہ مولانا نے فرمایا کہ میں آپ کو خط لکھوں مگر بعض وجوہ کی بنا پر میں نے اسے مناسب نہیں سمجھا تھا۔ لیکن کل مولانا "ہمدرد" کی بہت ہی نازک حالت بتلا کر مجھ سے ٹیلیفون پر یہ فرمایا کہ "مہر" صاحب کو تار دے دو، وہ صرف ایک دن کے لئے دہلی تشریف لے آئیں، چند باتیں کرنے کے بعد پھر وہ لاہور تشریف لے جائیں اور جب معاملہ طے ہو جائے تو مطمئن ہو کر دہلی تشریف لے آئیں۔

ہم لوگوں کی ایک عرصہ سے یہ خواہش ہے کہ کسی طرح آپ کو دہلی میں بلایا جائے اور پھر یہیں کوئی قیام کی صورت پیدا کی جائے۔ اگر "الجمعیت" کی حالت اس قابل ہوتی تو اب تک میں یہ .... کام کر چکا ہوتا کہ آپ کو یہاں تشریف لانے کی دعوت دیتا۔ اگر "الجمعیت" غریب اگر اسی رفتار کے ساتھ زندہ رہ سکے تو اسے بھی غنیمت سمجھنا چاہئے، اس لئے کہ بغیر کسی سرمایہ اور بہترین عملہ ادارت کے جس طرح بھی اپنے وقت پر نکلتا ہے غنیمت ہے۔ والوجود اعز من العدم وان کان وجود الہیولیٰ۔

اب اللہ تعالیٰ نے ایک صورت پیدا کی ہے کہ آپ دہلی تشریف لا سکیں، مولانا محمد علی صاحب کے پاس کوئی شخص نہیں جو اخبار کی شان کو قائم رکھ سکے۔ وہ سخت پریشان ہیں، واقعی اگر آپ تشریف نہیں لائیں گے تو عجب نہیں کہ "ہمدرد" ختم ہو جائے۔

اگر آپ دہلی قیام زماناً قرین مصلحت نہ خیال کریں تو بھی صرف دو روز کے لئے تشریف لے آئیں۔ میرا مقصد یہ ہے کہ مولانا محمد علی صاحب کو یہ معلوم ہو جائے کہ اخبار نویسی کسے کہتے ہیں اور "ہمدرد" کی کیا شان ہونی چاہئے

اسلم جیراجپوری

(۱)

بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب پٹنہ

مخدومی ۔ السلام علیکم ۔

ابھی کارڈ موصول ہوا .... لیکن ابھی تک بوجہ ناسازئ طبع میں وہاں نہیں جاسکا ۔ کیونکہ وہ دو میل کے فاصلہ پر ہے ۔ مقدمات مجم دوبارہ اسی کاتب سے لکھوائی گئی ۔ کل اس کی کل کاپیاں آگئیں ۔ مجیب صاحب کو پارسی علوم کے ٹائیٹل پیج کا پتھر نہیں ملتا ۔ مہربانی فرماکر دونوں رسالوں کے ٹائیٹل پیج بناکر جلد بھیج دیجئے ۔ مجھے ایک عرصہ سے زکام، نزلہ اور بخار کی شکایت ہے ۔ مولانا سواتی آج کل بانکی پور میں ہیں ۔ کوئی کتاب نقل کر رہے ہیں ۔ حکیم صاحب کے انتقال سے جامعہ کی موت و حیات کا سوال درپیش ہوگیا ہے ۔ امید ہے کہ .... والسلام

جامعہ کے لئے کبھی کوئی مضمون بھیجا کریں تو بہتر ہو ۔ فقط

۱۶ر جنوری ۲۸ء

اسلم ۔ جامعہ ملیہ ۔ قرولباغ ۔ دہلی

(۲)

بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب پٹنہ

مخدومی ۔ السلام علیکم ۔

پارسی علوم کی کل کاپیاں مطبع جامعہ میں جمادی گئی ہیں اور ۔ ان سب کا پروف ایک ساتھ خدمت میں بھیجا جا رہا ہے، دیکھ کر فوراً واپس بھیجئے تاکہ چھپائی ہوجائے ۔

چونکہ تاریخ نجد کا شوق آپ نے اپنے ایک خط میں ظاہر کیا تھا اور وہ تیار ہوگئی ہے اس لئے اس کی ایک کاپی بذریعہ وی ۔ پی کے مکتبہ بھیج رہا ہے ۔ اسی کے ساتھ پروف بھیجنا مناسب معلوم ہوا ۔ امید ہے کہ آپ ... وصول کریں گے ۔ آپ کا کارڈ ملا تھا ۔ یہ ۲۴ پونڈ کیا ذکر ! میں نے تو لکھا تھا کہ ۱۶ پونڈ کا کاغذ ۱۸ × ۲۲ کے لئے ویسا ہی ہوگا ۔ جیسا کہ جامعہ کے لئے ۲۰ پونڈ کا اور ۱۶ ہی پاؤنڈ کا کاغذ خریدا جارہا ہے ۔

مہربانی فرماکر یہ بھی لکھئے کہ کتاب کے ٹائیٹل پر شائع کنندہ اور مقام اشاعت کیا درج کیا جائے جواب ... ہو ورنہ سخت ہرج ہوگا ۔ امید ہے کہ بخیریت ہوں گے ۔ ڈاکٹر صاحب سلام کا جواب دیتے ہیں ۔ فقط ۔ محمد اسلم جامعہ ملیہ قرولباغ دہلی ...

مہدی بیگم

(۱)

بنام سید علی محمد فضا

جناب محترم!

آداب۔ آپ کا عنایت نامہ ملا۔ خوشی ہوئی کہ آپ مکاتیب مہدی کے بارے میں میری امداد کی پوری کوشش فرما رہے ہیں۔ افاداتِ مہدی کی اشاعت جب میں نے کی تھی تو اس کی مانگ اس کثرت سے ہوئی کہ شائع شدہ جلدیں ناتی جلد ختم ہو گئیں کہ تعجب ہوا۔ اس کے بعد برسوں لوگوں کے خطوط کتاب کے لیے میرے پاس آتے رہے۔ بعد کو میں نے خطوط کے جواب دینے بند کر دیئے۔ آخر کہاں تک ہر ایک کا جواب دیتی۔ آخر کو جب لاہور یونیورسٹی کے کسی امتحان کے کورس میں داخل ہوئی جس کی اطلاع مجھے پروفیسر صاحب یعنی محمد شفیع صاحب نے دی۔ آپ نے لکھا کہ جہاں تک جلد ممکن ہو اس کی کافی اشاعت کرائیے۔ اس وقت میں نے سید سلیمان صاحب ندوی کے ذریعہ اس کا انتظام کیا ورنہ میں نے خود افادات کو کورس میں داخل کرنے کی کوئی تحریک نہیں کی تھی۔ یہاں تک کہ مجھے یہ بھی خبر نہیں کہ اس کے کورس میں داخل ہونے کے اسباب کیا ہوئے۔

اب عرصہ سے مکاتیب کی اشاعت کے لیے بھی اکثر اصحاب کے خطوط میرے پاس آتے رہے۔ میرا خیال تھا کہ افادات کی طرح اس کی بھی مانگ ہوگی اس خیال سے میں نے اس کی اشاعت کافی کرائی لیکن آجکل علمی مذاق کی ایسی سرد بازاری ہو رہی ہے کہ افسوس ہوتا ہے کہ کتابیں الماریوں کی چھاتی کا بوجھ ہو رہی ہیں۔ اس لئے چاہتی ہوں کہ کم سے کم جس قدر کتابیں چھپ چکی ہیں وہ نکل جائیں۔ بغرض اس کے لئے آپ اپنی پوری سعی سے کام لیکر میری امداد فرمائیں اور آپ کے حلقۂ احباب میں بھی جو اصحاب ایسے ہوں جن کی کوشش اس میں کامیاب ہو سکے ان کے ذریعے سے مدد لیجئے۔ اس کے لئے میں آپ کی بہت ممنون ہوں گی۔ امید ہے اب فضا بیگم صاحبہ کی صحت سنبھل گئی ہوگی اور آپ بھی اچھے ہوں گے ــــــ ہاں مکاتیب کی قیمت ہیڈ ماسٹر صاحب نے بھیج دی۔ والسلام!

مہدی بیگم۔ بسنت پور ۱۸ اگست سنہ ۱۹۳۲ء

(۲)

بنام سید علی محمد فضا

جناب محترم!

آداب۔ آپ کی تحریر کے مطابق ۵، ۶ خطوں کی نقل آپ کو بھیج رہی ہوں لیکن آپ اپنے مضمون کے ساتھ ان میں دو یا تین خطوط

سے زیادہ رسالہ میں نہ چھپا سکے گا کیونکہ میرا ارادہ انشاء اللہ ان کا بھی مجموعہ شائع کرانے کا ہے۔
مرحوم اپنے سے الگ ہو کر میرا وطن جانا گوارا نہیں کرتے تھے۔ ایسی ہی سخت مجبوریوں کی حالت میں تنہا وطن جاتی تھی، ایک آدھ مہینے کے لئے تو ایسی حالت میں ہم لوگوں کی ڈاک کا سلسلہ روزانہ جاری رہتا تھا یا جب میں ان کے پاس رہتی تھی اور ان کا دورہ کا زمانہ ہوتا تھا تو دورہ سے بھی روزانہ چپراسیوں کے ذریعہ دو طرفہ ڈاک کا سلسلہ جاری رہتا تھا اور روزانہ خطوط کے سلسلہ کے ساتھ بھی ان کے خطوط ۴، ۶ صفحے سے کم کے نہیں ہوتے تھے اور کبھی کبھی ۸، ۱۰ صفحے کے ہوتے تھے۔
ان کی دائمی جُدائی نے مجھے مدتوں قریب قریب پاگل بنا دیا تھا۔ تندرستی اتنی خراب ہوگئی تھی کہ زندگی کی امید نہیں تھی اس روح فرسا صدمہ نے میرے دل و دماغ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بالکل بیکار کر دیا۔ جو کچھ کمی تھی وہ شاہد کی وفات نے پوری کر دی۔ نہایت ہی محنتی، فرمانبردار اور جفاکش بچہ تھا۔ اپنے مقدور بھر ۲۴ گھنٹے میرا غم بٹانے کی کوشش میں لگا رہتا تھا۔
ہاں تو اسی زمانے میں میں نے ان کی وفات کے بعد اس خیال سے کہ میرے بعد یہ خطوط بچوں کے ہاتھوں میں جائیں گے اس لئے میں نے ہر خط میں صفحے کے صفحے قلم زد کر کے ان پر سادے کاغذ چپکا دئے۔ کیونکہ اس وقت مجھے ان کی اشاعت کا خیال بھی نہیں تھا۔ لیکن اب بڑی لڑکی جمیلہ کے اصرار سے اور مرحوم کے دوستوں کے اصرار سے ان کے شائع کرنے کا ارادہ ہوا لیکن اس کا انتظار ہے کہ موجودہ مکاتیب کی کچھ جلدیں نکل جائیں تو اس کا سلسلہ شروع کروں۔
افادات جب میں نے شائع کی تھی تو پنجاب یونیورسٹی کے پروفیسر صاحب نے اپنے ایل بی۔ اے کے کورس میں داخل کر لی۔ اس کے بعد مولوی فاضل اور منشی فاضل کے نصاب میں بھی داخل کرا لی گئی لیکن نہ تو میں نے کوئی کتاب پروفیسر صاحب کو بھیجی نہ ان سے اس کی درخواست کی۔ نہیں معلوم کہاں سے انہوں نے کتاب دیکھی۔ جب یہ نصاب میں داخل ہوگئی تو پروفیسر صاحب نے مجھے لکھا کہ افادات فلاں فلاں کورس میں داخل کر دی گئی ہے لہٰذا جہاں تک جلد ممکن ہو آپ اس کی کافی اشاعت کرائیے۔ اس وقت میرے پاس جتنی جلدیں چھپی تھیں وہ قریب قریب ختم تھیں اس لئے میں نے سید سلیمان صاحب ایڈیٹر معارف کو اشاعت کی اجازت دے دی۔ اسی زمانے سے ان کے ہاں چھپ کر فروخت ہو رہی ہے۔ لیکن مکاتیب کے لئے کوئی دو تین ہفتے ہوئے پنجاب سے خط مع چھپے ہوئے قوانین کے آیا تھا اور اس میں بہت سی شرائط ہیں۔ ۸ جلدیں مانگی ہیں تاکہ جن جن کے متعلق نصاب بنانا ہے وہ لوگ دیکھیں اور سارے پاس کریں وغیرہ وغیرہ۔ غرض مجھے اس میں بڑی طوالت معلوم ہوتی ہے۔ کون یہ درد سری مول لے۔ میں نے ایک کتاب بھیج دی تھی۔ پھر وہاں سے اسی مضمون کا خط آیا لیکن میں نے اس کا جواب نہیں دیا۔ فقط!
مہدی بیگم جگت نرائن روڈ ۲۱۴ لکھنؤ ۱۲ نومبر ۱۹۳۵ء

عورتوں کے زیوروں کے بیان میں تحریر فرمایا۔ ۱۳۲۰ھ میں آپ حج کو تشریف لے گئے اور ۱۰ رجب ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو سفرِ آخرت اختیار کیا۔ آپ کا مزار مہندی پورہ (دہلی) کے قبرستان میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

سرسید احمد خاں

سرسید ۱۸۱۷ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۸۳۹ء میں دہلی میں سررشتہ داری کے عہدے پر مقرر ہوئے۔ ۱۸۴۱ء میں منصفی کا امتحان پاس کیا۔ ۱۸۴۶ء سے ۱۸۵۴ء تک دہلی کے صدر امین رہے۔ اسی زمانے میں انہوں نے مشہور کتاب آثار الصنادید لکھی۔ ان کی بہت سی کتابیں اور بھی ہیں۔ ۱۸۶۶ء میں انہوں نے ایک انجمن قائم کی جس کا نام "برٹش انڈین ایسوسی ایشن" تھا۔ اور سائنٹیفک سوسائٹی کا ایک ماہوار رسالہ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کے نام سے نکالا۔ ۱۸۶۹ء میں انگلستان گئے، واپس آکر اپنا مشہور رسالہ "تہذیب الاخلاق" جاری کیا۔ اس رسالے نے بہت بڑے بڑے کام کئے۔ مہدی افادی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ "ساری نئی نسل تہذیب الاخلاق کی پروردہ ہے۔" سرسید کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ایک نئی تحریک پیدا کی جس میں اور بہت سے لوگ بھی شامل ہوئے اور اس طرح انہوں نے اردو ادب کی بیش بہا خدمت کی ——— ۱۸۷۶ء میں یہ سرکاری ملازمت سے کنارہ کش ہوگئے اور بقیہ عمر تعلیمی اور سیاسی مشاغل میں گزاردی۔ بالآخر ۱۸۹۸ء میں وفات پاگئے۔

مولوی محمد حسین آزاد

محمد حسین مولوی باقر علی کے فرزندِ ارجمند تھے۔ ابتدائی تعلیم ذوق کے سایۂ عاطفت میں ہوئی۔ باقی تعلیم دہلی کالج میں حاصل کی۔ استاد ذوق کی صحبت کی وجہ سے ان کی ملاقات بڑے بڑے شعرا سے ہوتی رہی جس نے ان کے ذوقِ ادب کو اور بھی چلادی۔ غدر کی صعوبتوں کی وجہ سے مارے مارے پھرتے رہے، مگر علم و ادب سے کنارہ کشی کبھی نہیں کی، بلکہ علمی و ادبی کاموں میں زندگی بھر پیش پیش رہے۔ ۱۸۶۴ء میں انجمن پنجاب قائم ہوئی۔ وہ اس کے بھی ممتاز رکن تھے۔ انجمن کے رسالہ کے ایڈیٹر بھی رہے۔——— ان کو سیر و سیاحت کا بے حد شوق تھا۔ لیکن ان کی سیر و سیاحت کی نوعیت بھی علمی و ادبی ہوا کرتی تھی۔ ۱۸۶۵ء میں حکومتِ ہند نے ایک مشن سنٹرل ایشیا کی سیاسی حالت کا جائزہ لینے کے لئے روانہ کیا، وہ بھی اس کے ایک رکن تھے۔ افغانستان کا سفر کرنے کے لئے انہوں نے پشتو سیکھی۔ ۱۸۸۵ء میں وہ سیاحتِ ایران کے لئے تشریف لے گئے۔ وہاں انہوں نے بہت استفادہ کیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے کئی طویل سفر کئے ——— ان کا سلسلۂ تصانیف ۱۸۶۱ء میں شروع ہوا۔ تیس سال کے عرصہ میں انہوں نے لاتعداد کتابیں لکھیں جن میں سے سخندانِ فارس، دربارِ اکبری اور آبِ حیات کو شہرتِ دوام حاصل ہوئی۔ انہوں نے بچوں کے لئے جو ریڈریں لکھیں وہ بھی بہت مقبول ہوئیں۔ وہ جدید اردو نظم کے اولین معماروں میں ہیں ——— ۱۹۱۰ء میں وفات پائی۔

امیر مینائی

امیر احمد نام، امیر تخلص تھا۔ ایک بزرگ حضرت شاہ مینا کی اولاد سے تھے۔ اس لئے امیر مینائی کہلاتے تھے۔ ۱۲۴۴ھ ۱۸۲۶ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد مولوی کرم احمد کی نگرانی میں حاصل کی جو شرافت نسبی کے علاوہ جوہرِ ذاتی سے بھی بہرہ مند تھے۔ تعلیم کی بعض منزلیں فرنگی محل میں طے ہوئیں۔ وہیں سے شعر و شاعری کی ابتدا ہوئی۔ منشی مظفر علی اسیر کی شاگردی اختیار کرکے اس فن میں کمال حاصل کیا۔ اسی کی بدولت واجد شاہ کے دربار میں پہنچے اور دو کتابیں ارشاد السلطان اور ہدایت السلطان تصنیف کیں جو اب نایاب ہیں۔ لکھنؤ کے مشاعروں کی طرحی غزلوں کا ایک مجموعہ "غیرتِ بہارستان" بھی مرتب کیا تھا لیکن وہ طباعت و اشاعت سے پہلے ہی ہنگامۂ غدر میں تلف ہوگیا۔ ۱۸۵۸ء میں نواب یوسف علی خاں والیٔ رام پور نے بلایا اور نہایت تعظیم و تکریم کی۔ بعد میں نواب کلب علی خاں نے ان کو اپنا استاد بنایا اور عدالتِ دیوانی کا حاکم مقرر کیا۔ ۴۰ سال رام پور میں رہے۔ پھر نظام کے ایما سے داغ نے انہیں حیدرآباد بلایا۔ مگر جاتے ہی بیمار ہوگئے اور ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۰ء کو انتقال کیا۔ بڑے متقی، پرہیزگار اور نیک نفس بزرگ تھے۔ مراۃ الغیب (نعتیہ دیوان)، صنم خانۂ عشق (دیوان)، محامدِ خاتم النبیین، مینائے سخن وغیرہ نظم میں اور خیابانِ آفرینش

ان کے اسرار، زاد الامیر، شعرا کا ایک تذکرہ انتخاب یادگار، نثر میں یادگار ہیں۔ امیر اللغات لکھنی شروع کی تھی مگر الف کی تقطیع کی دو جلدوں سے زیادہ نہ چھپ سکی۔ خطوط کا مجموعہ مکتوبات امیر مینائی کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

داغ دہلوی

نواب مرزا خاں داغ۔ نواب شمس الدین والی ریاست فیروز پور جھرکہ کے فرزند تھے۔ ۱۸۳۱ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کے انتقال کے بعد ان کی ماں نے مرزا محمد سلطان سے شادی کر لی۔ جس کی وجہ سے ان کی تعلیم و تربیت لال قلعہ میں ہوئی۔ استاد ذوق کے شاگرد ہوئے۔ مرزا محمد سلطان کی وفات اور غدر کے ہنگامے کی وجہ سے دہلی چھوڑ کر ریاست رام پور میں نواب کلب علی خاں کے مصاحب مقرر ہوئے۔ داغ نے ۲۴ سال نواب کی مصاحبت میں بڑے عیش و آرام سے گزارے۔ اور نواب کی ہمراہی میں حج بھی کیا ——— ۱۸۸۷ء میں نواب کی وفات کے بعد واپس دہلی آ گئے۔ ۱۳۰۵ھ میں سر آسمان جاہ کی طلبی پر حیدر آباد آ گئے اور باقی عمر وہیں بسر کی۔ داغ کی ساری زندگی بڑی فارغ البالی اور عیش و آرام سے بسر ہوئی۔ آخر بعارضہ فالج ۱۹۰۵ء میں انتقال فرمایا۔

مولوی ذکاء اللہ دہلوی

شمس العلماء مولوی محمد ذکاء اللہ ۱۸۳۲ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام حافظ ثناء اللہ تھا۔ جو بہادر شاہ کے سب سے چھوٹے بیٹے مرزا کوچک سلطان کے اتالیق تھے۔ آپ نے قدیم دہلی کالج سے فارغ التحصیل ہو کر مدت تک سررشتہ تعلیم میں مختلف حیثیتوں سے درس و تدریس کی خدمت انجام دی۔ ۱۸۶۲ء میں اورینٹل کالج لاہور کی پروفیسری کے واسطے نامزد ہوئے مگر نئے عہدے کا چارج لینے سے پہلے میور سنٹرل کالج الہ آباد میں عربی و فارسی کے پروفیسر ہو گئے، جہاں سے ۲۶ برس کی ملازمت کے بعد پنشن پائی اور تقریباً چوبیس پچیس برس پنشن سے بہرہ یاب ہو کر ۱۹۱۰ء میں انتقال کیا۔ انہیں اردو زبان کی خدمت کا خصوصیت کے ساتھ زیادہ موقعہ ملا۔ متفرق مضامین کے علاوہ مستقل تصانیف بہ تعداد کثیر یادگار چھوڑیں۔ طبیعات، جغرافیہ، ادب، تاریخ، اخلاق، اقلیدس اور مساحت وغیرہ علوم و فنون پر اچھی اچھی کتابیں لکھیں۔ کم و بیش سوا سو کتابیں اُن کے تصنیفی مشاغل کی شاہد ہیں۔ صرف تاریخ ہند نو جلدوں میں ختم ہوئی ہے۔ سادگی سلاست، روزمرہ اور محاورہ ان کی تصانیف کی نمایاں خصوصیات ہیں مگر ادبی حیثیت سے ان کا پایہ اتنا بلند نہیں جتنا اس دور کے دوسرے کلاسیکی مصنفین کا ہے۔ ان کے فضل و کمال کے اعتراف کے لئے ان کی تصانیف کو ادبی معیار کی بجائے اہمیت اور افادہ کے اعتبار سے جانچنا چاہئے

مولوی نذیر احمد

مولوی نذیر احمد بمقام ریڑ (ضلع بجنور) ۱۸۳۱ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مولوی عبدالخالق سے حاصل کی اور پھر دہلی کالج میں رہ کر اس تعلیم کی تکمیل کی۔ زندگی کی ابتدا میں پچیس روپے کی ملازمت سے ہوئی اور انتہا میں افسر بندوبست کے عہدے پر بمشاہرہ آٹھ سو تک پہنچ گئے ——— ان کا ترجمہ مجموعہ تعزیرات ہند بہت مقبول ہوا ——— اس کے علاوہ ان کے اخلاقی اور معاشرتی ناول بھی بڑے مقبول ہوئے۔ مولانا کثیر التصنیف بھی تھے اور سریع التصنیف بھی ——— وہ بڑے سادہ مزاج اور ظریف الطبع انسان تھے۔ تحریر میں بھی بڑی شوخی ہے۔ ان کا انداز بیان صاف اور سادہ ہے۔ مگر محاورے کا استعمال بافراط کرتے ہیں۔ وہ علی گڑھ کالج کے بڑے سرپرست اور معاون تھے۔ انہیں ۱۸۹۷ء میں شمس العلماء کا خطاب اور ۱۹۰۲ء میں یونیورسٹی آف ایڈنبرا کی طرف سے ایل ایل ڈی کی اعزازی ڈگری ملی۔ ۱۹۱۰ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ڈاکٹر آف اورینٹل لرننگ کی ڈگری حاصل کی۔

اردو میں اولین ناول نگار انہی کو مانا جاتا ہے۔ مراۃ العروس، توبۃ النصوح، ابن الوقت، فسانۂ مبتلا وغیرہ بہت مقبول ہوئے۔ قانون کی کتابوں کے عمدہ ترجمے کئے۔ قرآن مجید کا بھی بامحاورہ اردو ترجمہ کیا۔ وہ اعلیٰ درجے کے مقرر تھے۔ اور اس حیثیت سے بھی ان کو ملک میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ آخر فالج میں مبتلا ہو کر ۳ مئی ۱۹۱۲ء کو جمعہ کے روز دہلی میں انتقال فرمایا

حالی

الطاف حسین حالی ۱۸۳۷ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ انصاریوں کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ علم و ادب کا شوق فطری تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ۱۸۵۵ء میں گھر بار چھوڑ کر دلی چلے گئے اور مولانا نوازش علی سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔ غدر کے ہنگامہ کی وجہ سے پھر اپنے وطن واپس آگئے۔ انہیں نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کی مصاحبت میں رہنے کا موقع ملا جس کی وجہ سے ان کے علمی و ادبی ذوق کو اور بھی جِلا ہوئی ——— سرسید کی فرمائش پر انہوں نے "مسدس حالی" لکھی جو ان کی مایۂ ناز تصنیف ہے۔ حیاتِ سعدی، یادگارِ غالب اور حیاتِ جاوید کے علاوہ "مقدمہ شعر و شاعری" کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ حالی مصنف بھی تھے، نقاد بھی اور شاعر بھی۔ ان کی شخصیت کی سادگی، خلوص اور شرافت ہر جگہ اور ہر صنف میں ملتی ہے۔ حالی بڑے نیک دل انسان تھے۔ ان کے خطوط میں بھی یہی نیکی، شرافت اور دھیما پن ملتا ہے۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۱۴ء کو اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔

مولوی سمیع اللہ خاں

دلی کے علوی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۸۳۴ء میں پیدا ہوئے۔ مفتی صدر الدین آزردہ سے معقول کی انتہائی کتابیں پڑھیں۔ عالم ہونے کے علاوہ خوش نویس بھی تھے اور اس فن میں میر پنجہ کش کے شاگرد تھے۔ ۱۷-۱۸ برس کی عمر میں تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد طلبا کو درس دینا شروع کیا۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ تصنیف و تالیف کا شوق ابتدا ہی سے تھا۔ تلخیص پر حاشیہ لکھا جو چھپ چکا ہے۔ فلسفے کی اکثر کتابوں پر حاشیے لکھے جن کے مسودے غدر میں برباد ہوگئے۔ فارسی کے مشہور قصہ ممتاز کا اردو ترجمہ بھی سب سے پہلے آپ ہی نے کیا تھا۔ قانون کا امتحان دے کر وکالت کی سند حاصل کی۔ ۱۸۶۰ء میں منصف مقرر ہوئے۔ ۱۸۷۳ء میں صدر الصدور کے عہدے پر ممتاز ہو کر علی گڑھ، الہ آباد، مراد آباد اور فتح گڑھ میں رہے۔ علی گڑھ کالج کے قیام میں سرسید کا ہاتھ بٹایا۔ ۱۸۸۶ء میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے صدر منتخب ہوئے۔ ۱۸۸۰ء میں یورپ کا سفر کیا اور ایک بسیط سفرنامہ لکھا جس کا انگریزی ترجمہ کنور جوالا پرشاد نے کیا ہے۔ نومبر ۱۸۹۲ء میں جج کے عہدے سے پنشن لی۔ ملازمت کے دوران میں ایک دفعہ مصر بھی بھیجے گئے، جہاں سے واپس آنے کے بعد سی، ایم، جی کا خطاب ملا۔ ۱۹۰۱ء میں سفرِ حج اختیار کیا۔ مکہ معظمہ کے قیام میں شیخ الدلائل مولانا عبدالحق سے دلائل الخیرات کی سند حاصل کی۔ ہندوستان واپس آکر دلائل الخیرات کا صحیح نسخہ مع مفید حواشی کے چھپوایا ——— ۷ اپریل ۱۹۰۸ء مطابق ۵ ربیع الاول ۱۳۲۶ھ کو علی گڑھ میں انتقال ہوا۔ لاش وصیت کے مطابق دلی پہنچائی گئی، جہاں دلی دروازہ کے باہر آبائی قبرستان میں دفن کی گئی۔

مولانا عبدالحق حقانی دہلوی

مولانا ابو محمد عبدالحق بن خواجہ محمد امیر شیخ علوی کے بزرگ خواجہ شمس الدین تبریزی عالمگیر کے عہد میں ہندوستان آکر دہلی میں آباد ہوئے۔ مولانا عبدالحق ۲۷ رجب ۱۲۶۵ھ کو دہلی میں پیدا ہوئے اور ۱۲۸۰ھ میں فارغ التحصیل ہوگئے۔ آج سے نصف صدی قبل دہلی کے مشہور علماء میں آپ کا شمار تھا۔ آپ کی تفسیر حقانی کلام مجید کی پہلی مفصل اور جامع تفسیر اردو زبان میں ہے۔ قرآن پاک کا اردو ترجمہ بھی کیا تھا، مگر اس کی زیادہ شہرت نہیں ہوئی۔ آپ کی کتاب البیان کا ترجمہ انگریزی زبان میں بھی ہو چکا ہے۔ اس میں اسلام کی حقانیت بیان کی گئی ہے۔ عقائد اسلام بھی معتبر کتابوں میں ہے۔ مولانا بڑے ذی علم اور نہایت اعلیٰ درجہ کے ادیب تھے۔ ساری عمر درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مصروف رہے۔ بہت سادہ مزاج اور دوست پرور بزرگ تھے۔ حیدرآباد سے آپ کو وظیفہ ملتا تھا۔ آخری عمر میں کلکتہ مدرسہ میں عربی کے پروفیسر ہوگئے تھے۔ سرکار نے آپ کی علمی قابلیت کے اعتراف میں شمس العلماء کا خطاب عطا کیا تھا۔ ۱۹۱۶ء میں انتقال فرمایا اور دہلی میں دفن کئے گئے۔

احمد علی شوق قدوائی

احمد علی نام شوق تخلص تھا۔ ۱۸۵۲ء میں لکھنؤ کے قریب قصبہ جگور میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد

ناظم علی قیسؔ خود شاعر تھے۔ مگر وہ کم سنی میں داغِ یتیمی دے گئے۔ اس لیے شوقؔ کا بچپن مصیبت میں گزرا۔ اعزا کی مہربانی سے عربی، فارسی اور انگریزی کی تعلیم حاصل کی اور فیض آباد میں تحصیلدار ہو گئے۔ لیکن جلد استعفیٰ دے کر ۱۸۸۲ء سے ۱۸۹۰ء تک اخبار "آزاد" نکالتے رہے۔ اس وقت شاعری اور مضمون نویسی کا شوق زوروں پر تھا۔ اس فن میں مظفر علی اسیرؔ کے شاگرد تھے۔ آپ کے مضامین نثر و نظم "اودھ پنچ" اور دوسرے مشہور جرائد میں بھی شائع ہوتے تھے۔ لکھنؤ سے بھوپال گئے اور یہاں ۲۵ سال ملازمت کی۔ آخری عمر میں ریاست رام پور سے تعلق ہو گیا تھا۔ ضعیف العمری کی وجہ سے اپنی بیٹی کے پاس اناؤ چلے گئے۔ ۲۰ را پریل ۱۹۲۵ء کو گونڈہ میں انتقال کیا۔

منشی احمد علی شوقؔ غزل اور مثنوی خوب کہتے تھے۔ چند ناٹک بھی لکھے جن میں قاسم و زہرہ، ہیکفرسن و لوسی بہت مشہور ہیں۔ مثنوی عالم خیال اور زہرِ عشق کی زبان خاص طور پر لطیف اور شیریں ہے۔ دیوان شائع ہو چکا ہے اور نہایت اعلیٰ پایہ کا ہے۔

نواب محسن الملک

محسن الملک نواب سید مہدی علی خاں بہادر ۱۸۳۷ء میں بمقام اٹاوہ پیدا ہوئے۔ معمولی درسیات سے فارغ ہو کر ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد میں دس روپے ماہوار پر کلرک مقرر ہوئے۔ رفتہ رفتہ ترقی کر کے ۱۸۶۱ء میں تحصیلدار مقرر ہو گئے۔ اس اثنا میں انہوں نے دو کتابیں قانون مال اور قانون فوجداری لکھیں جو بہت مشہور ہوئیں۔ ۱۸۶۳ء میں ڈپٹی کلکٹری کا امتحان پاس کیا۔ اور مرزا پور کے ڈپٹی کلکٹر مقرر ہوئے۔ ان کی شہرت اور قابلیت کی وجہ سے سر سالار جنگ اوّل نے ان کو حیدر آباد میں طلب کیا۔ اور ۱۸۷۴ء میں مالیات کے افسرِ اعلیٰ مقرر ہوئے۔ انگلستان کا سفر بھی کیا۔ وہاں گلیڈسٹون سے ملاقات بھی ہوئی۔ ان کے مضامین تہذیب الاخلاق میں بھی شائع ہوتے رہے۔ یہ سر سید کے رفقا میں سے تھے۔ اور تحریر و تقریر دونوں میں لوگ ان کا لوہا مانتے تھے۔ ۱۹۰۷ء میں انتقال کیا۔

نواب وقار الملک

وقار الملک (نواب مشتاق حسین) ۱۸۴۹ء میں امروہہ میں پیدا ہوئے۔ شروع میں کسی اسکول میں پڑھاتے تھے۔ امروہہ میں کچھ سرکاری خدمات انجام دیں جس کی وجہ سے پہلے سر رشتہ دار اور پھر منصرم صدر الصدور ہو گئے۔ کافی عرصہ سر سید کے ساتھ کام کیا۔ سرکاری خدمتوں کی وجہ سے سرکار آصفیہ کی طرف سے وقار الدولہ، وقار الملک کا معزز خطاب حاصل کیا۔ ۱۸۹۱ء میں سرکاری ملازمت سے کنارہ کش ہو کر بقیہ عمر قومی کاموں اور علی گڑھ کالج کی اصلاح و ترقی میں صرف کی۔ آپ سائنٹیفک سوسائٹی کے ممبر اور تہذیب الاخلاق کے مہتمم بھی رہے۔ انہیں سرگرمیوں میں زندگی بسر ہوئی۔ آخر ۱۹۱۷ء میں وفات پائی۔

مولانا احمد حسن شوکت میرٹھی

سید احمد حسن نام۔ شوکتؔ تخلص تھا۔ میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ جون ۱۸۳۱ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد پولیس میں ملازمت کی۔ پھر ملازمت چھوڑ کر مولانا عبدالحق سہارنپوری سے فارسی کی اور مولانا محمد قاسم نانوتوی سے عربی کی تکمیل کی۔ شاعر تو واجبی ہی سے تھے۔ عربی کے فاضل اور فارسی کے ماہر ہونے کی وجہ سے بحر العلوم السنہ مشرقیہ کہلاتے تھے۔ ابتدا میں فیلن صاحب کی ڈکشنری میں کام کیا۔ پھر کوہ نور کے ایڈیٹر ہو کر لاہور آ گئے۔ یہاں سے اودھ اخبار لکھنؤ میں گئے کچھ عرصہ بعد میرٹھ سے اخبار تحفۂ ہند جاری کیا۔ ایک ماہوار رسالہ پرواز بھی نکالا۔ مخزن اور دوسرے رسالوں میں سیکڑوں ادبی، علمی، تنقیدی اور تحقیقی مضامین لکھے مثنی، حماسہ، خاقانی، بیدل، فرخی کی شرحیں لکھیں۔ ۳۱ ر دسمبر ۱۹۲۳ء کو میرٹھ میں انتقال کیا۔

جلال لکھنوی

حکیم سید ضامن علی جلالؔ کے والد کا نام حکیم اصغر علی تھا۔ خاندانی پیشہ طبابت تھا۔ لیکن اصغر علی نے داستان گوئی میں نام پیدا کیا اور اسی سلسلہ میں نواب یوسف علی خاں والیٔ رام پور کی خدمت میں پہنچے۔ جلالؔ کی پیدائش ۱۲۵۰ھ (۱۸۳۴ء) میں بمقام لکھنؤ ہوئی۔ فارسی کی درسی کتابیں بھی مکمل پڑھیں اور عربی میں بقدرِ ضرورت استعداد پیدا کی۔

اپنا آبائی پیشہ طبابت بھی نظرانداز نہیں کیا۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے نے جب لکھنؤ کی بساطِ سخن اُلٹ دی اور شعر و شاعری کی محفل درہم برہم ہوگئی تو جلال نے لکھنؤ میں ایک دواخانہ کھول کر کسبِ معاش کے لئے اس سے کام لیا۔ نواب یوسف علی خاں کو خبر ہوئی تو انہوں نے رام پور بلالیا۔ بیس سال تک دربار سے تعلق رہا۔ نواب کلب علی خاں کی وفات کے بعد رئیس منگرول کی طلبی پر وہاں چلے گئے، مگر آب و ہوا راس نہ آئی لکھنؤ واپس چلے آئے۔ جہاں ۲۰ اکتوبر ۱۹۰۹ء (۱۳۲۵ھ) کو انتقال کیا۔ مشہور تصانیف یہ ہیں:-

(۱) چار دیوان اردو (اوّل، شاہد شوخ طبع $\frac{۱۳۰۲ھ}{۱۸۸۴ء}$ (دوم)، کرشمۂ گاہ سخن طبع ۱۳۰۲ھ ۱۸۸۴ء (سوم) مضمون ہائے دلکش ۱۳۰۶ھ ۱۸۸۸ء (چہارم)، نظم نگارین ۱۳۲۰ھ (۲) سرمایۂ زبانِ اردو (۳)، افادۂ تاریخ - (۴) منتخب القواعد - (۵) تنقیح اللغات - (۶) گلشنِ فیض - (۷) دستور الفصحاء (۸) مفید الشعراء وغیرہ۔

شاگردوں میں میرزا اکر حسین یاس۔ آرزو لکھنوی۔ احسان شاہجہانپوری بہت مشہور ہیں۔

مولانا شبلی نعمانیؒ

شبلی مئی ۱۸۵۷ء میں ضلع اعظم گڑھ کے ایک گاؤں بندول میں پیدا ہوئے۔ چونکہ آپ حنفی عقیدے کے پابند تھے اسی مناسبت سے ان کے استاد مولانا فاروق چڑیاکوٹی نے آپ کا نام نعمانی رکھ دیا —— انہوں نے اپنے دور کے تمام بڑے بڑے علما و فضلا سے تعلیم حاصل کی جن میں مولانا فاروق چڑیاکوٹی، مولانا فیض الحسن اور محدث مولانا احمد علی کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ۱۹ سال کی عمر میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ سفرِ حج کیا۔ حج سے واپسی کے بعد ۱۸۷۶ء سے ۱۸۸۲ء تک اعظم گڑھ کے اطراف میں رہے۔ جہاں وکالت کا امتحان دیا، ملازمت بھی کی۔ تجارت اور زمینداری کا کام بھی کیا۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اپنے علمی و ادبی مشاغل کو برابر جاری رکھا —— کافی عرصہ سر سید احمد خاں کی صحبت میں بھی رہے۔ علم و ادب کا شوق انہیں ہندوستان سے باہر بھی لے گیا۔ چنانچہ "الفاروق" کے سلسلے میں انہوں نے مصر، شام اور ترکی کے کتب خانوں سے بھی استفادہ کیا —— جنوری ۱۸۹۴ء میں ہندوستان کی برطانوی حکومت نے ان کو شمس العلماء کا خطاب دیا۔ مدتوں علی گڑھ تحریک سے وابستہ رہے۔ بڑی معرکتہ الآراء تصانیف لکھیں جن میں شعر العجم، المامون، الغزالی، موازنہ انیس و دبیر، علم الکلام اور سیرت النبی بڑی اہمیت کی مالک ہیں۔ اس کے علاوہ شاعری بھی کی۔ وہ خطوط نگاری میں بھی ایک بلند مقام رکھتے ہیں۔ ان کے خطوط اپنی رنگینی، خلوص اور اختصار کی وجہ سے بڑے اہم ہیں۔ ۱۹۱۴ء میں انتقال ہوا۔

نواب میر صدر الدین حسین خاں

آپ بڑودہ کے رئیس ابن رئیس سنی المذہب، حنفی المشرب حسینی سید تھے۔ ان کے بزرگوں میں سے سید محمد علی ہرات سے دہلی میں وارد ہوئے اور اپنے علم و فضل کی وجہ سے شاہ دہلی کے اتالیق اور وزیر نظام الملک بہادر آصف جاہ اول کے استاد مقرر ہوئے۔ دہلی سے سرکار نظام کے ہمراہ دکن تشریف لے گئے۔ گائیکواڑ بڑودہ میں لاکھوں روپے کی جاگیر ملی۔ ان کی چوتھی پشت میں نواب میر صدر الدین حسین خاں بن نواب وحید الدین حسین خاں ۲۶ محرم ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۸۷۷ء کو پیدا ہوئے۔ تین سال کی عمر میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والدہ نے پرورش کر کے گھر ہی میں اعلیٰ تعلیم دلائی۔ بیس برس کی عمر میں تعلیم سے فارغ ہو کر تصنیف و تالیف کا شغل اختیار کیا اور اسلامی تعلیمات پر بے شمار کتابیں لکھ کر سارے ہندوستان میں مفت تقسیم کیں۔ ان کتابوں میں سے اسلام کے عقائد، اسلام کی خوبیاں، گلدستۂ تمیز، دانائی کا سبق، گنجینۂ آرام، گلدستۂ فلاح اور اسلام کی صداقت وغیرہ بعض کتابیں گجراتی، مرہٹی، انگریزی اور روسی زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہیں۔ ۱۹۰۱ء میں آپ نے کتب خانۂ اسلام کے نام سے ایک لائبریری قائم کی جس میں ہر علم و فن کی اردو کتابیں جمع کیں۔ یہ اپنی قسم کا واحد کتب خانہ ہے جسے دیکھ کر اردو کی رفتار ترقی اور وسعت کا پتہ چلتا ہے۔ نثر کے علاوہ

نظم پر بھی قادر تھے۔ ان کی سوانح عمری غنچۂ مراد السلام کے نام سے ۱۳۲۹ھ میں شائع ہو چکی ہے۔

مولوی عزیز مرزا

مولوی محمد عزیز مرزا بی اے یو پی کے باشندے تھے اور اپنے زمانے کے نہایت قابل اور مشہور نثر نگاروں میں شمار کئے جاتے تھے۔ انہوں نے ۱۸۸۵ء میں علی گڑھ کالج سے بی اے پاس کر کے حیدر آباد میں ملازمت اختیار کی اور یہاں مختلف جگہوں پر رہنے کے بعد ترقی کر کے ہوم سیکرٹری کا عہدۂ جلیلہ حاصل کیا۔ وہ بڑے محنتی تھے۔ اپنے فرائضِ منصبی کی ادائگی کے بعد اتنا وقت نکال لیتے تھے کہ تصنیف و تالیف کا شغل جاری رکھ سکیں۔ انہوں نے نواب فتح نواز جنگ، مولوی مہدی حسن کے انگریزی سفرنامہ انگلستان کا ترجمہ "گلگشتِ فرنگ" کے نام سے کیا۔ شاہانِ بہمنی کے مشہور وزیر خواجہ عماد الدین محمود گاواں کے حالاتِ زندگی "سیرۃ المحمود" کے نام سے لکھے۔ کالی داس کے مشہور ڈرامہ "وکرم اروسی" کا ترجمہ کیا۔ جس کے فاضلانہ مقدمہ میں سنسکرت ڈراما کی اصل اور نوعیت کے متعلق بہت سی مفید باتیں لکھیں۔ ان کو پرانے سکے جمع کرنے کا بھی شوق تھا۔ مختلف رسائل و جرائد میں جو مضامین نکلتے تھے وہ "خیالاتِ عزیز" کے نام سے شائع ہو گئے ہیں۔ ۱۹۰۹ء میں ملازمت سے سبکدوش ہو کر آل انڈیا مسلم لیگ کے سیکرٹری ہو گئے تھے۔ ان کا انتقال ۲۶ فروری ۱۹۱۲ء کو ہوا۔

شاد عظیم آبادی

سید علی محمد نام۔ شاد تخلص تھا۔ آپ کے والد سید عباس مرزا کا سلسلۂ نسب اکتیسویں پشت میں امام زین العابدین سے ملتا ہے۔ ۹ محرم ۱۲۶۲ھ مطابق ۷ جنوری ۱۸۴۶ء کو پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ عربی، فارسی اور اردو کی کتابیں قابل اساتذہ سے تحصیل کیں۔ پندرہ برس کی عمر میں شاعری شروع کی۔ شاہ الفت حسین فریاد سے مشورۂ سخن کیا۔ پھر ساری زندگی علم و ادب و زبان کی خدمت میں گزار دی۔ میر اور انیس کے مقلد اور متبع تھے۔ لاکھوں شعر ان کے نتائجِ فکر ہیں۔ حکومت نے خان بہادر کا خطاب عطا کیا۔ نیز ایک ہزار سالانہ کا وظیفہ بھی ملتا تھا۔ ۳۲ سال تک آنریری مجسٹریٹ رہے۔ ۸ جنوری ۱۹۲۷ء کو پٹنہ میں انتقال کیا۔ اعلیٰ پایہ کے ادیب، شاعر اور مصنف تھے۔ بہت سی کتابیں لکھیں جن میں سے کچھ چھپ چکی ہیں اور کچھ نہیں چھپیں۔ بعض مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں:۔ تذکرۃ الاسلاف۔ تاریخ صوبہ بہار، مردم دیدہ، فکرِ بلیغ، حیاتِ فریاد، ملادِ ہند، میخانۂ الہام، مکتوباتِ شاد، نوائے وطن، کلامِ شاد وغیرہ۔ ان کی سوانح عمری گلشنِ حیات (۱۳۴۴ھ) کے تاریخی نام سے شائع ہو چکی ہے۔ مولوی عبدالمالک آروی نے اپنی کتاب "الہاماتِ شاد" میں ان کے محاسنِ شعر پر تنقیدی نظر ڈالی ہے۔ قطعات کا مجموعہ سروشِ ہستی کے نام سے حال ہی میں پٹنہ سے شائع ہوا ہے۔

اکبر الٰہ آبادی

اصل نام سید اکبر حسین رضوی ہے۔ بتاریخ ۱۶ نومبر ۱۸۴۶ء پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سرکاری سکولوں میں پائی۔ ۱۸۶۶ء میں نائب تحصیلدار کے عہدے پر مقرر ہوئے اور آہستہ آہستہ ترقی کر کے ۱۸۸۸ء میں جج کے عہدے پر پہنچ گئے۔ الٰہ آباد یونیورسٹی کے فیلو بھی تھے۔ آخر گورنمنٹ سے خان بہادر کا خطاب حاصل کر کے ملازمت سے کنارہ کش ہو گئے —— بڑے خلیق اور منکسر المزاج تھے۔ شوخی و ظرافت ان کی سرشت میں شامل تھی۔ ان کے خطوط جو خواجہ حسن نظامی، عزیز لکھنوی، منشی دیا نرائن نگم وغیرہ کے نام ہیں ان سے ان کی راست بازی اور صداقت شعاری کا پتہ چلتا ہے۔ شاعری کا بچپن سے شوق تھا۔ شروع میں اپنا کلام وحید کو دکھایا کرتے تھے جو آتش کے شاگرد تھے۔ ان کی شاعری تہذیب جدید کے خلاف ایک مؤثر احتجاج کا درجہ رکھتی ہے۔ ستمبر ۱۹۲۱ء میں انتقال فرمایا۔

مولانا عبدالحلیم شررؔ

شررؔ ۱۸۶۰ء میں بمقام لکھنؤ پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کلکتہ میں ہوئی پھر لکھنؤ میں سکونت اختیار کی۔ دہلی جا کر انہوں نے میاں نذیر حسین محدث دہلوی سے حدیث کی تعلیم کی تکمیل کی۔ دہلی کے دورانِ قیام ہی میں انہوں نے انگریزی تعلیم بھی حاصل کی۔ ۱۸۸۰ء کے اواخر میں پھر لکھنؤ واپس چلے آئے۔ شررؔ کو کلکتہ کے دورانِ قیام ہی میں اخبارات

کا ذوق پیدا ہوگیا تھا۔ ۱۸۸۴ء تک اودھ اخبار کے ادارے میں شامل رہے ـــــ جنوری ۱۸۸۷ء میں انہوں نے اپنا مشہور ماہنامہ دلگداز جاری کیا۔ جس میں انہوں نے ناول نویسی کا سلسلہ شروع کر دیا جو بہت مقبول ہوا ـــــ ان کی ناول نگاری پر مغربی ادب کا اثر بھی ہے۔ انہوں نے معاشرتی اور اصلاحی ناول بھی لکھے لیکن زیادہ تر انہیں تاریخی ناول نگاری کا شوق تھا۔ ان کے بعض تاریخی ناول اپنی فنی خوبیوں کی وجہ سے بہت مقبول ہوئے۔ مثلاً فردوسِ بریں، ملک العزیز ورجنا وغیرہ۔ دسمبر ۱۹۲۶ء میں انتقال ہوا۔

سید محمود

سر سید احمد خاں کے چھوٹے بیٹے تھے۔ ۲۲ مئی ۱۸۵۰ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ اپریل ۱۸۶۹ء میں ولایت بھیجے گئے۔ جہاں سے بیرسٹری پاس کر کے ۱۸۷۲ء میں واپس آئے۔ علی گڑھ کالج کے اصول و قواعد اور مسلم یونیورسٹی کی مشہور اسکیم انہیں کے دماغ سے نکلی تھی۔ ۱۸۸۰ء میں سر سالار جنگ بہادر نے دو ہزار روپیہ ماہوار مشاہرہ پر انہیں حیدر آباد بلایا۔ چند ماہ رہ کر وہاں سے چلے آئے اور صوبہ متحدہ میں رائے بریلی کے جج مقرر ہوگئے۔ اس کے بعد ہائی کورٹ الہ آباد کی ججی پر ممتاز ہوئے۔ یہ پہلے ہندوستانی تھے جو اس صوبہ میں ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے۔ انہوں نے اپنے زمانۂ ججی میں وہ وہ قانونی نکتے حل کیے جو نظائر کی جان سمجھے جاتے ہیں۔ آخر ۱۸۹۳ء میں مستعفی ہوگئے اور پنشن پا کر کالج کی خدمت میں مصروف ہوگئے۔ آخری زمانہ میں سیتاپور میں بیرسٹری کرتے تھے۔ وہیں ۸ مئی ۱۹۰۱ء کو انتقال ہوا۔ فنِ شعر سے مناسبت تھی۔ فارسی اساتذہ کا بہت سا کلام زبانی یاد تھا۔ ان کی قانونِ شہادت کی شرح بہت مقبول ہے۔

منیر شکوہ آبادی

سید اسمٰعیل حسین نام، منیر تخلص، والد کا نام سید احمد حسین شاد اور وطن شکوہ آباد ضلع مین پوری تھا۔ زیادہ عرصہ لکھنؤ میں رہے۔ وہیں تعلیم و تربیت پائی۔ پہلے ناسخ سے اصلاحِ سخن لیتے تھے۔ پھر ان کی ہدایت کے بموجب رشک سے مشورہ کرنے لگے۔ کلکتہ، مرشد آباد، الہ آباد، کانپور اور فرخ آباد میں بھی رہے۔ مگر لکھنؤ کے عاشقوں میں تھے۔ یہاں کچھ عرصہ نظام الدولہ نواب علی اصغر خاں اور نواب سید محمد ذکی کے مصاحب بھی رہے۔ مہاراجگان دھولپور اور الور نے بھی ان کو اپنے دربار میں طلب کیا مگر انہوں نے باندے کو ترجیح دی جہاں نواب علی بہادر والیٔ ریاست کے استاد مقرر ہوگئے۔ غدر کے بعد ایک رنڈی نواب جان کے قتل کی سازش میں ان پر مقدمہ قائم ہوا جس کی پاداش میں کالے پانی کی سزا ہوئی۔ مگر ۱۸۶۰ء میں قید سے رہائی مل گئی۔ نواب کلب علی خاں کے عہد میں رام پور میں قیام تھا کہ حکمِ قضا آ پہنچا اور ۱۸۸۱ء میں وہیں کی خاک میں آرام کیا۔ منتخباتِ عالم، تنویر الاشعار اور نظمِ منیر تین دیوان یادگار چھوڑے۔ مثنوی معراج المضامین بھی انہیں کی تصنیف ہے۔ بہت پرگو شاعر تھے اور مرثیہ بھی کہتے تھے۔ مرثیے میں مرزا دبیر کے شاگرد تھے۔

خان بہادر مولوی خدا بخش

شمالی بہار میں چھپرہ کے مقام پر ایک علمی خاندان آباد تھا۔ جس کے ایک فرد قاضی حیبت اللہ نے فتاویٔ عالمگیری مرتب کرنے میں اورنگ زیب کی مدد کی تھی۔ خان بہادر مولوی خدا بخش اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے والد درمیانی درجے کے وکیل تھے مگر کتابوں کے دلدادہ۔ انہیں تین سو قلمی نسخے میراث میں ملے لیکن جب وہ فوت ہوئے تو یہ تعداد پندرہ سو تک پہنچ چکی تھی۔ انہوں نے بسترِ مرگ پر بیٹے کو وصیت کی کہ وہ اس ذخیرے کو ترقی دے۔ بیٹے نے ساری عمر کتابیں جمع کیں۔ چنانچہ ۱۸۹۱ء میں ان کتابوں کی تعداد تین ہزار تھی۔ اور ان کی قیمت کا اندازہ اڑھائی لاکھ روپیہ لگایا گیا۔

مولوی خدا بخش ۲ اگست ۱۸۴۲ء کو پیدا ہوئے اور ۶۶ برس ایک دن کی عمر پا کر ۳ اگست ۱۹۰۸ء کو فوت ہوئے۔ انہوں نے کلکتہ میں تعلیم حاصل کر کے پٹنہ میں وکالت شروع کی۔ ۱۸۹۴ء سے ۱۸۹۸ء تک حیدر آباد ہائی کورٹ کے چیف جج رہے۔ [illegible]

عرصہ سے بانکی پور پٹنہ میں ایک عظیم الشان عمارت کتب خانے کے لئے تعمیر کرائی۔ تقریباً ایک لاکھ روپے میں ایک انگریز سے اس کی جمع کی ہوئی کتابیں خریدیں اور اپنے تین ہزار قلمی نسخوں کے ساتھ ملا کر ۲۹ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو پبلک کے لئے وقف کردیں۔ یہ اورینٹل پبلک لائبریری اپنے قلمی نوادر کی وجہ سے مشرق کی بہترین لائبریریوں میں شمار ہوتی ہے۔

مولانا سید میر حسن شاہ سیالکوٹی

شمس العلماء مولانا حافظ سید میر حسن شاہ سیالکوٹی ۱۸ اپریل ۱۸۴۴ء کو پیدا ہوئے اور ۲۵ ستمبر ۱۹۲۹ء کو اپنے پیدا کرنے والے کے دربار میں حاضر ہوگئے۔ علامہ اقبالؒ نے قرآن مجید کی اس آیت سے مادہ تاریخ نکالا "مَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ" (۱۳۴۷ھ)۔ ایسے شفیق، فاضل، محسن، خوش اخلاق اور نیک دوست بزرگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔

مولانا ساری عمر سکاچ مشن سکول اور اس کے بعد کالج میں پڑھاتے رہے۔ بڑے بڑے قابل اور ممتاز شاگرد پیدا کئے۔ اقبال نے بھی انہیں سے فیض حاصل کیا تھا۔ لاہور آنے سے قبل سالہا سال تک ان سے عربی، فارسی، علم و حکمت، ادبیات اور تصوف وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ اور اس کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے

مجھے اقبالؔ اس سید کے گھر سے فیض پہنچا ہے
پلے جو اس کے دامن میں وہی کچھ بن کے نکلے ہیں

مولانا عبدالحیٔ

آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امام حسنؓ کے ذریعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے اجداد نقذ تاتار میں بغداد سے غزنی آئے۔ پھر وہاں سے ہندوستان میں آکر آباد ہوئے۔ مولانا ۸ رمضان ۱۲۸۶ھ کو رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا فخر الدین بن عبدالعلی بڑے پایہ کے عالم اور عارف تھے۔ آپ نے مروجہ علوم فرنگی محل کے مشہور عالم مولانا محمد نعیم سے حاصل کئے۔ پھر بھوپال جاکر ریاضی کی تحصیل سید احمد دیوبندی سے کی۔ باقی کسر قاضی عبدالحق سے پوری کی۔ حکیم عبدالعلی سے طب اور ایک یمنی عالم سے حدیث پڑھی۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے مشہور علمائے ہند سے ملنے کے لئے مختلف شہروں کا سفر کیا۔ چنانچہ دیوبند میں مولانا رشید احمد گنگوہی سے۔ دہلی میں مولانا نذیر حسین محدث دہلوی سے اور پانی پت میں شیخ عبدالرحمٰن سے ملے اور ان حضرات سے اجازت حدیث حاصل کی۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی سے بیعت ہوئے اور مولانا ضیاء النبی اور حضرت حاجی امداد اللہ سے اجازت بیعت حاصل کی۔ ندوۃ العلماء نے آپ کے خلوص اور جذبۂ خدمت کو دیکھتے ہوئے انہیں ناظم منتخب کیا، اور وہ آخر عمر تک اس کی خدمت کرتے رہے۔ ۱۵ جمادی الآخر ۱۳۴۱ھ مطابق ۲ فروری ۱۹۲۳ء کو مولانا کا انتقال ہوا۔ رائے بریلی کے باہر آپ کا مزار ہے۔ جنۃ المشرق و مطلع النور المشرق، معارف العوارف فی انواع العلوم والمعارف۔ نزہت الخواطر اور تلخیص الاخبار وغیرہ عربی تصانیف کے علاوہ گل رعنا ان کی مشہور اردو تصنیف ہے جو اردو شعراء کے حالات میں ہے۔ یاد ایام۔ طبیب العائلہ، ارمغان احباب اور تذکرۃ الابرار وغیرہ کتب بھی آپ نے اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔

جسٹس سید امیر علی

سید امیر علی تمام تر جدید تعلیم کی پیداوار تھے۔ مگر انہوں نے بزرگوں کے سُنے سنائے معلومات اور ذاتی کد و کاوش سے یورپ میں اسلام کی بڑی خدمت کی۔ وہ یورپ میں تمام اسلامی کاموں اور تحریکوں کے رکنِ رکین سمجھے جاتے تھے۔ ان کے مذہبی اور ذاتی خیالات سے گو ہم موافقت نہ کرسکیں، مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کے قلم کی ضو افشانی سے اسلام کے متعلق یورپ کے بہت سے خیالاتِ باطلہ کے بادل چھٹ گئے۔ ان کی دو کتابیں اسپرٹ آف اسلام

اور ہسٹری آف سارا سینس ہمیشہ یادگار رہیں گی۔ ان دونوں کتابوں کے ترجمے اکثر اسلامی زبانوں میں موجود ہیں۔ حتیٰ کہ عربی میں بھی ہو چکے ہیں۔ اگست ۱۹۲۵ء میں ۹۰ سال کی عمر میں اس جہانِ فانی کو الوداع کہا۔ (یادِ رفتگاں)

سید علی بلگرامی

شمس العلماء ڈاکٹر سید علی بلگرام کے مردم خیز خطّہ کے رہنے والے اور مشہور علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے والد زین الدین ڈپٹی کلکٹری سے پنشن لے کر حیدر آباد میں ایک معزز عہدے پر تھے۔ سید علی ہندوستان میں عربی اور فارسی کی تعلیم ختم کرنے کے بعد سر سالار جنگ کے خرچ پر انگلستان گئے جہاں ہندوستان سے بھی زیادہ شہرت حاصل کی۔ سنسکرت، فارسی، انگریزی، جرمنی، فرانسیسی، لاطینی اور عربی کے علاوہ بنگالی، مرہٹی، گجراتی، ہندی اور تلنگی زبانیں بھی خوب جانتے تھے۔ علی گڑھ کالج کے زبردست مربی تھے۔ تمدنِ عرب اور تمدنِ ہند ان کی بے حد مشہور کتابیں ہیں جو نظامِ دکن کے ایما سے لکھی گئی تھیں تمدنِ عرب فرانسیسی ڈاکٹر موسیو لیبان کی مشہور کتاب کا ترجمہ ہے۔ ان کے علاوہ ڈاکٹری کی ایک کتاب کا ترجمہ بھی کیا ہے۔ مگر یہ ترجمے کسی تصنیف سے کم نہیں۔ مولوی صاحب کو اردو زبان پر عبور حاصل تھا۔ سلاست اور روانی ان کے خاص جوہر ہیں۔ محاورات با موقع ہوتے ہیں۔ اور اصطلاحات کا ترجمہ کرنے میں بھی کمال ہے۔

یہ فاضلِ اجل ۳ر مئی ۱۹۱۱ء کو عالمِ جاودانی کی طرف رحلت کر گیا۔

حکیم برہم

حکیم برہم گورکھپور کے رہنے والے تھے۔ اپنے زمانے کے باکمال ادیبوں، صحافیوں اور نقادوں میں ان کا شمار تھا۔ انیسویں صدی کے آخری عشرہ میں انہوں نے گورکھپور سے ہفتہ وار اخبار مشرق جاری کیا تھا، جو نہایت سنجیدہ، باوقار اور مہذب پرچہ تھا۔ زبان کے متعلق ان کی سوجھ بوجھ اور بے لاگ ادبی تنقیدوں سے متاثر ہو کر مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے ایک دفعہ کہا تھا ع

سمجھا ہوا کوئی نہیں برہم سے زیادہ

وہ کتاب "کرشن کنور" کے مصنف بھی تھے جو ایک دلچسپ تاریخی ناول ہے۔

سید عبد الغفور شہباز عظیم آبادی

ضلع پٹنہ میں ایک چھوٹی سی بستی سر میرا ہے۔ شہباز یہیں پیدا ہوئے۔ عربی و فارسی کے علاوہ بی۔ اے تک انگریزی بھی پڑھی۔ کچھ دنوں کلکتہ کے اردو اخبار "دار السلطنت" کی ادارت کرنے کے بعد اخبار جریدۂ نمائش جاری کیا۔ ۱۸۸۵ء میں نواب عبد اللطیف خاں وزیر بھوپال کے پرسنل اسسٹنٹ مقرر ہوئے۔ پھر حیدر آباد پہنچے اور مولوی عزیز مرزا کی ماتحتی میں ترجمہ کی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد اورنگ آباد میں پروفیسر ہو گئے۔ علامہ جمال الدین افغانی سے استفادہ کیا اور ان کے خطبات و مضامین کا ایک مجموعہ "مقالاتِ جمالیہ" کے نام سے شائع کیا۔ شہباز ادبی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ان کے مضامین اودھ پنچ لکھنؤ اور ابلیغ کی زینت ہوتے تھے۔ وہ انگریزی نظموں کے ترجمہ پر بھی قادر تھے۔ انہوں نے کلیاتِ نظیر اکبر آبادی کو بڑے اہتمام سے مرتب کیا۔ اور نظیر کی سوانح عمری "زندگانیِ بے نظیر" کے نام سے شائع کی۔ نواب سید محمد آزاد انسپکٹر جنرل رجسٹریشن بنگال و بہار کے ظریفانہ مضامین کا مجموعہ "خیالاتِ آزاد" کے نام سے شائع کیا اور ان کی سوانح عمری بھی لکھی۔ "رباعیاتِ شہباز" اور "خیالاتِ شہباز" وغیرہ کچھ اور کتابیں بھی ان کی یادگار ہیں۔

۲۰ر نومبر ۱۹۰۸ء کو انتقال ہوا۔

رسا رام پوری

منشی حیات بخش نام، رسا تخلص تھا۔ رام پور کے رہنے والے تھے۔ وہیں ان کی شاعری پھلی پھولی۔ مرزا داغ کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ زبان اور فن سے خوب واقف تھے۔ شمس العلماء مولانا تاجور نجیب آبادی اور مولانا عبدالمجید خاں سالک کو فنِ شعر میں آپ کی شاگردی کا فخر حاصل ہے۔

ریاض خیرآبادی

سید ریاض احمد نام۔ ریاض تخلص تھا۔ ان کے اجداد کرمان شاہ (ایران) سے ہندوستان آکر سیتاپور بارہ بنکی اور خیرآباد وغیرہ علاقوں میں آباد ہوئے۔ ریاض ۱۲۷۱ھ (۱۸۵۵ء) میں بمقام خیرآباد پیدا ہوئے لیکن ان کا بچپن گورکھپور میں گزرا جہاں ان کے والد سید طفیل احمد سرکاری ملازم تھے۔ ریاض بھی پولیس میں ملازم ہوئے لیکن جلد ترک ملازمت کر کے ریاض الاخبار نکال لیا۔ اودھ پنچ کے ایڈیٹر منشی سجاد حسین اور اخبار طوطیٔ ہند میرٹھ سے زبردست معرکے ہوئے ریاض کے قلم نے اس سلسلے میں بڑی جولانیاں دکھائیں۔ ان معرکوں ہی کی بدولت ریاض کی انشا پردازی کی شہرت ہوئی۔ صلح کل، فتنہ، عطرفتنہ، گلکدۂ ریاض اور گلچیں وغیرہ پرچے بھی وقتاً فوقتاً نکالے۔ عقیل احمد جعفری نے مختلف مضامین جمع کر کے "نثرِ ریاض" کے نام سے شائع کئے ہیں حرم سرا، ناشاد اور نظارہ تین ناول بھی یادگار ہیں۔ شعر و شاعری کا شوق بچپن سے تھا۔ پہلے اسیر کے شاگرد تھے۔ ان کے انتقال کے بعد امیر مینائی کو کلام دکھانے لگے۔ غزل میں خاص رنگ کے مالک ہیں۔ شوخی اور خمریات ان کے دو محبوب موضوع ہیں۔ انہی دو محوروں پر ان کی شاعری گردش کرتی ہے۔ ان کا دیوان ریاضِ رضواں کے نام سے اور اشعار کا انتخاب میخانۂ ریاض کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

۱۷ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ مطابق ۳۰ جولائی ۱۹۳۴ء کو انتقال ہوا۔

مولانا گرامی

منشی غلام قادر نام، گرامی تخلص تھا۔ پنجاب کے مردم خیز ضلع جالندھر کے رہنے والے تھے۔ ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد اورینٹل کالج لاہور میں منشی فاضل اور فاضل کے امتحانات بڑے امتیاز سے پاس کئے۔ فارسی شاعری سے انہیں فطری لگاؤ تھا۔ کچھ عرصہ امرتسر کے ایک اسلامی مدرسہ میں اور پھر گورنمنٹ ہائی سکول لدھیانہ میں معلم رہے۔ بعد ازاں پولیس میں سارجنٹ بھرتی ہو گئے۔ مگر دل برداشتہ ہو کر قسمت آزمائی کے لئے رامپور پٹیالہ اور حیدرآباد گئے۔ نصیب کی بلندی سے نظام دکن میر محبوب علی خاں کی جوہر شناس نگاہ نے ان کو اپنے دربار کے فارسی شاعر کی حیثیت سے چن لیا۔ بہت عرصہ وہاں رہے۔ ۱۹۱۵ء سے اپنے وطن واپس آکر ہوشیارپور میں قیام کیا۔ اور متعدد نوجوان شاعروں نے آپ کی صحبت سے فیض حاصل کیا جن میں ابوالاثر حفیظ جالندھری کا نام بہت روشن ہے۔ اقبال بھی اپنے فارسی کلام میں بوقتِ ضرورت ان سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ اس کہنہ مشق اور فارسی کے مسلم الثبوت شاعر نے ۲۷ مئی ۱۹۲۷ء کو اس دنیائے فانی کو الوداع کہا۔ بے حد ملنسار اور متواضع بزرگ تھے۔ رباعیات کا مجموعہ اور مطبوعہ دیوان جو غزلیات، احباب کے مراثی، قصائد اور ناتمام مثنویوں پر مشتمل ہے۔ ان کی جودتِ طبع کا اندازہ لگانے کے لئے کافی ہے۔

سید امداد امام اثر

شمس العلماء نواب امداد امام اثر صوبہ بہار کے ایک ممتاز اور معتبر خاندان سے تھے۔ ۱۷ اگست ۱۸۴۹ء کو پیدا ہوئے۔ اپنی زندگی کا بیشتر حصہ موضع نیورہ ضلع پٹنہ میں گزارا۔ گیا مرادپور کو بھی آپ کے نام سے شہرت حاصل ہے۔

نواب صاحب کو ریاضی، معدنیات، حیوانات، مناظرہ، فلسفۂ جدیدہ و قدیمہ میں خاصی دلچسپی تھی۔ اردو فارسی کے متبحر عالم اور انگریزی پر خاص قدرت رکھتے تھے۔ آپ کی فنی اور عالمانہ تصانیف میں مرآۃ الحکماء، معیار الحق، کتاب الاثمار اور کاشف الحقائق بہت مشہور ہیں۔ کتاب الاثمار سویڈن زبان میں ترجمہ ہو کر وہاں کے نصاب میں شامل رہی ہے۔ کاشف الحقائق معروف بہ بہارستانِ سخن متعدد زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے۔ یہ دو جلدوں میں ہے۔ اس میں مصری، یونانی، لاطینی، جرمن، انگریزی، عربی، فارسی، اردو، چینی، جاپانی، سنسکرت اور بھاشا کی شاعری پر عالمانہ بحث کی گئی ہے۔

آپ نہ صرف اردو فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے بلکہ انگریزی میں بھی نظمیں لکھتے تھے۔ شاہ شرف الدین بہاری مخدوم الملک کے حالات انگریزی میں لکھے ہیں۔ آپ کا اردو دیوان بھی شائع ہو چکا ہے

علی حیدر نظم طباطبائی

علی حیدر نام، نظمؔ تخلص تھا لیکن اکثر غزلوں میں نام ہی کو تخلص قرار دیا ہے۔ والد کا نام میر مصطفیٰ حسین طباطبائی تھا۔ ولادت ۱۲۶۹ھ یا ۱۲۷۰ھ میں لکھنؤ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم و تربیت وہیں پائی۔ ملا طاہر نحوی سے عربی فارسی علوم کی تکمیل کی۔ بینڈ و لال زار سے مشورۂ سخن کرتے رہے۔ آخری تاجدار اودھ نواب واجد علی شاہ نے انہیں شاہزادوں کا اتالیق مقرر کر کے مٹیا برج بلا لیا۔ واجد علی شاہ کے انتقال کے بعد نظام کالج حیدر آباد میں پروفیسر مقرر ہوئے اور تقریباً تیس سال اس خدمت پر فائز رہے۔ بعد میں حسن خدمات کے صلہ میں حکومتِ نظام سے وظیفہ ملا اور ولی عہد بہادر کی تعلیم کے لئے مقرر ہوئے۔ اسی زمانہ میں نواب حیدر یار جنگ کا خطاب عطا ہوا۔ جامعہ عثمانیہ کے قیام کے بعد ناظرِ ادبی کی حیثیت سے دار الترجمہ سے وابستہ ہو گئے۔ ۲۳ مئی ۱۹۲۳ء کو انتقال ہوا۔

شاگردوں میں مولانا عبد الحلیم شرر، اقبال تنہا، مہاراجہ سر کشن پرشاد زیادہ مشہور ہیں۔ کلام میں غزلوں کا دیوان ان کی زندگی میں مرتب ہو گیا تھا لیکن اشاعت ان کی وفات کے بعد ہوئی۔ نظم طباطبائی۔ شرح دیوان غالب۔ شرح دیوان امراء القیس، تشریح الاخلاق اور تاریخ یورپ بھی آپ کی مشہور تصنیفات ہیں۔

مولوی عبد الرزاق کانپوری

آپ کے اجداد فرخ آباد کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد پروفیسر الٰہی بخش منجم و رمال نے ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد کانپور کو اپنا وطن بنا لیا تھا۔ مولوی صاحب ۱۱ رمضان المبارک بروز جمعہ ۱۲۹۱ھ (اکتوبر ۱۸۷۴ء) کو انبالہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے اکثر عزیز لاہور، سیالکوٹ اور انبالہ میں سکونت پذیر تھے۔ پانچ سال کی عمر میں بمقام فتح پور ہسوہ (متصل الہ آباد) آپ کی مکتب نشینی اور بسم اللہ خوانی ہوئی۔ کامل سترہ سال کے بعد عربی فارسی کی تعلیم ختم ہوئی اور آپ نے ملازمت کی ضرورت سے مڈل پاس کیا۔ کئی جگہ مدرس اور سررشتہ دار رہنے کے بعد ۱۹۰۷ء میں بھوپال جا کر تحصیلدار ہو گئے۔ یہیں ۱۹۱۷ء میں آپ کو ناظم تاریخ اسلام مقرر کیا گیا۔ چنانچہ آخر عمر تک آپ اس عہدہ پر فائز رہے۔ منشی رحمت اللہ رعد مالک نامی پریس کانپور کی بڑی جنتری میں آپ نے تاریخ ایران، تاریخ آل عثمان اور تاریخ بھوپال پر مسلسل مضامین لکھے۔ اسی پریس سے آپ کی پہلی تصنیف البرامکہ شائع ہوئی۔ پھر اسی سلسلہ میں وزرائے اسلام کی دوسری جلد نظام الملک طوسی شائع ہوئی۔ ان کے علاوہ آپ نے حسب ذیل کتابیں تصنیف و تالیف کیں جن میں زیادہ تر غیر مطبوعہ ہیں: (۱) تاریخ مآثر جلالی۔ (۲) تاریخ اسلام۔ (۳) عہد جاہلیت عرب۔ (۴) عہد رسالت۔ (۵) خلافت راشدہ۔ (۶) سفرنامہ حکیم ناصر خسرو علوی بلخی۔ (۷) یاد ایام وغیرہ۔

مولوی صاحب بالکل سادہ طبیعت، نہایت زندہ دل اور بے تکلف آدمی تھے۔ اُن کی ذات اور گھر کے در و دیوار سے مصنف کی شان ظاہر ہوتی تھی۔ فروری ۱۹۴۲ء کو انتقال ہوا۔

مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی رئیس بھیکم پور ۲۸ شعبان ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۶ء کو پیدا ہوئے۔ فارسی و عربی کی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ عربی کی مشکل کتابیں مفتی محمد لطف اللہ علی گڑھی کے درس میں پڑھیں۔ انگریزی تعلیم میٹرک تک آگرہ اسکول میں پائی۔ پھر جوانی تک علم و فن اور دین و تقویٰ کے باکمالوں سے کسب فیض کیا۔ شیخ حسین یمنی مقیم بھوپال سے سند حدیث حاصل کی۔ قاری عبدالرحمٰن پانی پتی سے فیض پایا بیعت حضرت مولانا شاہ فضل رحمان صاحب گنج مراد آبادی سے کی۔ رسالہ حسن حیدر آباد میں ان کا پہلا مضمون بابر پر چھپا جو بڑا پسند کیا گیا۔ اس پر ایک اشرفی انعام ملی۔ مولانا شبلی کی المامون پر ان کا تبصرہ پہلا تنقیدی کارنامہ ہے جو ۱۸۸۶ء میں شوق قدوائی کے اخبار آزاد میں چھپا تھا۔ علمائے سلف اور نابینا علماء ان کے دو بہترین رسالے ہیں۔ مخزن لاہور سے نکلا تو اس میں خسرو کی غزلیات پر ان کا مضمون چھپا۔ ۱۹۰۶ء میں الندوہ کے شریک اڈیٹر ہوئے تو اخلاق پر ان کے مضامین نکلے۔ علی گڑھ کی مجلسوں میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حالات میں الصدیق لکھ کر پیش کی۔ شعر و شاعری کا بھی ذوق تھا۔ حسرت تخلص کرتے تھے۔ تیرہ برس حیدر آباد میں امور مذہبی کے صدر رہے۔ چھیاسی برس کی عمر میں بتاریخ ۱۱ اگست ۱۹۵۰ء اس دنیائے رنگ و بو کو خیر باد کہا۔

سر شیخ عبدالقادر

شیخ عبدالقادر ۱۸۷۴ء میں بمقام لدھیانہ پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۴ء میں بی اے کیا۔ ۱۸۹۵ء میں انگریزی اخبار پنجاب آبزرور کے اسسٹنٹ ایڈیٹر اور تین سال بعد چیف ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ ۱۹۰۱ء میں مخزن نکالا۔ ۱۹۰۴ء میں بیرسٹری کے لئے لندن گئے۔ واپس آکر دلی میں بیرسٹری شروع کی۔ ۱۹۰۹ء میں لاہور چلے آئے۔ ۱۹۱۱ء میں لائل پور میں سرکاری وکیل ہوئے اور آٹھ سال تک یہ کام کرتے رہے۔ ۱۹۲۱ء میں لاہور ہائی کورٹ کے جج اور ۱۹۲۲ء میں پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے صدر بنے۔ ۱۹۲۵ء میں وزیر تعلیم مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۶ء میں ہندوستان کے نمائندہ ہو کر جنیوا گئے۔ ۱۹۲۶ء میں مسلم لیگ کے اجلاس دہلی کی اور اس سے اگلے سال مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس مدراس کی صدارت کی۔ ۱۹۲۷ء میں پنجاب ایگزیکٹو کونسل کے ممبر بنے اور سر کا خطاب پایا۔ ۱۹۲۹ء میں پبلک سروس کمیشن کے رکن اور ۱۹۳۰ء میں لاہور ہائی کورٹ کے ایڈیشنل جج نامزد ہوئے۔ ۱۹۳۴ء میں انڈیا کونسل کے ممبر ہوئے اور پانچ سال تک لندن میں رہے، جہاں سے واپس آکر ۱۹۴۲ء میں بہاولپور ہائی کورٹ کے چیف جج ہو گئے۔ ۱۹۴۵ء میں واپس آکر لاہور میں مقیم ہوئے اور آخر یہیں ۹ فروری ۱۹۵۰ء کو ۷۵ برس کی عمر میں آسودۂ خواب ہوئے۔ آپ نے وقت کے بڑے بڑے اعزاز حاصل کئے مگر دنیا انہیں مخزن کے ایڈیٹر اور اردو کے سرپرست کی حیثیت سے یاد رکھے گی۔ کیونکہ علمی اور ادبی احترام کے آگے دنیا کے سارے اعزاز ہیچ ہیں۔

اقبال

جانے کتنے سال نرگس اپنی بے نوری پر روتی رہی پھر کہیں جا کر ۱۸۷۵ء میں بمقام سیالکوٹ اقبال پیدا ہوئے۔ ——— ایک کامیاب تعلیمی زندگی گزارنے کے بعد ۱۹۰۵ء میں بغرض تعلیم انگلستان روانہ ہوئے۔ یہیں انگلستان کے مشہور مستشرقین پروفیسر براؤن، نکلسن وغیرہ سے استفادہ کا موقع ملا۔ جرمنی سے انہوں نے پی، ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی پھر انگلستان واپس آکر بیرسٹری کی ڈگری حاصل کی ——— ۱۹۲۳ء میں ان کو نائٹ ہڈ یعنی سر کا معزز خطاب ملا ——— اقبال ایک وسیع النظر شاعر ہیں۔ انہوں نے فلسفۂ مشرق و مغرب دونوں کا عمیق مطالعہ کیا ہے۔ وہ فارسی ادب کے بھی عالم تھے۔ اقبال نے اردو شاعری کو ایک نئی ڈگر سے آشنا کیا۔ ان کی شاعری میں ایک آفاقی پیغام ہے۔ انہوں نے خود و فکر کی نئی راہوں کی نشان دہی کی ہے۔ اقبال کا نکتہ نظر رجائی اور زندگی سے بھرپور ہے۔ ان کی تصانیف زبان زد عام اور مقبول خواص و عوام ہیں۔ ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو انتقال ہوا۔

شاہ سلیمان صاحب پھلواروی

پھلواری صوبہ بہار میں عظیم آباد پٹنہ سے ملحق ایک مشہور مردم خیز قصبہ ہے جہاں ڈیڑھ دو سو برس کے عرصہ میں بہت سے باکمال، اہل علم، علماء، صلحاء، مشائخ اور شعرا پیدا ہوئے۔ مولانا شاہ سلیمان بھی یہیں کے رہنے والے تھے۔ ستر اسی برس کی عمر پاکر، ۲۷ صفر ۱۳۵۴ھ (۱۹۳۵ء) کو فوت ہوئے۔ اس لحاظ سے غالباً ۱۲۷۰ھ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کے سلسلے میں ہندوستان کے تین باکمالوں یعنی مولانا عبدالحئی فرنگی محلی، مولانا احمد علی محدث سہارنپوری اور مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی سے فیض پایا۔ طب بھی پڑھی اور اپنی زندگی کا آغاز طبیب کی حیثیت سے کیا۔ لکھنؤ کی صحبت میں شعر کہنے شروع کیے۔ حاذق تخلص تھا۔ عربی، فارسی، اردو تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ شوق نیموی کے ہمدرس و ہم صحبت تھے۔ وسیع النظر عالم، بذلہ سنج ادیب، پر اثر واعظ، موقع شناس مقرر اور بڑے بڑے بزرگوں کے حلقہ سے فیضیاب صوفی تھے۔ تاریخ کا شوق اور عربی نظم و نثر کا اچھا ذوق تھا۔ تصوف کا رنگ ہمیشہ غالب رہا۔ قادری بھی تھے اور چشتی بھی۔ حاجی شاہ امداد اللہ مہاجر کیؒ سے بھی نسبت تھی۔ پورے پچاس برس تک ہندوستان کا گوشہ گوشہ ان کے پرکیف و پر اثر خطبوں اور واعظوں سے معمور رہا جس جلسہ میں وہ ہوتے تھے ان کے سوا ہر آواز ماند پڑ جاتی تھی۔ ندوۃ العلماء اور محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس ان کے وعظ کے بغیر بے مزہ اور پھیکے رہتے تھے۔ وہ مذہب کے معاملے میں اپنی وسیع المشربی کے لحاظ سے قدیم و جدید کے درمیان حلقۂ اتصال تھے۔

مولانا محمد علی جوہر

رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر کامریڈ اور ہمدرد کے ایڈیٹر، اردو کے قادر الکلام شاعر، انگریزی اور اردو کے زبردست ادیب، نڈر صحافی، آتش بیان مقرر، ماہر سیاست دان، ہندوستان کی کامل آزادی کے مخلص علم بردار اور مسلمانوں کے محبوب ترین رہنما تھے۔ ۱۸۷۸ء میں رام پور میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ کالج سے بی اے کیا۔ انڈین سول سروس کی تعلیم کے لیے انگلستان گئے واپس آکر کچھ عرصہ رام پور اور بڑودہ میں ملازمت کی پھر نوکری سے استعفا دیکر ۱۱ جنوری ۱۹۱۱ء کو کلکتہ سے کامریڈ جاری کیا۔ مگر جلد ہی اسے دہلی میں لے آئے۔ اس میں انگریزی انشا پردازی کے وہ وہ جوہر دکھائے کہ ایچ جی ویلز جیسا انگریز ادیب یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ "محمد علی نے برک کی زبان، میکالے کا قلم، اور نپولین کا دل پایا ہے" دراصل ان کا دماغ مغربی مگر دل مشرقی تھا۔ طرابلس اور بلقان کی جنگوں میں مسلمانوں کی مظلومی پر تڑپ اٹھے۔ ترکوں سے ہمدردی کی پاداش میں نظر بند کر دیے گئے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد ہندوستان کی آزادی کی تحریک میں کانگرس کا ساتھ دیا اور گاندھی جی کو خوب اچھالا پھر ہندوؤں کی تنگ نظری کی بنا پر کانگرس سے الگ ہو کر کامل آزادی کا مطالبہ کیا اور گول میز کانفرنس میں شریک ہو کر مشرق کی حمایت میں مغرب سے مغرب کے ہتھیاروں سے لڑے۔ ۴ جنوری ۱۹۳۱ء کو لندن میں انتقال ہوا۔ اور بیت المقدس میں دفن ہوئے۔ یوں کہنا چاہیے کہ وہ ایک آفتاب تھے جو مشرق سے طلوع ہو کر مغرب میں غروب ہوا اور اب مشرق اور مغرب کے متحدہ مرکز بیت المقدس میں آرام فرما ہے۔

مولانا شوکت علی

یہ رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر مرحوم کے بڑے بھائی تھے مگر ان جیسے عالم تھے نہ مقرر۔ رام پور کی ریاستی فضا میں آنکھ کھولی۔ علی گڑھ میں تعلیم حاصل کی۔ کرکٹ کے کھلاڑی اور پورے صاحب بن کر نکلے، ملازم ہوئے۔ پھر نوکری چھوڑ کر سر آغا خاں کے سیکرٹری کی حیثیت سے مسلم یونی ورسٹی کے لیے چندہ جمع کرتے رہے۔ جب پہلی جنگ عظیم کے بعد خدام کعبہ اور خلافت کی تحریک شروع ہوئی تو محض اس خیال سے کہ کانگرس آزادی کی حامی ہے اپنے بھائی کے ساتھ اس میں شریک ہو گئے۔ اور گاندھی کو جیب میں لیے لیے پھرتے رہے۔ مگر ہندوؤں کی تنگ نظری ان کے خلوص اور سچے جذبہ کا ساتھ نہ دے سکی۔ وہ سپاہی تھے۔ ان تھک کام کرنے والے، نڈر، پر دل اور پر امید، وہ کبھی کسی حال میں ناامید نہیں ہوتے تھے۔ ان کی تقریر چند فقروں کی ہوتی تھی۔ مگر وہ لوگوں میں روح

چہک دیتے تھے۔ ر دلیف ساتھیوں کو بھی کبھی مایوس نہ ہونے دیتے تھے۔ یہ انہیں کا کام تھا کر ۱۹۰۲ء سے مرتے دم تک سارے ہندوستان کر چھان مارا تھا۔ تیس برس کی جانکاہ محنت کے بعد ریاست کے سپاہی کی کرکمر کھول دی اور وہ (نومبر ۱۹۳۶ء میں) ابدی آرام کے لیے دائمی نیند سو گئے۔ جامع مسجد دہلی کے شمالی زینے کے نیچے سبزہ میں ان کی خواب گاہ بنی۔" (یارانِ رفتگان)

جلیل مانک پوری

جلیل حسن نام، جلیل تخلص تھا۔ ۱۸۶۹ء میں اپنے وطن مانک پور ضلع پرتاپ گڑھ (اودھ) میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام مولوی حافظ عبد الکریم تھا۔ جلیل کی ابتدائی تعلیم خالص مشرقی انداز میں ہوئی۔ گھر پر عربی، فارسی اور اردو کی متداولہ درسی کتب پڑھیں اور قرآن مجید حفظ کیا۔ مزید تعلیم کے لیے لکھنؤ گئے۔ جہاں عربی اور فارسی کی فاضلانہ استعداد بہم پہنچائی اور عروض و قوافی کا خاص ملکہ حاصل کیا۔ یہیں شاعری کا ذوق پیدا ہوا۔ امیر مینائی کی شاگردی اختیار کی۔ اُستاد نے رامپور میں امیر اللغات کی تدوین کے لیے دفتر قائم کیا۔ تو جلیل ان کے سیکرٹری مقرر ہوئے اور ان کے ہمراہ بنارس، بھوپال اور حیدر آباد گئے۔ حیدر آباد میں مہاراجہ سرکشن پرشاد کے مہمان رہے اور "دور رسائل"، "محبوب الکلام" اور "دبدبۂ آصفی" کی ترتیب و اشاعت کا کام سرانجام دیتے رہے۔ اسی اثنا میں امیر مینائی کا انتقال ہو گیا۔ تو ان کے بعض شاگردوں نے آپ کو اُستاد کا جانشین قرار دیا۔ داغ کے انتقال کے بعد نواب میر محبوب علی خان نے جلیل کو اپنا اُستاد مقرر کیا۔ پھر نواب عثمان علی خان نے اُستاد اور شاعر دربار مقرر کر کے "نواب فصاحت جنگ بہادر" اور امام الفن کے لقب عطا کیے۔ ۷۷ برس کی عمر پاکر ۲۷ جنوری ۱۹۴۶ء کو وہیں انتقال کیا۔ مرحوم نے تاج سخن، جان سخن، سراج سخن، معراج سخن، گل صد برگ، عطر سخن یادگار چھوڑی ہیں۔ امیر مینائی کی سوانح عمری اور دکن کی تاریخ بھی لکھی تھی۔

نواب سید علی حسن خان

صفی الدولہ، حسام الملک، شمس العلماء نواب سید محمد علی حسن خان بن نواب سید صدیق حسن خان مرحوم رئیس بھوپال ۴ ربیع الثانی ۱۲۸۳ھ / ۱۸۶۶ء کو پنجشنبہ کے روز پیدا ہوئے۔ والد کے فیض صحبت نے کتاب و سنت اور فنونِ دانش و حکمت کا ذوق آشنا بنایا۔ ہر علم و فن کے باکمال استادوں سے تعلیم حاصل کی۔ علمی ادبی چرچوں کے سوا ان کے کانوں میں کوئی بات پڑی ہی نہ تھی۔ وہ عربی زبان کے عالم، فارسی کے ماہر اور اردو کے مشاق اہل قلم تھے۔ انہوں نے متعدد مذہبی اور تاریخی کتابیں تصنیف کیں۔ شعرائے اردو کا تذکرہ "بزم سخن" ان کی جوانی کی یادگار ہے۔ فطرۃ اسلام، مردم دیدہ اور مآثر صدیقی ان کی بہترین کتابیں ہیں۔ لکھنؤ کے لال باغ میں اپنی کوٹھی بھوپال ہاؤس بنوا کر اس میں رہتے تھے۔ لکھنؤ کی تعلیمی اور مذہبی تحریکوں میں شریک ہو کر ہر قسم کی جانی و مالی خدمتیں انجام دیں۔ مدت تک ندوۃ کے اعزازی ناظم رہے۔ مجسم اخلاق، صدور جہ پاک باطن، نیک طینت، صلح کل اور پابند صوم و صلوٰۃ تھے۔ ۳۰ رمضان ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۵ دسمبر ۱۹۳۶ء کی صبح کو بہتر برس کی عمر میں انتقال کیا۔

سید حسین بلگرامی

نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی سی آئی ای ڈاکٹر سید علی بلگرامی کے برادر بزرگ تھے۔ گو علمی اور ادبی قابلیت میں چھوٹے بھائی سے بڑھ نہیں سکے مگر پبلک اور سیاسی زندگی میں ان پر فضیلت رکھتے تھے۔ آپ ۱۸۴۴ء میں پیدا ہوئے۔ عرصہ دراز تک حیدر آباد دکن میں معزز عہدوں پر ممتاز رہ کر سیکرٹری آف اسٹیٹ ہند کی کونسل میں منتقل ہو گئے۔ آپ نے تصنیف و تالیف کے میدان میں کوئی معرکۃ الآرا یادگار نہیں چھوڑی صرف چند مضامین اور وہ خطبات جو علی گڑھ ایجوکیشنل کانفرنس میں پڑھے گئے "رسائل عماد الملک" کے نام سے چھپ چکے ہیں۔ انہیں کی وجہ سے ادبی دنیا میں شہرت ہے۔ ان سے تعلیم اور سائنس کی ترقی کے متعلق آپ کے خیالات معلوم ہو سکتے ہیں۔ دائرۃ المعارف کا قیام جس کا مقصد کمیاب اور مفید عربی کتابیں شائع کرنا تھا، آپ ہی کی مبارک کوششوں کا نتیجہ ہے۔ آپ نے بہت ساوقت قرآن شریف کے انگریزی ترجمہ پر بھی صرف کیا۔ مگر وہ مکمل نہ ہو سکا۔ ۱۲۹۱ھ میں رسالہ المخزن الفوائد جاری کیا تھا جو علمی و اخلاقی مضامین پر مشتمل تھا۔ تاریخ، فلسفہ، سائنس اور ادب و اخلاق وغیرہ پر اچھے اچھے مضمون اس میں شائع ہوتے تھے۔ بیبر کے [illegible] کا انتخاب بھی کیا تھا جو

چھپ گیا ہے۔ ۳ جون ۱۹۲۲ء کو بادِ مرگ نے ان کا چراغِ حیات گل کر دیا۔

نواب محمد اسحاق خاں

آپ جہانگیر آباد کے مشہور رئیس نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ کے صاحبزادے اور محمڈن کالج علی گڑھ کے سیکرٹری تھے۔ آپ کو شعر و سخن کا مذاق ورثے میں ملا تھا۔ آپ نے حضرت امیر خسرو کی کل تصنیفات بڑی تلاش و جستجو سے فراہم کیں اور انہیں خاص اہتمام سے چھپوانے کا بندوبست فرمایا۔ ان میں سے چار مثنویاں آئینۂ سکندری، دول رانی خضر خاں، لیلیٰ مجنوں اور لالی عمان تو آپ کی زندگی ہی میں مع مبسوط اور دلچسپ مقدمات کے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ پریس سے شائع ہو گئی تھیں کچھ بعد میں طبع ہوئیں۔ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ کا دیوان بھی انہوں نے بڑی شان سے شائع کیا تھا۔ انتقال ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۹ء میں ہوا۔ قبر دہلی میں ہے۔

مہاراجہ سر کشن پرشاد

راجہ کشن پرشاد نام، مہاراجہ یمین السلطنت بہادر کے سی ایس آئی خطاب۔ مہاراجہ چندو لال کے پرپوتے، راجہ نریندر پرشاد کے نواسے اور راجہ نوندرل کی یادگار تھے۔ اصل وطن لاہور تھا۔ یہاں سے ان کا خاندان پہلے دہلی اور پھر حیدر آباد پہنچا۔ ۱۲۸۱ھ میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ عالیہ میں تعلیم پائی۔ عربی، فارسی اور انگریزی میں کافی مہارت حاصل کی۔ نانا کے جانشین اور جاگیرات پیشکاری سے سرفراز ہوئے۔ ۱۳۰۱ھ میں پیشکاری کے ساتھ معین المہام فوج بنائے گئے۔ ۱۳۱۹ھ میں مدار المہامی سرفراز ہوئی۔ ۱۳۳۰ھ میں اس خدمت سے سبکدوش ہو کر ۱۳۴۵ھ میں پھر صدارتِ عظمیٰ کے جلیل القدر عہدے پر سرفراز ہوئے۔

شاعری کا خاص مذاق تھا۔ داغ اور آصف کے شاگرد تھے۔ ایک زمانہ میں امیر، جلیل، ظہیر دہلوی اور سرشار وغیرہ آپ کے زمرۂ مصاحبین میں شامل تھے۔ بعد میں فانی بدایونی، ہوش بلگرامی، تحوی، غبار، ثاقب، صفیر وغیرہ دربار میں رہے۔ آپ کا کلام صوفیانہ خیالات سے مملو ہے۔ کلام کے کئی مجموعے مختلف ناموں سے شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی ایک نعت کو یہ شرف حاصل ہے کہ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے پیچھے کتب خانہ شیخ الاسلام کی ایک دیوار پر آویزاں ہے۔ جون ۱۹۴۰ء میں وفات پائی۔

بیخود بدایونی

مولوی عبد الحیٰ نام، بیخود تخلص تھا۔ مولوی غلام سرمد صدیقی کے فرزند اور بدایوں (یو پی) کے رہنے والے تھے۔ بڑے خوش وضع، رنگین مزاج، اور ظریف طبع انسان تھے۔ فن شعر میں پہلے مولانا حالی کی شاگردی اختیار کی۔ مگر طبیعت کو چونکہ غزل سے زیادہ مناسبت تھی۔ اس لیے بعد میں داغ کو استاد بنا لیا اور طبع کی خوب خوب جولانیاں دکھائیں۔ نومبر ۱۹۱۲ء میں انتقال ہوا۔ کلام کا مجموعہ مرآۃ الخیال کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

خواجہ عبد الرؤف عشرت لکھنوی

خواجہ عبد الرؤف نام، عشرت تخلص، والد کا نام خواجہ عبد الشکور تھا۔ ۱۸۶۲ء میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید اور ابتدائی تعلیم مولوی ابو علی تقدوائی اور قطب الدین احمد ملک مطبع نامی سے اور عربی مولوی فتح محمد لکھنوی اور مولوی فرہاد حسین مراد آبادی سے پڑھی۔ اسی زمانے میں شاعری کا شوق ہوا۔ شیخ محمد جان شاد پیر و میر سے حدائق البلاغت اور رسالہ قافیہ پڑھے۔ متروکات سمجھائے۔ میر تقی میر کے قواعد و اصول ذہن نشین کرائے اور غزل گوئی کی اجازت دی۔ دیوان مرتب ہو چکا ہے مگر نظم سے زیادہ نثر لکھتے تھے۔ لکھنؤ کے ماضی و حال اور جانِ عالم کی کہانی ان کا خاص موضوع تھا۔ گویا لکھنؤ کی زندہ تاریخ تھے۔ کئی کتابوں کے مصنف اور کئی شاگردوں کے استاد تھے اور غضب یہ کہ آخری وقت تک لکھتے رہے۔ جون ۱۹۴۰ء میں انتقال فرمایا۔ وفات کے وقت اسی برس سے کم نہ رہی تھی۔ شاعری کا مکمل سٹ، لغات اردو کا مکمل سٹ، مضمون نویسی، اصلاح زبان اردو، زباندانی، ہجولی، ترجمان پارس اور رجال اردو وغیرہ چند کتابیں آپ کی یادگار ہیں۔ تذکرہ آب بقا آپ کے مضامین نظم و نثر کا مجموعہ ہے۔

ایم مہدی حسن (افادی الاقتصادی)

آپ گورکھپور کے رہنے والے تھے۔ مشرقی تعلیم کے ساتھ انگریزی تعلیم حاصل کر کے ملازمت اختیار کی اور ترقی اپنی سے ترقی کر کے تحصیلداری کے عہدے تک پہنچے۔

گردش نے وفا نہ کی اور نوجوانی کی موت نے ۲۲ نومبر ۱۹۲۱ء کو ان کی ہونہار زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ وہ ایک سحر نگار ادیب اور ایک خاص طرز انشا کے موجد تھے لفظوں سے مصوری کرتے تھے۔ ان کی کتاب افادات مہدی بہت مشہور ہے۔ وہ دار المصنفین کی مجلس انتظامی کے رکن بھی تھے۔ ادب و انشا کا ایسا ذوق سلیم رکھنے والے افراد مدتوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ ان کے طرز انشا میں کچھ لطیف خصوصیات ایسی ہوتی تھیں۔ کہ احساس ذوق ہی سے تعلق رکھتی تھیں۔ بیان نہیں کی جا سکتیں۔ بعض اوقات بے راہ روبھی جاتے تھے۔ رسالہ نقاد آگرہ کی ابتدائی اشاعتوں میں انہوں نے اپنے ادب لطیف کے جو نمونے شائع کئے تھے ان میں یکھل کھیلے ہیں۔ مقیاس الشباب اور تمغہ عیش جیسی عریاں تراکیب بے حجابانہ استعمال کی ہیں۔ حسین شخصیتوں کے حسن کا تجزیہ بھی بے باکی سے کیا ہے

نسیم بھرت پوری

سید تبستر حسین نام نسیم تخلص تھا۔ ریاست بھرت پور میں ۱۸۶۱ء میں پیدا ہو کر ۱۹۰۹ء میں انتقال کیا۔ غالباً ریاست ہذا کے محکمہ پولیس میں ملازم تھے۔ شاعری میں داغ کی شاگردی اختیار کی۔ استاد کو اپنے اس شاگرد پر بڑا ناز تھا۔ حیدر آباد کے اکثر معرکوں میں خود بلا کر شریک کیا۔ نسیم نے اکثر غزلیں معرکتہ الآرا طرحوں میں لکھیں اور خوب شہرت حاصل کی۔ دہلی پنچ اور مخزن کے مضمون نگار بھی تھے۔ افسوس کہ زیادہ عمر نہ پائی۔ جوانی ہی میں استاد کو داغ مفارقت دے گئے۔ بڑے ذہین اور ہونہار تھے۔ استاد کے قدم بہ قدم رکھتے تھے۔ زبان نہایت صاف اور شستہ تھی۔ دل میں چٹکیاں لینے کے لحاظ سے ان کے اکثر اشعار داغ سے ملتے جلتے ہیں۔

میر نثار علی شہرت

آپ دہلی کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد منشی حسین علی فرحت شاہ نصیر مرحوم کے شاگرد تھے۔ شہرت نے پہلے اپنے والد سے شاعری میں اصلاح لی پھر حکیم مولا بخش قلق کے شاگرد ہوئے اخبار کوہ نور لاہور کے علاوہ اخبار انجمن پنجاب، پنجاب پنچ اور خیر خواہ عالم دہلی وغیرہ کے بھی ایڈیٹر رہے۔ پے پر اور پیر بڈھ میں بھی ملازمت کی اور بہت عرصہ ریاست جموں و کشمیر میں محکمہ تعلیم کے افسر رہے۔ باوجود پیرانہ سالی قلم ہاتھ سے نہیں رکھا۔ کئی سال لاہور میں مضمون نگاری کرتے رہے۔ دیسی ریاستوں کے حالات اور معاملات پر خامہ فرسائی کا خاص ملکہ تھا۔ ۱۹۲۰ء کے قریب لاہور میں فوت ہوئے اکسیر ہندی کتاب کے علاوہ یہ دو شعر انہیں کے ہیں۔

یہ جنت ایک بائیں باغ ہے اس گل کے ایواں کا
جہنم ایک شرارہ ہے ہمارے داغ سوزاں کا

فنا ہوتے ہی پہنچا ایک منزل اس سے بھی آگے
پتہ کوئی بتاتا ہی تھا عمر گریزاں کا

چوہدری خوشی محمد ناظر

خوشی محمد نام۔ ناظر تخلص تھا۔ ۱۸۶۲ء مطابق ۱۲۸۹ھ میں ہریا والا ضلع گجرات (پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام چوہدری مولاداد خاں تھا۔ ناظر نے ابتدائی تعلیم گھر پر مولوی الٰہ دین صاحب آزر سے، ثانوی تعلیم مدرسہ سے اور اعلیٰ تعلیم علی گڑھ کالج سے حاصل کی جہاں سے انہوں نے ۱۸۹۳ء میں بی اے کی ڈگری لیکر ریاست کشمیر میں ملازمت اختیار کی۔ بہت عرصہ کشمیر اور لداخ کے گورنر رہے۔ آخر یکم جنوری ۳۵ء کو ریونیو منسٹر کے عہدہ سے سبکدوش ہو کر چک جمرہ (ضلع لائل پور) میں (جہاں مرحوم کی خاصی بڑی زمینداری تھی) اقامت گزیں ہو گئے۔ وہیں زندگی کے آخری ایام قومی، ملی اور ادبی خدمات میں گزار کر یکم اکتوبر ۱۹۴۴ء کو انتقال فرمایا۔

چوہدری صاحب بچپن ہی سے شعر کہتے تھے اور مولانا حالی سے اصلاح لیتے تھے۔ گو ابھی غزل سرائی کا رنگ پختہ نہ ہونے پایا تھا کہ علی گڑھ کی ادبی فضا نے نیچرل شاعری کا ایسا رنگ چڑھایا کہ آخری دم تک اس کے شیدائی رہے۔ آپ کے کلام کا مجموعہ "نغمۂ فردوس" کے

نام سے دو جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔ آپ کی مشہور نظم "جوگی" اردو کی کلاسیکی نظموں میں شمار ہوتی ہے۔

مہجور کاشمیری

کشمیر کے شاعر انقلاب منشی غلام احمد مہجور سرینگر کے پیرزادگان سے تھے۔ انہوں نے پیری مریدی کا سلسلہ ترک کر کے محکمہ بندوبست میں ملازمت اختیار کر لی تھی۔ نہایت روشن خیال اور ذی علم تھے۔ کشمیری زبان کے علاوہ فارسی اور اُردو میں بھی بہت اچھے شعر کہتے تھے۔ ذوق سخن کے علاوہ کشمیر کی تاریخ سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ کئی کتابیں تصنیف کیں جن میں حیات جم" چھپ چکی ہے۔ ایک کتاب ملکۂ کشمیر حبہ خاتون کے حالات میں اور ایک پٹواریوں کے متعلق پٹواری کے نام سے لکھی تھی لیکن ان سب سے فائق اور مفید تر کتاب جو آپ نے ترتیب دی وہ شعرائے کشمیر کا تذکرہ ہے جو دو تین جلدوں میں ہے۔ یہ کتاب ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئی۔ آپ کے پاس قلمی کتابوں کا نادر ذخیرہ تھا۔ انہی قدیم کتب اور تذکرۂ شعرا کے سلسلہ میں علامہ اقبال، نواب حبیب الرحمان خان شروانی اور مؤرخ کشمیر منشی محمد الدین فوق سے آپ کی خط و کتابت رہتی تھی۔ آپ نے اپنی پُر اثر کشمیری شاعری کے ذریعے کشمیر کو جدید تحریکات سے روشناس کیا اور ان میں بیداری کی روح پیدا کی۔ تقسیم ملک کے بعد یہ ساز خاموش ہو گیا۔

شیخ الہند مولانا محمود الحسن

مولانا محمود الحسن کے والد مولانا ذوالفقار علی انسپکٹر مدارس تھے اور اتنے جید عالم کہ انہوں نے حماسہ اور دیوان متنبی کی شرحیں اردو میں لکھی ہیں۔ مولانا محمود الحسن نے عربی ادب کی زیادہ تر تعلیم انہیں سے حاصل کی اور قرآن، حدیث اور فقہ وغیرہ کا درس مولانا محمد قاسم نانوتوی سے لیا۔ مولانا نہایت سلیم الفطرت، ذہین، ذکی اور فہیم تھے۔ اس لیے شباب ہی میں تمام علوم کی تکمیل کی۔ ان کے تبحر علمی کی وجہ سے انہیں دار العلوم دیوبند کا صدر مدرس منتخب کیا گیا جو خدمت وہ سالہا سال تک انجام دیتے رہے۔ ۱۹۱۰ء میں انہوں نے مؤتمر الانصار کی بنیاد رکھی اور اس کا پہلا اجلاس مراد آباد میں کیا جس میں ہندوستان کے تمام بڑے بڑے علما اور فضلا جمع ہوئے۔ مولانا نے انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں کو علم دین سے اور طبقہ علما کو سیاست حاضرہ سے واقف کرنے کے لیے نوجوانوں کو دعوت دی کہ وہ دیوبند آکر ان سے حدیث کی تعلیم حاصل کریں۔ ایک گریجوایٹ نے شاگردی کے پردے میں جاسوسی کے فرائض انجام دیئے جس کی بنا پر مولانا حکومت کے باغی قرار دیئے گئے۔ چنانچہ ۱۹۱۶ء میں جب مولانا حج کرنے بیت اللہ شریف گئے تو انگریزوں نے شریف مکہ کے ذریعے انہیں گرفتار کر کے جزیرہ مالٹا میں قید کر دیا۔ جولائی ۱۹۲۰ء میں وہاں سے رہا ہو کر دہلی آئے مگر اتنے علیل تھے کہ ۱۹۲۱ء میں انتقال فرما گئے۔ آپ نے مولانا رشید احمد گنگوہی کے رسالہ جمعہ کی نہایت فاضلانہ شرح لکھی ہے۔

علامہ راشد الخیری

ناول نویسی میں مولانا نذیر احمد کے صحیح جانشین تھے۔ ان کی توجہ زیادہ تر عورتوں کی تعلیم و ترقی اور ان کے مصائب زندگی پر مرکوز رہی۔ چونکہ عبارت درد انگیز اور پُر تاثیر ہوتی تھی۔ اس لیے مصور غم کے لقب سے مشہور تھے۔ کثیر التصانیف ہیں۔ بعض مشہور تصانیف کے نام یہ ہیں۔ صبح زندگی، شام زندگی، نوحۂ زندگی، عروس کربلا، زہرۂ مغرب، آمنہ کا لال، فاطمہ کا لال، وغیرہ رسالہ تمدن اور عصمت کے ایڈیٹر تھے۔ ۱۸۶۸ء میں پیدا ہوئے اور ۳ فروری ۱۹۳۶ء کو دہلی میں وفات پا گئے۔

مولوی محمد بشیر الدین

خان بہادر مولوی محمد بشیر الدین میرٹھ کے مشہور خاندان کمبوہ سے تھے۔ شعبان ۱۲۷۴ھ مطابق اپریل ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام حاجی قمر الدین تھا۔ فارسی تعلیم اپنے وطن میرٹھ میں حاصل کرنے کے بعد ۱۸۸۳ء میں اٹاوہ آئے اور وہاں کے نجم الاخبار سے متعلق ہو کر ۱۸۹۷ء تک اس کی ادارت کے فرائض نہایت قابلیت سے انجام دیتے رہے۔ سرسید کی تعلیمی تحریک شروع ہوئی تو اول اول عام علما کی طرح اسے مفید نہ سمجھتے ہوئے اس کی مخالفت کی لیکن آہستہ آہستہ اس کے مفید ہونے کا یقین ہو گیا۔ چنانچہ ۱۸۹۳ء میں جب اٹاوہ سے اپنا اخبار "البشیر" جاری کیا تو علی گڑھ تحریک کی حمایت میں [illegible]

...نا شروع کر دیا۔ یہ اخبار ہفتہ وار تھا اور مسلمانوں کے تعلیمی اور اقتصادی مسائل پر نہایت سیر حاصل بحث کرتا تھا۔ فرقہ وارانہ جھگڑوں اور ذاتی مناقشات
...یہ اخبار ہمیشہ الگ رہا۔ گو خدمت میں کسی بڑے سے بڑے اخبار سے پیچھے نہیں رہا۔ ۱۸۹۹ء میں مولانا نے مسلمان بچوں کے لیے ایک اسلامیہ ہائی
...ادہ میں جاری کیا اور ساری عمر اس کی ترقی کی فکر میں گزار دی۔ وہ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے آنریری سیکرٹری اور مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ممبر بھی تھے
...ادی تعلیمی خدمات کے اعتراف میں حکومت نے خان بہادر کا خطاب اور سرکار نظام نے سو روپیہ ماہوار کا وظیفہ تا حین حیات عطا کیا۔
...لانا نے بہت لمبی عمر پائی۔ ان کی شمع حیات پورے بانوے برس فروزاں رہنے کے بعد ۱۲ جون ۱۹۵۲ء کو خاموش ہو گئی۔ وہ قدیم زمانہ کے شرفا کی ایک
...ضع دار، دیندار اور نہایت نیک نفس، ہمدرد اور بے باک بزرگ تھے۔

مولانا رشید احمد گنگوہی

مولانا رشید احمد سلسلۂ گنگوہ کے بزرگوں اور دار العلوم دیوبند کے بانیوں میں درجۂ اختصاص رکھتے تھے۔ وہ عالم باعمل، واقفِ رازِ طریقت اور صاحبِ سیف و قلم تھے۔ ان کی ذات سے ...شد، ہدایت اور علم و عرفان کے جو چشمے پھوٹے وہ اب تک پاک و ہند کو سیراب کر رہے ہیں۔ سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید کی تحریکِ جہاد ...امی کے بعد جب مجاہدین نے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں دوبارہ جمع ہو کر جان کی بازی لگائی تو تھانہ بھون کے علاقہ میں جس جماعت کے ...حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، سپہ سالار مولانا محمد قاسم نانوتوی، میمنہ کے افسر مولانا محمد منیر اور میسرہ کے کماندار حافظ ضامن تھے۔ مولانا رشید احمد اس میں قاضیٔ لشکر تھے۔ ...تحریک بھی کامیاب نہ ہوئی۔ مولانا کو بغاوت کے الزام میں قید کیا گیا مگر کافی ثبوت نہ ملنے کی وجہ سے بعد میں چھوڑ دیا گیا۔ ۸ جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ مطابق ...اگست ۱۹۰۵ء کو اٹھتر سال سات ماہ کی عمر میں مولانا کا وصال ہوا۔ ہدایۃ الشیعہ، زبدۃ المناسک، لطائف رشیدیہ، براہین قاطعہ، سبیل الرشاد، میلاد شریف ...[illegible]، ہدایۃ المعتدی آپ کی تصانیف ہیں۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن نے آپ کے رسالہ تیمم کی نہایت فاضلانہ شرح لکھی ہے۔

مولانا عبد الماجد بدایونی

خطیب الامت مولانا شاہ عبد الماجد قادری بدایونی متحدہ ہندوستان کے ایک مشہور علمی خانوادے کے روشن چراغ تھے۔ وہ عالموں میں عالم، صوفیوں میں صوفی، شاعروں میں شاعر اور قومی خدمتگذاروں ...میں رہنما تھے۔ ان کی ذات ہر حیثیت سے قابلِ فخر تھی۔ خدام کعبہ، طرابلس، بلقان، کانپور، خلافت، کانگریس، تبلیغ، تنظیم، مسلم کانفرنس ...غرض وہ مجالس ہیں جو ان کی خدمات سے گراں بار ہیں۔ ان کو ہر وقت اور ہر نفس کام کی ایک دھن لگی رہتی تھی۔ جس کے پیچھے گھر کا آرام و سکون، اہل ...و عیال اور جان و مال سب قربان تھے۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ گھر میں کفن دفن کا سامان ہو رہا ہے اور وہ مردہ قوم کی مسیحائی کے لیے عازم سفر ہیں۔ اس دوڑ دھوپ ...انہوں نے اپنا مدرسہ شمس العلوم بھی نا تمام ہی چھوڑا اور ۲۰ دسمبر ۱۹۳۱ء کی رات کو ان کی زندگی کی منزلیں پوری ہو گئیں۔ ان کا انتقال لکھنؤ میں ہوا۔ ...بدایوں منتقل کی گئی۔ وہ سر تا پا محبت تھے۔ ان کی ہستی محبت کا آئینہ خانہ تھی۔ ان کی تقریریں جذبات اسلامی کی ترجمان ہوتی تھیں۔ درس خلافت ...، فضل الخطاب المذہب، الخلافۃ الاسلامیہ، رسالہ تعریف المدافع والاستطاعۃ، تاریخ خلافت وغیرہ چند رسالے اور کتابیں ان کی یادگار ہیں۔

مولانا عبد الباری فرنگی محلی

فرنگی محل کے دار العلم و العمل نے علم و اخلاص، فضل و کمال، ایمان و معرفت اور زہد و ورع کے ایک سے ایک بڑھ کر نمونے پیدا کیے۔ مولانا عبد الباری اس کی آخری یادگار تھے۔ متاخرین میں مولانا عبد الحی کے ...کی ذات نمایاں ہوئی جو بزرگ اجداد کی روایات کی حامل تھی۔ انہوں نے مولانا عبد الحی کے شاگرد خاص مولانا عین القضاۃ سے لکھنؤ میں تحصیل کی۔ پھر حجاز گئے ...سندلی۔ ملک شام کا سفر کیا۔ علمائے عرب سے فیض اٹھایا۔ مدینہ سے ہندوستان واپس آئے اور خدام کعبہ میں پرجوش شرکت کی۔ پھر مجلس خلافت اور جمعیۃ العلما ...میں حصہ لیا۔ ترک موالات کے علمبردار بنے۔ فرنگی محل میں مدرسہ نظامیہ کے نام سے ایک باقاعدہ مدرسہ عربیہ کی بنیاد رکھی جس سے متعدد اصحاب ...علم پیدا ہوئے۔ ارشاد و ہدایت، وعظ و نصیحت، درس و تدریس، تلاش و مطالعہ، تحریر و تالیف ان کے روزانہ مشاغل تھے۔ وہ فقہ

[illegible] حنفی کے پرجوش حامی تھے اور ان کی قلمی و علمی کوششیں زیادہ تر اسی کے متعلق صرف ہوتی تھیں۔ انہوں نے اپنے بعد سنو کے قریب چھوٹی بڑی تصنیفات
[illegible] ورسائل کی فہرست یادگار چھوڑی جن میں سب سے زیادہ مفید اور کارآمد ان کی اردو تفسیر تھی جو ناتمام رہی۔ امام محمد کی سیر کبیر کا کام بھی ان کے [illegible]
علم حدیث میں بھی ایک دو رسالے ہیں۔ افسوس! ۱۹۔ ۲۰ جنوری ۱۹۳۶ء کی درمیانی شب یہ چشمۂ فیض ہمیشہ کے لیے خشک ہو گیا۔ [illegible]
کے وقت مولانا کا سن غالباً ۷۰ برس کے قریب ہوگا۔ (رفتگاں)

مولانا آزاد سبحانی

مولانا کا اصلی نام عبدالقادر اور وطن سکندر پور ضلع بلیا تھا۔ وہ فلسفہ الٰہیات کے فاضل، وسیع النظر عا[لم]
سحر بیان خطیب اور شاعر تھے۔ پہلے پہل ان کے نام کو شہرت اس وقت حاصل ہوئی جب [illegible]
سماجیوں نے ہندوستان میں فتنۂ ارتداد برپا کیا اور مولانا شبلی نعمانی جیسے قوم پرور نے اس کے انسداد کی طرف خاص توجہ کی۔ یہی فتنہ [illegible]
جس کو ۱۹۲۳ء میں دوبارہ شدھی کے نام سے سوامی شردھانند نے ابھارا اور جس کے باعث تحریک خلافت اور ترک موالات کے [illegible]
۱۹۲۱ء) کا قائم شدہ ہندو مسلم اتحاد پارہ پارہ ہو گیا۔ اس فتنہ کے استیصال کے لیے مولانا آزاد سبحانی نے کانپور میں مدرسہ الٰہیات [illegible]
کرکے بیشمار مبلغ پیدا کیے۔ تحریک خلافت، ترک موالات اور مسلم لیگ میں شامل ہو کر بھی مولانا نے آزادیٔ وطن کے لیے سرگرم حصہ [لیا]
جب کلکتہ میں باہمی اختلافات کے باعث مسلمانوں کی اکثریت نے مولانا ابوالکلام آزاد کی امامت میں نماز عیدین پڑھنے سے انکار کر دیا [illegible]
جگہ مولانا آزاد سبحانی نے دو سال امامت وخطابت کے فرائض انجام دیئے۔ مولانا کے خطبے عام طور پر عالمانہ اور محققانہ ہوتے تھے۔ [illegible]
میں مولانا نے "حکومت ربانیت" کے نام سے ایک روحانی اور اصلاحی تحریک شروع کی اور گورکھپور سے ایک ماہوار رسالہ "روحانیت"
نام سے نکالا جو ڈیڑھ سال بعد بند ہو گیا۔ مذہبیت کے باوجود مولانا روس کی کمیونزم سے بہت متاثر تھے۔ انتقال سے چند سال قبل [illegible]
بھی کر آئے تھے۔ مزاج میں تلون تھا۔ اس لیے جم کر کوئی کام نہ کر سکے۔ پھر بھی سیاسی رنگ میں "آزادی" اور "مال بار اور موپلا" وغیرہ رسا[لے]
کئے۔ روحانیت اور مذہب پر بھی متعدد کتابیں لکھیں جو نادری کا شکار ہو گئیں۔ جولائی ۱۹۵۶ء میں ۸۰ برس کی عمر پاکر اس جہان فانی
جاودانی کی طرف رحلت فرمائی ؎

نصیبوں میں لکھا تھا خاک گورکھپور ہو جانا۔

مسیح الملک حکیم اجمل خاں شیدا

مسیح الملک حکیم اجمل خاں دہلی کے نامور طبیب، خاندان شریفی کے چشم و چرا[غ]
طب حکیم محمود خان کے فرزند اور ملک کے ممتاز سیاسی رہنما تھے۔ ۱۱ شوال [illegible]
مطابق ۱۱ فروری ۱۸۶۴ء کو دہلی میں پیدا ہوئے ۱۸ برس کی عمر میں تمام علوم متداولہ یعنی منطق، فلسفہ، ادب، طبیعیات، حدیث اور تفس[یر]
مہارت حاصل کر لی۔ فن طب اپنے بھائی حکیم عبدالمجید خاں سے سیکھا۔ خاندان کے دوسرے بزرگوں سے بھی چند طبی کتابیں پڑھیں [illegible]
زمانہ ریاست رام پور میں گزرا جہاں ہر علم و فن کی ہزاروں کتابیں پڑھ ڈالیں۔ اپنے بھائی حکیم واصل خاں کے انتقال کے بعد دلی [illegible]
گدی سنبھالی اور بڑی کوشش سے طبیہ کالج دہلی قائم کیا۔ وطن کی آزادی میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ۱۹۰۸ء میں حکومت ہند نے [illegible]
حاذق الملک کا خطاب عطا کیا۔ جب سیاسی کشمکش بہت بڑھی اور حکومت سے شکر ہوئی تو خطاب واپس کر دیا۔ اس ایثار اور قربانی پر قوم [illegible]
مسیح الملک کا خطاب دیا۔ آپ شاعر بھی تھے اور شیدا تخلص کرتے تھے۔ کلام کا مجموعہ چھپ چکا ہے۔ طبیعت غیور اور اخلاق [illegible]
۱۹۲۷ء کو رام پور میں اس مخلص اور یگانۂ روزگار ہستی کا انتقال ہو گیا۔

سائل دہلوی

نواب ابو المعظم مرزا سراج الدین احمد خاں سائل دہلوی ۱۸۶۸ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے۔ نواب شہاب الدین احمد خاں ثاقب آپ کے والد اور نواب سعید الدین خاں طالب آپ کے چچا تھے۔ تعلیم کی تکمیل اپنے دادا نواب ضیاء الدین خاں [illegible] کی نگرانی میں کی۔ عربی فارسی کے زبردست عالم تھے۔ ہندی اور سنسکرت بھی اچھی خاصی جانتے تھے۔ حاذق الملک حکیم اجمل خاں سے [illegible] بھی پڑھی اور اس میں خاصی استعداد پیدا کی۔ نواب مرزا خاں داغ دہلوی کے داماد تھے اور فن شعر میں انہیں کی شاگردی بھی اختیار کی۔ غزل [illegible] لیتے تھے۔ طبیعت نہایت نفاست پسند تھی۔ بڑے وضعدار وجیہ اور خوش پوش بزرگ تھے۔ خوش اخلاقی اور مشرقی تہذیب کا عمدہ نمونہ [illegible] آخری عمر میں شکار کھیلتے کھیلتے بندوق سے پاؤں زخمی ہو گیا تھا۔ اس لیے رکشا یا پالکی میں بیٹھ کر روزانہ سیر کو نکلتے تھے۔ ۱۵ ستمبر ۱۹۴۵ء کو [illegible] علالت کے بعد انتقال کیا۔ غزلوں کے چھ دیوان یادگار چھوڑے مگر ایک بھی زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوا۔

شیو نرائن شمیم

رائے بہادر پنڈت شیو نرائن شمیم کے بزرگ کشمیر سے نکل کر پہلے ریاست جے پور میں آباد ہوئے پھر آگرہ میں ۱۸۴۶ء کے قریب آپ کے دادا پنجاب میں آ گئے۔ آپ کی پیدائش اکتوبر ۱۸۵۹ء میں بمقام لاہور ہوئی۔ فارسی کی ابتدائی تعلیم جامع مسجد شاہ پور میں ہوئی۔ انٹرنس کا امتحان [illegible] سکول جالندھر سے پاس کر کے گورنمنٹ کالج لاہور میں دو برس تک فرسٹ آرٹس میں پڑھا۔ اس کے بعد وکالت کا امتحان پاس کر کے [illegible] میں پریکٹس شروع کر دی۔ وہیں سے اخبار شمیم ہند جاری کیا جو ڈیڑھ برس بعد لوگوں کی بد مذاقی کا شکار ہو گیا۔ باقی ساری عمر لاہور میں گذاری [illegible] معاملات میں خاص دلچسپی تھی۔ ۱۸۹۳ء میں کتاب کشمیری پنڈت لکھی جو اصلاح رسوم کے متعلق تھی۔ تحفۂ شمیم میں مختصر اصلاحی [illegible] بیان ہیں۔ بدھ اور اس کا مت (سوانح عمری اور مذہبی تعلیم کے متعلق) چاند (ایک دلچسپ ناول) ایم اے بنا کے کیوں میری مٹی خراب کی۔ [illegible] جسے غیر معمولی ہر دلعزیزی حاصل ہوئی) پلیڈنگ (قانونی) وغیرہ آپ کی چند تصنیفات ہیں۔

شاعری کی ابتدا ۱۸۷۰ء میں ہوئی۔ یہ مولانا محمد حسین آزاد کے فیضان تعلیم کا نتیجہ تھی۔ مگر یہ شوق دیوانگی کی حد تک نہ پہنچا۔ نثر کی [illegible] میلان زیادہ رہا۔ تاریخی ذوق کی بنا پر پنجاب ہسٹوریکل سوسائٹی کے صدر مقرر کئے گئے۔ قدیم مجلس آئین ساز کے رکن اور پنجاب یونیورسٹی کی [illegible] کے ممبر تھے۔ ہندوستان اور انگلستان کے گوشے گوشے کی سیاحت کی۔ آپ کے سفرنامے دلچسپی سے پڑھے جاتے تھے۔

منشی محمد الدین فوق

نام محمد الدین فوق تخلص۔ آبائی وطن کشمیر، والد کا نام منشی لدھا خاں ولادت فروری ۱۸۷۷ء میں بمقام کوٹلی ہرنارائن ہوئی جو سیالکوٹ کے نزدیک ایک گاؤں ہے۔ ۱۸۹۶ء میں مڈل کا امتحان دینے کے [illegible] اس وقت یونیورسٹی امتحان تھا سیالکوٹ میں جا کر پٹوار کا کام سیکھنا شروع کر دیا۔ پھر چند دن محکموں میں ملازمت کرنے کے بعد ۱۸۹۶ء [illegible] لاہور آ کر پیسہ اخبار کے دفتر میں ملازمت اختیار کر لی۔ ۱۹۰۱ء میں اپنا ہفتہ وار اخبار پنجہ فولاد جاری کیا جو ۱۹۰۶ء میں بند ہو گیا۔ [illegible] کے بند ہوتے ہی ماہنامہ کشمیری میگزین جاری کیا جو ۱۹۱۲ء میں ہفتہ وار اخبار کشمیری بن گیا۔ ۱۹۳۴ء تک کشمیر اور اہل کشمیر کی خدمت [illegible] ۱۹۱۴ء میں رسالہ طریقت نکالا جو چار سال تک رہا۔ ۱۹۱۸ء میں رسالہ نظام جاری کیا مگر وہ جلد بند ہو گیا۔

منشی محمد الدین فوق بیک وقت شاعر بھی تھے اور ادیب بھی۔ مورخ بھی تھے اور صحافی بھی۔ ان چاروں خصوصیتوں میں انہوں [illegible] نام پیدا کیا۔ آپ کی چھوٹی بڑی تصانیف کی تعداد سو کے قریب ہے جن میں تاریخ حریت اسلام، تاریخ کشمیر، تاریخ اقوام کشمیر [illegible] بڈشاہی، تاریخ اقوام پونچھ، سوانح علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی۔ تاریخ شالامار باغ اور کلام فوق وغیرہ بہت مشہور ہیں [illegible] کا یہ سب سے بڑا مورخ ۱۴ ستمبر ۱۹۴۵ء کو ہمیشہ کے لیے دنیا سے اٹھ گیا۔

ڈاکٹر انصاری

ڈاکٹر مختار احمد انصاری گو نسب و وطن کے لحاظ سے ضلع غازی پور کے ایک ممتاز قصبہ یوسف پور کے ایک نہایت شریف خاندان سے تھے مگر ایثار و فراخی اور خدمت ملک و ملت کی بنا پر ان کا تعلق پورے ہندوستان سے تھا۔
انہوں نے ایک شفیق معالج کی حیثیت سے زندگی کا آغاز کیا اور اپنے فیض کرم، لطف و محبت، حسن اخلاق اور جذبۂ خدمت خلق سے بلاتمیز مذہب و ملت لوگوں کی بھی غمخواری کی۔ ۱۹۱۲ء کی جنگ بلقان میں وہ مولانا محمد علی مرحوم کے زیر قیادت طبی وفد لے کر ترکی گئے۔ اس وقت ان کی عمر ۳۰، ۳۲ برس تھی۔ اس کے بعد ان کا شجاعانہ اسلامی کارنامہ ۱۹۱۸ء میں مسلم لیگ دہلی کے صدر کی حیثیت سے وہ یادگار خطبہ ہے جس میں سب سے پہلے خلافت اور مقامات مقدسہ کی نسبت مسلمانوں کے جذبات کا بے خوفی سے اظہار کیا گیا اور مذہبی کتابوں کے حوالہ سے مسلمانوں کے دعووں کے دلائل پیش کیے گئے تھے۔ اس کے بعد تو ان کا یہ جنون بڑھتا ہی گیا اور خلافت، کانگرس اور ہندو مسلم اتحاد کی کوششوں میں انہوں نے اپنوں کو غیر، آشناؤں کو بیگانہ اور دوستوں کو دشمن بنا لیا اور اپنی شرافت کے سبب دوستوں کے غیظ و غضب اور جفاکشی کو پوری متانت اور سنجیدگی کے ساتھ برداشت کیا۔ آخر ۹ مئی ۱۹۳۶ء کی رات کو ڈیرہ دون سے آتے ہوئے راستے میں حرکت قلب بند ہو گئی اور ہستی کا چراغ گل ہو گیا۔ چنانچہ ۱۰ مئی کی صبح کو اس دہلی نے جہاں ان کے ہیلیوں رنگین جلوس نکل چکے تھے ان کی بے روح لاش کا استقبال کیا۔ مگر اب ہجوم کے چہروں پر مسکراہٹ کے بجائے رنج و غم، آنکھوں میں نور کی جگہ آنسو، دل میں خوشی کے بدلے اضطراب تھا۔ (یادرفتگاں)

میر غلام بھیک نیرنگ

سید غلام بھیک نام اور نیرنگ تخلص تھا۔ اپنے عہد کی نمایاں شخصیت تھے۔ وہ [illegible] ضلع انبالہ کے رہنے والے تھے۔ تعلیم لاہور میں حاصل کی جب گورنمنٹ کالج لاہور میں پڑھتے تھے تو لاہور کی کوئی ادبی یا قومی تحریک ایسی نہ تھی جس میں آپ اپنی ہمہ گیر طبیعت کے ساتھ موجود نہ ہوں۔ آپ بہت اچھے ادیب، شاعر اور نقاد تھے۔ غزل، نظم، مضمون، تقریر ہر شے پر قادر تھے۔ لاہور کے قدیم مشاعروں میں اقبال کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔ کلام نیرنگ اور غبار افق دو کتابیں آپ کی شاعری کی یادگار ہیں۔ آپ کا شمار پنجاب اسکول کے اس گروہ سے ہوتا ہے جو مولانا حالی کے بعد سرسید سے متاثر ہوا اور جس نے شاعری میں زندگی کے مسائل داخل کیے۔ اس گروہ میں اقبال، ناظر، ہمایوں، اعجاز اور نیرنگ خاص طور پر مشہور ہیں۔ مذہبی جذبہ سے بھی سرشار تھے۔ شدھی اور سنگٹھن کے دنوں میں قابل قدر تبلیغی خدمات انجام دیں اور ہزاروں ان پڑھ مسلمانوں کو مرتد ہونے سے بچایا۔ تقسیم ہند کے بعد ہجرت کر کے لاہور چلے گئے جہاں ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۲ء کی رات کو فوت ہو کر یہیں دفن ہوئے۔

سر تیج بہادر سپرو

تیج بہادر سپرو کشمیری الاصل تھے۔ ذات اور گوت کے لحاظ سے چند پشت اوپر جا کر اقبال اور وہ ایک ہی ہو جاتے ہیں۔ مذہب نے ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔ پیدائش مولوی نذیر احمد کے وطن بجنور میں ۱۸۷۵ء کے لگ بھگ ہوئی۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۸۹۵ء میں الہ آباد جا کر ہائی کورٹ میں وکالت شروع کی جوانی ہی کی کہ ۱۹۱۹ء میں وائسرائے نے انہیں اپنا مشیر قانون بنا لیا۔ اس وقت کے لحاظ سے یہ اقتدار ایک ہندوستانی کے لیے معراج سے کم نہ تھا مگر اس عہدے پر وہ زیادہ دن تک نہ رہ سکے بعض وجوہ کی بنا پر ڈیڑھ سال کے بعد اسے ترک کر کے پھر الہ آباد ہائی کورٹ میں وکالت شروع کر دی۔ ان کی قانونی قابلیت مسلم تھی۔ انہوں نے بہت روپیہ کمایا مگر سب مہمان نوازی اور نیک کاموں میں صرف کر دیا۔ اردو سے بے پایاں محبت تھی۔ خود نہایت شستہ اور پاکیزہ زبان بولتے تھے۔ شام کو روز مرہ ان کے یہاں شاعروں اور ادیبوں کا دربار لگتا تھا جس میں عموماً اردو الفاظ و محاورات اور شعر و شاعری پر گفتگو ہوتی تھی اور ان کی رائے اس سرچشمہ ہمیشہ قابل احترام سمجھی جاتی تھی۔ وہ ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد کے مستقل سرپرست تھے۔ ۲۰ جنوری ۱۹۴۹ء کو ۷۳ سال کی عمر پا کر انتقال کیا۔

آغا شاعر دہلوی

آغا مظفر بیگ قزلباش نام، شاعر تخلص تھا۔ آپ کے مورثِ اعلیٰ نادر شاہ درانی کے ساتھ ہندوستان آئے اور دہلی میں آباد ہوئے۔ والد کا نام آغا عبد علی تھا۔ آغا شاعر دہلی میں ۵ مارچ ۱۸۷۱ء کو پیدا ہوئے۔ عربی اور فارسی گھر میں پڑھی۔ فن شعر میں نواب احمد سعید خاں طالب دہلوی کے شاگرد ہوئے۔ پچیس تیس برس کی عمر میں حیدر آباد گئے تو داغ کی شاگردی اختیار کی۔ تین سال نواب نصیر الملک کی مصاحبت میں مرشد آباد گزارے۔ وہاں سے افسر الشعرا کا خطاب ملا۔ جھالاوار ریاست میں دس سال درباری شاعر کی حیثیت سے رہے۔ یہاں سے رسالہ آفتاب بھی نکالا۔

زبان میں شیرینی، گھلاوٹ اور رعنائی تھی۔ پڑھتے بھی خوب تھے کلام میں استادانہ رنگ تھا۔ بہت عرصہ لاہور میں رہے مشاعروں میں شریک ہو کر اپنا رنگ جماتے تھے۔ نثر بھی بہت اچھی لکھتے تھے۔ مخزن لاہور میں آپ کے مضامین نظم و نثر اکثر شائع ہوتے تھے معاشرت قدیم وضع کی تھی۔ قرآن پاک کا منظوم اردو ترجمہ آپ کا بڑا کارنامہ ہے۔ غزلیات کا ایک مجموعہ تیر و نشتر کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ عمر خیام کی رباعیوں کا منظوم ترجمہ خمکدہ خیام کے نام سے کیا۔ خارستان، آویزۂ گوش، قتل بے نظیر، پر پروانہ اور دامن مریم بھی آپ کی چند مشہور کتابیں ہیں ۱۱ مارچ ۱۹۴۰ء کو دہلی میں اُن کا سازِ ہستی خاموش ہو گیا۔

بیخود دہلوی

سید وحید الدین احمد نام، بیخود تخلص، خاص دہلی کے رہنے والے تھے لیکن آپ کی ولادت ۳ رمضان المبارک ۱۲۷۹ھ مطابق ۱۸۶۲ء کو ریاست بھرت پور میں ہوئی۔ جہاں آپ کے اجداد ممتاز عہدوں پر فائز تھے۔ بیخود کے والد سید شمس الدین احمد بھی شاعر تھے اور سالک تخلص کرتے تھے۔

بیخود نے ابتدائی تعلیم دہلی میں حاصل کی۔ قرآن اور کتب متداولہ ختم کرنے کے بعد فارسی و اردو کی مزید تحصیل مولانا حالی سے کی۔ اسی زمانے میں انہیں شاعری کا شوق ہوا۔ مولانا حالی کے مشورے سے ۱۸۹۰ء میں داغ کی شاگردی اختیار کی اور چھ ماہ تک حیدر آباد میں استاد کے پاس رہے پھر وطن واپس آ کر چند سال کی مشق سے استاد کے رنگ کو ایسا اپنایا کہ ان کا شمار ارشد تلامذہ میں ہونے لگا۔

بیخود فنون سپہ گری سے بھی واقف تھے اور سیر و شکار کے بھی دلدادہ معاشی پریشانیوں سے بچنے کے لئے انگریزوں کو اردو فارسی پڑھاتے تھے آخری عمر میں گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ بڑے ملنسار، زندہ دل اور پابند وضع انسان تھے۔ حج بیت اللہ سے مشرف ہو چکے تھے۔ دیوان غالب کی شرح لکھی اور مجموعہ کلام "گفتارِ بیخود" کے نام سے شائع کرایا جو تقریباً سات ہزار ابیات پر مشتمل ہے۔ اکثر اشعار میں زبان کی خوبیاں موجود ہیں۔ ۲ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو انتقال ہوا۔

نواب سر مزمل اللہ خاں

بھیکم پور ضلع علی گڑھ کے مشہور شروانی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ سرسید کی گود میں کھیل کر جوان ہوئے۔ عربی و فارسی کی اچھی تعلیم پائی۔ انگریزی بھی بقدر ضرورت جانتے تھے۔ فارسی کے شاعر تھے۔ مرزا سنجر طہرانی سے اصلاحیں لیں۔ فارسی کا پورا دیوان مرتب کیا۔ تقریر شگفتہ اور پر مذاق کرتے تھے۔ ان کی فیاضی کا یہ حال تھا کہ علی گڑھ کالج، ایجوکیشنل کانفرنس، مسلم یونیورسٹی، اسلامیہ اسکول اٹاوہ، الہ آباد یونیورسٹی، ہندو یونیورسٹی بنارس، دارالعلوم ندوۃ العلماء، دارالعلوم دیوبند غرض کوئی علمی اور تعلیمی ادارہ ایسا نہ تھا جو ان کے چشمۂ فیض سے سیراب نہ ہوتا تھا۔ وہ ہر قوم اور ہر فرقہ کے نیک کاموں میں بلا تخصیص حصہ لیتے تھے۔ یہاں تک کہ جمعیت العلماء اور کانگریس بھی ان کے خوانِ کرم سے بہرہ یاب ہوئیں۔ اپنی دولتمندی کے باوجود بے حد سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ حج کعبہ اور مدینہ منورہ کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے۔ چوہتر برس کی عمر میں دین دنیا

دونوں کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہو کر ۲۸ ستمبر ۱۹۳۸ء کو اس ہری بھری دنیا سے رخصت ہوئے۔ (یادِ رفتگاں)

مرزا ذاکر حسین قزلباش ثاقب لکھنوی

ثاقب کا سلسلۂ نسب حاجی علی قزلباش ماژندرانی المعروف بہ علی قلی خاں شاملو سے ملتا ہے۔ ان کے اجداد ترک وطن کر کے بہ سلسلۂ تجارت اکبر آباد چلے آئے۔ والد کا نام مرزا محمد حسین تھا۔ اکبر آباد ہی میں ۲ جنوری ۱۸۶۹ء (۱۹ رمضان ۱۲۸۵ھ) کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی فارسی عربی تعلیم گھر پر ہوئی۔ ۱۸۸۶ء میں سینٹ جانسن کالج آگرہ میں پہنچے۔ کالج سے نکل کر پہلے تجارت شروع کی پھر کلکتہ میں سفیرِ ایران کے پرائیویٹ سیکرٹری ہو گئے اور ۱۹۰۰ء میں ریاست محمود آباد میں پہنچ کر مہر منشی مقرر ہوئے اور اس طرح راجہ صاحب محمود آباد کے درباری شاعر قرار پائے۔

شاعری کی باقاعدہ ابتدا غالباً ۱۸۸۴ء کے قریب ہوئی۔ چھپن سال شاعری کی خدمت کی۔ اس طویل عرصہ میں یہ کوشش رہی کہ زبان میر کی اور تخیل غالب کا سا ہو۔ دیوان چھپ چکا ہے۔ ۱۹۴۹ء میں انتقال ہوا۔ ذاتی لحاظ سے بڑے خوش مزاج، با اخلاق، صاحبِ مروت اور خاکسار طبیعت کے انسان تھے۔

حکیم آزاد انصاری

تاریخی نام نظیر حسین تھا مگر مشہور الطاف احمد کے نام سے تھے۔ ابو الاحسان کنیت اور آزاد تخلص تھا اگرچہ سہارنپور کے رہنے والے تھے مگر ۲۷ رجب ۱۲۸۸ھ (۱۸۷۱ء) کو ناگپور (سی پی) میں پیدا ہوئے جہاں ان کے والد محمد حسن اور و سیری کے عہدے پر فائز تھے۔ آزاد نسباً شیخ انصاری تھے جن کا سلسلہ حضرت ایوبؓ انصاری تک پہنچتا ہے۔ اٹھارہ انیس سال کی عمر تک مختلف درس گاہوں میں فارسی اور عربی کی تعلیم حاصل کی پھر مولانا حکیم نور الدین سہارنپوری، ڈاکٹر احمد خاں صاحب لکھنوی اور حکیم معین الدین نانوتوی سے فنِ طب کی تکمیل کی۔ ۱۹۰۱ء میں ڈیڑھ دو ماہ میں مطب کھولا۔ ۱۹۰۲ء سے ۱۹۰۹ء تک کانپور میں ہی مشغول رہا۔ ۱۹۱۱ء میں انبالہ چھاؤنی میں مطب شروع کیا۔ آٹھ سال بعد وہاں سے ہٹے تو علی گڑھ، دہلی، حیدر آباد میں وقت گذرا۔ حیدر آباد میں عینک کی تجارت شروع کر دی۔ ۱۹۴۲ء میں انتقال ہوا۔ ۱۸۹۰ء میں شعر کہنے شروع کئے تو پہلے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب بیدل سہارنپوری سے اور بعد میں مولانا حالیؔ سے اصلاح لی۔ ان کا کلام پاکیزگیِ جذبات، لطافتِ زبان، ندرتِ بیان اور تسلسلِ خیالی کی وجہ سے انفرادیت کا حامل ہے مگر مجموعے کی صورت میں چھپ نہیں سکا۔

لالہ سری رام ایم اے دہلوی

لالہ سری رام دہلی کے ایک مشہور خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس کا سلسلہ راجہ ٹوڈرمل سے ملتا ہے۔ آپ کے پدرِ بزرگوار رائے بہادر مدن گوپال ایم اے بیرسٹر ایٹ لاء اور عم نامدار رائے بہادر ماسٹر پیارے لال آشوب ہیں۔ لالہ سری رام ۱۸۷۵ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ وہیں ابتدائی تعلیم پائی بارہ برس کی عمر میں اپنے والد کے ہمراہ لاہور آئے۔ ۱۸۹۵ء میں بی اے اور ۱۸۹۸ء میں ایم اے اور منصفی کے امتحان پاس کر کے منصف مقرر ہوئے اور چند سال لاہور، امرتسر اور دہلی میں اس کرسی کو زینت دیتے رہے۔ مگر دمہ کے مرض میں مبتلا ہو جانے کی وجہ سے ۱۹۰۷ء میں ملازمت ترک کر دی۔ اس کے بعد علمی مشاغل میں مصروف ہو گئے۔ تذکرہ ہزار داستان یا خمخانۂ جاوید آپ کی عدیم المثال تالیف ہے۔ جس کی چار ضخیم جلدیں چھپ چکی ہیں۔ پہلی ۱۳۲۵ھ ۱۹۰۸ء میں شائع ہوئی تھی اور چوتھی ۱۹۲۳ء میں۔ مگر ابھی ناتمام ہے۔ یہ ان شعرائے اردو کے حالات کا تذکرہ اور ان کے منتخب کلام کا مجموعہ ہے جن کے تخلص حرفِ شین تک پہنچتے ہیں۔ ان میں کامل، ناقص، اعلیٰ، ادنیٰ، کہنہ مشق، نو مشق، عزلت نشین اور ہنگامہ آرا غرض ہر قسم اور صنف کے شاعر و متشاعر شامل ہیں۔ اس قدر سرمایہ فراہم کرنے میں مولف نے اپنی عمرِ عزیز صرف

...جس کاوش اور فراخ دلی سے صرف کی ہے اس کی مثال اگر نایاب نہ ہو تو کمیاب ضرور ہے۔ ۱۹۳۰ء میں لالہ سری رام کے انتقال کے بعد ...سلہ بند ہو گیا۔

...جہ ناصر نذیر فراق دہلوی

خواجہ میر دردؔ کی یادگار اور مولانا محمد حسین آزاد کے شاگرد تھے۔ دہلی میں خواجہ میر دردؔ کی بارہ دری کے ایک گھروندے میں رہتے تھے۔ بقول شاہد احمد مدیر ساقی وہ سرخ و سپید رنگ، سفید کھلواں ...ھی، گول چہرہ، بھاری ڈیل، انگشتیا نگندے پڑا ہوا انرغل، سر پہ کبھی صافہ کبھی ٹوپی، پاؤں میں سلیم شاہی، ہاتھوں میں رعشہ تھا اور بہت ...ا خود ہی لکھتے۔ ان کی تحریر قسمت کی تحریر ہوتی تھی کہ پڑھنے میں نہ آتی تھی، وہ مخزن کے ابتدائی دور کے لکھنے والوں میں سے تھے۔ ...ب مخزن بند ہو گیا تو انہوں نے لکھنا چھوڑ دیا۔ پھر ساقی کے لئے انہوں نے "لال قلعہ کی جھلک" قسط وار لکھی۔ بڑی پیاری زبان لکھتے تھے۔ ...آپ کی اکثر تصانیف شائع نہ ہو سکیں۔ سر عبد القادر کی فرمائش پر ایک ناول "المور کھا" لکھنا شروع کیا تھا مخزن بند ہوا تو ان کی ہمت ...ٹوٹ گئی۔ پھر او۔ لوگوں کے اصرار پر اسے مکمل بھی کر لیا مگر اس کے چھپنے کی نوبت نہ آئی البتہ مولانا محمد حسین آزاد کی ناتمام تصنیف "ڈرامہ اکبر" کی ...ان کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ آپ کی پیدائش ۱۶/ اگست ۱۸۶۵ء کو اور انتقال ۱۲/ فروری ۱۹۳۳ء کو ہوا۔ چند تصانیف کے نام یہ ہیں ...سیانہ درد، دلی کا آخری دیدار، دلی کا اجڑا ہوا لال قلعہ مضامین فراق، بیگموں کی چھیڑ چھاڑ۔ چار چاند۔ دکن کی پری۔ سات طلاق، نندوں ...کی کہانی وغیرہ۔

مولانا ظفر الملک

مولانا ظفر الملک علوی کو کون نہیں جانتا؟ رسالہ الناظر لکھنؤ کے قابل مدیر کی حیثیت سے ادبی دنیا میں کافی روشناس ہیں۔ ان کا نام اسحاق علی تھا۔ کاکوری کے رہنے والے تھے۔ انگریزی قابلیت ...نہایت اعلیٰ تھی۔ تصوف کی جانب میلان زیادہ تھا۔ نہایت منکسر المزاج اور فرشتہ خصلت انسان تھے۔ انہوں نے اردو زبان کی خدمت کیلئے ...اپنی زندگی وقف کر دی تھی اور ہر وقت انہیں خیالات میں مستغرق رہتے تھے۔ کئی دفعہ لاہور آئے۔ اکثر بزرگوں سے ان کے ذاتی تعلقات ...تھے۔ وہ پرجوش قومی اور مذہبی رہنما بھی تھے۔ لکھنؤ کی اکثر تحریکوں میں ان کا نام سنا جاتا رہا ہے۔ تحریر و تقریر میں شمشیر بے نیام تھے۔ دو کتابیں ان کی ...یادگار ہیں "الاشرار" میں انہوں نے ملک کے خود غرض لیڈروں کا کچا چٹھا بیان کیا ہے اور "سیاسی رہنماؤں کے کارنامے" میں سیاسی خود غرض ...رہنماؤں کے پوست کندہ حالات شائع کئے ہیں۔ اخبار "مشیر بہار پٹنہ" بھی آپ کی ادارت میں شائع ہوتا رہا ہے۔

احسن مارہروی

سید علی احسن نام، احسن تخلص، مارہرہ (ضلع ایٹہ) وطن والد کا نام حاجی سید مجتبیٰ تھا جو حسن تخلص کرتے تھے۔ ۹/ نومبر ۱۸۷۶ء کو پیدا ہوئے۔ بچپن میں قرآن مجید حفظ کیا اور درسی تعلیم حاصل کی۔ چودہ برس کی عمر میں شعر ...کہنے شروع کئے۔ اس فن میں داغؔ کے شاگرد تھے۔ حیدر آباد دکن جا کر استاد کی صحبت میں بہت عرصہ رہے۔ اردو زبان کے ماہر ...اعلیٰ پایہ کے ادیب۔ قادر الکلام شاعر اور کامل الفن استاد تھے۔ ۱۸۹۵ء میں ایک ماہوار گلدستہ ریاض سخن کے نام سے جاری کیا۔ ۱۹۰۳ء میں لالہ سری رام ایم اے کی مشہور تالیف خمخانۂ جاوید جلد اول کی ترتیب کے سلسلے میں لاہور آئے۔ داغؔ کے انتقال کے بعد ان کی یاد میں رسالہ فصیح الملک بھی یہیں سے جاری کیا جو ۱۹۱۰ء تک شائع ہوتا رہا جلوۂ داغؔ کے نام سے استاد کی سوانح عمری لکھی۔ ان کا غیر مطبوعہ کلام یادگار داغؔ کے نام سے طبع کرایا۔ ۱۹۲۶ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں اردو فارسی کے پروفیسر مقرر ہوئے اور ۱۹۳۲ء تک کام کرتے رہے۔ آخری عمر میں انشائے داغؔ کے نام سے استاد کے خطوط کی جمع و ترتیب میں مشغول تھے کہ ۳۰/ ۳۱ اگست

۱۹۴۰ء کو پٹنہ میں انتقال ہو گیا۔ احسن فنِ تنقید میں بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ دیوان وؔلی نہایت قابلیت سے مرتب کیا۔ اردو لشکر اور تحفۂ احسن بھی ان کی عمدہ تصانیف ہیں مگر تاریخ نثر اردو کا پایہ بہت بلند ہے۔

مولوی عنایت اللہ دہلوی

مولوی عنایت اللہ علی گڑھ کالج کے دَورِ اوّل کے ممتاز تعلیم یافتہ تھے۔ علم و ادب کا مذاق اپنے نامور باپ مولوی ذکاء اللہ دہلوی سے ورثہ میں پایا تھا۔ طالب علمی کے زمانے سے ان کے یہ جوہر نمایاں تھے۔ سرسید کو جب کبھی ضرورت پڑتی تھی ان سے ترجمہ وغیرہ کا کام لیتے تھے۔ پروفیسر آرنلڈ کی کتاب پریچنگ آف اسلام کا ترجمہ "دعوت اسلام" اسی دَور کی یادگار ہے۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد ۱۸۹۳ء میں وہ کالج لائبریرین مقرر ہوئے۔ کچھ دنوں ریاضی کی پروفیسری اور تہذیب الاخلاق کی ادارت کے فرائض بھی انجام دیئے۔ ۱۹۰۰ء میں جونپور کی عدالت ججی میں منصرم اور ۱۹۱۵ء میں ریاست گوالیار کے شعبہ فنانس کے انڈر سیکرٹری مقرر ہوئے۔ مگر ترجمہ کا مشغلہ برابر جاری رہا اور اس میں ان کو اتنی شہرت حاصل ہو گئی کہ جب حیدر آباد میں دارالترجمہ قائم ہوا تو سرکار نظام نے ۱۹۲۰ء میں ان کو دارالترجمہ کا ناظم مقرر کیا۔ چودہ سال تک بڑی قابلیت کے ساتھ اس خدمت کو انجام دے کر ۱۹۳۴ء میں اس سے سبکدوشی حاصل کی اور ڈیرہ دون کی پرسکون فضا میں قیام کیا۔ وہیں ۲۲ر اکتوبر ۱۹۴۳ء کو وفات پائی۔ وہ غیر زبانوں کی کتابوں کو اس طرح اردو کے قالب میں ڈھالتے تھے کہ تصنیف کا گمان ہوتا تھا۔ ان کے چھوٹے بڑے تراجم کی تعداد پچاس ساٹھ سے اوپر ہوگی۔ ان کی سب سے اہم علمی خدمت اندلس کا تاریخی جغرافیہ ہے۔ وہ طبعاً شریف متواضع اور خاکسار تھے۔ ۷۰ برس کی عمر پائی۔ ساری عمر عروسِ ادب کی خدمت میں گزار دی۔ شادی کا خیال ہی نہیں کیا۔

علی نقی صفی لکھنوی

علی نقی نام، صفیؔ تخلص، سادات زیدی سے تھے۔ اصلی وطن غزنی تھا جہاں سے اُن کے مورثِ اعلیٰ سید نور الدین شاہ التمش کے عہد میں دہلی آئے۔ صفیؔ کے پردادا سید احسان علی نے فیض آباد میں سکونت اختیار کی۔ نصیر الدین حیدر کے عہد میں ان کے بیٹے سید سلطان حسین لکھنؤ چلے آئے۔ ان کے ساتھ ان کے دو بھائی سید حسین اور سید فضل حسین بھی تھے۔ امجد علی شاہ کے عہد میں سید حسین شاہزادہ مرزا سلیمان قدر کی اتالیقی پر مقرر ہوئے اور سید فضل حسین جو صفیؔ کے والد تھے شاہزادہ کے رفیقِ خاص قرار پائے۔

صفیؔ ۱۸۶۲ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی عربی فارسی کی تعلیم مولوی نجم الدین کاکوروی اور شیخ حافظ علی بہرودی سے حاصل کی۔ اس کے بعد انگریزی کی طرف متوجہ ہوئے اور کیننگ کالجیٹ اسکول سے انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔ ۱۸۷۹ء میں سرکاری ملازمت اختیار کی اور ۱۹۲۳ء تک مختلف عہدوں پر رہ کر پنشن یاب ہوئے۔ ۱۹۵۰ء میں انتقال کیا۔ صفیؔ کی مشہور مثنوی تنظیم الحیات ہے۔ کلام کا ایک مجموعہ لختِ جگر عرصہ ہوا شائع ہوا تھا۔ دوسرا مکمل مجموعہ حال ہی میں چھپا ہے۔

منشی دیا نرائن نگم

۲۲ر مارچ ۱۸۸۲ء کو کانپور میں پیدا ہوئے۔ ان کے دادا منشی شیو سہائے وکیل تھے اور کانپور ڈسٹرکٹ بورڈ کے وائس چیرمین۔ والد منشی شیو پرشاد بھی وکیل تھے۔ دیا نرائن نے اردو فارسی گھر پر پڑھی۔ ۱۹۰۲ء میں بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۰۱ء میں ان کا پہلا مضمون رسالہ مخزن میں شائع ہوا۔ ۱۹۰۳ء میں رسالہ زمانہ کی ادارت سنبھالی۔ یہ رسالہ اسی سال بریلی سے نکلا تھا۔ آپ اسے کانپور لے آئے۔ ابتداہی سے انہوں نے اس ادبی پودے کو سیراب کرنا شروع کیا۔ چالیس سال تک اس کی آبیاری میں جی جان سے معروف رہے اور اسے ہرا بھرا تناور درخت بنا دیا۔ ملک کے بڑے بڑے ادیبوں نے اس پرچے کے لئے مضامین لکھے اور

اس کی بلند ادبی حیثیت قائم رکھنے میں امداد دی۔ اس نے کیفیت و کمیت دونوں اعتبار سے اردو زبان کی ایسی گراں قدر خدمت انجام دی ہے جس کے بار احسان سے وہ کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔

منشی دیا نرائن نگم نے زمانہ کے ساتھ ساتھ ۱۹۱۲ء میں ایک ہفتہ وار اخبار آزاد نکالا جو بڑا کماؤ پوت ثابت ہوا۔ کئی سال کرائسٹ چرچ کالج کانپور میں فارسی کے پروفیسر بھی رہے۔ آنریری مجسٹریٹ بھی اور میونسپل بورڈ کے ممبر بھی۔ رائے صاحب کا خطاب پایا۔ الہ آباد یونیورسٹی کورٹ کے ممبر اور ممتحن بھی تھے۔ غرض ان کی زندگی مختلف قسم کے فرائض کی انجام دہی میں صرف ہوئی ۱۹۴۲ء سرگباش ہو گئے۔

صاحبزادہ آفتاب احمد خاں

علی گڑھ کالج نے قومی خدمت گزاروں کی سب سے پہلی جو جماعت پیدا کی تھی اس میں صاحبزادہ آفتاب احمد خاں کا نام سرِ فہرست ہے۔ وہ سرسید کی پالیسی کے بہت بڑے مقلد تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ مسلمان ایک طرف تو خدا کے آگے سر جھکائیں اور اپنے کو اس کا لاچار بندہ سمجھیں اور دوسری طرف خدا کی خلافت و نیابت سے سرفراز ہو کر عالم اور کل قوائے عالم پر اپنے علم کے زور سے حکمرانی کریں۔ وہ ۴ ہر مئی ۱۸۶۷ء کو پیدا ہوئے ۱۸۷۵ء میں علی گڑھ کالج میں داخل ہوئے ۱۸۹۱ء میں بیرسٹری کی تعلیم کے لئے ولایت گئے ۱۸۹۴ء میں علی گڑھ واپس آکر پریکٹس شروع کی، اور ساتھ ہی کالج اور ایجوکیشنل کانفرنس کی خدمت بھی کی۔ ۱۹۱۷ء میں انڈیا کونسل کے ممبر ہو کر انگلینڈ چلے گئے۔ مگر وہاں کی آب و ہوا موافق نہ آئی ۱۹۲۳ء میں اس عہدے سے استعفیٰ دے کر پھر مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہو گئے اور یونیورسٹی میں طبی شعبہ قائم کیا جنوری ۱۹۲۶ء میں ان پر فالج کا حملہ ہوا اور تین برس اسی امید و بیم میں خاموش زندگی بسر کی۔ آخر ۱۸ر جنوری ۱۹۳۰ء (شعبان ۱۳۴۸ھ) کو فالج کا دوسرا حملہ ہوا جس سے وہ جان بر نہ ہو سکے۔ مرحوم بے حد ملنسار، خوش خلق اور متواضع تھے۔ انہوں نے ایجوکیشنل کانفرنس کو بڑی ترقی دی۔ اس کے خزانے روپوں سے بھر دئے۔ اس کی علیحدہ عمارت بنوائی۔ اس میں کتب خانہ قائم کیا۔ وظائف کیلئے ریاستوں سے امدادی رقمیں مقرر کرائیں اور ملت کی تعمیر میں اپنے اخلاص کا ثبوت دیا۔

مولوی نور الحسن صاحب نیّر

مولوی نور الحسن صاحب نیّر بی اے ایل ایل بی حضرت محسن کاکوروی کے فرزند رشید، انگریزی کے عالم اور عربی کے فاضل تھے۔ وہ سخن ور، سخن سنج، سخن شناس اور سخن دان ہونے کے علاوہ ندوۃ العلماء کے ممتاز رکن تھے۔ کچھ عرصہ دار العلوم کے معتمد بھی رہے۔ ان کی زندگی کا سب سے اہم کارنامہ "نور اللغات" کی تالیف ہے جو اردو کی مستند لغاتوں میں شمار ہوتی ہے۔ ان کا انتقال اکتوبر ۱۹۳۶ء مطابق رجب ۱۳۵۵ھ میں ہوا۔

سید وحید الدین سلیم پانی پتی

سید وحید الدین نام، سلیم تخلص، پانی پت وطن، والد کا نام حاجی سید فرید الدین تھا جو درگاہ حضرت بو علی شاہ قلندر کے مجاور اور سید غوث علی شاہ کے مرید تھے ۱۸۶۷ء میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد میر علی حزیں سے فارسی پڑھی پھر ایک مقامی سکول سے مڈل پاس کیا اور اورینٹل کالج لاہور میں داخلہ لے کر عربی ادب اور تفسیر مولانا فیض الحسن سہارنپوری سے اور فقہ، حدیث، منطق اور فلسفہ مفتی عبد اللہ ٹونکی سے تحصیل کئے۔ یہاں سے نکل کر ایجرٹن کالج بہاولپور میں اردو کے معلم مقرر ہوئے۔ چھ سال کی ملازمت کے بعد مدرسہ عالیہ رامپور میں ہیڈ مولوی ہو کر چلے گئے۔ ۱۸۹۴ء میں سرسید نے انہیں اپنا لٹریری اسسٹنٹ مقرر کیا۔ علی گڑھ ہی سے ۱۸۹۹ء میں آپ نے ایک رسالہ معارف کے نام سے جاری کیا جو ۱۹۰۰ء میں بند ہو گیا۔ کچھ دنوں مولانا علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کے ایڈیٹر بھی رہے پھر لاہور آکر زمیندار میں کام کیا بعد میں عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد میں ادب اردو کے پروفیسر ہو کر چلے گئے جہاں آخر عمر تک رہے۔

۲۹ جولائی ۱۹۲۰ء کو سرطان کے عارضے میں بمقام ملیح آباد انتقال کیا۔

مولانا اردو زبان کے بے نظیر فاضل، زبردست ادیب، اعلیٰ درجہ کے شاعر بے مثل نقاد اور بہت بڑے ماہر لسانیات تھے۔ نئے الفاظ ایجاد کرنے کی ان میں خاص قابلیت تھی۔ وضع اصطلاحات ان کی نہایت بلند پایہ علمی کتاب ہے۔ افکار سلیم ان کے کلام کا مجموعہ اور افادات سلیم بعض مضامین کا مجموعہ چھپ چکا ہے۔ حضرت عمرو بن العاص کی مبسوط سوانح عمری بھی انہوں نے شائع کی تھی۔

نصیر حسین خیال

نواب سید نصیر حسین خیال صوبہ بہار کے ایک ممتاز و مقتدر خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ۱۸۷۸ء میں عظیم آباد پٹنہ کے محلہ حاجی گنج میں پیدا ہوئے۔ عربی، فارسی اور انگریزی کی تعلیم گھر میں حاصل کی۔ فرانسیسی بھی بقدر ضرورت سیکھی۔ شاد عظیم آبادی کی شاگردی اختیار کر کے شعر کہنے شروع کئے۔ مگر جلد طبیعت نثر نویسی کی طرف مائل ہو گئی۔ پہلے رسالہ حسن حیدر آباد میں ژرنگ کے فرضی نام سے لکھنا شروع کیا۔ پھر جب ۱۸۹۷ء میں علی سجاد نے عظیم آباد سے رسالہ ادیب جاری کیا تو اس میں مسلسل مضامین لکھے جو اتنے پسند کئے گئے کہ آپ کی زباندانی اور انشاپردازی کی دھوم مچ گئی۔ آپ نے داستان اردو کے نام سے ایک بسیط کتاب لکھی جس کے چند اجزا بعض رسائل میں شائع ہوئے اور اس کا ایک حصہ مغل اور اردو کے نام سے کتابی صورت میں چھپا۔ اس ساری کتاب کا خلاصہ آپ نے آل انڈیا اردو کانفرنس لکھنؤ کے خطبہ صدارت میں پیش کیا جو ۲۹ دسمبر ۱۹۱۶ء کو قیصر باغ کی بارہ دری میں منعقد ہوئی۔ یہ خطبہ بھی ادارہ اشاعت اردو حیدر آباد کے اہتمام سے شائع ہو گیا ہے۔ شاہنامہ فردوسی پر تنقیدی مضمون داستان عجم کے نام سے طبع ہوا ہے۔ آپ ایک خاص طرز تحریر کے مالک تھے۔ موضوع کی فطرت کے مطابق الفاظ استعمال کر کے مضمون میں حسن پیدا کر دیتے تھے۔ عبارت میں سادگی کے باوجود بانکپن ہوتا تھا۔ ۱۱ دسمبر ۱۹۳۴ء کو فوت ہو کر حضرت شاد کے پہلو میں دفن ہوئے۔

مولانا حمید الدین فراہی

اعظم گڑھ سے دو اسٹیشن پہلے پھریہا ایک گاؤں ہے۔ مولانا حمید الدین بن مولوی عبد الکریم یہیں ۱۲۸۰ھ (۱۸۶۲ء) میں پیدا ہوئے۔ اسی پھریہا کو عربی شکل دے کر مولانا اپنے نام کے ساتھ فراہی لکھا کرتے تھے۔ مولانا شبلی کے ماموں زاد بھائی تھے۔ انہیں کے قدم بقدم چل کر مولانا نا ترقی پر پہنچے۔ مولانا عبد الحئی فرنگی محلی، مولانا فیض الحسن سہارنپوری اور دیگر باکمال بزرگوں سے فارسی اور عربی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ انگریزی بھی پڑھی اور ۱۸۹۲ء میں الٰہ آباد یونیورسٹی سے بی اے کی سند حاصل کی۔ ۱۸۹۷ء میں وہ مدرسۃ الاسلام کراچی میں مدرس مقرر ہوئے اور ۱۹۰۶ء تک رہے۔ یہیں ۱۹۰۳ء میں ان کا فارسی دیوان شائع ہوا۔ اس کے بعد وہ عربی کے مددگار پروفیسر کی حیثیت سے علی گڑھ چلے گئے۔ کچھ عرصہ الٰہ آباد یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر رہے۔ اس عرصہ میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی برابر جاری رہا چنانچہ اقسام القرآن کے علاوہ سورۂ ابی لہب، سورۂ قیامت اور سورۂ تحریم کی تفسیریں شائع کیں۔ ۱۹۱۱ء کے اوائل میں مولانا الٰہ آباد سے حیدر آباد پہنچے اور جامعہ عثمانیہ کا خاکہ بنانے میں مصروف ہوئے۔ یہاں تک کہ اگست ۱۹۱۹ء میں باقاعدہ اس کے افتتاح کی نوبت آئی لیکن عین اس وقت جب جامعہ کا ہیولیٰ صورت قبول کر رہا تھا مولانا ناسازیٔ طبع کی بنا پر استعفا دے ایک ہزار روپیہ ماہوار کی جگہ چھوڑ کر وطن واپس چلے آئے اور سرائے میر کے مدرسۃ الاصلاح کی اعزازی خدمت کرتے ہوئے۔ ۱۱ نومبر ۱۹۳۰ء (۱۹ جمادی الثانی ۱۳۴۹ھ) کو اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ وہ اس عہد کے ابن تیمیہ تھے۔ پورے تیس برس قرآن پاک کو سمجھنے اور سمجھاتے رہے۔ ان کی تصانیف زیادہ تر عربی میں ہیں۔

میر جالب دہلوی

سید بشارت علی نام، جالب تخلص تھا۔ دہلی کے سادات نقوی سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۸۶۸ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے۔ دو سوا دو سو برس کی عمر تھی کہ صاحب عالم میرزا مغل خلف میرزا احمد بخش ابن میرزا نجستہ بخش ابن اکبر شاہ ثانی ان

کے باپ کی خستہ حالی دیکھ کر ان کو اپنے گھر لے گئے جہاں انہوں نے شاہزادوں کی طرح تعلیم و تربیت حاصل کی۔ اس کا اثر زبان و اخلاق پر بھی پڑا
اور قدامت پرستی کا نہایت گہرا نقش آپ کے دل پر بیٹھ گیا جو مرتے دم تک قائم رہا۔ مولانا حالی، مولوی اشرف علی خاندانی معلم شاہی۔ مولانا
محمد اسحاق مدرس فلسفہ و الہیات دارالعلوم اور مولانا نذیر حسین محدث دہلوی سے عربی فارسی پڑھنے کے بعد سینٹ سٹیفنس مشن کالج دہلی
سے ایف اے کا امتحان پاس کیا۔ بارہ تیرہ سال کی عمر میں شعر موزوں کر کے پہلے مجروح کو دکھائے پھر ان کے مشورہ سے داغ کی شاگردی
اختیار کی۔ میر نثار علی شہرت نے مضمون نگاری کا شوق دلایا جس پر مسیح الملک حکیم اجمل خاں نے اپنا اکمل الاخبار آپ کے سپرد کر دیا۔
کچھ عرصہ اودھ اخبار لکھنؤ، دکن گزٹ بمبئی، اخبار وکیل امرتسر، اور پیسہ اخبار لاہور میں کام کیا۔ ہمدرد کے اجراء پر دہلی تشریف لے گئے وہاں
سے تعلقہ داران اودھ کے روزانہ اخبار ہمدم لکھنؤ میں چلے گئے بعد میں اپنا اخبار ہمت جاری کر لیا۔ لکھنؤ ہی میں ساٹھ ستر برس کی عمر پا کر
۵ر جولائی ۱۹۳۰ء کو فوت ہو گئے۔ نہایت پختہ مغز اخبار نویس تھے۔ تقریر و تحریر پر یکساں قدرت حاصل تھی۔ معلومات کے لحاظ سے چلتی پھرتی
انسائیکلوپیڈیا تھے۔

محمد ہادی رسوا

مرزا محمد ہادی نام، رسوا تخلص تھا۔ ان کے والد آغا محمد تقی تھے جن کے بزرگ مازندران سے دلی آئے اور وہاں سے
لکھنؤ جا کر آباد ہو گئے۔ مرزا محمد ہادی ۱۸۵۸ء میں پیدا ہوئے بچپن ہی سے ذہین اور ہونہار تھے۔ اپنے شوق سے عربی، فارسی،
عبرانی، یونانی، انگریزی اور ہندی میں اچھی خاصی استعداد پیدا کی۔ کیمیا اور فلسفہ کا بھی نہایت گہرا مطالعہ کیا۔ رڑکی سے انجینئری کا امتحان پاس کر کے پہلے
صوبہ سرحد میں ریلوے کے اوورسیر ہوئے پھر مدرس ہو گئے۔ "اشراق" نامی پرچہ نکال کر اس میں ارسطو اور افلاطون کی تصنیفات کے ترجمے چھاپے۔ بعد میں الحکیم
نام کا رسالہ مذہبی مباحث پر فلسفیانہ نظر ڈالنے کے لئے بھی نکالتے رہے۔ ریڈ کرسچن کالج کھلا تو اس میں عربی فارسی کے پروفیسر ہو گئے اپنے چند فلسفیانہ
مضامین کے ترجمے امریکہ بھیج کر پی ایچ ڈی اور ڈی ایس سی کی ڈگریاں حاصل کیں حیدرآباد میں دارالترجمہ قائم ہوا تو عثمانیہ یونیورسٹی میں ملازم ہو کر کئی کتابوں
کا ترجمہ کیا ۱۹۳۱ء میں انتقال ہوا۔ انہوں نے متعدد ناول لکھ کر اردو کا دامن بھر دیا۔ ان کی
مرزا رسوا بے نظیر قابلیتوں کے مالک مایۂ ناز ادیب، بلند پایہ شاعر اور بڑے کامیاب ناول نویس تھے۔
شیریں بیانی اور عبارت آرائی کا انداز کچھ ایسا ہے کہ تحریر میں گفتگو کا مزا آتا ہے وہ حیات انسانی کی صحیح عکاسی کرتے ہیں۔ ان کے ناول اپنے زمانہ کا مرقع ہیں۔ امراؤ جان ادا
افشائے راز، غریب خانہ، ذات شریف، اختری بیگم اور شریف زادہ، بہرام کی رہائی، خونی عاشق، شیطان کا عاشق، خونی بھید، خونی شہزادہ، لیلیٰ مجنوں، خونی جورو وغیرہ ناولوں
نے انہیں شہرت دوام بخشی ہے۔ وہ فن شعر میں مرزا اوج کے شاگرد تھے جوانی میں غالب کا رنگ پسند تھا بعد میں مومن کے رنگ میں نہایت صاف سادہ اور لطیف شعر
کہتے تھے۔ کلیات اردو، مثنوی امید و بیم، نظم میں یادگار ہیں۔

میر ناصر علی

میر ناصر علی ۱۸۴۵ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے۔ آپ کے اجداد اپنے وقت کے بڑے فاضل سمجھے جاتے اور مناظرہ کرنے میں مشہور
تھے میر صاحب نے ایسے مذہبی ماحول میں آنکھ کھولی تھی وہ علم دین سے واقف اور انگریزی تعلیم سے بہرہ ور تھے۔ انہوں نے
نمک کے محکمہ میں ۲۵ سال ملازمت کی اور کوئی پینتالیس سال پنشن کھائی۔ دہلی میں اپنی حویلی نمک والوں کے پھاٹک میں رہتے تھے اعلیٰ کارکردگی کی وجہ سے خان بہادر
کا خطاب بھی ملا تھا۔ فلسفیانہ انشا پرداز تھے اپنی ساٹھ سال کی طویل ادبی زندگی میں بہت کچھ لکھا بڑے معرکے سر کئے۔ سرسید احمد خاں کے تہذیب الاخلاق کے جواب
میں تیرھویں صدی ۱۸۷۳ء اور پھر صلائے عام نکالا اور سرسید کی آزاد خیالی کے لتے لے ڈالے مگر آخر میں خود پرچے مشہور ہو گئے۔ کوئی تیس سال ان کا رسالہ "صلائے عام"
جاری رہا۔ ایک زمانے میں اس کا طوطی بولتا تھا۔ بیشتر مضامین ان کے اپنے ہوتے تھے۔ نظر نکتہ رس تھی۔ بال کی کھال نکالتے تھے۔ اپنی پنشن سے دو سو روپے اس کے
اخراجات کے الگ کر دیتے اور تھوڑی سی کاپیاں چھاپ کر قدر دانوں میں تقسیم کر دیتے تھے کوئی خریدار بننا چاہتا تو چندہ واپس کر دیتے کہ یہ پرچہ آپ کی سمجھ میں نہ آئے گا۔

ان کا ذاتی کتب خانہ بہت بڑا تھا مگر لوگ کتابیں چرا کر لے جاتے تھے۔ بڑے نفیس مزاج اور نفیس خیال بزرگ تھے۔ انہیں نئی نسل کے لوگوں کی کوئی بات پسند نہ تھی جدید گفتگو۔ چھیاسی برس کی عمر پا کر ۱۲ جون ۱۹۳۳ء کو رحلت فرمائی۔ "گیا گوشۂ سخن خالی" سن وفات ہے۔ میر صاحب نے کوئی مستقل تصنیف اپنی یادگار نہیں چھوڑی۔ ان کے مضامین اردو ادب میں کلاسیکی درجہ رکھتے ہیں۔

"مولانا سید سلیمان ندوی"

سلیمان ندوی نومبر ۱۸۸۴ء میں ضلع پٹنہ (بہار) کے ایک گاؤں دیسنہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی پھر ۱۹۰۱ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے۔ ندوۃ العلما میں اُن کے علمی اور ادبی ذوق کی نشو و نما اچھی طرح ہوتی رہی۔ یہیں انہوں نے مولانا فاروق چریاکوٹی اور شبلی سے تربیت حاصل کی۔ ۱۹۰۶ء میں ندوہ کی تعلیم سے فارغ ہوئے تو شبلی نے ان کو الندوہ کا سب ایڈیٹر مقرر کر دیا۔ اس میں انہوں نے مختلف قسم کے مضامین لکھے جولائی ۱۹۱۲ء میں ابو الکلام آزاد نے کلکتہ سے اپنا مشہور ہفتہ وار اخبار "الہلال" نکالنا شروع کیا تو سید صاحب اس کے اسٹاف میں داخل ہو گئے۔ اپنے استاد شبلی کی وفات کے بعد ان کی معرکۃ الآرا تصنیف سیرت النبی کی تکمیل بھی کی۔ ۱۹۲۰ء میں مولانا محمد علی کی سرکردگی میں جو وفد خلافت یورپ بھیجا گیا ان کے ایک ممبر سید صاحب بھی تھے ـــــ ۱۹۲۳ء میں ان کی مشہور تصنیف "خیام" شائع ہوئی۔ ۱۹۳۹ء میں ان کی کتاب نقوش سلیمانی شائع ہوئی جو ان کی تقریروں اور تحریروں کا مجموعہ ہے۔ نومبر ۱۹۵۳ء میں کراچی میں وفات پائی۔

"خواجہ حسن نظامی"

خواجہ صاحب ۲ محرم ۱۲۹۶ھ کو پیدا ہوئے۔ بارہ سال کی عمر میں والد کا انتقال ہو گیا جس کی وجہ سے ایک مدت مالی پریشانیوں میں بسر ہوئی ـــــ ۱۹۱۱ء میں انہوں نے مصر، شام و حجاز کا سفر کیا۔ اور ایک سفرنامہ شائع کیا۔ انہوں نے اپنے ۱۹۱۷ء تک کے مضامین کا مجموعہ بھی شائع کروایا جو کافی مقبول ہوا۔ غدر دہلی کے افسانے اور غدر کے متعلق کوئی گیارہ بارہ کتابیں لکھیں ـــــ خواجہ صاحب بڑے وسعت نواز اور صلح جُو انسان تھے۔ ان کا حافظہ بے مثل تھا۔ ویسے ان کے مزاج میں اعتدال اور استقلال کی کمی تھی۔ اپنی رائے بڑی جلدی بدل دیتے تھے ـــــ خواجہ صاحب اپنے اندازِ بیان اور مخصوص سٹائل کی وجہ سے مصورِ فطرت کہلاتے ہیں۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ۳۱ جولائی ۱۹۵۵ء کو انتقال ہوا۔

پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دہلوی

پنڈت برجموہن دتاتریہ نام، کیفی تخلص تھا۔ ۱۳ دسمبر ۱۸۶۶ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد پنڈت کنہیا لال ریاست نابھہ میں پولیس افسر تھے۔ ان کا انتقال کیفی کی صغر سنی میں ہو گیا۔ اپنے شوق اور محنت سے علم حاصل کیا۔ عربی، فارسی، انگریزی، سنسکرت اور ہندی بہت اچھی طرح جانتے تھے۔ آپ کا شمار اعلیٰ پایہ کے ادیبوں شاعروں اور نقادوں میں ہوتا ہے۔ فن شعر میں مولانا حالی کے شاگرد تھے۔ ملازمت کے سلسلے میں زیادہ عرصہ کشمیر میں گزرا۔ نوجوان شاعروں اور ادیبوں کو آپ کی صحبت سے بڑا فائدہ پہنچا۔ بہت سی کتابیں لکھیں جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں۔ بھارت درپن، خمخانۂ کیفی، پریم ترنگنی، شوکتِ ہند، توزک قیصری، منشورات، کیفیہ، آئینہ ہند، جگ بیتی، خمسہ کیفی، مرأتِ خیال، ناگزیر، قیل و قال، عورت اور اس کی تعلیم، چراغ ہدایت، پریم دیوی، نہتا راجہ، راج دلاری، ہرای دادا وغیرہ آپ کا دیوان بھی واردات کے نام سے چھپ چکا ہے۔ یکم نومبر ۱۹۵۵ء کو دہلی کے قریب قصبہ غازی آباد میں وفات پائی۔

بے نظیر شاہ وارثی

ان کا نام سید محمد بے نظیر شاہ ہے اور نام ہی کا پہلا حصہ یعنی "بے نظیر" بطور تخلص استعمال کرتے ہیں۔ کڑا مانک پور ضلع الہ آباد وطن ہے۔ لیکن عرصہ دراز سے وطن کی سکونت ترک کر کے حیدر آباد چلے گئے۔

یہ ہوا کہ پرنسپل مارسین کی سفارش سے ۱۹۰۴ء میں ترکی سفارت خانۂ عراق میں ترجمان کی حیثیت سے لے لئے گئے۔ جدید ترکی اور فرانسیسی ادب کے بے حد اثرات تھے۔ انہوں نے وہ اثرات قبول کر کے یلدرم کے نام سے مخزن لاہور میں مضامین لکھنے شروع کئے جن کا مجموعہ ۱۹۰۸ء میں خیالستان کے نام سے چھپا۔ اسی سال وہ بغداد سے ہندوستان آکر ڈیڑھ دو ن میں سابق شاہ افغانستان امیر یعقوب خاں کے اسسٹنٹ پولیٹیکل افسر مقرر ہوئے۔ ترکی کے انقلاب اول کے بعد ۱۹۱۱ء میں ترکی گئے۔ واپس آکر اپنے عہدے کا چارج لیا۔ ۱۹۱۲ء میں نواب محمود آباد کے پرائیویٹ سیکرٹری ۱۹۱۴ء میں ڈپٹی کلکٹر سلطان پور (اودھ) اور ۱۹۲۰ء میں مسلم یونیورسٹی کے قیام پر پہلے رجسٹرار اور ۱۹۲۸ء میں صدر مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۹ء میں بروحتی کے ڈپٹی کلکٹر ایک سال بعد جزائر انڈیمان کے ریونیو کمشنر وہاں سے واپسی پر غازی پور میں ڈپٹی کلکٹر ۱۹۳۳ء میں فریضۂ حج ادا کیا اور ۱۹۳۵ء میں پنشن پا کر ڈیڑھ دو ن میں سکونت اختیار کی ۱۹۳۶ء میں بچوں کی تعلیم کی خاطر لکھنؤ آرہے ۱۹۴۲ء میں کابل کی سیاحت کی اور ۱۲ اپریل کی رات کو لکھنؤ میں عالم آخرت کا سفر اختیار کیا۔ وہ اردو میں ادب لطیف کے بانی تھے۔ کئی ترکی ناولوں کے ترجمے بھی کئے۔ جن میں خوارزم شاہ بہت مشہور رہے۔ ہماری ادبی تاریخ میں ان کا ایک خاص مقام ہے۔

عظمت اللہ خاں

عظمت اللہ خاں ۱۸۸۷ء میں اپنے آبائی وطن دہلی میں پیدا ہوئے لیکن ابھی پانچ برس کے تھے کہ اپنے والد نعمت اللہ کے ہمراہ حیدرآباد دکن چلے گئے۔ ابتدائی تعلیم حیدرآباد میں اور اعلیٰ تعلیم علی گڑھ میں حاصل کر کے حیدرآباد کے محکمہ تعلیمات میں ملازم ہو گئے۔ دوران ملازمت میں ان کی شاعری اور انشاپردازی کی خوب شہرت ہوئی۔ وہ مدرسہ کی معلمی سے ترقی کر کے مددگار ناظم کے عہدۂ جلیلہ تک پہنچے تھے کہ عین جوانی میں ۱۹۲۷ء میں ہم سے رخصت ہو گئے۔

عظمت اللہ خاں فطرتاً آزاد فکر، ظریف الطبع اور خوش باش تھے۔ انہوں نے مولانا حالی کے بعد رسمی غزل کے خلاف سختی سے آواز بلند کی اور سماج کے بعض مذموم پہلوؤں پر بڑی بے باکی سے قلم اٹھایا ان کی شاعری ہندی شاعری کے لطیف احساسات اور دلکش اسلوب کا بڑا اچھا مجموعہ ہے۔ یہ انہیں کے شہ پاروں کا اثر ہے کہ اردو میں غنائی شاعری کو فروغ ہوا اور غزلوں اور نظموں کے ساتھ ساتھ گیتوں کی قابل قبول تخلیق ہوئی۔ ان کے کلام کا مجموعہ "سریلے بول" کے نام سے چھپ چکا ہے۔

ڈاکٹر سر راس مسعود

نواب مسعود جنگ بہادر سید راس مسعود سرسید کے پوتے اور جسٹس سید محمود کے بیٹے ہونے کی وجہ سے ایک بڑے خاندان کی یادگار تھے۔ ۱۸۸۹ء میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ سے بی اے کرنے کے بعد ولایت گئے اور تعلیم سے فارغ ہو کر وہ پہلے پٹنہ میں ہیڈ ماسٹر ہوئے۔ وہاں سے کٹک پروفیسر ہو کر گئے۔ پھر حیدرآباد میں ناظم تعلیمات اور اس کے بعد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر اور آخر میں ریاست بھوپال کے وزیر تعلیم مقرر ہوئے ۴۸ برس کی عمر پائی۔ ۳۰ جولائی ۱۹۳۷ء کی دوپہر کو بعارضہ تپ میعادی انتقال کیا۔ بڑے وجیہ و شکیل، کشیدہ قامت، سرخ و سفید، ہنس مکھ، شیریں زبان، خوش گفتار اور ملنسار تھے۔ ہر شخص سے جھک کر ملتے تھے جس مجلس میں ہوتے سب پر چھا جاتے۔ "جاپان کا تعلیمی نظم و نسق"، اور "انتخابات زریں" (اردو اشعار کا انتخاب) وغیرہ بعض رسالے اور مضامین ان کی علمی و ادبی یادگار ہیں۔ مشہور مستشرق موسیو گارساں دتاسی کے وہ لکچر جو اردو زبان کی تاریخ پر پیرس میں دئے گئے تھے، فرانسیسی زبان سے آپ ہی نے اردو کے سانچے میں ڈھالے۔ سرسید کے خطوط بھی آپ نے بڑی تلاش و جستجو سے فراہم کر کے دو جلدوں میں ترتیب دئے۔

اور ۲۴ دسمبر ۱۹۴۹ء کو اس جہان فانی سے رحلت کی۔ تابوت ہوائی جہاز کے ذریعے علی گڑھ پہنچا اور ۴ فروری ۱۹۵۰ء کو سرسید کے پہلو میں مغربی جانب دفن کیا گیا۔

سر رضا علی

سر سید رضا علی مراد آباد کے سادات رضوی سے تھے۔ ۲۹ مئی ۱۸۸۰ء کو قصبہ کندرکی میں پیدا ہوئے۔ شروع ہی سے منچلے اور ہونہار تھے۔ علی گڑھ سے بی اے ایل ایل بی کرکے وکالت میں نام پیدا کیا۔ محسن الملک کے پرائیوٹ سیکرٹری بنے۔ سیاست میں شہرت حاصل کی۔ قومی کاموں میں سرگرم حصہ لیا۔ سرکاری جاہ و منصب کے اونچے مرتبے طے کرتے ہوئے کے ٹی سی بی ای کے خطابات پائے مرکزی اسمبلی کے ممبر، پبلک سروس کمیشن کے رکن، مسلم لیگ کے صدر، ہائی کمشنر اور پتہ نہیں کیا کیا ہوئے۔ یورپ روس اور افریقہ کی سیاحت کی۔ قانون اور سیاست کی خشکیوں کے باوجود ایک خوش ذوق سخن فہم اور اچھے خاصے اہل قلم بھی تھے۔ اعمال نامہ کے نام سے آپ بیتی لکھی اور اس میں محسن الملک، وقار الملک، جسٹس محمود، بک اور ماریسن، سر علی امام، مظہر الحق، راجہ صاحب محمود آباد، نواب صاحب ڈھاکہ، صاحبزادہ آفتاب احمد خاں، ڈاکٹر سر ضیاء الدین، مولانا شبلی، اکبر الہ آبادی، مولانا محمد علی، شوکت علی سے لے کر کلکتہ کی مشہور مغنیہ گوہر جان تک خدا معلوم کتنوں کی قلمی تصویریں اس مرقع میں کھینچ دیں اور کتاب کو اسلامی ہند کی چالیس پچاس برس کی ایک سرسری تاریخ بنا دیا۔ ایسی تاریخ جس میں قدم قدم پر شعر و ادب مداخلت کرتے نظر آتے ہیں۔

مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی

یہ اردو کے ممتاز ادیب اور بلند پایہ مورخ تھے۔ ۱۸۷۵ء میں صوبہ یوپی کے مردم خیز خطہ نجیب آباد ضلع بجنور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولوی محمد نادر شاہ خاں بھی بڑے فاضل بزرگ تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر ہی میں اپنے والد سے حاصل کی۔ پھر ایک معمولی مدرس کی حیثیت سے زندگی شروع کی۔ پہلے نجیب آباد کے ایک مڈل سکول میں ٹیچر رہے۔ پھر وہیں گورنمنٹ ہائی سکول میں فارسی مدرس مقرر ہوئے مگر وہاں دل نہ لگا۔ ملازمت چھوڑ کر پنجاب آئے جہاں عرصہ دراز تک مختلف صیغوں میں کام کرتے رہے۔ یہیں انہوں نے اپنی پہلی کتاب مرقاۃ الیقین شائع کی۔ کچھ دنوں دیال سنگھ کالج اور لوکل کیمبرج کالج میں پروفیسر رہے۔ ایک ہفت روزے کی ادارت بھی کی اور چند ایام روزنامہ زمیندار کے ایڈیٹر بھی رہے پھر دل برداشتہ ہوکر واپس اپنے وطن نجیب آباد چلے گئے جہاں سے ماہوار رسالہ عبرت جاری کیا۔ اس رسالہ میں اکثر تاریخی مضامین شائع ہوتے تھے۔ اس کے بند ہونے کے بعد بھی مولانا تاریخی کتابیں لکھتے رہے یہاں تک کہ ۱۰ مئی ۱۹۳۸ء کو پیغام اجل آ پہنچا۔ تاریخ اسلام، آئینہ حقیقت نما یا مقدمہ تاریخ ہند، اسلامی سپاہیانہ زندگی، مذہب اور تلوار، معیار العلماء، نظام سلطنت وغیرہ بڑی بلند پایہ کتابیں ہیں۔

مولانا معین الدین اجمیری

آپ ایک نومسلم گھرانے میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد مولانا عبدالرحمان بلیا کے رہنے والے نومسلم راجپوت تھے۔ والدہ بھی داخل اسلام ہوئی تھیں اور دانا پور (بہار) ان کا گھر تھا۔ مولانا عبدالرحمان ریاست ٹونک میں سیکرٹری کونسل تھے۔ مولانا معین الدین ۲۵ صفر ۱۲۹۹ھ کو دیولی (راجپوتانہ) میں پیدا ہوئے۔ قسمت کی خوبی نے مولانا سید برکات احمد بہاری ثم ٹونکی سے تلمذ کا رشتہ قائم کردیا۔ ان سے جملہ علوم معقول و منقول کی تکمیل کے بعد علم ریاضی مولانا لطیف اللہ سے حاصل کیا۔ بائیس سال کی عمر میں خود درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ ڈھائی سال مدرسہ نعمانیہ لاہور میں صدر مدرس رہنے کے بعد ۱۳۲۶ھ میں اجمیر کو شرف سکونت بخشا اور مدرسہ معین الحق قائم کیا۔ پندرہ سال یہاں درس دیا۔ ۱۳۴۲ھ

میں کارپردازان مدرسہ سے اختلاف کی بنا پر استعفیٰ دے کر محرم [illegible]ھ میں دارالسلام حنفیہ صوفیہ کے نام سے دوسرا مدرسہ قائم کر کے بارہ سال
تک اس مدرسہ کے طلبہ کو اپنے فیوض علمی و عملی سے سرفراز فرمایا۔ مولانا کی تصانیف میں ترمذی شریف کا ایک ناتمام حاشیہ، وجود علم و معلوم،
کلی طبعی اور مسئلہ دہر پر مکمل اور جامع تقریریں، حضرت خواجہ غریب نواز کی محققانہ سوانح عمری وغیرہ موجود ہیں۔ سیاسی تحریکوں میں قید و بند کی سختیاں
بھی برداشت کیں۔ تحریک کشمیر کے زمانہ میں مجلس احرار کے ڈکٹیٹر رہے۔ آخر ۴۳ سال اجمیر میں رہنے کے بعد ساٹھ سال کی عمر میں ۱۰ محرم
۱۳۵۹ھ مارچ ۱۹۴۰ء کو عین عاشورہ کے دن اس شہید علم و عمل نے دنیا سے کوچ کیا اور اجمیر والوں نے دوہرے محرم کا سوگ منایا۔

نواب ذوالقدر جنگ بہادر

نواب ذوالقدر جنگ بہادر ایم اے بیرسٹر ایٹ لاء ہوم سیکرٹری حیدرآباد
نواب آغا مرزا بیگ المخاطب بہ نواب سردار الملک بہادر کے صاحبزادے تھے جو
اعلیٰ حضرت میر ایوب علی خاں کے اتالیق اور پھر ایک مدت تک اعلیٰ حضرت کی پیشی کے چیف سیکرٹری رہے۔ نواب ذوالقدر جنگ بہادر
سنہ ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سینٹ جارج گرامر سکول اور سکاٹش ہائی سکول میں حاصل کرنے کے بعد تکمیل تعلیم کے لئے حکومت نظام
کی طرف سے ۱۸۹۷ء میں ولایت بھیجے گئے جہاں آپ نے مڈل ٹمپل لندن و کرائسٹ کالج میں داخل ہو کر ۱۸۹۹ء میں بیرسٹری پاس کی۔
اور ۱۹۰۱ء میں حیدرآباد واپس آ کر پہلے تھرڈ پریذیڈنسی مجسٹریٹ اس کے بعد چیف پریذیڈنسی مجسٹریٹ اور ۱۹۱۰ء میں پیشین جج ہائیکورٹ
مقرر ہوئے۔ کچھ عرصہ ہوم سیکرٹری کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ پھر دوسری معتمدیوں کا تجربہ حاصل کیا اور آخر میں پھر ہوم سیکرٹری
ہو گئے۔ آپ کو علم سے خاص دلچسپی تھی۔ ۱۹۲۶ء میں حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس کے آٹھویں سالانہ اجلاس کی صدارت کی اور تاریخ
اندلس پر ایک دلچسپ کتاب لکھی۔

ظفر عمر

"نیلی چھتری اور بہرام کی گرفتاری" کے مصنف ظفر عمر علی گڑھ کے پرانے گریجویٹ تھے۔ وطن بنوٹ ضلع بلند شہر تھا۔ ان کے نام
کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اصل نام ظفر علی تھا۔ ان کے باپ کو کسی شیعہ بزرگ نے طعنہ دیا کہ آپ سنی ہو کر "علی" کا پیچھا نہیں
چھوڑتے۔ اس پر اس کا نام ظفر عمر رکھ دیا گیا۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد پولیس کے محکمہ میں ملازم ہوئے اور کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ ان کے
جاسوسی ناول اسی زمانے کے تجربات و مشاہدات پر مبنی ہیں۔ ان ناولوں نے اتنی مقبولیت حاصل کی اور ان سے اتنی آمدنی ہوئی کہ ایک
ایک ناول کے نام پر ایک ایک کوٹھی بنوائی۔ نیلی چھتری، چوروں کا کلب اور لال کھنڈر تینوں کوٹھیاں شمشاد منزل، سے قلعہ کی طرف جانے
والی سڑک پر ہیں۔ نیلی چھتری میں وہ خود رہتے تھے۔ بڑے دبدبہ آدمی تھے لیکن ایک بار گولی کا نشانہ بنے اور ٹانگ کاٹ دینی پڑی
ان کی صاحبزادی اختر حسین رائے پوری سے بیاہی ہوئی ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستان آ گئے تھے۔ یہیں انتقال ہوا۔

سید طفیل احمد منگلوری

سید طفیل احمد منگلوری علی گڑھ کالج کے ابتدائی برگ و بار ہیں۔ یہ کالج ۱۸۷۵ء میں قائم ہوا۔ اس کے چار سال
بعد یہ ابتدائی کلاس میں داخل ہوئے اور صاحبزادہ آفتاب احمد خاں کے ساتھ مل کر قومی کاموں میں حصہ
لینے لگے۔ تعلیم سے فارغ ہو کر انہوں نے اپنی عمر کا طویل عرصہ علی گڑھ کالج کے قدیم طلبہ کو متحد کرنے اور ان کی ڈائرکٹری مرتب کرنے میں
صرف کیا۔ وہ علی گڑھ کالج کے ٹرسٹی، مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ممبر، اس کی انتظامیہ مجلس کے رکن اور بارہ سال تک ایجوکیشنل کانفرنس کے
آنریری جائنٹ سیکرٹری رہے۔ انہوں نے مختلف مقامات پر اسلامیہ اسکول قائم کرانے کے علاوہ علی گڑھ میں غریب طلباء کے لئے
مسلم یونیورسٹی سٹی ہائی سکول قائم کیا جو مسلم یونیورسٹی کے ماتحت اب تک چل رہا ہے۔ اپنی تصانیف اور رسالہ سود مند کے ذریعے

مسلمانوں کو کفایت شعاری اور تجارت کی طرف متوجہ کیا۔ چار سال تک صوبہ متحدہ کی کونسل کے ممبر رہ کر سیاست کا عملی تجربہ حاصل کیا اور ایک کتاب حکومت خود اختیاری لکھی۔ متعدد مفید رسائل کے علاوہ جو نظامی پریس بدایوں نے شائع کئے ہیں "مسلمانوں کا روشن مستقبل" کتاب تصنیف کر کے اردو زبان کی تاریخ اور سیاست میں ایک نہایت بیش بہا اور قیمتی اضافہ کیا۔

منشی پریم چند

اصلی نام دھنپت رائے تھا، پریم چند کے لقب سے مشہور تھے۔ ۱۸۸۰ء میں بنارس کے قریب موضع پانڈے پور میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کی منزلیں طے کر رہے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ محکمۂ تعلیم میں ملازمت اختیار کر کے درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۰۱ء میں ہوا جب آپ نے رسالہ زمانہ کانپور میں مضامین لکھنے شروع کئے۔ آپ کا علم ہندی اور اردو دونوں دریاؤں کا سنگم تھا۔ پریما، سیوا سدن، پریم آشرم، رنگ بھوم اور کایا کلپ آپ کے ہندی ناول ہیں جن میں سے سیوا سدن کا اردو ترجمہ بازار حسن کے نام سے دو جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔ رنگ بھوم کے ترجمہ کا پہلا حصہ چوگان ہستی کے نام سے شائع ہوا ہے۔ جلوۂ ایثار، پردۂ مجاز، میدان عمل، فردوس خیال اور گوشۂ عافیت وغیرہ آپ کے چند اردو ناول ہیں۔ پریم پچیسی، پریم بتیسی، پریم چالیسی، زاد راہ اور خاک پروانہ آپ کے مختصر افسانوں کے مجموعے ہیں جن میں دیہاتی بھائیوں کی کہانی اپنے شہری بھائیوں کو سنائی گئی ہے۔ پریم چند کی زبان کچھ ایسی زیادہ فصیح و بلیغ نہ تھی۔ عبارت تکلف و تصنع سے پاک اور حد درجہ سادہ ہوتی تھی۔ ان کی کہانیوں کا اثر ان کی زبان میں نہیں بلکہ ان کے اسلوب بیان میں ہے۔ انہوں نے دیہاتی تمدن، ہندوستانی وضع و آداب اور ہندی اخلاق آن بان کی جو تصویریں کھینچی ہیں وہ ہمارے ادبی مرقع کی زندہ جاوید یادگاریں ہیں۔ انہوں نے اکتوبر ۱۹۳۶ء میں اپنے دوستوں کو آخری اسلام کہا اور اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

اصغر گونڈوی

اصغر حسین نام، اصغر تخلص اور وطن گورکھپور تھا۔ مگر گونڈہ میں مستقل قیام کے باعث گونڈوی کہلاتے تھے۔ یکم مارچ ۱۸۸۴ء کو پیدا ہوئے۔ باقاعدہ تعلیم کسی مدرسہ میں حاصل نہیں کی۔ اپنے شوق مطالعہ سے عربی، فارسی اور انگریزی میں خاص قابلیت پیدا کی۔ فن شعر میں منشی خلیل احمد وجد بلگرامی اور منشی امیر اللہ تسلیم سے مشورہ کیا اور نظم و نثر دونوں پر یکساں قدرت حاصل کی۔ ان کے کلام میں متانت اور سنجیدگی اور انداز بیان میں شگفتگی اور رنگینی پائی جاتی ہے۔ نظموں میں فارسی الفاظ اور محاورات کی کثرت ہے مگر روانی برابر موجود ہے۔ کچھ دنوں لاہور کے ادارہ اردو مرکز میں رہ کر ادبی خدمت کی۔ پھر انڈین پریس الہ آباد چلے گئے۔ آخری زمانہ میں ہندوستانی اکیڈیمی کے رسالہ ہندوستان کے ایڈیٹر رہے۔ ۳۰ نومبر ۱۹۳۶ء کو انتقال ہوا۔ نہایت متقی، پرہیزگار اور درویش صفت انسان تھے۔ تصوف سے خاص لگاؤ تھا۔ نشاط روح اور سرود زندگی ان کے کلام کے مجموعے ہیں۔

حسرت موہانی

حسرت ۱۸۷۵ء میں قصبہ موہان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں ہی میں حاصل کی۔ اس دیہاتی زندگی کی سادگی اور معصومیت کے نقوش ان کی زندگی پر گہرے ثبت ہیں۔ انہیں بچپن ہی سے شعر و سخن کا شوق تھا۔ بڑے ذہین اور طباع تھے۔ علی گڑھ سے بی اے پاس کیا۔ پانچ بار حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ علی گڑھ کے زمانہ تعلیم سے ہی ان کا رجحان سیاست کی جانب تھا۔ وہ قومی تحریکوں میں خاص دلچسپی لیتے تھے اور اکثر حکومت کے جبر و استبداد کے خلاف سرگرم سخن رہتے۔ اسی وجہ سے انہیں جیل کی سخت سزا بھگتنی پڑی۔ ۱۹۰۸ء میں انہوں نے "اردوئے معلی" میں ایک مضمون "مصر میں انگریزوں کی پالیسی" شائع کیا جس کی وجہ سے ڈیڑھ سال کی سزا پائی۔ ۱۹۱۶ء میں پھر قانون تحفظ ہند کے تحت ان کو نظر بند کر دیا گیا۔

لیکن چکی کی مشقت کے ساتھ انہوں نے مشقِ سخن بھی جاری رکھی۔ وہ غزل میں نئے رنگ اور نئی طرز کے موجد ہیں ۔۔۔ مئی ۱۹۵۱ء میں ۷۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔

خان بہادر سید رضا علی وحشت

سید رضا علی نام، وحشت تخلص تھا۔ ان کے جدِ امجد حکیم غالب علی نے اپنے آبائی وطن دہلی سے نکل کر ہوگلی (کلکتہ) میں سکونت اختیار کی۔ آپ کے پدرِ بزرگوار حکیم مولوی شمشاد علی شعر و سخن کا ذوق رکھتے تھے۔ وحشت ۱۸ نومبر ۱۸۸۱ء کو بمقام کلکتہ پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۸ء میں مدرسہ عالیہ کلکتہ سے انٹرنس پاس کیا لیکن مطالعہ کتب سے امتیازی استعداد حاصل کر لی۔ انگریزی لٹریچر سے بھی خاصی دلچسپی رہی۔ اس زبان میں ان کی درسی کتابیں انگریزوں کو اردو سکھانے میں بڑی مددگار ثابت ہوئیں۔ کچھ عرصہ پرشین آفس امپیریل ڈیپارٹمنٹ میں چیف مولوی کے عہدے پر فائز رہے۔ ۱۹۲۷ء میں جب اسلامیہ کالج کلکتہ قائم ہوا تو اردو فارسی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ ۱۹۳۲ء میں پنشن لی۔ ۱۹۴۷ء کی تقسیم ملک کے بعد ڈھاکہ (مشرقی پاکستان) چلے آئے۔ وہیں فوت ہوئے۔

۱۸۹۶ء یعنی پندرہ برس کی عمر میں شعر کہنے شروع کئے۔ ابوالقاسم محمد مظہر الحق شمس کی شاگردی اختیار کی۔ ۱۹۱۰ء میں پہلا دیوان شائع ہوا جس کے آخر میں فارسی کلام بھی ہے۔ ۱۹۵۲ء میں وحشت کا دوسرا دیوان ترانۂ وحشت لاہور سے شائع ہوا۔ ان کے شاگرد پاک و ہند کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ہیں۔

محفوظ الحق

خان بہادر پروفیسر محمد محفوظ الحق ۷ جنوری ۱۹۰۱ء کو بمقام سعد اللہ پور ضلع پٹنہ صوبہ بہار پیدا ہوئے۔ ۱۹۲۲ء میں کلکتہ یونیورسٹی سے ایم اے فارسی کا امتحان درجہ اول میں پاس کر کے پریذیڈنسی کالج میں اور اس کے بعد پریذیڈنسی کالج میں فارسی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ کلکتہ یونیورسٹی کے شعبہ جات عربی، فارسی، اسلامی تاریخ و تمدن سے بھی وابستہ رہے۔ فارسی زبان و ادب کے جید عالم تھے۔ سب سے پہلے انہوں نے دارا شکوہ کی مشہور فارسی تصنیف مجمع البحرین انگریزی ترجمہ کے ساتھ شائع کی۔ پھر شہنشاہ بابر کے فرزند میرزا کامران کا فارسی دیوان قابلِ قدر مقدمہ کے ساتھ طبع کرایا۔ اس مقدمہ کا خلاصہ انگریزی زبان میں بھی اشاعت پذیر ہوا۔ اس کے بعد ایچ اے ہارلے پرنسپل اسلامیہ کالج کلکتہ اور پروفیسر عبدالمقتدر کے تعاون سے امین احمد رازی کی تاریخی و جغرافیائی سائیکلوپیڈیا کی پہلی جلد کو انگریزی میں منتقل کیا جو ہفت اقلیم کے نام سے ۱۹۳۹ء میں چھپی۔ رباعیات عمر خیام کا دلکش ترجمہ ۱۹۴۰ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ کتابوں کی تصنیف و تالیف کے علاوہ آپ کی زندگی ہمیشہ اردو، عربی و فارسی ادبیات کی تحقیق و تنقید کے لئے وقف رہی۔ رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے رکن، اس سوسائٹی کے جائنٹ فیلو جنرل سیکرٹری کلکتہ کے مشہور انگریزی ادبی رسالہ بنگال پاسٹ اینڈ پریزنٹ کے ایڈیٹر، مسلم انسٹی ٹیوٹ کے سیکرٹری اور ایران سوسائٹی کے ممبر بھی تھے۔ آخر ۱۰ جون ۱۹۶۲ء کو بمقام کلکتہ انتقال ہوا۔

مولوی مہیش پرشاد

مشرقی زبانوں میں فارسی تو غیر مسلموں میں عموماً مقبول رہی ہے اور بے شمار ہندو اور سکھ منشی فاضل اور رائے فارسی مل جاتے ہیں مگر عربی میں جس ہندو نے سب سے پہلے فضیلت کی سند حاصل کی وہ مہیش پرشاد تھے انہوں نے اورینٹل کالج لاہور میں داخل ہو کر باقاعدہ عربی پڑھی اور مولوی فاضل کا امتحان اعزاز کے ساتھ پاس کیا۔ اسی بنا پر مولوی مہیش پرشاد کے نام سے مشہور ہوئے۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ بنارس ہندو یونیورسٹی میں مشرقی علوم کے پروفیسر ہو گئے۔ غالب ان کا مقبول شاعر تھا۔ انہوں نے غالب کے مطالعہ میں اپنی عمرِ عزیز کا بہترین حصہ صرف کیا۔ غالب ہی پر بڑی محنت اور خلوص سے تحقیقی اور تنقیدی مقالے

لکھے اور خطوط غالب کی جمع و ترتیب میں خاص کام کیا اب وہ اس دنیا میں موجود نہیں، مگر جب تک غالب زندہ ہے مولوی مہیش پرشاد کا نام بھی زندہ رہے گا۔

وحشی شاہجہانپوری

سید ظہور احمد نام، وحشی تخلص اور شاہجہانپور وطن تھا۔ بچپن ہی سے بڑے ذہین تھے۔ مختلف قابل اساتذہ سے عربی و فارسی کی تحصیل کی۔ ندوۃ العلماء میں وہ مولانا سید سلیمان ندوی کے ہمدرس تھے۔ ۱۹۰۲ء میں جب نواب محسن الملک مرحوم نے دار العلوم کا معائنہ کیا۔ تو سید سلیمان ندوی کے ساتھ انہیں بھی استقبالیہ پیش کیا گیا۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے اخبار نویسی شروع کی۔ کچھ عرصہ پیسہ اخبار لاہور میں کام کیا۔ پھر رسالہ دین و دنیا دہلی کی ادارت کی اور اسے رنگا رنگ دلچسپیوں کا گلدستہ بنا کر ایسی عوام پسند روش پر ڈال دیا کہ آج تک ہر فکر و خیال کے لوگ اسے شوق سے مطالعہ کرتے ہیں۔ دہلی سے رسالہ تجلی بھی ان کی ادارت میں نکلتا رہا۔ وہ نثر و نظم دونوں پر قادر تھے۔ نظمیں، غزلیں اور افسانے سب ہی کچھ لکھتے تھے۔ چند کتابیں بھی تصنیف کیں جن میں فلاح دین و دنیا بڑی مقبول ہوئی۔ ان کی بعض دوسری کتابوں کے نام یہ ہیں۔ آداب مجلس، انور پاشا، بیوی کے فرائض، تفسیر سورۃ یٰسین، حجاج بن یوسف، محبوبہ کربلا، ہماویات، تجارت عبد الرحمان ناصر، عروس مصر، معرکہ فرانس، پر اسرار دوشیزہ، جینیئہ کے ہوش ربا کارنامے۔ رہبر زندگی، فن انشا، میاں بیوی، سنہری زلفیں، طوفان زندگی، عروج کابل وغیرہ۔

شاداں بلگرامی

سید اولاد حسین نام، شاداں تخلص، بلگرام ضلع ہردوئی (صوبہ اودھ) وطن تھا۔ ان کا نسب اکیس واسطوں سے سید جلال الدین بخاری تک اور تینتیس واسطوں سے حضرت امام علی نقی کے بیٹے جعفر تواب تک پہنچتا ہے۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت بھی ان کے اجداد سے ہیں۔ سید اولاد حسین بن سید تفضل حسین ۱۲۸۶ھ مطابق ۱۸۶۹ء میں کوآت ضلع آرہ میں پیدا ہوئے جہاں ان کے دادا مولوی فدا حسین وکالت کرتے تھے۔ ابتدائی فارسی اپنے دادا سے اور عربی صرف و نحو اور شرح تہذیب تک منطق مولوی مرزا ابو تراب کشمیری سے لکھنؤ آکر پڑھی۔ پھر انگریزی سکولوں میں داخل ہو کر انٹرنس تک تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۹۴ء میں مدرسی کا پیشہ اختیار کیا مگر تعلیم جاری رکھی اور پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات پاس کئے۔ کچھ عرصہ مدرسہ عالیہ کلکتہ میں کام کیا۔ ۷ فروری ۱۹۰۱ء کو مدرسہ عالیہ رام پور میں فارسی کے مدرس ہو گئے۔ کئی سال اورینٹل کالج لاہور میں رہے اور صدہا شاگردوں نے فیض حاصل کیا۔ شاعری میں سید محمد اصطفےٰ عرف لڈن صاحب خورشید لکھنوی کے شاگرد تھے۔ درۂ نادرہ کی شرح لکھی۔ اس کے علاوہ رسالہ فلسفہ زبان و فلسفہ خواب، تنقید مثنوی گلزار نسیم، مضمون بلینک درس و نثر مرجز، شرح فن معما و معمیات، حدائق البلاغت شرح معمائے جامی، شرح نورس ظہوری و شرح تاریخ وصاف وغیرہ بھی چھپ چکی ہیں۔

سیماب اکبر آبادی

عاشق حسین نام، سیماب تخلص اور آگرہ وطن تھا۔ ۱۲۹۸ھ ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوئے۔ عربی ادب، اصول، منطق اور فارسی کی تحصیل کے بعد انگریزی پڑھی۔ ایف اے میں تھے کہ آپ کے والد محمد حسین صدیقی فوت ہو گئے۔ اور آپ تعلیم ترک کر کے ریلوے میں ملازم ہو گئے مگر شعر و شاعری کا شوق غالب آیا اور ملازمت چھوڑ کر زبان و ادب کی خدمت شروع کر دی۔ پہلے رسالہ مرصع جاری کیا۔ پھر ٹونڈے جا کر آگرہ اخبار کے ایڈیٹر ہو گئے۔ بعد میں پیمانہ، ثریا، تاج اور شاعر خود نکالے۔ نظم و نثر پر قادر تھے۔ شاعری میں داغ کے شاگرد اور سینکڑوں شاگردوں کے استاد تھے۔ خوش فکر اور پُرگو تھے۔ ان کی تصانیف کی تعداد ۲۰۰ تک پہنچتی ہے۔ نظموں

اور غزلوں کے کئی مجموعے نیستاں، صہبائے کہن، کلیم عجم، بادہ و شبین، نشید نو، سازو آہنگ، سرود غم، نفیر غم، کار امروز وغیرہ کے نام سے چھپ چکے ہیں۔ تقسیم ملک کے بعد کراچی میں مقیم ہو گئے تھے۔ یہاں سے ماہنامہ پرچم جاری کیا۔ آخر ہیں چار ماہ فالج میں مبتلا رہنے کے بعد ۷۱ برس کی عمر میں ۳۱ جنوری ۱۹۵۱ء کو انتقال کیا۔ ان کے آخری زمانہ کا شعر ہے ؎

یہ ہے سیماب اک ناگفتہ بہ افسانہ کیا کہیے

وطن سے کنج غربت میں چلے آئے یہ کیا گزری

مولانا محمد عرفان خاں آپ ہزارہ سرحد کے رہنے والے تھے۔ سلسلۂ خیر آباد کے عالم معقولات اور مدرس تھے۔ ۱۹۱۰ء کی قومی تحریکات نے درس و تدریس کی مسند سے اٹھا کر قوم و ملت کی خدمت میں لگا دیا۔ ۱۹۲۳ء اور ۱۹۲۷ء میں ملکانوں کے فتنۂ ارتداد کے موقع پر مخلصانہ خدمت کی۔ بیسیوں میل ان کے علاقوں میں بھوکے پیاسے پیدل سفر کیا اور جان کی بازی لگائی۔ اس کے بعد جمعیت العلماء دہلی سے وابستہ ہو گئے۔ شریف حجاز اور ابن سعود کی لڑائی کے زمانہ میں حجاز جا کر معاملات کی تحقیقات کی۔ پھر ۱۹۲۶ء میں موتمر اسلام کی شرکت کے لئے گئے۔ اسی مصروفیت میں ان کی زندگی کے آخری سال بسر ہوئے۔ قومی تحریکوں کے سلسلہ میں قید بھی ہوئے اور اسی قید میں انہوں نے قرآن مجید حفظ کرنے کی سعادت حاصل کی۔ قریباً پچاس برس کی عمر پا کر مئی ۱۹۲۹ء میں انتقال کیا۔ نہایت دوست پرور، بعض نکتہ، ظریف، مہمان نواز اور فیاض تھے۔ تمام عمر مجرد رہے۔ فقر و فاقہ کی حالت میں بھی خودداری کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔

مرزا فرحت اللہ بیگ مرزا فرحت اللہ بیگ کے آباؤ اجداد شاہ عالم ثانی کے عہد میں ترکستان سے ہندوستان آئے اور دہلی میں آباد ہوئے جہاں وہ ۱۸۸۳ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام مرزا حشمت اللہ بیگ تھا۔ دہلی کے مختلف مکتبوں اور مدرسوں میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہندو کالج میں داخل ہو کر ۱۹۰۵ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۰۷ء میں حیدر آباد گئے اور ایک مدرسہ میں مدرس ہو گئے۔ پھر ہائیکورٹ کے مترجم سے ترقی کرتے کرتے اسسٹنٹ ہوم سیکرٹری کے عہدے تک پہنچ گئے۔ ۱۹۱۹ء میں انہوں نے اپنا سب سے پہلا مضمون رسالہ افادہ آگرہ میں لکھا۔ ۱۹۳۲ء سے باقاعدہ لکھنا شروع کیا۔ اگرچہ انہوں نے مزاحیہ رنگ میں مضمون نویسی کی ابتدا کی مگر بعد میں ہر قسم کے مضامین لکھے۔ سوانحی، افسانوی، تنقیدی، اصلاحی، معاشرتی مگر مزاحیہ رنگ سب میں نمایاں رہا۔ ان کے مضامین کے سات مجموعے مضامین فرحت کے نام سے چھپ چکے ہیں۔ ان کی صاف، شستہ اور سلیس عبارت میں نہایت لطیف اور سنجیدہ ظرافت ہوتی ہے۔ اس فن کے وہ امام تھے۔ ان کی نظموں، غزلوں، رباعیوں کا مجموعہ "میری شاعری" کے نام سے شائع ہوا ہے مگر ان میں بھی مزاحیہ رنگ نمایاں ہے۔ ان کا انتقال ۲۷ اپریل ۱۹۴۷ء کو ہوا۔

"فانی" شوکت علی خاں فانی ایک ایسا انسان تھا جسے زندگی نے قدم قدم پر شکست دی، جسے قسمت نے ناکامیوں اور نامرادیوں کے سوا کچھ نہ دیا۔ جسے پیاس بجھانے کے لئے دریائے راحت میں سے ایک قطرہ بھی نہ ملا ——— پھر اگر کوئی ایسا انسان زندگی کی حسین بہاروں سے منہ موڑ کر موت کی سنسان راہوں پر آ بیٹھے تو کیا تعجب ہے۔ اور اب اگر وہ زندگی کو دیوانے کا خواب نہ سمجھے تو آخر کیا سمجھے ——— فانی محبت میں ناکام رہے زندگی گزارنے کے لئے کوئی کاروبار کرنا چاہا پھر ناکام رہے۔ گھبرا کر لکھنؤ چھوڑ آگرہ چلے آئے۔ لیکن یہ ہوا بھی راس نہ آئی۔ دل بہلانے کی خاطر ایک ماہنامہ "تسنیم" جاری کیا لیکن کسی ناکام انسان کا رسالہ کیوں کر کامیاب ہوتا ——— ملازمت کی تلاش میں ایک مدت تک مارے مارے پھرنے کے بعد آخر حیدر آباد میں ایک سکول کی ہیڈ ماسٹری ملی۔ لیکن قسمت کو یہ کہاں

گذار۔ تھا کہ فانی بھی آسودگی کے سانس لے سکے۔ آخر یہ ہیڈ ماسٹری بھی چھین لی گئی —— ہر چیز کی کوئی نہ کوئی حد ہوتی ہے مگر فانی کی نامرادیوں کی کوئی حد نہ تھی۔ آخر فانی دنیا سے بیزار، زندگی سے بدظن، دوستوں سے بدگمان ہو کر اپنی نامرادیوں کے بحرِ عمیق میں ڈوب گئے۔ فانی ققنس کی طرح تمام زندگی درد بھرا راگ گاتا رہا اور آخر گاتے گاتے ایک دن جل کر بھسم ہو گیا۔ اب خدا کرے فانی کی خاک سے ققنس کی طرح کوئی اور فانی پیدا نہ ہو۔

ان کی پیدائش ۱۳ ستمبر ۱۸۷۹ء کو اور وفات ۲۷ اگست ۱۹۴۱ء کو ہوئی۔

سید انور حسین آرزو لکھنوی

سید انور حسین عرف منجھو صاحب میر ذاکر حسین یاس لکھنوی کے منجھلے صاحبزادے تھے۔ ان کے جد اعلیٰ نواب سید جان علی خاں المخاطب بہ نواب تہور خاں اورنگ زیب کے عہد میں اپنے والد میر شہام علی خاں کے ہمراہ ہرات سے ہندوستان آئے اور اجمیر میں قیام کیا۔ نواب تہور خاں کے پوتے نواب سیف الدین خاں معروف بہ نواب مرزا گل بیگ اجمیر سے لکھنؤ آئے۔ یہاں دلارام کی بارہ دری میں میر ذاکر حسین یاس کا قیام تھا۔ آرزو کی ولادت ۱۸ ذی الحجہ ۱۲۸۹ھ ۱۸۷۳ء کو ہوئی۔ والد بھی شاعر تھے اور بھائی میر یوسف حسن قیاس بھی فکر سخن کرتے تھے۔ گھر کے ماحول اور لکھنؤ کے مشاعروں نے آرزو کے مذاق شعری کی تربیت کی۔ جلال لکھنوی کے شاگرد تھے اور استاد ہی کے رنگ میں شعر کہتے تھے۔ ۱۳۲۶ھ میں جلال کا انتقال ہوا۔ دو سال بعد ۱۳۲۸ھ میں جلال کے شاگردوں نے انہیں استاد کا جانشین تسلیم کیا۔ آخری عمر میں فلمی کمپنیوں کے اصرار سے فلمی گانے لکھے۔ کچھ عرصہ نیو تھیٹرس کلکتہ میں رہے پھر اسی گردش میں بمبئی پہنچے۔ وفات سے قبل کراچی چلے آئے اور یہیں ۱۹۵۱ء میں ان کا انتقال ہوا۔ آرزو کا پہلا دیوان فغان آرزو ۱۳۴۳ھ میں شائع تھا۔ دوسرا جہان آرزو کے نام سے نظامی پریس لکھنؤ سے ۱۹۳۶ء میں طبع ہوا۔ بہت سے ڈرامے بھی لکھے جو مقبول ہوئے۔

مولوی سید ممتاز علی

شمس العلماء مولانا سید ممتاز علی ۲۷ ستمبر ۱۸۶۰ء کو پیدا ہوئے۔ اتفاق سے یہ دن عید میلاد النبیؐ کا تھا۔ عمر بھر تحریک عید میلاد کی اشاعت کرتے رہے اور ۱۵ جون ۱۹۳۵ء کو عید میلاد ہی کے دن انتقال ہوا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کی برکت تھی۔ ابتدائی تعلیم دارالعلوم دیوبند میں مولانا محمد قاسم نانوتوی کی نگرانی میں ہوئی۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن مرحوم (اسیر مالٹا) ان کے ہم سبق تھے۔ ۱۸۷۶ء میں انگریزی کی تعلیم شروع کی۔ ۱۸۸۴ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے کا امتحان دیا لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ کچھ عرصہ پنجاب چیف کورٹ میں مترجم رہے۔ پھر سرسید نے ان کو اپنے پاس بلا لیا۔ ۱۸۹۰ء میں مولانا نے لاہور میں "رفاہ عام" کے نام سے ایک مطبع، "دارالاشاعت پنجاب" کے نام سے ایک کتاب خانہ اور "تہذیب نسواں" کے نام سے زنانہ اخبار جاری کیا اور تعلیم نسواں کی نہایت مفید خدمت انجام دی۔ ۱۹۰۹ء میں آپ نے بچوں کے لئے "پھول" اخبار جاری کیا جو اب تک سرکاری اور غیر سرکاری حلقوں میں مقبول ہے۔ مولانا نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں حقوق نسواں، زاد المعاد، رد الملاحدہ، تذکرۃ الانبیا، شیخ حسن وغیرہ مشہور ہیں لیکن آپ کا سب سے بڑا علمی اور دینی کارنامہ "تفصیل البیان" ہے۔ یہ آیات قرآنی کی ایک مبسوط فہرست ہے جو معانی و مطالب کے اعتبار سے مرتب کی گئی ہے۔ آپ کے لائق فرزند سید حمید علی اور سید امتیاز علی تاج اب تک آپ کے کام کو نہایت کامیابی سے چلا رہے ہیں۔

حافظ محمد اسلم جیراج پوری

مولانا محمد اسلم جیراج پوری ہماری بزم علم و ثقافت کے دور پیشیں کی یادگار تھے۔ ۷ ربیع اول ۱۲۹۹ھ کو موضع جیراج پور ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولوی سلامت اللہ

ریاست بھوپال میں محکمہ تعلیمات کے افسر تھے۔ انہوں نے قرآن مجید حفظ کرانے کے بعد مشہور استادوں سے عربی و فارسی کی تعلیم دلائی اور پھر درس نظامیہ کی چند کتب خود پڑھائیں۔ تعلیم سے فارغ ہو کر پیسہ اخبار لاہور میں مترجم مقرر ہو گئے۔ دو سال بعد وہاں سے علی گڑھ کالجیٹ سکول میں چلے گئے پھر مسلم یونیورسٹی سے متعلق ہو گئے۔ ایک زمانہ میں ان کے مقالات کی بڑی دھوم تھی ۱۹۲۱ء کی تحریک ترک موالات کے زمانہ میں آپ نے علی گڑھ کالج چھوڑ کر جامعہ ملیہ میں شرکت اختیار کی اور تا دم مرگ اسی سے وابستہ رہے۔ آخر جنوری ۱۹۵۶ء میں جامعہ نگر ہی کی خاک میں آرام کیا۔ مولانا باقاعدہ اور وسیع المطالعہ عالم، قناعت پسند، گوشہ نشین، متواضع اور منکسر المزاج بزرگ تھے، آپ کی تالیفات میں تاریخ الامت کو بڑی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ یہ کتاب چھوٹی چھوٹی سات جلدوں میں ہے۔ اس کے علاوہ چند ادبی اور تنقیدی مضامین اور سوانحی تالیفات مثلاً حیات جامی اور حیات حافظ بھی ان کی یادگاریں ہیں۔ قرآن مجید کا مطالعہ بڑے شوق اور شغف سے کرتے تھے۔ جس کا ثبوت تاریخ القرآن اور تعلیمات قرآن وغیرہ کتب سے ملتا ہے۔

„محمود شیرانی"

محمود شیرانی اکتوبر ۱۸۸۰ء میں بمقام ٹونک پیدا ہوئے پہلے قرآن مجید حفظ کیا۔ پھر ۱۸۹۵ء میں مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے لاہور آئے اور سنٹرل ماڈل سکول میں داخل ہوئے۔ لیکن انگریزی اور ریاضی سے مناسبت نہ تھی اس لئے اورینٹل کالج میں داخل ہو کر ۱۸۹۹ء میں منشی فاضل کا امتحان پاس کیا ۱۹۰۴ء میں بیرسٹری کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے انگلستان گئے۔ والد کے انتقال کی وجہ سے ان کا خرچ بند ہو گیا۔ لیوزک کمپنی نے آپ کو مشرقی مخطوطات اور دوسری قدیم اشیا کی خرید پر مامور کر دیا کچھ اس سے اور کچھ وظیفے کی مدد سے ان کی مالی حالت اچھی ہو گئی۔ ۱۹۱۳ء میں تھوڑی مدت کے لئے ہندوستان واپس آئے مگر جنگ عظیم کی وجہ سے پھر نہ جا سکے۔ انہیں مخطوطات اور نادر سکے جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ پہلے اسلامیہ کالج لاہور اور پھر اورینٹل کالج لاہور میں ملازمت کی ـــــ ان کی مشہور تصانیف "پنجاب میں اردو" اور "تنقیدی شعر العجم" ہیں۔ آخر ۱۹۴۶ء میں انتقال ہوا۔

سر محمد یعقوب

مراد آباد کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد ماجد مولوی محمد اسماعیل وکیل شاہجہان پور نہایت نیک، متین اور دیندار بزرگ تھے۔ ندوۃ العلماء کے رکن تھے اور ۱۹۱۰ء کی تبلیغی تحریک میں انہوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

سر محمد یعقوب نے اگرچہ انگریزی تعلیم حاصل کی۔ مگر مذہبی ذوق ورثہ میں پایا۔ وہ بڑے خوش قسمت تھے۔ مراد آباد کی وکالت سے لے کر کونسل کی صدارت تک انہوں نے ترقی کی۔ پھر سرکار نظام کے مشیر اصلاحات بھی رہے۔ نومبر ۱۹۴۲ء میں انتقال کیا۔ بڑے خوش خلق، تواضع پسند، متحمل مزاج اور کشادہ دست تھے۔

مولانا تاجور نجیب آبادی

احسان اللہ خاں نام، تاجور تخلص۔ وطن نجیب آباد۔ والد کا نام محبت اللہ خاں تھا۔ ۱۸۹۴ء میں بمقام نینی تال پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد دیوبند سے فضیلت حاصل کی پھر ۱۹۱۴ء میں لاہور آکر اورینٹل کالج سے مولوی فاضل اور منشی فاضل پاس کیا۔ پہلے دیال سنگھ ہائی سکول میں اورینٹل ٹیچر لگے۔ کچھ عرصہ بعد دیال سنگھ کالج میں پروفیسر ہو گئے اور بقیہ زندگی درس و تدریس میں گزارنے کے بعد ۳۰ جنوری ۱۹۵۱ء کو لاہور میں انتقال کیا۔

مولانا شاعر، ادیب اور صحافی کی حیثیت سے بہت مشہور تھے۔ ۱۹۱۱ء میں لدھیانہ سے ماہنامہ آفتاب اردو جاری کیا اور ۱۹۱۴ء میں تاج الکلام۔ ۱۹۱۶ء میں لاہور آکر پانچ سال تک مخزن کی ادارت کی۔ ۱۹۲۲ء میں ہمایوں کے جائنٹ ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد بچوں کے لئے پریم جاری کیا۔ ۱۹۲۹ء میں رسالہ ادبی دنیا نکالا جو آجکل مولانا صلاح الدین کی ادارت میں شائع ہوتا ہے۔

۱۹۳۳ء میں شاہکار جاری کیا جو بڑا بلند پایہ رسالہ تھا۔ بیسر زعطر چند کپور اینڈ سنز کے تعاون سے اردو مرکز قائم کرکے اردو نظم و نثر کا بہترین انتخابات ۳ جلدوں میں شائع کیا۔ مگر ان کے کلام کا مجموعہ آج تک شائع نہیں ہوا۔

یاس یگانہ چنگیزی لکھنوی

مرزا واجد حسین جن کا تاریخی نام مرزا افضل علی بیگ تھا۔ پہلے یاس تخلص کرتے تھے مگر بعد میں شعرائے لکھنؤ کی لاگ سے یگانہ تخلص کرنے لگے۔ ان کے مورث اعلیٰ مرزا احسن بیگ چغتائی اپنے بھائی مرزا مراد بیگ کے ہمراہ ایران سے ہندوستان آئے۔ مرزا احسن علی بیگ صاحب سیف تھے اور دور مغلیہ میں انہیں عظیم آباد میں جاگیر ملی جو یاس کے والد مرزا پیارے صاحب کے زمانہ تک تقسیم ہوتے ہوتے ختم ہو چکی تھی۔ مرزا واجد حسین کی ولادت ۱۳۰۱ھ میں ہوئی۔ درسیات فارسی کی تکمیل کے بعد انگریزی پڑھی۔ شاعری میں سید علی خاں بیتاب اور شاد سے استفادہ کیا ۱۹۰۴ء میں کلکتہ جا کر مٹیا برج میں شہزادہ مرزا محمد مقیم بہادر کے صاحبزادوں کے اتالیق مقرر ہوئے مگر ۱۹۰۶ء میں صحت کی خرابی کے باعث لکھنؤ چلے آئے۔

۱۹۱۴ء میں یاس کے کلام کا پہلا مجموعہ نشتر یاس شائع ہوا۔ جب مولانا تاجور نجیب آبادی نے لاہور میں اردو مرکز قائم کیا تو مرزا یاس کو لاہور بلا لیا۔ یہیں ان کی کتاب آیات وجدانی شائع ہوئی پھر دوسرا مجموعہ گنجینہ کے نام سے شائع ہوا۔ مگر ان کی شاعری کی تمام خوبیاں غالب شکنی کے جذبے میں دب کر رہ گئیں۔ انتقال ۹ رفروری ۱۹۵۶ء کو ہوا۔

نوبت رائے نظر

نوبت رائے نام، نظر تخلص تھا۔ لکھنؤ کے کائستھ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۸۶۶ء میں پیدا ہوئے فارسی اردو اور انگریزی خوب جانتے تھے۔ شاعری کا شوق بچپن سے تھا۔ آغا مظہر لکھنوی کی شاگردی اختیار کی۔ ۱۸۹۷ء میں لکھنؤ سے رسالہ خدنگ نظر جاری کیا جو سات سال بعد بند ہو گیا۔ ۱۹۰۵ء میں رسالہ زمانہ کانپور کے مدیر معاون مقرر ہوئے۔ مگر ۱۹۱۱ء میں اس سے الگ ہو کر اخبار آزاد کی عنانِ ادارت سنبھالی۔ زاں بعد لکھنؤ جا کر "مد تفریح" کی ایڈیٹری کی۔ پھر اودھ اخبار میں چلے گئے۔ لیکن صحت کی خرابی کی بنا پر وہاں سے بھی تعلق منقطع کر لیا۔ آخر میں کچھ عرصہ اخبار خادم ہند کے ایڈیٹر رہے۔ اعلیٰ پایہ کے انشا پرداز ہونے کے علاوہ خوش نویس اور مصور بھی تھے۔ ۱۰ر اپریل ۱۹۲۳ء کو انتقال کیا۔ نہایت سادہ مزاج اور خوش خلق تھے۔ بقول منشی دیا نرائن نگم "فطرت نے انہوں نے علم و ادب کے لئے نہایت موزوں طبیعت پائی تھی۔ قدرت نے انہیں نہایت شستہ و سلیم ذوق سخن عطا کیا تھا۔ بچپن میں ان کو صحبت بہت اچھی ملی جس سے طبیعت میں رفعت، مزاج میں متانت اور عادت میں سنجیدگی پیدا ہو گئی تھی۔ ذہن بلا کا تھا معیار خیال بہت اونچا اور مطمح نظر نہایت بلند تھا۔"

قاضی عبدالغفار

مراد آباد کے رہنے والے تھے۔ علی گڑھ میں تعلیم حاصل کی۔ اپنی ادبی اور سیاسی زندگی کا آغاز یکم جون ۱۹۱۲ء سے ہمدرد دہلی میں مولانا محمد علی جوہر کے مددگار کی حیثیت سے کیا۔ جب مولانا محمد علی کی صحت بگڑنے لگی تو ہمدرد اور کامریڈ کے سلسلے میں زیادہ تر ذمہ داریاں انہیں پر آ پڑیں۔ مولانا کی نظر بندی کے بعد قاضی صاحب کلکتہ چلے گئے اور وہاں سے روزانہ جمہور جاری کیا۔ اس کے بعد حیدر آباد جا کر روزانہ پیغام نکالنا شروع کر دیا جو دس پندرہ سال تک جاری رہا۔ ان کی ادبی شہرت کا آغاز لیلیٰ کے خطوط سے ہوا جو سب سے پہلے نیرنگ خیال لاہور میں چھپنے شروع ہوئے۔ اس کے بعد ان کی کتابیں مجنوں کی ڈائری اور تین پیسے کی چھوکری بہت مقبول ہوئیں۔ ترجموں میں "اس نے کہا"، خلیل جبران کا آزاد اردو ترجمہ اور "سیب کا درخت"، گالز وردی کا ترجمہ بہت مشہور ہیں۔ سوانح نگاری میں "آثار جمال الدین"، "حیات اجمل" اور ابوالکلام آزاد جیسی کتابیں یادگار چھوڑیں۔ تنقیدی

مضامین بھی بکثرت لکھے مگران کا کوئی مجموعہ شائع نہیں ہوا۔ عمر کے آخری دنوں میں علی گڑھ آکر انجمن ترقی اردو (ہند) کے سیکرٹری اور اس کے ہفتہ وار ترجمان "ہماری زبان" کے مدیر کی حیثیت سے قابل قدر خدمات انجام دیں۔ آخر ۱ر جنوری ۱۹۵۶ء کو ۶۶ برس کی عمر پاکر علی گڑھ میں انتقال کیا اور یونیورسٹی کے قبرستان میں سپردِ خاک ہوئے۔

علامہ عبداللہ یوسف علی

آپ کا نام عبداللہ اور آپ کے والد کا نام خان بہادر یوسف علی شجاع الدین تھا۔ باپ کا نام ساتھ ملاکر آپ عبداللہ یوسف علی کہلاتے تھے۔ بمبئی کے قریب شہر سورت میں ۲۴ر محرم الحرام ۱۲۸۹ھ مطابق ۴ر اپریل ۱۸۷۲ء کو پیدا ہوئے۔ تعلیمی زندگی مدرسہ انجمن اسلام بمبئی سے شروع کی۔ ولسن کالج بمبئی سے بی اے کی ڈگری لی اور کیمبرج یونی ورسٹی سے ایم اے اور بیرسٹری کے امتحانات پاس کر کے ۱۸۹۵ء میں انڈین سول سروس میں داخل ہوئے۔ یوپی کے صوبہ میں اسسٹنٹ مجسٹریٹی سے لے کر کلکٹری اور ججی تک کے عہدے پر سرفراز رہنے کے بعد فنانشل ڈیپارٹمنٹ حکومت ہند میں انڈر سیکرٹری مقرر ہوئے۔ پھر حیدر آباد میں صیغہ مال کے صدر المہام کی حیثیت سے تشریف لے گئے جہاں سے فارغ ہو کر انگلستان چلے گئے اور وہاں بیرسٹری شروع کر دی۔ قیام انگلستان کے زمانہ میں آپ نے ایشیا اور یورپ کی متعدد زبانیں سیکھیں اور ان زبانوں کے اخبار و رسائل میں نہایت فاضلانہ مضامین لکھ کر اپنی قابلیت کا سکہ منوایا۔ ڈچ زبان میں آپ نے ایوولیوشن آف انڈین کلچر اور جرمن زبان میں انڈیا اور یورپ نامی کتابیں لکھیں۔ اس کے بعد ہندوستان چلے آئے اور اسلامیہ کالج لاہور کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ تین سال بعد ولایت گئے اور کچھ عرصہ وہاں قیام کرنے کے بعد پھر آکر اس کالج کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ اس عرصہ میں انہوں نے قرآن کریم کا انگریزی میں ترجمہ کیا اور یہ ان کا آخری مہتم بالشان کارنامہ ہے۔ آخری عمر میں پھر انگلستان میں مقیم ہو گئے تھے۔ وہیں طویل علالت کے بعد ۱۰ر دسمبر ۱۹۵۳ء کو لندن کے ایک ہسپتال میں انتقال فرمایا۔

بہادر یار جنگ نواب بہادر خان

نواب بہادر یار جنگ بہادر خاں کا نام آتے ہی ایک خوبصورت نوجوان ہشاش بشاش متبسم چہرے، صحیح و تنومند جسم، خوبصورت اور دلفریب قد و بالا کے ساتھ حیدر آبادی شیروانی اور ترکی ٹوپی میں ملبوس نظروں کے سامنے آجاتا ہے، جس کی شخصیت ہر پہلو سے محبوب تھی۔ وہ ارادے کے پکے، بات کے دھنی، مخلص و فادار، خدا ترس، عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم، بہادر مسلمان، بہادر سپاہی، اور بہادر پٹھان تھے۔ ان کی پیدائش ۱۹۰۵ء میں ہوئی۔ وہ سدوزئی قبیلہ سے تھے۔ ان کے آباد اجداد آخری مغل عہد میں ہندوستان وارد ہوئے۔ پہلے جے پور میں طرح اقامت ڈالی اور راجہ سے کچھ جاگیر حاصل کی پھر حیدر آباد جاکر جمعدار کے عہدے پر سرفراز ہوئے اور تیس ہزار کی نسلاً بعد نسل جاگیر پائی۔ بہادر خاں نے عیش و راحت کی آغوش میں پرورش پائی۔ ان کی عربی تعلیم کچھ زیادہ نہ تھی تاہم حج کے موقع پر حجاز میں اور حج کے بعد مصر میں کچھ روز قیام کر کے اتنی مہارت بہم پہنچالی تھی کہ قرآن پاک کی آیتوں کا مطلب بے تکلف سمجھ لیتے تھے اور تفسیروں سے مدد لے کر صبح نماز کے بعد اپنے قریب کی مسجد میں لوگوں کو قرآن پاک کا درس سناتے تھے۔ ہفتہ میں ایک دن اقبال کی کتابوں کا درس ہوتا تھا اور اقبال کے فلسفہ کی گتھیاں سلجھائی جاتی تھیں۔ انہوں نے حیدر آباد کے جاگیرداروں کو جگایا۔ عام مسلمانوں کو اتحاد المسلمین کے زیر سایہ ایک مرکز پر جمع کیا۔ پاکستان کے نظریے کی حمایت میں قائد اعظم کا ساتھ دیا۔ اپنے تمام خطابات واپس کر دئے اور ۲۵ر جون ۱۹۴۴ء کو اس دنیائے دول سے کوچ کیا۔

مرزا محمد عسکری

مرزا محمد عسکری بی۔ اے لکھنؤ کے مشرقی تمدن کی آخری یادگاروں میں سے تھے۔ مدت تک ہائیکورٹ کے صدر مترجم کی حیثیت سے سلسلہ ملازمت میں منسلک رہے۔ انگریزی، اردو اور فارسی زبانوں پر کافی عبور تھا۔ انگریزی سے اردو ترجمہ کا خاص سلیقہ تھا ان کی ترجمہ کی ہوئی متعدد کتابیں اس وقت تک شائع ہو چکی ہیں۔ جن میں رام بابو سکسینہ کی تاریخ ادب اردو بہت مشہور و مقبول ہے۔ اس ترجمہ میں مرزا صاحب نے بہت سی مفید باتوں کا اپنی طرف سے اضافہ بھی کیا ہے۔ مرزا غالب کی شاعری (تنقیدی مقالہ) فن لسانیات، ادبی خطوط غالب اور ادکاڈیمی بھی آپ کی چند تصانیف ہیں لیکن نوادر بن گئیں۔ تسلیم اور آئینہ بلاغت ان کی وہ کتابیں ہیں جن میں مرزا صاحب اپنے صحیح خدوخال کے ساتھ بہت بلند نظر آتے ہیں۔ وہ بڑے اچھے دوست اور بڑے دلچسپ بزرگ تھے۔ زبان بڑی چٹخارے دار بولتے تھے۔ لوگ ان کے پاس صرف ٹکسالی بولی ٹھولی اور کبھی کبھی ضلع جگت سننے جاتے تھے مگر اب وہ قبر کا کونہ آباد کر چکے ہیں۔ تاریخ وفات ۱۵ ستمبر ۱۹۵۰ء ہے۔

سید ضمیر الدین احمد

خان بہادر سید ضمیر الدین احمد عظیم آباد پٹنہ کے ایک عالی خاندان رئیس، در نامور ادیب تھے۔ ۱۸۶۲ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۸۸۵ء میں پریسیڈنسی کالج کلکتہ سے فلسفہ انگریزی اور فارسی میں اعزاز کے ساتھ بی اے پاس کیا۔ اپنچ وغیرہ اخباروں میں مضمون نویسی کے ساتھ ساتھ آپ نے انگریزی اور اردو میں متعدد کتابیں لکھیں جن میں شیر شاہ کی لائف (انگریزی)، راسخ کی لائف (انگریزی)، داؤد چپی کی لائف (انگریزی)، ترجمہ طبقات اکبری (انگریزی)، فلسفہ تصوف، کوکبہ ملوکی و مملوکی، سیرت اشرف وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ کوکبہ ملوکی و مملوکی میں ملک قطب الدین ایبک سے لے کر خلجی سلاطین تک کے تاریخی حالات درج کئے گئے ہیں۔ سیرت اشرف مخدوم شرف الدین بہاری کی سوانح عمری ہے۔ آخر الذکر کتاب بہت قابل قدر اور ادبی نقطہ نظر سے بڑی اہم ہے۔ عرصہ ہوا چھپی تھی۔ اب نایاب ہے۔ جنوری ۱۹۵۲ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ ممتاز شاعر اور ادیب سید بدر الدین احمد صاحب بدر آپ ہی کے فرزند ہیں۔

سلطان حیدر جوش

سلطان حیدر نام، جوش تخلص تھا مگر کلام دیکھنے میں نہیں آیا۔ نثر کی طرف طبیعت زیادہ مائل رہی۔ وہ باپ کی طرف سے شیخوپورہ (بدایوں) کے فریدی خاندان سے تھے اور ماں کی جانب سے ان کا سلسلہ حکیم احسن اللہ خاں دہلوی سے ملتا ہے۔ ان کا بچپن دہلی میں گزرا۔ وہیں تعلیم و تربیت پائی۔ انٹرنس پاس کرنے کے بعد ۱۹۰۵ء میں مدرسۃ العلوم علی گڑھ پہنچے لیکن تعلیم ادھوری رہی ۱۹۱۲ء میں ملازمت کا سلسلہ تحصیلداری سے شروع ہوا اور ۱۹۴۶ء میں نیک نامی سے ترقی کر کے ڈپٹی کلکٹری سے پنشن پائی۔ باقی عمر علی گڑھ میں گزاری اور وہیں ۱۴ مئی ۱۹۵۳ء کو ہمیشہ کے لئے آرام کی نیند سو گئے۔
وہ ایک مخصوص رنگ کے نہایت عمدہ نثر لکھنے والے تھے جن کے مضامین اکثر مخزن لاہور، الناظر لکھنؤ، ہمدرد دہلی، کہکشاں لاہور، نقیب بدایوں اور سرگذشت علی گڑھ کے صفحات کی زینت ہوتے تھے۔ ابن مسلم ایک ناول بھی لکھا جو بے حد مقبول ہوا۔ ایک کتاب بانئے شیخوپورہ محتشم خاں نواب فرید خاں کے حالات میں لکھ کر تاریخ کی خشکی کو ادب کی رنگینی سے دور کیا۔

مولانا عبدالسلام ندوی

مولانا عبدالسلام ندوی اعظم گڑھ کے ایک چھوٹے سے گاؤں علاؤ الدین پٹی میں ۱۳۰۱ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر کے مکتب میں، فارسی کی تکمیل اپنے خسر مولوی عبداللہ سے، عربی کی تحصیل کانپور، آگرہ اور مدرسہ چشمۂ رحمت غازی پور میں کرنے کے بعد ۱۹۰۶ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے۔ اور ۱۹۱۱ء میں یہاں سے فراغت حاصل کر کے یہیں ادب کے مدرس ہو گئے۔ شعر و ادب اور لکھنے پڑھنے کا ذوق ابتدا سے تھا۔ میر ضامن علی جلال لکھنوی کے رنگ سے متاثر ہو کر نہایت اچھے شعر کہتے تھے۔ مولانا شبلی نے ان کی صلاحیتوں کا اندازہ کر کے پہلے الندوہ کا سب ایڈیٹر اور پھر ایڈیٹر مقرر کیا۔ اس کے

بعد سیرۃ النبی کی تالیف میں ان سے مدد لی۔ ڈیڑھ دو سال مولانا ابوالکلام آزاد کے الہلال میں کام کیا۔ ۱۹۱۴ء میں دار المصنفین اعظم گڑھ قائم ہونے پر اس سے وابستہ ہو گئے۔ آخر ۳ اور ۴ اکتوبر ۱۹۵۶ء کی درمیانی شب کو موت نے دفعتہً اس سے جدا کر دیا۔ مولانا فطری مصنف و اہل قلم اور ادیب و انشا پرداز تھے۔ سرسری مطالعہ سے کتابوں کا عطر کھینچ لیتے تھے۔ نہایت معصوم، بے نفس، قناعت پسند اور مستغنی انسان تھے۔ پوری زندگی نام و نمود سے بے نیاز یک گوشے میں بیٹھ کر علم و دین کی خدمت میں گزار دی۔ مذہبیات سے لے کر شعر و ادب تک ہر موضوع پر ہزاروں صفحے لکھے۔ ان کی اہم تصانیف "اسوۂ صحابہ، سیر الصحابیات، سیرۃ عمر بن عبد العزیز، ابن یمین، تاریخ اخلاق اسلامی، حکمائے اسلام، شعر الہند، اقبال کامل، تاریخ فقہ اسلامی، ابن خلدون، انقلاب الامم، انتقادی اسلام اور فقرائے اسلام وغیرہ ہیں۔

مولوی مسعود عالم ندوی

سید مسعود عالم ۲۱ محرم ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۱ فروری ۱۹۱۰ء کو بہار کے ایک گاؤں اوگانواں ضلع پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا حکیم سید ابو الفتح عبد الشکور کا شمار صوبہ بہار کے بلند پایہ علماء میں ہوتا ہے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر اور مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں اور تکمیل دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ہوئی۔ عربی زبان و ادب کا شروع سے شوق تھا۔ اسی میں مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی ۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۵ء تک چار سال لکھنؤ سے ایک عربی ماہنامہ "الضیاء" نکالتے رہے، انگریزی ایف اے تک پرائیویٹ پڑھی۔ ۶ دسمبر ۱۹۳۶ء سے اکتوبر ۱۹۴۱ء تک خدا بخش لائبریری پٹنہ میں مرتب فہرست (کیٹلاگر) رہے اور اس عرصہ میں عربی جرائد میں مضامین لکھنے کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ اس کے بعد جماعت اسلامی کی سرپرستی میں "مدرسۃ العربیہ" کے نام سے عربی دار التصنیف کی بنیاد رکھی اور آخری دم تک اس کے نگران رہے۔ اس سلسلے میں مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کی بہت سی کتابیں عربی میں منتقل کیں۔ ۱۶ مارچ ۱۹۵۴ء کو کراچی میں وفات پائی۔ متعدد کتابیں یادگار چھوڑیں جن میں اسلام اور اشتراکیت، ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، دیارِ عرب میں محمد بن عبد الوہاب، مولانا عبید اللہ سندھی کے افکار پر ایک نظر وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ وہ بہت محتاط الفاظ میں نہایت مختصر لکھتے تھے۔

مولوی اکرام اللہ خاں ندوی

مولوی صاحب ندوہ کے فارغ التحصیل اور مولانا شبلی کے عزیز اور لائق شاگردوں میں تھے۔ مولانا شبلی کی زندگی ہی میں الندوہ کی ادارت کی۔ بعد میں نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی ان کو ایجوکیشنل کانفرنس میں لے گئے۔ اور وہ مستقل طور پر اسی سے وابستہ رہے۔ کانفرنس گزٹ کی ادارت اور تصنیف و تالیف کا کام آپ کے سپرد تھا چنانچہ آپ نہایت خاموشی سے اپنے تحقیقی اور علمی مشاغل میں لگے رہتے تھے۔ بہت موٹے اور بھدے خد و خال کے پستہ قد بزرگ تھے۔ شخصیت میں کوئی وجاہت اور جاذبیت نہ تھی۔ وطن شاہجہان پور تھا لیکن علی گڑھ میں بس گئے تھے اور کانفرنس کمپاؤنڈ کے ایک مکان میں بیوی بچوں کے ساتھ رہتے تھے۔ ۱۹۵۲ء میں انتقال ہوا اور یہیں سپرد خاک ہوئے "وقار حیات" آپ کی مشہور تصنیف ہے۔

مولوی سعید انصاری ندوی

فتح پور ہسوہ کے رہنے والے ہیں۔ سلسلۂ نسب موضع یاسین پور کے انصاری خاندان سے ملتا ہے جس کے ارکان اکبر اعظم کے عہد سے لے کر اب تک برابر خطیب ہوتے چلے آئے ہیں۔ مولوی سعید ۱۷ فروری ۱۸۹۳ء کو پیدا ہوئے۔ اختر علی تاریخی نام ہے۔ تعلیم کی منزلیں ۱۳۲۰ھ سے ۱۳۲۹ھ تک کانپور میں طے ہوئیں۔ باقی عمر تصنیف و تالیف اور شعر و شاعری میں گزری۔ زیادہ عرصہ دار المصنفین اعظم گڑھ میں رہے۔ ان کی عربی نثر کو پروفیسر مارگولیتھ بہت پسند کرتے تھے۔ ۱۹۱۶ء میں موصوف نے انہیں عربک لٹریری ایسوسی ایشن آف لندن کا رکن منتخب کیا۔ ستمبر [illegible] میں رسالہ

ہندوستانی الٰہ آباد کے حصۂ اردو کے ایڈیٹر ہوئے۔ آپ شاعر بھی ہیں اور نثر نگار بھی۔ نقاد بھی ہیں اور مورخ بھی۔ لکھنؤ کے رسالہ فاران کے ایڈیٹر بھی رہ چکے ہیں۔ نہایت باذوق، روشن خیال، وسیع النظر عالم ہیں۔ انداز بیان متین اور شستہ ہے۔ طرز تحریر ایسا ہے کہ اس میں سرسید اور شبلی کے رنگ ملے جلے نظر آتے ہیں۔ سیر الانصار، سیر الصحابہ اور جاپانی شاعری وغیرہ آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔

اختر شیرانی

داؤد خاں نام، اختر تخلص تھا۔ مشہور فاضل اور محقق حافظ محمود شیرانی کے فرزند تھے۔ ۴ مئی ۱۹۰۵ء کو ریاست ٹونک میں پیدا ہوئے۔ لاہور آکر ۱۹۲۱ء میں منشی فاضل اور ۱۹۲۲ء میں ادیب فاضل کا امتحان پاس کیا۔ شعر گوئی کا شوق بچپن سے تھا۔ پہلی نظم جو کہ ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی جس نے ان کا نام سارے ہندوستان میں مشہور کر دیا۔ مختلف وقتوں میں ہمایوں، انتخاب، بہارستان، خیالستان، رومان اور شاہکار کے ایڈیٹر رہے۔ مولانا محمد علی جوہر کے روزنامہ اخبار ہمدرد دہلی کے لئے فکاہی کالم بھی لکھتے رہے۔ ادارہ اردو مرکز میں مولانا تاجور کے معین و مددگار کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ کچھ عرصہ انجمن ترقی اردو دہلی سے بھی وابستہ رہے۔ ۱۹۴۷ء میں وطن واپس چلے گئے۔ مگر تقسیم ملک کے بعد پھر لاہور آگئے۔ بادہ نوشی نے ان کے دل و دماغ اور دوسرے اعضا پر بہت برا اثر کیا جس کے باعث ۹ ستمبر ۱۹۴۸ء کو میو ہسپتال لاہور میں انتقال ہو گیا۔ قبر میانی صاحب میں ہے۔ مگر وہ اپنی رومانی شاعری کی وجہ سے ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ ان کی نظموں کے مجموعے صبح بہار، اختر ستان، لالۂ طور، طیور آوارہ، شہناز، شہر ود، نغمۂ حرم اور پھولوں کے گیت کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔

ڈاکٹر محمد دین تاثیر

محمد دین نام، تاثیر تخلص تھا۔ ۲۸ فروری ۱۹۰۲ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اسلامیہ ہائی سکول شیرانوالہ میں اور اعلیٰ تعلیم مشن کالج لاہور میں پائی۔ ۱۹۲۲ء میں جب حکیم یوسف حسن نے نیرنگ خیال لاہور سے جاری کیا تو اس کے عملۂ ادارت میں شریک ہوئے۔ ۱۹۲۶ء میں کچھ عرصہ اسلامیہ کالج لاہور میں انگریزی کے پروفیسر رہ کر محکمہ اطلاعات پنجاب میں ملازم ہو گئے مگر یہ جگہ پسند نہ آئی اس لئے ۱۹۲۸ء میں پھر اسلامیہ کالج میں چلے آئے۔ ۱۹۳۳ء میں انگلستان گئے جہاں سے ۱۹۳۶ء میں کیمبرج یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری لے کر واپس آئے۔ کچھ عرصہ ایم اے او کالج امرتسر میں پرنسپل رہے۔ ۱۹۴۰ء میں سری پرتاپ کالج سری نگر کے پرنسپل مقرر ہو کر کشمیر چلے گئے۔ اس کے بعد قیام پاکستان تک شملہ اور دہلی میں حکومت کے مختلف عہدوں پر فائز رہ کر ۱۹۴۸ء میں اسلامیہ کالج لاہور کے پرنسپل ہو گئے۔ اسی دوران میں کشمیر کے مسلمانوں کے نقطۂ نظر کی وضاحت کے لئے امریکہ گئے اور ۳۰ نومبر ۱۹۵۰ء کو لاہور میں انتقال کیا۔

تاثیر نہایت باذوق اور ذی علم تھے۔ نظم و نثر میں نہایت بلند پایہ رکھتے تھے۔ ادب، آرٹ کے نقاد بھی تھے۔ "آتش کدہ" ان کے کلام کا مختصر سا مجموعہ، "عزیز کے نام" ان کے خطوط کا مجموعہ اور کنول ایک ناول ان کی یادگار کے طور پر شائع ہو چکے ہیں۔

چراغ حسن حسرت

چراغ حسن نام، حسرت تخلص، ۱۹۰۴ء میں پونچھ (کشمیر) کے ایک گاؤں بمیار میں پیدا ہوئے۔ عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم اپنے نانا حسن اور اپنے والد شیخ بدرالدین سے حاصل کرنے کے بعد میٹرک کا امتحان پاس کیا اور لاہور آکر ۱۹۲۲ء میں بی اے کا امتحان دیا۔ حصول تعلیم کے بعد معلمی کا پیشہ اختیار کیا لیکن کچھ دنوں بعد کلکتہ جا کر اخبار نویسی شروع کر دی اور عصر جدید، نئی دنیا، جمہور، استقلال اور پیغام وغیرہ جرائد میں فرائض ادارت انجام دئے۔ ۱۹۲۹ء میں مولانا ظفر علی خاں انہیں لاہور لے آئے۔ لاہور میں حسرت نے زمیندار، انصاف، احسان، احرار، شہباز، شیرازہ اور دیگر اخبارات کے اداروں میں کام کیا بعد ازاں آل انڈیا ریڈیو کی ملازمت اختیار کی۔ دوسری جنگ کے شروع میں فوجی اخبار کے ایڈیٹر مقرر ہو کر برما اور ملایا گئے۔ واپس آکر امروز کی زمام ادارت سنبھالی۔ ۱۰ جنوری ۱۹۵۱ء کو یہاں سے مستعفی ہو کر ریڈیو پاکستان میں فوجی پروگرام مرتب کرنے پر ملازم ہو گئے۔ مگر پھر لاہور آگئے۔ اس دوران میں آپ کو دل کا عارضہ ہو گیا اور آپ ۲۶ جون ۱۹۵۵ء کو ہمیشہ کی نیند

...میں ساحری تخلص کرتے تھے مگر جب سکھر اور جیکب آباد سے لاہور آئے تو ان کی زندگی ایک ایسے انقلاب سے دوچار ہوئی کہ وہ ساحری سے میرا جی بن کر بالکل ہی بدل گئے۔ کچھ عرصہ بعد انہوں نے حلقہ ارباب ذوق میں دلچسپی لینی شروع کی ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۱ء تک رسالہ ادبی دنیا کے نائب مدیر رہے پھر آل انڈیا ریڈیو میں ملازم ہو کر دہلی چلے گئے۔ وہاں انہوں نے حسب ضرورت مسودات لکھنے میں مہارت حاصل کی۔ ...ت بھی لکھے اور اتنے کہ ان کا مجموعہ "گیت ہی گیت" کے نام سے شائع ہوا۔ آخر وہ بمبئی پہنچ کر میرا جی شراب میں ایسے غرق ہوئے کہ کسی کام کے نہ رہے۔ وہاں سے ...بمبئی جا کر ایک ادبی ماہنامہ "خیال" جاری کیا۔ آخر ۳ نومبر ۱۹۴۹ء کو بمبئی کے ایک اسپتال میں انتقال کیا۔ میراجی کی زندگی خاصی پُر اسرار اور پیچیدہ تھی۔ وہ جنسی جذبات کا شکار رہے۔ ان کی اکثر نظموں میں بھی پیچیدگی اور ابہام پایا جاتا ہے۔

سعادت حسن منٹو

سعادت حسن منٹو امرتسر کے ایک معزز کشمیری خاندان سے تعلق رکھتے اور برصغیر پاک و ہند کے مشہور افسانہ نگار تھے۔ وہ ۱۱ مئی ۱۹۱۲ء کو سمرالہ ضلع لدھیانہ میں پیدا ہوئے۔ امرتسر میں تعلیم پائی۔ میٹرک کے بعد کچھ عرصہ علی گڑھ ...کالج میں گذارا مگر جلد ہی تعلیم کا سلسلہ ختم کر کے امرتسر کے روزنامہ مساوات سے منسلک ہو گئے۔ باری علیگ نے منٹو کو تخلیق ادب کے راستے ...پر لگایا۔ ابتدا میں انہوں نے یورپی زبانوں کے افسانے اردو میں منتقل کئے اور لاہور کے مشہور رسائل ہمایوں اور عالمگیر کے علاوہ زینب فرانسیسی ...اور روسی ادب نمبر مرتب کئے جس سے ان کے تراجم کی دھاک بیٹھ گئی۔ اس کے بعد انہوں نے طبع زاد کہانیاں لکھیں اور تھوڑے ہی ...عرصہ میں ان کا شمار اردو کے بہترین افسانہ نگاروں میں ہونے لگا۔ کچھ عرصہ وہ بمبئی کے ہفت روزہ مصور کی ادارت کے فرائض انجام دیتے ...رہے پھر آل انڈیا ریڈیو دہلی میں ملازم ہو گئے۔ یہاں انہوں نے بعض نہایت کامیاب ریڈیو ڈرامے اور فیچر لکھے۔ جن کے مجموعے "منٹو کے ڈرامے"، "تین عورتیں"، "کروٹ" اور "جنازے" وغیرہ ناموں سے چھپ چکے ہیں۔ دہلی سے پھر بمبئی گئے جہاں فلمی کہانیاں اور مکالمے لکھے۔ ...قیام پاکستان کے بعد لاہور آ کر ان دوستوں کے اسکیچ لکھے جو فنون لطیفہ کی دنیا میں مشہور تھے۔ یہ اسکیچ "گنجے فرشتے" نامی کتاب میں جمع کر دئے گئے ...ہیں۔ منٹو کی حقیقت پسندی اور جرأت و بے باکی بعض اوقات عریانی کی حد تک پہنچ جاتی تھی۔ ان کے افسانوں کے مجموعوں میں "دھواں"، "منٹو ...کے افسانے"، "خالی بوتلیں خالی ڈبے"، "ٹھنڈا گوشت"، "سرکنڈوں کے پیچھے"، "تلخ ترش شیریں"، "سڑک کے کنارے" اور "منٹو کے مضامین" وغیرہ شامل ہیں۔ ...۱۸ جنوری ۱۹۵۵ء کو لاہور میں انتقال ہوا۔

مجاز

اسرار الحق نام، مجاز تخلص تھا۔ ۱۹۱۱ء میں اپنے وطن قصبہ رودولی ضلع بارہ بنکی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد شیخ سراج الحق لکھنؤ میں ججی کے عہدے پر فائز تھے۔ مجاز کی ابتدائی تعلیم و تربیت یہیں ہوئی۔ ۱۹۲۶ء میں علی گڑھ یونیورسٹی سے بی اے ...کرنے کے بعد کچھ عرصہ آل انڈیا ریڈیو دہلی میں اور کچھ عرصہ حکومت بمبئی کے محکمۂ اطلاعات میں ملازم رہے۔ اس کے بعد حلقہ ادب لکھنؤ ...کا کنوں اور نیا ادب کے ادارہ میں رہ کر ہارڈنگ لائبریری دہلی میں ملازم ہو گئے لیکن تھوڑا عرصہ بعد ملازمت چھوڑ کر صرف شعر و شاعری ...کے ہو گئے۔ مجاز کی شاعری میں اپنے ماحول کے گہرے اثرات پائے جاتے ہیں۔ ابتدا میں وہ رومانی شاعر تھے۔ بعد میں ملکی حالات سے ...متاثر ہو کر ان کی شاعری میں انقلابی رنگ پیدا ہو گیا۔ ان کا پہلا مجموعہ کلام "آہنگ" کے نام سے ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا۔ اس میں کچھ ...نظموں کا اضافہ کر کے مجاز نے ۱۹۴۵ء میں "شب تاب" کے نام سے اور پھر مزید اضافے کے بعد ۱۹۴۹ء میں "ساز نو" کے نام سے طبع ...کرایا۔ وہ ۵ دسمبر ۱۹۵۵ء کو فوت ہوئے۔

مکتوب مولانا ابوالکلام آزاد — مکتوب الیہا بیگم حسرت موہانی

تحیۃ وسلاما۔

اخبارات میں صوبجات متحدہ کی گورنمنٹ کا مولوی حسرت کے متعلق کمیونک نظر سے گذرا اور آپ کا خط بھی جو مترل مویدہ نے شائع کیا ہے۔ حق یہ ہے کہ آپ لوگوں نے اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْہِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا کی مجسم تفسیر دنیا کو دکھلادی۔ قرآن نے ان کامل انسانوں کا ذکر کیا ہے جو اللہ پر سچا ایمان رکھتے ہیں اور پوری استقامت کے ساتھ اس پر جم گئے ہیں۔ پھر وعدہ کیا ہے کہ ایسی پاک ہستیوں کے لئے نہ تو کوئی چیز ڈرانے والی ہے اور نہ غمگین کرنے والی۔ مولوی حسرت نے اور آپ نے ثابت کردیا کہ ایسے کامل انسانوں سے مسلمانوں کی بستیاں ابھی بالکل خالی نہیں ہوئی ہیں۔ یہ مقام یوسفی کا کامل ترین درجہ ہے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے دو راہیں کھولی گئی تھیں۔ آزادی اور معصیت، قید خانہ اور طاعتِ حق۔ انہوں نے آخری راہ اختیار کی اور فرمایا "رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْہِ" خدایا قید خانہ مجھ کو کہیں زیادہ محبوب ہے اس چیز سے جس کی طرف مجھ کو بلایا جارہا ہے۔ الحمدللہ کہ اللہ نے اپنے فضل وکرم سے حسرت کو مقامِ یوسفی کے کامل اتباع کی توفیق دی اور اس فضیلت میں کوئی دوسرا ان کا شریک ونظیر نہیں۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔

البتہ موجودہ عہد سے اس مقام کے فہم وقدرشناسی کی امید نہیں۔ یہ عہد صرف تخم ریزی کا ہے جو کاشتکاری کے کاموں میں سب سے زیادہ محنت طلب اور مشکل وقت ہے۔ فصل کاٹنے کا وقت نہیں ہے۔ جب وہ وقت آئے گا تو دنیا ان لوگوں کو یاد کرے گی جنہوں نے بیج بونے کی محنت اپنے ذمہ لے لی تھی اور پھل کھانے کی لذت آنے والوں کے لئے چھوڑدی تھی۔ اس وقت آسمان وزمین ان لوگوں کی بڑائی پر شہادت دیں گے، اور وہی دنیا جو اس وقت غافل سورہی ہے اُٹھے گی تاکہ ان کی پرستش کرے۔ حسرت جو کچھ کر رہا ہے ہندوستان اس کو پچاس برس بعد سمجھ سکے گا۔ اس وقت اس سے زیادہ امید نہ رکھئے کہ چند اخبارات میں دو چار مضمون نکل جائیں گے اور وقت کی حالت دیکھتے ہوئے یہ بھی خلافِ توقع ہے۔ جو حالت اس بارے میں دنیا کی متفقہ تاریخ بتاتی ہے، اس کا مقتضی تو یہ ہے کہ ہر طرف سے تحسین کی جگہ ملامت کی صدائیں اُٹھیں اور لوگ کہیں کہ یہ مجنون

۔۔۔ یہ تو پاگل ہو گیا ہے۔ اقوام و ممالک کی اصلاح و خدمت کا اصلی منبع و سرچشمہ انبیا کرام کی زندگی اور ان کا پاک نمونہ ہے۔ سو ان کا حال جو قرآن نے بتلایا ہے وہ معلوم ہے جب کہ وہ اپنی قوم کو زندگی اور کامیابی بخشنا چاہتے تھے تو قوم پتھروں کی بارش سے ان کا استقبال کرتی تھی۔

جب میں آپ کے عزم و استقامت اور اس کے ساتھ تنہائی و بے سر و سامانی کو سوچتا ہوں تو کہہ نہیں سکتا کہ قلب کا کیا حال ہوتا ہے۔ یہ اللہ ہی کی مدد ہے اور اس کے روح القدس کا اخلاص ہے کہ آپ کو ان مصائب و شدائد میں بھی وہ عزم بخشتا ہے جو کسی ایک مرد کو بھی آج نصیب نہیں۔ افسوس میں خود مجبور و معطل ہو رہا ہوں اور اپنے وجود ناکارہ کو آپ کے لئے کچھ سودمند نہیں پاتا۔ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ میں کیونکر آپ کے لئے مفید ہو سکتا ہوں، کوئی ضرورت، کوئی کام، کوئی خدمت مجھے لکھئے شاید میں کچھ کر سکوں اور اس طرح اپنے قلب نادم و خجل کو تسکین دے سکوں۔ آپ کی مالی حالت آج کل کیسی ہے؟ مصارف و ضروریات کا کیا انتظام ہے۔ مکان قائم ہے یا نہیں اگر نہ ہو تو کیونکر اس کا انتظام ہوا ہے؟ امید ہے کہ ان امور کو مفصل لکھیں گی۔

آپ نے فوٹو کی نسبت لکھا تھا۔ یہاں ایک شخص نے اپنے شوق سے لیا تھا میں نے ایک کاپی کے لئے اس کو کہا ہے کہ آپ کو بھیج دے میں تو اس کو ایک محض بے کار شے سمجھتا ہوں تعجب ہے کہ آپ کو اس کے لئے اصرار ہے۔

مخلص ابوالکلام دانخیر

(۲)

مکتوب مولوی عبدالحق صاحب — مکتوب الیہ ڈاکٹر عابد حسین صاحب جامعہ دہلی

بنجارہ روڈ حیدرآباد دکن

۲۲ مارچ ۳۱ء

شفیق و مکرمی۔ تسلیم

میں اورنگ آباد چلا گیا تھا۔ آج ہی واپس آیا ہوں۔ صدیق حسن کی بچی کی شادی تھی۔ ان کا اور ان کی والدہ کا سخت اصرار تھا کہ جب تک آپ نہ آئیں گے ہم لڑکی کو رخصت نہ کریں گے، ناچار مجھے جانا پڑا۔ آپ کا خط بس میں حضرت بیخود کا بدایت نامہ ملفوف تھا مجھے پہنچ گیا۔ اس میں اب کسی بحث یا گفتگو کی گنجائش باقی نہیں جس بے تکلفی سے انہوں نے حیدرآباد کے متعلق اپنی رائے کا اظہار فرمایا ہے اور "بکمال ادب" "اعلیٰحضرت کی خدمت میں" عرض "کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ اُسے پڑھ کر بے اختیار (اور تو کیا کہوں) ان پہ پیار آتا ہے۔ انہیں کیا معلوم کہ اس رقم کے حاصل کرنے میں جو حضرت کی نظر میں اس قدر قلیل اور حقیر ہے مجھے کیسی کیسی کھکھیڑیں اٹھانی پڑیں اور کیسے کیسے جتن کرنے پڑے۔ دس سال کی متواتر جد و جہد کے بعد یہ دن نصیب ہوئے ہیں۔ اس پر بھی اہل کرم کا یہ خیال ہے کہ ہم نے بہت دیا۔ ضرورت سے زیادہ دیا ؎

دونوں جہان دے کے وہ سمجھے یہ خوش رہا
یاں آپڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں

یہ بڑا طولانی قصہ ہے کبھی زبانی بیان کروں گا۔ یہ محض اتفاق تھا کہ اتنی رقم بھی مل گئی ورنہ مجھے کوئی توقع باقی

نہیں رہی تھی۔ وہ صاحبان علم و فضل جو ان چیزوں کے سمجھنے کے بڑے مدعی ہیں۔ انہیں کبھی یہ توفیق نہ ہوئی (اگرچہ زبانی بہت کچھ تائید اور حوصلہ افزائی فرماتے رہے) کہ میری اس تجویز کو اپنی تائید کے ساتھ آگے بڑھائیں یا اس کی منظوری کے لئے کوئی کوشش کریں۔ ان چیزوں کا قدر دان صرف ایک شخص تھا۔ یعنی مرحوم نواب عماد الملک اور وہ اس میں کبھی پس و پیش نہیں کرتے تھے اور فوراً مدد دینے پر آمادہ ہو جاتے تھے۔ لیکن آخر عمر میں وہ معذور ہو گئے تھے۔ اور اگرچہ ان کے اختیار میں کچھ نہ تھا لیکن اس پر بھی یہ حال تھا کہ جہاں تک ہو سکتا تھا اور جو کچھ ہو سکتا تھا اس سے دریغ نہ کرتے تھے اعلیحضرت کو لکھتے تھے۔ ان کے مقربین کو بلا کر کہتے تھے۔ اہل حل و عقد کو سمجھاتے تھے اور اپنی ذات سے بھی بلا تامل مدد کرتے تھے اور کبھی زبان پر نہیں لاتے تھے۔ ایسے لوگ اب نہیں رہے۔ اب تو ہر کام بازار کا سودا ہو گیا ہے۔ سودے کی طرح معاملہ کرو تو ہوتا ہے۔ ورنہ کوئی نہیں پوچھتا۔ مجھے کس قدر حسرت و افسوس ہے کہ میں آجکل حیدرآباد میں ہوں اور نواب عماد الملک بہادر نہیں ہیں۔ ان کی ذات سے مجھے بڑی تقویت تھی اور بڑے بڑے کام کھیل معلوم ہوتے تھے۔ اب کوئی ایسا نہیں رہا جو علمی کاموں کی دل سے شوق سے قدر کرتا ہو۔ ہاں اچکوں نقندوں کی طرح داؤ پیچ سے۔ دھوکے سے یا خوشامد سے یا سر ہو کر کوئی کام نکال لے تو نکال لے۔

میرا ارادہ اکیڈیمی کے جلسے میں الہ آباد جانے کا نہیں تھا۔ لیکن ڈاکٹر تاراچند کا ایک خط ایسا آیا ہے۔ کہ اب مجھے انکار کرتے ہوئے شرم معلوم ہوتی ہے۔ البتہ ایسے موقعوں پر ایک گر بہت کام آتا ہے۔ وہ یہ کہ خط کا جواب ہی نہ دیا جائے اور چپ سادھ لیں۔ یہ گر میں نے ڈاکٹر تاراچند ہی سے سیکھا ہے۔ لیکن اسے میں ان کے حق میں اس قدر استعمال کر چکا ہوں کہ یہ ہتھیار بھی اب کھنڈا ہو گیا ہے۔ اس لئے اب میں کچھ ڈھل مل سا ہو رہا ہوں۔ آپ بھی ہمت کیجئے۔ چلئے۔ کچھ نہیں تو ملاقات ہی کا لطف رہے گا۔

امید ہے کہ رقم پہنچ گئی ہو گی۔ رسیدیں صدیق حسن کے نام اورنگ آباد بھیج دیجئے گا۔ ڈاکٹر..... صاحب اچھے ہیں۔ اپنا کام خوب کر رہے ہیں۔ لیکن اس سے زیادہ فرنچ سرکل کے دلدادہ ہیں۔ یہاں فرانسیسی داں لفنگوں (یہ لوفرز کا ترجمہ ہے) نے اپنی سوسائٹی بنائی ہے۔ جس کا نام فرنچ سرکل رکھا ہے۔ اس میں صرف فرانسیسی بولی جاتی ہے۔ کسی دوسری زبان کے بولنے کی اجازت نہیں۔ فرانسیسی گیت گائے جاتے ہیں۔ اور فرانسیسی ناچ ناچتے ہیں۔ مرد و عورت ہر دو جنس اس میں شریک ہیں۔ مجھے تو ان کے لچھن کچھ اچھے نہیں معلوم ہوتے۔ ہاں آپ کی جامعہ کا معاملہ ابھی کونسل میں پیش ہے۔ ریاست بھوپال نے یہ دریافت کیا تھا کہ جامعہ کو حیدرآباد سے کیا امداد دی گئی ہے۔ اور کب سے دی گئی ہے۔ اس کا جواب اور تمام واقعہ (متنازعہ فیہ) لکھ دیا گیا ہے۔ میرا ارادہ ہے۔ کہ میں شعیب کو لکھ کر کوئی ایسی تحریر منگاؤں جس سے یہ معلوم ہو کہ اگرچہ چیف کمشنر دہلی نے وہاں بھی امداد کے مسدود کرنے کے لئے لکھا تھا۔ مگر کوئی معقول وجہ نہ ہونے سے امداد جاری ہے۔ اور جو اندیشہ چیف کمشنر نے ظاہر کیا ہے۔ اس کی کوئی بنیاد نہیں۔ آپ کی کیا رائے ہے؟

ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب کی خدمت میں بہت بہت سلام کے بعد میرا شکریہ پہنچا دیجئے گا۔ کہ ان کے

پہلے حارث یا خارش نے ان کی ہدایت پر بمبئی سے عید کے موقع پر کیلے بھیجے تھے۔ بہت اچھے تھے۔ اور ہم سب نے خوب کھائے۔ تائم گنج سے بیراب تک آتے رہے لیکن پٹھان صاحبان پیک کرنا خوب جانتے ہیں۔ ایک صاحب نے جو اپنے وقت کے بھولے دانا معلوم ہوتے ہیں تمباکو (بنا ہوا پینے کا تمباکو) کے ساتھ پیک کر کے بھیج دیئے۔ پارسل جو کھولا تو حیرت ہوئی۔ کالے کالے تمباکو میں سرخ سرخ بیر کیا اچھے معلوم ہوتے تھے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ آبنوس میں لعل و یاقوت جڑے ہوئے ہیں۔ تمباکو میں تمباکو فروش کوڑیاں تو البتہ جڑ دیتے ہیں۔ گو بیروں کی پٹھان ہی کو سوجھ سکتی ہے۔

مجیب صاحب کیسے ہیں۔ میرا سلام کہہ دیجئے گا۔ امید ہے کہ آپ سب صاحب خیر و عافیت سے ہوں گے۔ افلاطون زماں.......خاں کچھ دنوں سے یہیں تھے۔ یہاں سے اورنگ آباد قیام کر کے دہلی تشریف لے گئے۔ افسوس کہ دس فقرے سنوانے کی نوبت نہ آئی۔ اب ان سے کہئے کہ فلسفے کا پیچھا چھوڑیں اور کوئی اور دھندا کریں۔

ڈاکٹر سلیم صاحب سے ملاقات ہو تو ان کو اور ان کی بیوی کو میرا بہت بہت سلام کہہ دیجئے گا۔

۲۲ مارچ ۱۹۳۱ء

نیاز مند عبدالحق

مکتوب مولانا عبدالماجد دریابادی (۳) بنام مولوی ضیاء احمد صاحب بدایونی

بسم اللہ

کرم گستر وعلیکم السلام

خود مدیر میگزین سلمہ اللہ ہی کا خط کیا کم تھا۔ کہ اس پر مستزاد آپ کا سفارش نامہ! ؎

تو تبسم بھی شریک نگہ ناز ہوا

آج کچھ اور بڑھائی گئی قیمت میری

کیسے انکار کروں۔ معذرت کن الفاظ سے پیش کروں؟ کاش آپ کو میری مصروفیتوں کا تفصیلی علم ہوتا! آپ خود ہی اس وقت ایسا حکم نہ دیتے لایکلف اللہ نفساً الا وسعہا۔ جب اللہ نے اس عذر کی بنا پر بندوں کو معافی دے دی ہے تو کیا خود بندے۔ بندوں کے حق میں اپنی درگزر سے کام نہ لیں گے؟

لکھ ڈالنا تو خیر کچھ ایسا مشکل نہیں۔ قلم گھسیٹ دینے میں وقت ہی کیا ایسا لگتا ہے۔ اصل سوال پڑھنے کا ہے۔ کسی ادیب یا شاعر کو از سر تا پڑھے بغیر کیسے اس پر لکھ دیا جائے۔ اور پھر پڑھنے ہی کا وقت نکالنا تو محال ہے۔ —— اپنے محبوب سے محبوب ادیب یا شاعر کا از سر نو مطالعہ کرنا۔ ایک مجاہدۂ عظیم ہے۔ اور یہیں آ کر بجز آپ سے معذرت کر دینے کے کوئی چارہ نہیں رہتا۔

خدمت صرف اتنی ممکن ہے۔ کہ کچھ عام مشورے دے دوں۔ خود وہ نمبر سامنے ہو تو اس پر بطور دیباچہ یا پیش لفظ چند سطریں لکھ دوں یا کوئی خاص مقالہ آ جائے تو اس پر الٹی سیدھی کچھ رائے دے دوں —— بوڑھے پہلوانوں کو آپ نے سنا ہو گا کہ اکھاڑے میں اتر کر کشتی کے قابل نہیں رہ جاتے۔ باہر بیٹھے ہوئے داؤ پیچ بتا سکتے ہیں۔

فن کے گُر سکھا بتا دیتے ہیں۔

مزاح و ظرافت اور طنز و تعریض دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ امید ہے۔ امید ہے کہ اس فرق کو خاص طور پر ملحوظ رکھا جائے گا۔ بلکہ خود شوخی و ظرافت کے درمیان میں جو لطیف فرق ہے اُسے نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔

شاعروں میں حضرت اکبر اور نثر نگاروں میں محمد علی جوہر ان سب اصناف کے جامع ہوتے ہیں۔ اکبر پر تو یقینی ہے کہ میگزین میں خوب کھل کر لکھا جائے گا۔ باقی کسی کو جوہر کی نثر نگاری پر بھی پوری توجہ کرنا چاہیے۔ مضامین محمد علی حالات محمد علی۔ نگارشات محمد علی وغیرہ کے نام سے کئی مجموعے نکل چکے ہیں۔ کم از کم انہیں تو ضرور ہی لیا جائے۔

لطیف۔ سبک۔ شوخ نگاری کی مثالیں ریاض خیرآبادی کے ہاں کثرت سے ملیں گی۔ کوئی ریسرچ کر کے ذرا دیکھے تو۔ اور نذیر احمد تو کسی طرح بھولنے والی چیز ہی نہیں۔

غیر مشہور اور گمنام لکھنے والوں میں یہ دو بھی از سر نو قدر دانی کے محتاج ہیں۔ ایک سیّد محفوظ علی بدایونی مغفور دوسرے شیخ ولایت علی۔

ظرافت اپنے حدود سے تجاوز کر کے ذاتیات اور شخص ہجو گوئی تک پہنچ جاتی ہے۔ اس کی مثالیں اودھ پنچ اسکول میں بہت ملیں گی۔ اور گلزار نسیم پر جو قیامت خیز بحث شروع ہوئی تھی۔ اس میں آخر میں طرفداران شرر بھی اسی سطح پر اتر آئے تھے۔ ملاحظہ ہوں ہفتہ وار ظریف مرحوم کی فائلیں ——— ایک طرف ہیں خطوط "بواصیمن کے نام" دوسری طرف ہیں مکتوب "سجادی خانم کے نام"۔

ہزل۔ ہکیٹر۔ فحاشی سب کے ڈانڈے آکر مسخ شدہ ظرافت میں سے مل جاتے ہیں۔

مولانا ابو الکلام کا جو مقام ادبیات میں ہے۔ وہ تو نظر میں ہو ہی گا۔ پھر حال کے لکھنے والوں میں شوکت تھانوی رشید صدیقی۔ قاضی عبد الغفار۔ سالک۔ پطرس اور کنہیا لال کپور۔

ہر مذہبی مناظرانہ رسالوں اور کتابوں میں جو ایک دوسرے پر غلاظتیں اچھالی گئی ہیں۔ اُن سے بھی گزار کیسے گذریئے گا! انہیں بھی سمیٹنا لازمی ہے ——— ایک مولوی صاحب رسالہ لکھتے ہیں "شریعت کا لٹھ" معاً دوسری طرف سے جواب نکلتا ہے "شریعت کا آرہ"۔ پھر شریعت کا ———" و قس علیٰ ہذا۔ ایک رسالہ کا عنوان ہوتا ہے "خبقاب" (کھڑاؤں کے معنی میں) معاً جواب نکلتا ہے "کنتاپ" (جوتی کے معنی میں)۔ بریلی سے آواز آتی ہے۔ کہ "دیوبند کا ایک دیوبیہ کہتا ہے"۔ دیوبند سے جواب نکلتا ہے "تو نے جو ہم کو اپنا خصم قرار دیا ہے۔ الخ ——— اس چھپن کی سیر آپ نے نہ کرائی۔ تو کچھ نہ کیا۔

ایک مستقل عنوان "علی گڑھ کا حصہ ظرافت و طنز میں" ضرور رکھئے اور اس کی ابتدا خود سرسید سے کیجئے ——— لیجئے معذرت نامہ خود ہی مضمون بن چلا۔

والسلام۔ نیاز مند عبد الماجد

ظفراللہ خاں صاحب جو یہاں سے اور بھی تیس میل دور رہتے ہیں. باوجود اس فاصلے کے صبح نو بجے سب سے پہلے آن پہنچے تھے. ہم شب زندہ دار ٹھہرے. کچھ نہ پوچھئے کہ دنیا و عاقبت دونوں میں سُرخروئی حاصل کرنا کتنا مشکل ہوتا ہے. چنانچہ ہمارا یہ حال تھا. کہ سے

رات پی زمزم پہ مے اور صبحدم
دھوئے دھبّے جامۂ احرام کے

اسمبلی ختم ہوتی. تو کشمیر کا شعلہ پھر بھڑکنے لگا. اسمبلی کے ڈیلیگیٹ اسمبلی ختم کرنے کے بعد اور موٹروں اور فریجیڈیروں کا سودا چکانے کے بعد پاکستان لوٹے. تو محمد علی اور ان کا قافلہ آن پہنچا. وہ گئے. تو ڈاکٹر گراہم کا تصفیہ نکتا چھوڑ گئے. خدا خدا کر کے پچھلے ہفتے گراہم یہاں سے روانہ ہوئے. تو پہلی مرتبہ اطمینان کا سانس لیا. لیکن یہ بھی کب تک. رات دن گردش میں ہیں سات آسمان ......

رفتہ رفتہ نئی زندگی کا عادی ہو گیا ہوں. جب میں یہاں پہنچا. تو دفتر کو (اپنے معیار کے مطابق) مردہ پایا. ان سے متقدمین کی گستاخی خدمت مقصود نہیں. ہر طبیعت کا تقاضا الگ ہوتا ہے. میری طبیعت ایسی ہے. کہ بے حسی سے کام کر ہی نہیں سکتا. ہلکا ہلکا سا بخار نہ چڑھا رہے. تو سمجھتا ہوں. کہ حرارت عزیزی سے محروم ہوں. اور جمود طاری ہو رہا ہے. یہاں حالت یہ تھی. کہ یو. این کا فیصلہ کراچی پہنچا دیا. کراچی کے کہنے پر ووٹ دے دیا. اللہ اللہ خیر سلا. یہ مشن محض ایک ڈاکخانہ بن کر رہ گیا تھا. کاروبارِ خاص بجز ہرکارے کے کچھ نہ تھا. کام پھیلایا. تو خود اس کا بوجھ میرے کندھوں پر پڑا. اپنی وقت پسندی کی شکایت کس سے کروں. یہاں کا کام وقت بہت زیادہ چاہتا ہے. ساٹھ ملکوں کے ساٹھ وفد. ہر ایک کا ووٹ کسی نہ کسی موقع پر اہم بن جاتا ہے. سفارتی گفت و شنید عجیب سست رفتار ہوتی ہے. ساٹھ وفدوں میں سے ہر ایک کو سلام کیجئے. مناسب وقفے کے بعد خیریت دریافت کیجئے. بیوی بچوں کا حال پوچھئے. کھانے کی دعوت دیجئے. موسم کا ذکر بالتفصیل کیجئے. حرفِ مطلب زبان پر یوں لائیے کہ بار نہ ہو. پھر ہفتوں جواب کا انتظار کیجئے. اس دوران میں مسکراتے رہیئے. اور نگاہ رکھئے. کہ تار ورسے ٹل رہے ہیں. یا کہیں رُک گئے ہوں. تو روغن تازہ. آتشِ سیّال. یا قطرۂ نیرب جیسا حکم بتائے. کام میں لائیے. کاک ٹیل پارٹیوں میں حاضری دیجئے یہ کاک ٹیل پارٹیاں بھی خدا جانے کس موذی نے ایجاد کی تھیں. جب حکومتیں شخصی ہوا کرتی تھیں. تو کئی باتیں دسترخوان پر پوری ہو جاتی تھیں. محمد شاہ ایسی دعوت دے. کہ نادر شاہ کا دل پسیج جائے. تو یہ ہوئی سیاست لیکن یہاں تو کوئی بغیر اپنی حکومت کے اشارے کے انگلی تک نہیں ہلاتا. پھر بھی کمبخت ضیافتوں پر وقت اور روپیہ ضائع کرتے رہتے ہیں. شراب کا میں کبھی دلدادہ نہ تھا. لیکن عصمت بچانے کے لئے ایک گلاس ضرور ہاتھ میں رکھنا پڑتا ہے. ورنہ ہر دو منٹ کے بعد کوئی نہ کوئی آپ سے تواضع برتے گا. اور آپ جواب دیتے دیتے اور اپنا دامن بچاتے بچاتے تھک جائیں گے. بھیڑ ہمیشہ اتنی زیادہ ہوتی ہے. کہ کھوے سے کھوا چھلتا ہے. (اور یہ تصادم محض کھووں تک ہی محدود نہیں ہوتا.) وقت ایسا ہوتا ہے. کہ آپ شام کا کھانا اس سے پہلے کھا سکتے ہیں. نہ بعد میں. لیکن جو لوگ سفیر یا وزیر بن جائیں. ان کی قسمت میں یہی لکھا ہے. کہ ہفتے میں دو تین مرتبہ یہ سزا ضرور بھگتیں. میں کاک ٹیل کا یوں منتظر رہتا ہوں. جیسے کوئی کسی آپریشن کا منتظر ہو. کہ تکلیف بھی ہو گی. لیکن اس کے

بغیر چارہ بھی نہیں۔ جس دن کاک ٹیل پارٹی ہو۔ میری شام غارت ہو جاتی ہے۔ دو گھنٹے مسکرا مسکرا کر کلّے اکڑ جاتے ہیں۔

خوبیٔ قسمت سے مجھے مکان ایسا مل گیا ہے۔ کہ طبیعت اس میں خوش رہتی ہے۔ مکان سرکار دیتی ہے لیکن ملازموں کا خرچ خود برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اور چونکہ رتبہ بڑا ہے۔ تنخواہ تھوڑی۔ اس لئے تنخواہ کے مطابق مکان لیجئے۔ تو پاکستان کی توہین ہوتی ہے۔ اور رتبے کے مطابق ٹھاٹھ رکھئے۔ تو جیب ساتھ نہیں دیتی۔ ہفتوں اسی کشمکش میں گزرے بالآخر ایسا مکان مل گیا جس میں ڈیڑھ ملازم سے کام چل جاتا ہے۔ اور پاکستان کے نام کو بھی بٹہ نہیں لگتا۔ (ملازمہ کی تنخواہ چھ سو روپیہ ماہوار ہے۔ اس کی خوراک اور رہائشی کمرہ الگ۔) چھ کمرے ہیں۔ لیکن تین منزلوں پر۔ بالکل لب دریا۔ اور رات دن آتے جاتے جہازوں کے نظارے سے تنہائی کا احساس کم رہتا ہے۔ ایک ہزار کے قریب کتابیں۔ اور چند سرخ پتھر کے مجسمے۔ چغتائی کی تین تصویریں ایک اونٹ کی اوجھڑی کا لیمپ۔ دو تین پاکستانی پھلکاریاں۔ ایک تانبے کا آفتابہ سینچی۔ یہ سب ساتھ لایا تھا۔ ان کی وجہ سے دل میں لہو کی ایک بوند نظر آتی رہتی ہے۔

میرے شغل تین قسم کے ہیں۔ ایک تو سیاسی۔ یعنی شطرنج اور ملاقاتیں۔ اور جاسوسی۔ اور دعوتیں اور بحثیں اور گفت و شنیدیں۔ اور کراچی کے ساتھ ٹیلگراف بازی۔ اور تعمیل احکام۔ دوسرے پبلسٹی یعنی مسلسل تقریریں۔ بیشتر کشمیر پر۔ نہ پاکستان کے عام حالات پر۔ چند ادب اور دیگر کلچرل معاملات پر۔ میری مانگ بہ نسبت اور حلقوں کے۔ کالجوں۔ سکولوں۔ یونیورسٹیوں اور گرجاؤں میں زیادہ ہے۔ اور روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ اب تک کوئی سو دو سو لیکچر دے چکا ہوں۔ اور اس سلسلے میں اکثر سفر میں رہتا ہوں۔ دنیا میں ہمارا دشمن بجز ہندوستان کے اور کوئی نہیں ہے۔ لیکن ہندوستان کا نام بڑا ہے۔ گاندھی اور سانپ اور سادھو اور بھان متی اور شیر اور ہاتھی سب اُسی کے حصے میں آتے ہیں۔ پاکستان سے لوگ کم واقف ہیں۔ کماحقہ پبلسٹی کے لئے کروڑوں روپیہ چاہئے۔ اس لئے جو موقعے مل جاتے ہیں۔ ان سے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہوں۔ اکثر لوگ صاف دل لیکن ہندوستان سے بے حد مرعوب ملتے ہیں۔ تاہم معقول بات کیجئے تو اثر پذیر ضرور ہوتے ہیں۔ ایک گرجے میں لوگ پاکستان کے حالات سے اس قدر متاثر ہوئے۔ کہ لیکچر کے بعد سب نے زانوؤں کے بل کھڑے ہو کر پاکستان کی بہبود کے لئے دعا مانگی اور ایک مذہبی HYMN میں پادری صاحب کے تصنیف کردہ دو بند پاکستان کے متعلق شامل کرتے۔ کالجوں اور سکولوں کے بیشتر طالب علم میرے کمرے کا طواف کرتے رہتے ہیں۔ اور پاکستان کے ٹکٹ اور تصویریں اور پمفلٹ مجھ سے لے جاتے ہیں۔ ان دو شغلوں سے فراغت ملے۔ تو ادبی ذوق کی آبیاری کرتا ہوں۔ یہاں پڑھے لکھے لوگ زیادہ ہیں۔ علماء کم دیکھنے میں آتے ہیں۔ مقرریں اس قدر مختلف ہیں۔ کہ گھنٹوں ہمزبانی کے بعد بھی ہم خیالی کم نصیب ہوتی ہے۔ بیچاروں کی سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ جب امریکہ کے پاس سب کچھ موجود ہے۔ تو ایسے لوگ اپنے حال پر کیوں نہیں چھوڑ دیتے۔ کلچرل دنیا میں سب کچھ حاصل کر لیتے ہیں۔ بجز حسن مذاق کے۔ چنانچہ حسن کو لپ سٹک اور ہوائی جہاز میں ڈھونڈھتے رہتے ہیں۔ روپے اور سامان کی بہتات ہے۔ جتنا کھا سکتے ہیں۔ اس سے دگنا پھینک دیتے ہیں۔ دکانیں اٹا اٹ سامان سے بھری رہتی ہیں۔ اشتہاروں کی وہ بھرمار ہے۔ کہ سورج چاند نظر نہیں آتے۔ ایک اخبار کے سنڈے ایڈیشن میں اتنا کاغذ لگاتے ہیں۔ کہ پاکستان کے سب اخبار دس سال تک اس پر چھپ سکتے ہیں۔ تاہم خوش نہیں رہتے۔ کسی چیز پر قانع نہیں ہوتے۔ اور ایک بیقراری سی ہر وقت ان پر

مسلط رہتی ہے۔ جب موقع ملے۔ ایک آدھ دن ہارورڈ یونیورسٹی میں جا کر گزارتا ہوں۔ وہاں رچرڈز صاحب انگریزی کے پروفیسر ہیں۔ کیمبرج میں میرے استاد تھے۔ ان کی مروّت کی وجہ سے وقت وہاں اچھا کٹ جاتا ہے۔ انہی کی بدولت میرے وہاں چند لیکچر بھی انگریزی اور امریکن اساتذہ کے متعلق ہوئے۔ نیویارک میں دوست مشکل سے دستیاب ہوتے ہیں۔ ذہنی اور مادی دونو فاصلے زیادہ ہیں۔ دوستوں کا جمگھٹا جس کے ہم لوگ عادی ہیں۔ وہ یہاں میسّر نہیں۔ بجز اس کے کہ ایک "پارٹی" کا انتظام کیجئے۔ لیکن میں نے پارٹیاں صرف سیاست دانوں کے لئے وقف کر رکھی ہیں۔ ان سے عہدہ برآ ہونے کے بعد پیسہ ہی اتنا پاس نہیں ہوتا۔ کہ انسان پاؤں پھیلا سکے۔ لیکن دو تین مصنّفوں اور ایک آدھ تھیٹر کے ارباب حل و عقد سے ملاقات ہے۔ ان کی بدولت کبھی کبھار شام رنگین ہو جاتی ہے۔ مگر آپ جانتے ہیں۔ دوستی کے رشتے عہد شباب میں قایم ہو جائیں۔ ان کا بدل باقی تمام عمر میں نصیب نہیں ہوتا۔ اس لئے تشنہ رہتا ہوں۔ اب کچھ اردو کی کتابیں بھی منگوائی ہیں۔ تین چار مہینے اردو کی صورت سے محروم رہا۔ پیاس کے مارے زبان باہر لٹکنے لگی تھی۔

صحت کے متعلق پریشانی رہتی ہے۔ ڈاکٹروں سے چھٹکارا نہیں ہوتا۔ خدا حکومت پاکستان کا بھلا کرے۔ کہ علاج معالجے کے اخراجات وہ برداشت کرتی ہے۔ ورنہ یہاں کی فیسیں ایسی ہیں۔ کہ خود ادا کرنی پڑتیں۔ تو مردہ ہی خراب ہوتا۔ ذیابیطس مجھے نہیں۔ تاہم احتیاط ضرور کرنی پڑتی ہے۔ پھر کچھ سرطان کے عود کا شبہ ہوا۔ پھر جگر میں خرابی پیدا ہوئی۔ چنانچہ ہر ہفتے ایک نہ ایک ٹیسٹ ہوتا رہتا ہے۔ ناک میں دم آگیا ہے (ان باتوں کا ذکر زبیدہ سے ہرگز ہرگز نہ کیجئے گا۔ وہ بیچاری ناحق پریشان ہوگی) احباب سے محض بے خبر ہوں۔ تاثیر کی موت کا اب تک یقین نہیں آتا۔ آغا حمید کی شادی پر ان کو تہنیت کا ایک تار دیا۔ جواب نہ آیا۔ حسرت۔ صوفی۔ ہاشمی۔ عابد۔ کسی نے کبھی خط نہیں لکھا۔ (مجرم میں بھی ہوں) جو پاکستانی یہاں آتے ہیں۔ ان سے داستانیں سنتا رہتا ہوں لیکن وہ اپنی دنیا کا حال بیان کرتے ہیں۔ میری دنیا کی بات کوئی نہیں کرتا۔ نیا شعر ایک برس سے نہیں سنا۔ بار بار وہی شعر گاتا رہتا ہوں۔ جو عہد رنگین میں فردوس گوش ہوئے تھے۔ ہارمونیم ساتھ لایا تھا۔ کبھی کبھی اس پر تنہائی میں قوالی گاتا ہوں۔ پاکستانیوں میں سے محمد علی۔ آفتاب۔ عبدالقیوم۔ زبیڈیچ خان۔ عبدالقادر (فائیننس) غلام محمد وغیرہ یہاں آتے جاتے ہیں۔ ان سے چند مجلسیں قایم ہو جاتی ہیں لیکن بلانوشوں کی اس سے کیا تسکین ہو سکتی ہے۔

بڑھاپا بھی آ رہا ہے۔ اس کا احساس مجھے ابھی تک نہیں ہوا۔ لیکن آثار تو اندھے کو بھی دکھائی دے رہے ہیں۔ وزیراعظم کے ساتھ جو امریکہ کا دورہ کیا تھا۔ اس سے صحت پر سخت چوٹ پڑی۔ کسی دن دو تین گھنٹے سے زیادہ نہ سویا۔ اور عظیم ذمہ داری کی وجہ سے اعصاب پر بھی بہت اثر پڑا۔ اس کے بعد آج تک تعطیل نصیب نہیں ہوئی۔ اکتوبر۔ نومبر میں تین مہینے کے لئے پیرس جانا ہوگا۔ کیونکہ جنرل اسمبلی اس سال وہاں ہوگی۔ ارادہ ہے کہ بیچ میں کرسمس کے لگ بھگ دو تین ہفتوں کیلئے کراچی کا چکر لگاؤں لیکن دیکھئے حالات کیا کروٹ لیتے ہیں۔ آپ کی زندگی میں بھی انقلاب کی وفات سے انقلاب آگیا ہوگا۔ خدا کرے آپ کی ہمّت میں خم نہ آئے۔

اپنے حالات سے مجھے مطلع رکھئے گا۔ انشاء اللہ میں اب خط و کتابت میں کوتاہی نہ کروں گا۔ خط ضرور لکھئے۔ کوئی شعر مل جائیں۔ تو وہ بھی بھیج دیجئے۔ کوئی کتاب کام کی ہو تو وہ بھی منصور سے کہئے فارن آفس کی معرفت ڈپلومیٹک بیگ میں بھجوا دے گا..........

خاکسار بخاری

(٤)

(٥)

نے زندگی سے بھی زیادہ گہرا نقش چھوڑا ہے۔ آپ تو خوب جانتے ہیں کہ مجھے مولانا کی بہت سی باتوں سے اختلاف تھا۔ خود مولانا بھی اس بات کو جانتے تھے۔ لیکن میں یہ کبھی نہیں بھول سکا کہ اپنی موجودہ زندگی کے لئے ان کا رہینِ منت ہوں۔ ان کی نظر کے فیض سے مجھے میری نئی زندگی ملی، اب یہ اچھی ہے یا بُری بہت کچھ اُن کی دی ہوئی ہے اور آرزو ہے کہ انہیں بدنام نہ کروں۔ دعا کیجئے کہ کچھ بن پڑے۔

بیگم محمد علی مدظلہٗ بھی کل صبح رام پور سے تشریف لائی ہیں۔ جس شب کو رام پور جا رہی تھیں جامعہ کے تمام اساتذہ اور طلبہ اسٹیشن پر حاضر ہوئے تھے۔ لیکن اسٹیشن پر ایسی گڑ بڑ تھی اور خود بیگم صاحبہ گریہ و ماتم کے باعث اس قدر پریشان تھیں کہ بس سب سلام کر کے واپس آئے۔ میں رام پور کی گاڑی کے وقت تک وہیں رہا۔ آج انہی سے ملا تھا۔ کل پھر جاؤں گا۔ ان سے مل کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ خدا صبر عطا فرمائے!

شوکت صاحب کب آ رہے ہیں؟ باسط کا کیا حال ہے؟ عابد کو دعا۔ فقط۔

مورخہ ۱۲/ فروری ۱۹۳۱ء

خادم ذاکر حسین

مکتوب مولانا غلام رسول مہر (۷) مکتوب الیہ مختار الدین آرزو

باسمہٖ سبحانہٗ

جانِ برادر۔ گرامی نامہ آج ملا۔ آپ کے جذبات لطف و محبت کا شکر گزار ہوں۔ اللہ تعالیٰ جزا دے۔ کہاں کا طرزِ تحریر اور کیسا اسلوبِ نگارش۔ نہ کوئی زبان سیکھی، نہ قواعد کا علم حاصل کیا۔ پیشِ نظر مطالب کو صفحۂ قرطاس پر پھیلانے کی کوشش کرتا رہا۔ ہر چیز اذعان و یقین کی بنا پر لکھتا ہوں۔ دلی احساس کے ساتھ لکھتا ہوں۔ اس لئے وہ غالباً مختلف حلقوں میں ایک گونہ اثر پیدا کرتی ہے۔ اقبال نے خوب کہا ہے ؎

شاعری زین مثنوی مقصود نیست بت پرستی، بت گری مقصود نیست

اور نظیریؔ اس سے پہلے گویا میری ہی زبان سے کہہ چکا ہے:

سخن طرازی و دانش ہنرِ نظیریؔ نیست قبول دوست مگر نالۂ حزیں گردد

میں نے آپ کے پہلے گرامی نامہ کا جواب بھی مختصراً دے دیا تھا۔ غالباً اب تک مل گیا ہو۔ آپ میرے احساسات سے واقف ہیں۔ اس ہمہ گیر تباہی کے باعث دل کی جو حالت ہو سکتی ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ پھر ان ساری پریشانیوں میں (؟) باتیں کہنے کا اضطراب۔ ایسی حالت ہے کہ گویا ہجوم نچال آگیا ہے۔ گرد و پیش کے مکان اور دیواریں پے بہ پے گر رہی ہیں۔ اور ایک قلبِ حزیں کی تڑپ یہ ہے کہ جو کچھ بھی بچ سکتا ہے اسے بچانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارے جائیں۔

یا سیل آگیا ہے اور حد درجہ تیز و تند۔ جو سب کچھ اپنے ساتھ بہائے لئے جا رہا ہے۔ اور میں اس فکر میں ہوں کہ جہاں تک ہاتھ پہنچ سکتا ہے ان [1] کو محفوظ کر لوں جو اس بے پناہ بہاؤ میں لپٹے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔

یا باغ سموم کی جولاں گاہ بن گیا ہے۔ تمام درخت جل رہے ہیں۔ اور ایک عریاں شاخ پر:

ایک بلبل ہے کہ ہے محوِ ترنم اب تک اس کے سینے میں ہے نغموں کا تلاطم اب تک

[1] یہاں ایک لفظ پڑھا نہیں گیا۔

(٧)

انجام نہیں دے سکی۔ مثلاً "مکالماتِ افلاطون" کے پائے کی کوئی کتاب نہیں لکھ سکی۔ لیکن "ہستیٔ افلاطون" تو بہرحال اسی کی صلاحیتِ تخلیق کی ممنون ہے۔ آخر افلاطون بھی عورت ہی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔

"شعلے سے شرار ٹوٹنا" حقیقت میں فارسی محاورے کا ترجمہ ہے۔

تبِ شعلہ کم نہ گردد ز گسستنِ شرارہ

شعلہ سے جب باریک باریک چنگاریاں اڑتی ہیں تو اس کو کہتے ہیں شرارہ ہا از شعلہ می گسستند۔ یعنی شرارے شعلے سے ٹوٹ رہے تھے۔ والسلام

۹ ستمبر ۱۹۴۸ء

سالک

مکتوب ڈاکٹر عبدالستار صدیقی　　　(۹)　　　مکتوب الیہ ڈاکٹر عبداللہ

مخدوم مکرم

آپ کا مقالہ "اقبال کے محبوب فارسی شاعر" ("اردو" جولائی ۱۹۴۶ء) پڑھ کر ابھی ختم کیا ہے۔ خوب ہے اور بہت خوب۔ ایک بات کہوں گا۔ "اقبال اور حافظ" والا ٹکڑا ذرا تشنہ رہا۔ اقبال کا حافظ کو سخت کہنا، اس پر بعض لوگوں کا برا ماننا۔ تعریض میں ایک رسالہ لکھا جانا، پھر دوسری اشاعت میں سے ان شعروں کا جو بنائے بے لطفی ہوئے تھے خارج کیا جانا اقبال کا ایک رسمی معذرت دوسری اشاعت میں کرنا۔ یہ سب آپ صاف اڑا گئے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ ان چیزوں کا بہت تفصیل سے ذکر کرتے۔ مختصر لفظوں میں ان کا تذکرہ کر کے محض واقعات اور ان کی علت بتا دیتے، صرف اتنی تفصیل سے جو آپ کے مقالے کے ڈھانچے میں سما سکتی۔

اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کہ اقبال آغازِ کار میں حافظ سے بہت متاثر ہوئے۔ آپ نے جو بالمقابلہ مثالیں دی ہیں ان میں کم ایسی ہیں جو آپ کے دعوے کے ثبوت میں مفید ہو سکیں۔ محض ایک لفظ یا ایک محاورے کی دونوں کے کلام میں موجودگی مشکل ہی سے ایک کا دوسرے پر اثر ثابت کر سکتی ہے۔ "فقیہ" اور "شکر انگیختن" اوروں کے ہاں بھی ہو گا۔ اگر نہیں بھی ہے تو ہو سکتا تو ہے۔

"شنیدہ ام کہ سگاں را قلادہ می بندی　　چرا بگردنِ حافظ نمی نہی رسنے"

یہ شعر الحاقی بتایا جاتا ہے۔ جس غزل میں یہ ہے اسی میں تین اور شعر قدیم ماخذوں کی رو سے الحاقی ٹھہرتے ہیں۔ خاص کر اس شعر کی بحث فیضی سے چلی۔ فیضی کہتا ہے:

منم فیضی کہ در میدانِ معنی　　چو من چابک سوارے تیز تگ نیست
بہ جلدِ شعرِ من از پوست تا مغز　　بجائے مردم ناپاک رگ نیست
بداں می ماند ایں پاکیزہ گفتار　　کہ در دیوانِ حافظ لفظِ سگ نیست

میر غلام علی آزاد بلگرامی "سروِ آزاد" میں لکھتے ہیں (صفحہ ۲) کہ شیخ محمد یحییٰ الہ آبادی کتاب "اعلام الانام" میں لکھتے ہیں کہ فیضی کی نظر حافظ کے اس شعر پر نہ پڑی: شنیدہ ام ...... الخ

(۵۱)

(11)

RECEPTION

SENSE OF HUMOUR

(٨١)

(الم)

(الم)

ہیں اور آگرہ کو ترجیح دیتے ہوئے بھی اخلاقی فرض کو اس ترجیح پر ترجیح دینا پڑ رہا ہے۔ آپ کا پیارا خط اور حضرت مسکین کا پر زور اصرار، دونوں دل کا دامن پکڑے ہوئے ہیں پھر اس پر آپ کے طلبا کا اصرار۔ غمِ عشق کو گویا غمِ فرائض نے کہیں کا نہ رکھا۔

میرے پاس طرح میں غزل نہ تھی اور فیض آباد، لکھنؤ اور الہ آباد کے ایک مشاعرہ کے لئے جو جناب وائس چانسلر صاحب اپنے یہاں کر رہے ہیں اور جس میں سوا شعرا کے صرف عورتیں سامعین میں ہوں گی اور جس کی طرح ہے

"کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں"

(ذرا اس شوخ طرح کو ملاحظہ کیجئے) ان تمام مشاعروں کے لئے غزلیں تیار کرنی ہیں ورنہ کم از کم پانچ سات شعر کی غزل آپ کی طرح میں بھی حاضر خدمت کر دیتا بھی گیا کر دوں میں تو تلملا کر رہ گیا۔ خیر ایک نئی غزل بھیج رہا ہوں، پسند آئے اور مناسب سمجھے تو کسی اچھے پڑھنے والے سے اس کے چند شعر پڑھوا دیجئے گا۔

ہاں لیکن میں آگرہ کبھی آنا ضرور چاہتا ہوں۔ اگر ۲۳ ؍فروری کو آپ کوئی مشاعرہ کریں تو حاضر ہو سکتا ہوں ورنہ آیندہ سال اور وہ بھی بشرطیکہ کم از کم ۱۵ ؍دن پہلے مجھے اطلاع مل جائے۔ اگر ۲۷ ؍جنوری ۱۹۶۱ء آیندہ سال کے لئے اٹل تاریخ ہے تو خیر یہی سہی۔ ورنہ ۳۰-۳۱ ؍اکتوبر اور یکم نومبر چھٹیاں ہیں دیوالی وغیرہ کی اور ان چھٹیوں میں تمام طلبا بھی وہیں ہوں گے کیونکہ جی بھر کر دسہرہ کی چھٹی میں گھر رہ چکے ہوں گے۔ موسم بھی نہایت خوشگوار رہے گا۔ بہر حال میں اپنی رائے کو ناخواندہ مہمان کی طرح آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں۔

اب اور اظہار معذوری و ندامت کے سوا کیا عرض کروں؛

کھوئی ہوئی سی عشق کی ہستی قبول کر   پلّے نہ ہوش ہے نہ گرہ میں ہیں منتیاں

۲۰ ؍جنوری   نیازکیش رگھوپتی سہائے۔ فراق

مکتوب مالک رام

(۱۵)

مکتوب الیہ ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرة المکرم! مجھے افسوس ہے کہ میں البدیع کے مجوزہ صفحوں کا عکس نسبتاً دیر سے بھیج رہا ہوں۔ خدا معلوم میرا گذشتہ خط جس میں کتاب کے کوائف کی تفصیل تھی آپ تک پہنچا یا نہیں۔ خدا کرے کہ یہ عکس آپ کو وقت پر مل جائے اور آپ کے مفید مطلب ثابت ہو۔ میری امید کے خلاف تصویریں زیادہ صاف نہیں حالانکہ اصل بہت روشن ہے۔ مشکل یہ پیش آئی کہ یہاں اسکندریہ میں خاص کتابوں کے عکس لینے والا کوئی مصور... نہ ملا۔ کتنے دن اسی تلاش میں نکل گئے آخر مجبور ہو کر میں ایک عام فوٹوگرافر کو ساتھ لے کر دار الکتب گیا اور امین مکتبہ کی اجازت سے پہلے اور آخری صفحوں کی تصویر اتروائی۔ کتاب کے اختتام کے بعد ایک صفحہ پر اسامہ کا ایک میمیہ قصیدہ ہے اور اسی ورق کی پشت پر کسی اور صاحب کا جوابی قصیدہ۔ کتاب اور اسامہ کے قصیدے کے کاتب الگ الگ معلوم ہوتے ہیں۔ اگرچہ دونوں کی کتابت کا ڈھنگ ایک سا نہیں۔

ایک اور بات یاد آئی۔ میں نے پچھلے خط میں اسامہ کے چار شعر نقل کئے تھے جو اس نے کتاب کے متن میں بطور سند لکھے ہیں۔ ان میں سے پہلے شعر کے مصرعہ ثانی کا آخری لفظ کچھ مشتبہ تھا اور غالباً میں نے اس کی طرف اشارہ

۱؎ یہ لفظ شاید صحیح پڑھا نہیں گیا

(۴۱)

آپ نے جس محبت سے آگرہ آنے کی دعوت دی ہے اس کی میں دل سے قدر کرتا ہوں اور انشاء اللہ جب کبھی پھر شمالی ہند کے لئے نکلوں تو ضرور آگرے میں شرف نیاز حاصل کروں گا۔ پروفیسر رشید احمد صاحب نے خواہش کی ہے کہ ابسٹر کی چھٹیوں میں حیدرآباد میں ارباب اردو کا ایک اجتماع کیا جائے تاکہ دکنی قدیم و جدید ادب سے مختلف اقطاع ہند کے اہل علم پوری طرح واقف ہوں۔ اور تاریخ ادب اردو اور زبان کی تدوین و توسیع کے بارے میں تبادلۂ خیال کریں۔ انہوں نے وعدہ فرمایا ہے کہ اس تحریک کا تفصیلی خاکہ تیار کر کے روانہ فرمائیں گے۔ وہ آئے تو میں وزیر تعلیمات حیدرآباد کی طرف سے دعوت نامے جاری کراؤں گا۔ امید ہے کہ آپ اور مولانا حامد حسن صاحب قادری بھی ضرور تشریف فرما ہوں گے۔

آپ کے خلوص اور کرم کا رہین منت:

۱۳ر جنوری ۱۹۴۴ء سید محی الدین زور

(۱۷)

مکتوب امتیاز علی عرشی مکتوب الیہ مالک رام

محترم، ۱۷ر رجب کا والا نامہ ۲۶ر رجب کو مل گیا تھا۔ آج ڈیڑھ ماہ کے بعد جواب لکھنے بیٹھا ہوں، اور یہ سوچ کر مطمئن ہوں کہ مسلمان کے لئے رمضان مبارک میں کام نہ کرنے کا کوئی عذر کب درکار ہوتا ہے۔ کیا یہ کچھ کم ہے کہ میں برابر روزہ رکھتا رہا۔ فرمائیے، ٹھیک ہے۔ یہاں جمعہ کو رمضان کا پہلا روزہ رکھا گیا اور ۲۹ دن کے بعد جمعے ہی کو ختم کر دیا گیا۔ ۷ر اگست یوم شنبہ ہمارے یہاں یوم عید تھا۔ بارش تقریباً پورے مہینے خوب ہوئی۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ پہاڑ پہ مقیم ہیں۔ بھوک پیاس برائے نام ہی لگتی تھی۔ یوں شکایت جس کا جی چاہے کرے۔ کہ انسان جلد باز اور بے صبرا ہے۔

قاسم بن سلام کا رسالہ خدا جانے آپ کو ملا یا نہیں۔ مل گیا ہو تو مہربانی فرما کر ذرا کوشش کر دیکھئے۔ الجادرہ جاہلی اسلامی کا مشہور شاعر ہے۔ اتنا بڑا شاعر ہے کہ تذکرہ نگار یہ لکھتے ہیں کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے روبرو کسی مشاعرہ کا ذکر آتا تو وہ دریافت فرمایا کرتے تھے کہ جادرہ کا کلام بھی وہاں پڑھا گیا تھا یا نہیں۔ اگر جواب نفی میں ملتا۔ تو وہ یہ خیال فرما لیتے کہ وہاں اچھا کلام نہیں پڑھا گیا۔ مگر ہے بہت کم گو۔ اسے کتاب الاجناس کے سائز پر چھاپا جائے تو اس کے حجم سے آدھا حجم ہوگا۔ ایک جرمن عالم نے ۱۸۵۰ء میں اسے شائع کیا تھا۔ مگر وہ نسخہ اب ناپید ہوگیا۔ میں نے اس کے نسخے کے ساتھ دو نسخے لنڈن کے، دو مکتبہ خدیویہ کے اور ایک رامپور کا اپنے سامنے رکھ کر کتاب کو مرتب کیا ہے۔ ان مخطوطوں کے علاوہ عربی ادب میں جہاں کہیں اس کا کوئی حوالہ نظر آیا ہے، اس کو بھی نوٹ کیا ہے۔ غرض کام حسب عادت محنت سے انجام کر دیا ہے، اور اس لئے توقع ہے کہ اہل علم پسند فرمائیں گے۔ جادرہ کے حالات کے لئے آغانی ملاحظہ فرمائیے۔ وہاں اس کا تذکرہ اور اشعار دونوں ملیں گے۔

قادر نامہ کا یہ نسخہ ۱۲۸۰ھ میں مجلس پریس دہلی میں باہتمام کنہیا لال چھپا تھا۔ سائز $\frac{30 \times 20}{16}$ اور صفحات کی تعداد ۱۶ ہے۔ آخر میں تجنیس اللغات مولفہ مولانا جامی شامل ہے۔ یہ چند اشعار کا ایک قطعہ ہے جس میں فراہی کی نصاب الصبیان کے انداز پر لغات نظم کئے گئے ہیں۔ سرورق پر اس کو اسمائے فارسی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ کتاب میں طباعتی غلطیاں متعدد ہیں۔ ہاں، ایک بات یہ اور قابل ذکر ہے کہ جامی والے قطعہ کے بعد دوسری بحر کا ایک اور قطعہ بھی لغات فارسی پر مشتمل پایا جاتا ہے۔ اس کے مصنف کا پتہ نہیں چل سکا۔

(۷۱)

(61)

(٥٨)

(BALANCED JUDGMENT)

ہے لیکن بڑی لوح ہو تو جس کسی کا بہترین قطعہ ہو وہ لکھوائیں۔
اسی سنہ کی ایک اور آیت بھی نکلی ہے سورۂ والفجر کی:-
یایتہا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک -

آیت یوں ہے یا یتھا - میں نے یائے ندا یعنی حرف (ی) حذف کر دی ہے۔ یہ آیت میں نے منظر صاحب کو نہیں لکھی کہ ایک ہی کافی ہے۔ مگر یہ اس سے بہتر ہے، آپ چاہیں تو لکھ دیں۔ دونوں میں سے جو پسند ہو۔ آپ کی طرح دوسرے حضرات بھی یہ فرمایا کرتے ہیں یا سمجھتے ہیں کہ مجھ سے بہتر تاریخ گو نہیں۔ میں اس کو آپ کی اور ان کی قدر افزائی سمجھتا ہوں ورنہ میرے علم میں تین سال پہلے تک دہلی میں ایسے تاریخ گو تھے (جو اب پاکستان میں ہوں گے) اور لکھنؤ اور دوسرے مقامات پر ہیں جن کے کمال کے سامنے میری تاریخیں ہیچ ہیں۔ البتہ میرا سا خبط کسی کو نہ ہوگا کہ دن رات تاریخیں کہتا ہوں۔ بات بات پر کہتا ہوں۔ اسی دھن میں رہتا ہوں۔ آج ہی آپ کا خط آنے سے پہلے کئی تاریخیں فرمائشی لکھ چکا تھا۔ میرے لئے تاریخوں کی بیگار عرش سے اترتی ہے یعنی آج جن بزرگ کی تاریخیں کہیں ان کا وصال گیارہ سال ہوئے ۱۳۵۹ھ میں ہوا تھا۔ مجھ سے اب فرمائش کی گئی۔ اپنے شوق اور خبط سے جو کہتا ہوں ان کا یہ حال ہے کہ لڑکی کے ہاتھ سے بندر روٹی لے گیا تو کہا "بڑا موذی و ظالم ہے" (۱۹۵۱ء)۔ ایک بچی کے ہاتھ میں بچھو نے کاٹ لیا تو کہا "یہی طبیعت کژدم کا اقتضا ہے بہی" (۱۹۵۰ء) ایک دوست کے ہاں لڑکی ہوئی تو کہا "بیٹی مبارک بیٹی مبارک" (۱۳۷۰ھ) وطن میں ایک عزیز کو بڑھاپے میں پتلون پہننے کا شوق ہوا۔ ۵۵ سال کی عمر میں پہلی مرتبہ پتلونیں بنوائیں، میں نے تاریخ کہی:-

تن گئے بھائی بھی پتلون میں آج — ان کی ٹانگوں کو سلاخیں کہیے
خوب پتلون کی نکلی تاریخ — "شجرۂ شوق کی شاخیں کہیے"
۱۹۵۱

ایک سال منہ بقر کے سبب سے قربانی نہ ہو سکی تو کہا "عید الاضحیٰ کیا جو قربانی نہ ہو" (۱۳۶۷ھ)۔ اعزا و احباب پاکستان چلے گئے تو کہا "ہو گئے خاندان بارہ باٹ" (۱۳۶۶ھ) پاکستان کی دو تاریخیں قرآن مجید سے بڑی عجیب نکالی تھیں، ایک ہجری ایک عیسوی۔ ابھی پاکستان بن نہ چکا تھا۔ صرف ۳ رجون ۱۹۴۷ء کو اعلان ہوا تھا کہ میں نے تاریخیں کہہ لیں۔ ہجری تاریخ صرف تین لفظوں سے نکلی تھی۔ وہ قطعہ میں نظم ہو گئی۔

آیۂ قرآن سے تاریخ یہ ہے ارشاد کنتم خیر امۃ ۱۳۶۶ھ

مشہور آیت ہے کُنتُم خَیرَ اُمَّۃٍ اُخرِجَت لِلنَّاس ...... دوسری عیسوی تاریخ کے لئے قرآن مجید جیسی ضخیم کتاب میں میری تلاش کی داد دیجئے: احلنا دار المقامۃ من فضلہ لا یمسنا فیہا نصب (سورہ فاطر رکوع ۴ پارہ ۲۲) اس کا ترجمہ یہ ہے: "اس نے ہم کو اپنے فضل سے ہمیشہ رہنے کے گھر میں اتارا جہاں ہم کو کوئی تکلیف نہ پہنچے گی" اپنے ہاں کے استاد عربی کو سنائیے۔

(۱۸)

KRAVCHKONSKY

پانی۔ لاہور آ کر کسی وقت گلہ شکوہ کر لیں گے۔ سیاسیات میں اختلاف تو ہو سکتا ہے لیکن اس کا اثر انسان کے ذاتی تعلقات پر نہیں پڑنا چاہیئے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ باوجود سیاسی اختلافات کے میرے دل میں آپ کی اور جناب سالک صاحب کی بہت ہی عزت ہے اور وقت مصیبت جو امداد آپ نے مظلوم کشمیریوں کو دی اس کو ہم لوگ کبھی نہیں بھولیں گے۔ میری طرف سے سالک صاحب کو محبت بھرا عرض و سلام۔

۱۴ راکتوبر ۳۹ء

آپ کا خیر اندیش شیخ محمد عبداللہ

مکتوب جوش ملیح آبادی | (۲۲) | مکتوب الیہ میکش اکبر آبادی

حضرت میکش، ابھی آفتاب طلوع نہیں ہوا ہے۔ ہوا کا ہر جھونکا کرۂ زمہریر بنا ہوا ہے۔ افق گلرنگ ہے۔ چڑیوں کی آوازوں میں گھلتی ہوئی برف کی موسیقی ہے۔ مادہ کبوتر کے زچہ خانے یعنی روشن دان سے اس کے بچوں کی پھڑپھڑاہٹ اور کبوتروں کی غٹرغوں کی آوازیں بھیرویں کے سُر پیدا کر رہی ہیں۔ ظرفِ غسل میں نل کا پانی بول رہا ہے ایک موسیقی کے ساتھ —— اور میں بیٹھا ہوا آپ کو خط لکھ رہا ہوں۔ انسانی فطرت کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ سیکڑوں دوستوں اور ڈیڑھ درجن محبوبوں میں سے میکش کے سوا اس وقت کوئی اور کیوں نہ یاد آیا۔ اسے کون سمجھ سکتا ہے۔ ممکن ہے میکش اس سہانے سماں میں اس لئے یاد آ رہے ہوں کہ ان کا دل صبح کی طرح لطیف و درخشاں ہے۔ لیکن حقیقت کیا ہے یہ بات کس کی سمجھ میں آ سکتی ہے۔

لیجئے کرن پھوٹ رہی ہے:

حسن جنبید ز خواب و مژہ برہم زد | فتنہ برپا شد و نشتر بہ رگِ عالم زد

ذرے ذرے میں گلابی رنگ مچل رہا ہے۔ حیات آنکھیں مل مل کر اور جنبشِ سر سے بکھری زلفوں کو پیشانی سے ہٹا ہٹا کر انگڑائیاں لے رہی ہے —— یہ کس وجود کی تصدیق کی جا رہی ہے، یہ کس حقیقتِ مستور کے ثبوت کا پرچم لہرا رہا ہے، مدت ہوئی میں نے کہا تھا ؎

ہم ایسے اہلِ نظر کو تلاشِ حق کے لئے
اگر رسول نہ ہوتے تو صبح کافی تھی

کاش وہی وجدانی دور اب بھی ہوتا۔ تفکر نے میرے وجدان کے سینے کو اپنے تیروں سے چھلنی کر دیا ہے۔ معلوم نہیں میں خوش ہوں یا غمگین۔ شاعر کی حیثیت سے تو مجھے شاید غمگین ہی ہونا چاہیئے۔ شاعری اجمال و وجدان چاہتی ہے، اور تفکر تفصیل و حقیقت کی تلاش میں رہتا ہے۔ اس شخص کی ذہنی کشمکش کا تصور کیجیے جو ان اضداد کا حامل ہو ؎

کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

کیا کروں۔ کدھر جاؤں۔ کیا فیصلہ کروں۔ مرا جاتا ہوں اس کشمکش میں۔ گھلا جاتا ہوں اس کاوش میں۔ جتنا کرید یئے اتنا ہی کرکرا۔ آخر کیا کیا جائے۔ کیا کیا جائے۔ کیا کیا جائے، کیا میں دیوانہ ہو جاؤں گا؟

جس وقت جھلکتی ہے مناظر کی جبیں | راسخ ہوتا ہے ذاتِ باری کا یقیں
کرتا ہوں جب انساں کی تباہی پہ نظر | دل پوچھنے لگتا ہے کہ "خدا ہے کہ نہیں"

(٥٨)

میرا ارادہ ہے کہ یہاں دہلی میں ایک آل انڈیا مشاعرہ کیا جائے جس میں زندگی بخش خیالات کا اظہار کیا جائے اور موجودہ بزدلانہ ذہنیت کو بدلنے کے لئے شعرا سے امداد لی جائے۔ میں نے یہ تجویز پیش کی ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ منظور ہو جائے گی۔ اس مشاعرے میں آکر آپ بھی شامل ہوں اور "مجاہدین و شہدا" ایک مرتبہ پھر دنیا آپ کی زبان مبارک سے سن لے تو کیا حرج ہے۔

اہلیتین محترمین ابھی لاہور ہی میں ہیں۔ اور بچیاں بھی۔

یہاں مکان ہی اب تک نہیں ملا تھا۔ میں اور پنڈت دونوں ادھر ادھر ٹاپتے پھرتے تھے۔ اب کل قرول باغ میں ایک جگہ کرایہ پر لی ہے۔

صاحب زادوں کو سلام، بچیوں کو دعا۔ پنڈت جی اپنا خط خود لکھیں گے۔

خادم حفیظ

مکتوب حضرت جگر مرادآبادی (۲۶) مکتوب الیہا شہناز ہاشمی

عزیزہ بیٹی! اسلامت رہو، خوش رہو!

میں ایک زمانے سے دائم المریض سا ہو گیا ہوں۔ دو چار دن تک کے لئے ایسا محسوس ہوتا رہتا ہے جیسے بالکل ہی صحت مند ہو گیا ہوں اور پھر دس پندرہ دن وہی عالم۔ دماغ و دل بلسبر غیر حاضر رہنے لگے کسی کام میں جی نہیں لگتا۔ یہ آثار برے سہی لیکن ہیں۔ اور موت تو ایک ایسی صداقت ہے جس سے گریز ممکن نہیں، اور اگر ممکن بھی ہو تو آخر ایک نعمت سے گریز کے معنی کفران نعمت نہیں تو اور کیا ہو سکتے ہیں۔ تم جانتی ہو میں تمہیں کتنا عزیز رکھتا ہوں لیکن میں اظہار خلوص و محبت کو قطعاً پسند نہیں کرتا۔

تم نے جس مشاعرہ سے متعلق لکھا تھا اس کا تو زمانہ گذر چکا۔ گمان غالب ہے کہ ۳۱ جنوری کے مشاعرہ میں شریک ہوں گا۔ یہ مشاعرہ نمائش سے متعلق ہے، یقیناً تمہیں اس کا علم ہو چکا ہو گا۔

میرا قیام تو حسب دستور رشید صاحب (مخدوم محترم) ہی کے مکان پر رہے گا لیکن تم ان کے مکان سے قریب ہو، اس لئے اکثر و بیشتر آنا جانا ہو گا۔ اور رنگ رنگ مختلف موضوعات پر باتیں ہوا کریں گی۔ اب تو ماشاءاللہ تم گریجویٹ ہو گئی ہو، لیکن پیاری بیٹی! یاد رکھو علم ایک بحر بیکراں ہے جو صرف کتابوں تک محدود نہیں ؂

کونین کی ہوس میں ہے انساں ذلیل و خوار
کونین، اپنے سینے کے اندر لئے ہوئے

کتاب سے صرف کتاب بن سکتی ہے۔ زندگی نہیں بن سکتی۔

بات کہاں سے کہاں پہنچی۔ اس وقت رات کے گیارہ بجے ہیں طبیعت مضمحل ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اچھا خدا حافظ۔ اپنی امی جان یا میری محترمہ بھاوج صاحبہ کی خدمت میں میری طرف سے سلام و اشتیاق۔ اور اپنے دونوں بھائیوں کو بہت سی دعائیں۔ غالباً تمہاری "آپا" بھی ۳۱ جنوری تک دہلی سے علی گڑھ آ جائیں۔

برادر مکرم و محترم ہاشمی صاحب کو خط لکھو تو میری جانب سے سلام پیش کر دینا اور یہ بھی لکھ دینا کہ "مشاعرہ نمائش" میں ان کی شرکت ضروری ہے۔ صرف جگر کے لئے۔

۳ جنوری ۱۹۵۳ء گونڈہ

دعاگو جگر مرادآبادی عفی عنہ

(۶۸)

ہمارے اساتذہ وقت پر حکمرانی کے بجائے اس کے بہاؤ میں تنکے کی طرح زندگی گزار رہے ہیں۔ اچھے سماج کے لئے ضروری ہے کہ انہیں وہ آسانیاں اور سہولتیں مہیا کی جائیں کہ وہ اپنے تہذیبی اور ذہنی کاموں میں منہمک رہ سکیں۔

جذباتیت، تنگ نظری، پیر پرستی ہندوستان کے بہت بڑے مرض ہیں۔ عقلیت، وسعت قلب اور اصول پرستی سے انکا علاج کیا جا سکتا ہے، مگر اصول ایسے نہ ہوں جو صرف اپنے فائدے کے لئے بنائے جائیں اور اپنے نقصان پر بدل دیئے جائیں۔

علی گڈھ ایک زمانے سے حکومت کے چشم و ابرو کو زیادہ دیکھتا رہا ہے۔ ہمیں اس رجحان کو بدلنا ہے ہماری وفاداری ملک و قوم سے ہونا چاہیئے۔ حکومتیں آتی جاتی چیزیں ہیں ہندوستان کے جلوۂ صد رنگ میں علی گڈھ کی تہذیبی بہار بھی بڑی قابل قدر چیز ہے۔ اور آج نہیں تو کل ملک و قوم اس پر فخر کریں گے "نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز" اپنے حق کو خواہی لیتے ہیں۔

علی گڈھ میں ایک نئی زندگی ابھر رہی ہے جس کی قوتوں سے ابھی ملک ناواقف ہے۔ علی گڈھ والوں کا فرض ہے کہ وہ گزٹ اور دوسرے ذرائع سے اس قوت سے آشنا کریں اور اسے محبوب و مقبول بنائیں۔

۴ ستمبر [illegible] لکھنؤ آل احمد سرور

دو ایک چھوٹے نوٹ بھی کچھ عرصے کے بعد آپ کو بھیجوں گا۔ سرور

مکتوب نگار مختار الدین احمد آرزو (۳۰) مکتوب الیہ خلیل الرحمٰن اعظمی

خلیل صاحب مکرم سلام مسنون

"ہم نے کس رات نالہ سر نہ کیا" شاعر نے اپنا مافی الضمیر ادا کیا ہے۔ اس مصرع میں میں کہہ سکتا ہوں کہ آپ مجھے کب یاد نہ آئے۔ سفر ہو یا حضر، مشرق ہو یا مغرب، قیام ہو یا قعود، آپ ہر جگہ یاد آتے رہے اور بہت یاد آتے رہے دل چاہتا تھا کہ آپ ساتھ ہوتے تو یہ سفر کس قدر خوشگوار ہو جاتا۔

میں شرق اوسط کا دورہ کرتا ہوا اور کل لندن پہنچا۔ بغداد، بیروت، دمشق، قاہرہ ہر جگہ گیا۔ لوگوں سے ملا ان کی باتیں سنیں، اپنی کہیں، بغداد اور قاہرہ، ہارون رشید اور ابن طولون والا بغداد اور قاہرہ نہیں ہے، یہ بالکل مختلف ہے اور آپ کو انگلستان اور امریکا کا کوئی بازار معلوم ہوگا۔ ان مقامات پر بعض لڑکیاں جو لباس پہنے ہوئی تھیں، ان کے بارے میں کیا کہوں۔ وہ لباس کم تھا اور زیبائش زیادہ۔ اس میں اس قدر عریانی تھی جو میں نے لندن اور آکسفرڈ میں نہیں دیکھی۔ مسلمان قوم تو بہت ذہین اور تیز رفتار قوم ہے نا، جس طرف قدم بڑھاتی ہے، اپنے راہبروں سے بھی آگے بڑھ جاتی ہے۔ عراق اور مصر میں فرہاد اور فلاحین تو اپنے قومی لباس میں ہیں۔ بقیہ سب کے سب فرنگی لباس اور تہذیب میں لپٹے ہوئے ہیں۔ بیروت بہت خوبصورت جگہ ہے میرا قیام وہاں ایک بہت قیمتی ہوٹل میں غلطی سے ہو گیا تھا۔ جس کی عمارت تقریباً ایک چوتھائی میڈیٹرین (بحر متوسط) کے اندر واقع ہے۔ سمندر کی متلاطم موجیں میرے ہوٹل کی دیوارے ٹکراتی تھیں اور پیچھے ہٹ جاتی تھیں، شام اور بھی خوبصورت ہوتی ہے، سامنے بندرگاہ کی روشنیاں بڑی اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ دوسرے دن پاس ہی کے ایک دوسرے ہوٹل میں منتقل ہو گیا یہ بھی وہیں بحر متوسط کے ساحل پر واقع ہے یہ بھی بڑا

قیمتی نکلا۔ لیکن اب تو آ چکا تھا کب تک بیری بیری لگا تا رہتا، ایک روز کا کرایہ ۳ لبنانی پونڈ (تقریباً ۳۔ اسٹرلنگ پونڈ سے زیادہ کا خرچ روزانہ تھا) عافیت کا یہ حال کہ ہر کمرے میں ٹیلیفون، باہر بیٹھے نہیں، یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی، اندر ہوٹل کے لئے، چاء منگوانی ہو ٹیلیفون کر لیجئے، پان کی ضرورت ہو ٹیلیفون حاضر ہے۔ فوراً بیرا پانی لئے ہوئے آئے گا۔ بیٹر بھی والله کیا ست نزار، مجھے دیٹر پر ایمبیسیڈر کا شبہ ہوتا تھا۔ میرے کمرے کا بیرا واقعی بیرا سے زیادہ سفیر معلوم ہوتا تھا۔

میں وقت بھی ٹیلیفون ہی سے پوچھتا تھا۔ یہاں وقت پوچھا اور ایک لبنانی لڑکی کی خوبصورت آواز عربی میں آئی اور وقت بتا دیا، وہ جانتی تھی میں فرانسیسی نہیں جانتا اس لئے عربی بول لیتی تھی۔ یہاں فرانسیسی اثرات بہت ہیں، فرنچ چلے گئے لیکن اثرات اب بھی باقی ہیں۔ انگریزی سے کام چل جاتا ہے لیکن زیادہ نہیں، یہاں عربی بہت کام آئی۔

میرے ہوٹل PALM BEACH کے نیچے BAR تھا۔ مجھے یہ بات معلوم نہ تھی اس کا راستہ باہر سے تھا، دیکھا کہ شام سے موٹریں آنے لگیں اور لوگوں کا مجمع شروع ہوا۔ میں نے سمجھا کوئی پارٹی ہے، اندر زینے سے جا کر دیکھا کہ بہت سے لوگ بیٹھے ہیں، شراب کا دور چل رہا ہے اور ناچ جاری ہے۔ الٹے پاؤں اوپر آیا، اور پھر لفٹ کے ذریعہ اپنے کمرے میں۔

یہاں جن لوگوں سے ملاقات کی ان میں دو قابل ذکر ہیں، امریکن یونیورسٹی بیروت کے نائب صدر اور مشہور مستشرق ڈاکٹر زریق، یہ بہت مصروف تھے اس دن یونیورسٹی کھلی تھی اس لئے کسی میٹنگ میں شریک ہونا تھا، لیکن جب ایک میٹنگ ختم کر کے وہ اپنے کمرے میں آئے تو ان کے سکریٹری نے میرا ذکر کیا۔ فوراً بلا لیا اور بہت دیر تک باتیں کرتے رہے اور مشورے دیتے رہے۔ بعض اساتذہ سے بھی ملایا۔ ان کے یہاں کی لائبریری بہت خوبصورت ہے ایک پوری منزل زیر زمین ہے۔ اور مشرقی کتابوں کا بڑا اچھا ذخیرہ یہاں دیکھنے میں آیا۔

دوسرے صاحب محمد سلام تھے، یہ صائب سلام کے بھائی ہیں جو گزشتہ موقع پر لبنان کے وزیر اعظم تھے اسلامی کے حقوق کے یہاں پر بھی بڑے علم بردار ہیں، پتا نہیں کتنے کالج اور مدارس مسلمان لڑکے اور لڑکیوں کے لئے کھول رکھے ہیں انہوں نے۔

یہاں کا سکہ مجھے بہت پسند آیا المونیم کا ہوتا ہے اور بہت خوبصورت اور ہلکا انگلستان کا پنس نہایت بھاری اور بھدا، اسے جیب میں لئے پھرنا ایک مصیبت ہے۔ لندن پہنچا تو مفتی صاحب لینے کو موجود تھے، میں نے انہیں روم سے کیبل کر دیا تھا۔ علی گڑھ کے بہت سے لوگ ملے۔ انہوں نے کچھ ایسا کر رکھا ہے کہ کئی گھنٹہ تک ایسا معلوم ہوا جیسے میں لندن میں نہیں علی گڑھ میں ہوں۔ دوسری شب ڈاکٹر مشہور عالم صاحب نے کھانے پر بلایا۔ کھانا ہندوستانی تھا اور بہت لذیذ خود ہی ان لوگوں نے مل کر پکایا تھا۔ عزیز صاحب زو لری کے بھی موجود تھے۔ سالم صاحب سے بھی ملاقات ہوئی۔ وہ آپ کو پوچھ رہے تھے اور آپ سے بہت دلچسپی لے رہے تھے، موصوف سے ہر شخص یہاں شاکی نظر آتا ہے۔ اور ہر شخص ان سے ڈرا ہوا معلوم ہوا۔ لوگوں کو شکایت یہ ہے کہ وہ اچھی طرح نہیں ملے، واللہ اعلم شاید ملنے کی کوشش نہیں کی۔ ایک دن انڈیا آفس لائبریری میں بھی گیا تھا بہت خوبصورت عمارت ہے اور بہت اچھا انتظام، کتابیں زیادہ تر لڑکیاں نکال کر دیتی ہیں

اور یہی انتظام رہتی ہیں کیسے یں تو ہر جگہ لڑکیاں بھی آپ کو ملیں گی۔ ایک بار بڑا لطف رہا ایک شہر یعنی آکسفرڈ کا ہے۔ ایک بار میں وہاں کافی پی رہا تھا ایک ویٹرس کافی بنا کر لائی اور شکر کی ڈلی ڈال کر اس نے سامنے بڑھا دی۔ ابھی وہ واپس ہونے کے لئے اچھی طرح مڑی بھی نہیں تھی کہ مجھے بے اختیار ہنسی آگئی اور بہت زور سے ہنسا، وہ بڑی متحیر کہ معاملہ کیا ہے لوگ حیران کہ بات کیا ہوئی۔ ہوا یہ کہ اس وقت پتا نہیں کہاں سے ہمارے رفیق صاحب یاد آگئے کہ وہ اس وقت ہوتے اور یہ ویٹرس کی لڑکی انہیں کافی بنا کر دیتی تو وہ ہزار ویٹرس سہی، لیکن وہ ضرور مسکرا کر کہتے: "ارے بھئی پہلے آپ پیجئے، آپ نے تو کافی پی ہی نہیں!"

یہ یونیورسٹی واقعی بین الاقوامی یونیورسٹی ہے، کہاں کہاں سے لوگ آئے ہوئے ہیں۔ خیر یہ تو بہت کچھ لکھ گیا اب اپنی سنائیں اور علی گڑھ کے حالات تفصیل سے لکھئے "مرے بعد مے خانہ پر کیا گذری" احوال غالب پر آپ نے مضمون لکھنے کو کہا تھا اور ایک مضمون آجکل کے لئے اس کا کیا ہوا۔ اب اپنا وعدہ پورا کیجئے اور جلد۔ اور ممنون ہوں گا اگر احوال غالب کے تبصروں کی نقل بھیج دیں تا کہ دوسری جلد کے گرد پوش پر درج کرا یا جائے۔ امید آپ بہر حال بخیر ہوں گے اور مجھے بھولے نہ ہوں گے اور مفصل خط لکھتے رہیں گے۔ والسلام

۸ نومبر ۵۳ء آپ کا بھائی مختار الدین احمد

اعظم صاحب کے لئے ایک غزل حاضر خدمت کرتا ہوں:

اس قدر بھی نہ ہم کو ایذا دو — رحم [illegible] پہ اے پری زادو

مرحبا رہروانِ کوچۂ یار — راہِ گلشن ہمیں بھی دکھلا دو

اے مقیمانِ کشورِ ہستی — آج کی شب ہمیں بھی یاں جا دو

خوب اگر میں برا ہوں اے خوباں — تجھ سے بہتر جہاں میں دکھلا دو

اے بتاں کب تلک یہ سنگ دلی — کچھ خدا کا بھی ڈر ہے جتلا دو

اے مری مرگ و زندگی یہ تمہیں — کس کی خواہش ہے کچھ تو فرما دو

تم تسلی کا اک سخن پیارے — نا سمجھ دل کو میرے سمجھا دو

جیسے زلفوں کو اپنے سلجھایا — میرے دل کی گرہ بھی سلجھا دو

کل سے رونق گرفتہ دل ہے میاں — چل کے آج اسکے جی کو بہلا دو

دیوان رونق صفحہ ۳۲۰ کتب خانہ بوڈلین آکسفرڈ، ذخیرۂ ایلیٹ: نمبر ۲۸۵

یہ غزل ایک گمنام شاعر میر غلام حیدر رونق کی ہے جن کا زمانہ بارھویں صدی ہجری کا معلوم ہوتا ہے۔ ان کا دیوان بوڈلین میں دیکھ رہا تھا کہ اس غزل پر نگاہ پڑی، [illegible] [illegible] آیا، غزل نقل کر لی اور اب آپ کو نقل کر کے بھیج رہا ہوں۔ تعجب نہیں کہ آپ کو زمین اور بحر پسند آجائے تو آپ کی بھی ایک غزل اس زمین میں تیار ہو جائے۔

۸ نومبر ۵۳ء

مختار الدین احمد

آکسفرڈ

مکتوب: سید احتشام حسین

(۳۱)

مکتوب الیہ: صمد شاہین

محترمی تسلیم۔

”نیا دور“ کا پہلا نمبر نظر نواز ہوا پھر آپ کا خط ملا۔ آپ کے اخبار مائی سورین کے چند پرچے یہاں ایک صاحب کے پاس آئے تھے انہیں دیکھتے ہوئے آپ کے اس نئے رسالے کا اشتہار بھی دیکھا تھا غالباً اس وقت اس کا نام کچھ اور تھا ان باتوں کو بھول گیا تھا لیکن رسالے کی رنگینی اور جاذب نظری نے سب کچھ یاد دلا دیا۔ ترقی پسند ادب کا مستقبل روشن ہے کہ آپ سے ایسی جگہوں پر ایسے ذہین اور باشعور کام کرنے والے مل گئے ہیں جہاں اردو کی زندگی ہی خطرے میں معلوم ہوتی ہے۔

میں نے رسالہ کو شروع سے آخر تک پڑھا۔ اس کی ترتیب میں بے حد خوش سلیقگی کا اظہار ہوتا ہے۔ مضامین اور نظموں کا تنوع پہلی ہی نظر میں اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔ اور مضامین کو سلسلہ وار پڑھتے وقت بھی یہ تنوع باقی رہتا ہے ایک رسالہ جو مختلف قسم کے مضامین کا مجموعہ ہوتا ہے شاید اس کی ترتیب میں اس خوبی کی جستجو کی جا سکتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ بنگلور میں اس سے زیادہ بہتر طباعت کا انتظام نہ ہو سکتا ہوگا ورنہ ”نیا دور“ شاید اس سے بہتر شائع ہوتا۔ ہاں ایک بات ٹائٹل پیج کے متعلق بھی کہنا چاہتا ہوں ـــــ ۔ نئے دور کا آفتاب اپنی سنہری کرنیں دنیا پر ڈال رہا ہے، ملوں کا دھواں صنعت و حرفت کی ترقی کا اظہار کر رہا ہے، نیلی سرمئی پہاڑوں کی چوٹیاں سر اٹھائے ہوئے ہندوستانی قوم کی عظمت اور سربلندی کا پتہ دے رہی ہیں اور ایک آزاد طائر آزاد فضا میں سرخوشی کے عالم میں اڑتا ہوا آزادی کی علامت سا معلوم ہونے لگتا ہے۔ لیکن اس رنگارنگ سرورق میں نکلتے ہوئے سورج کی کرنیں کچھ جاپانی جھنڈے کی شکل سی اختیار کر لیتی ہیں ”نکلتے ہوئے سورج“ کے اس ملک سے ہم ہندوستانیوں کو کتنی نفرت ہے یہ کہنے کی بات نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ بات بالکل اتفاقی ہے اور اس پر دھیان دینا غیر ضروری حرف گیری ہے لیکن جی چاہتا ہے کہ اگر کسی طرح ٹائٹل پیج میں ترمیم ہو سکے تو کتنا اچھا ہو ـــ۔

خیر یہ تو ایک یونہی سی بات ہے، اب جاپانیوں کے خیال سے ہم اپنی زندگی کے افق پر ابھرتے ہوئے سورج سے منہ کیوں موڑیں! اگر رسالہ فاشسٹ دشمنی کا اظہار کر رہا ہو تو سرورق پر غور کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ نے پہلے ہی نمبر میں بعض کہنہ مشق ادیبوں کو اکٹھا کر لیا ہے اور جو ایک آدھ کسی قدر نئے نام ہیں وہ اس طرح نقارہ بجاتے ہوئے دھوم دھام سے داخل ہوئے ہیں کہ ان کے مستقبل کو سوچ کر خوشی ہوتی ہے۔ میری مراد ممتاز شیریں صاحبہ اور آپ سے ہے۔ ممتاز شیریں صاحبہ کا طویل مضمون میں نے بڑی دلچسپی سے پڑھا اور مجھے موصوفہ کی وسیع النظری اور مطالعہ کی کثرت پر حیرت ہوتی ہے، پھر افسانہ نگاروں کا تجزیہ، ان کے افسانوں کے متعلق پر خلوص اور ناقدانہ رائیں، یہ باتیں تو بہت دنوں میں آتی ہیں مگر افسانوں کے متعلق اس مضمون کو پڑھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان کی جگہ برسوں کے پرانے لکھنے والوں کے ساتھ نہیں ہے۔ آنگار کے کنٹری افسانہ کا ترجمہ بھی موصوفہ نے بہت شستہ اور رواں کیا ہے۔ آپ کا افسانہ بھی میرے لئے آپ کی پہلی اردو تحریر ہے اور اس ابتدا کے ساتھ ایک اچھی انتہا کا تصور ذہن میں آتا ہے۔ آپ نے شادی کے پیچیدہ مسئلے کو پیچیدہ ہی شکل میں خوبی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

باقی ماندہ مضامین تقریباً سب کے سب میرے پڑھے ہوئے ہیں۔ فیض کا مضمون تعریف سے بے نیاز ہے، کرشن چندر کی پر خلوص تشریح مسئلہ کے ایک آدھ پہلو کو بالکل ہی چھوڑ جانے کے باوجود بہت اچھی ہے۔ منٹو کا افسانہ اور اشک

کا ڈراما "دو زن" "خامہ" کی چیزیں ہیں۔ اُن نظموں کے انتخاب میں ابھی کافی ترقی کی گنجائش ہے۔ اگر مطبوعہ نظموں کا شامل کرنا درست ہے تو آپ کو اس سے بہتر نظمیں [illegible] دوسروں کی بار [illegible] انہیں [illegible] کی مل سکتی [illegible]

بہرحال مجموعی حیثیت سے "نیا دور" ایک کھلے ہوئے محاذ پریت سے مختلف الخیال ادیبوں کو جمع کرنے کا بہت اچھا آلہ معلوم ہوتا ہے۔ ترقی پسندی [illegible] عام مفہوم کو سامنے رکھ کر جو لوگ بھی مخلصانہ انداز میں عوام کے بنیادی مسائل سے دلچسپی لیتے ہیں، تمدن کی برکتوں کو عام کرنا چاہتے ہیں، سارے انسانوں کے لئے آزادی اور ترقی کے خواہاں ہیں، اُن سب کو شریک کیجئے۔ آپ نے "افتتاحیہ" میں اپنے مقاصد کی جو وضاحت کی ہے اُس سے قریب قریب مجھے اتفاق ہے۔

اپنے قلمی معاونوں میں مجھے بھی سمجھئے لیکن ادھر میری صحت کافی خراب ہے اس لئے دو ایک مہینے کچھ نہ لکھ سکوں گا۔ فی الحال اگر آپ میرا کوئی مضمون چاہتے ہوں تو میرے مجموعۂ مضامین "تنقیدی جائزے" میں سے لے سکتے ہیں جو اس مہینے میں ادارۂ اشاعت اُردو حیدرآباد دکن سے شائع ہوا ہے اس میں مرادادو ہیئت پر ایک طویل مضمون ہے جو کہیں شائع بھی نہیں ہوا ہے اگر آپ چاہیں تو اُسے لے سکتے ہیں۔ میں "نیا دور" کی کامیابی [illegible] سے خواہاں ہوں۔

۲۵ ستمبر [illegible]		لکھنؤ		مخلص سید احتشام حسین

مکتوب اختر حسین رائے پوری		(۳۲)		مکتوب الیہ صمد شاہین

مکرم بندہ۔

معلوم نہیں آپ سے اپنی ندامت کا اظہار کس طرح کروں۔ آپ یقیناً مجھے بدتہذیب سمجھتے ہوں گے۔ کم از کم آپ کے متواتر تقاضوں کا جواب تو دینا ہی چاہیے تھا۔ اس بدمزاجی کی وجہ کیا عرض کروں۔ کوئی دو [illegible] والد صاحب کی علالت کی وجہ سے پریشان رہا۔ ابھی انہوں نے انتقال فرمایا تھا کہ بہار میں ہنگامہ ہوا۔ شاید آپ کو معلوم نہ ہو کہ میرا آبائی وطن پٹنہ ضلع ہے اس فساد میں احباب [illegible] کا قتل [illegible] گھر بھی جل گیا۔ غرض ایک پریشانی ہو تو عرض کروں۔

میں نے مضمون کے لئے بڑی مشکل سے مواد جمع کیا ہے آپ جانتے کہ بنگال کی کتابیں کلکتہ سے ملتی نہیں اور پچھلے دنوں وہاں کا کاروبار [illegible] کتابیں کی بہر [illegible] اب جا کر ملیں۔ اب بھی مضمون تو لکھ دوں گا لیکن آپ کے رسالہ کا جو حرج ہوا اس کے لئے میں [illegible] حد تک ذمہ دار ضرور ہوں۔ اب [illegible] زیادہ [illegible] نہ [illegible] کئے۔ میرا مضمون ایک آدھ ہفتہ میں دہلی سے روانہ ہو سکے گا۔

یہ خط ممتاز شیریں کو بھی دکھلا دیں۔ میں واقعی بہت نادم ہوں۔

۱۲ دسمبر		۳ پارک ایریا، قرول باغ دہلی		مخلص اختر حسین

مکتوب محمد حسن عسکری		(۳۳)		مکتوب الیہا ممتاز شیریں

مکرمی، آداب۔ کل آپ کا خط ملا۔ مجھے بڑی شرمندگی ہے کہ آپ کو انتظار کرنا پڑا ہے۔ میں اس زمانے میں عجیب و غریب [illegible] میں مبتلا رہا ہوں۔ بہرحال آج ہی سروری صاحب کی کتاب پر [illegible] جلدی تبصرہ لکھ کے بھیج رہا ہوں۔ اگر آپ

اسے شائع نہ کرنا چاہیں تو پھاڑ پھینکیں ۔ ایک مضمون ایک فرانسیسی اخبار سے ترجمہ کر کے بھیج رہا ہوں ۔ آپ شائع نہ کرنا چاہیں تو اسے بھی پھاڑ پھینکیں ۔ یہاں مجھے فرانسیسی اخبار اور رسالے کثرت سے دیکھنے کو مل جاتے ہیں ۔ اُن میں ایسے عجیب و غریب مضمون ہوتے ہیں کہ انگریزی میں اُن کا نام و نشان بھی نہیں ملتا ۔ ایسا لالچ ہوتا ہے کہ ان سب کا ترجمہ کر ڈالوں گر ہندوستان میں دلچسپی کسے ہے ۔ اگر آپ کبھی کبھی شائع کرنا پسند کریں تو آپ کو بھیج دیا کروں ۔ مثلاً آج کل امریکہ ، فرانس ، اٹلی سب جگہ یہ وبا پھیلی ہوئی ہے کہ فحش نگاری پر مقدمے چل رہے ہیں ۔ آج کل امریکا کے ناول نگار HENRY MILLER پر فرانس میں مقدمہ چل رہا ہے ۔ اسے ایک TEST CASE سمجھا جا رہا ہے اور ادیبوں نے ان کے دفاع کے لئے ایک کمیٹی بنائی ہے تو MILLER کا ایک مضمون نکلا ہے جس میں انہوں نے OBSECENITY اور PRONO-- GRAPHY -- کا فرق بتایا ہے اسے بھی ترجمہ کرنے کو جی چاہتا ہے ۔

آپ کا دیباچہ میں ابھی تک نہیں لکھ سکا ۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ جلدی میں گھسیٹ دوں ۔ بہرحال اب یہی شروع کرتا ہوں ۔ ابھی تو میں نے آپ کے بھیجے ہوئے افسانے پڑھے تک نہیں ۔ لیکن میری بے معنی مصروفیتوں کا علم ہو تو آپ مجھے معاف کر دیں گی ۔

اس خط پر پورے ٹکٹ نہیں لگا رہا ہوں ، تاکہ بیرنگ ہو کر آپ کو مل تو جائے ۔

شاید " ارمان " آپ کو ملا ہوگا ۔ اس رسالے کے اڈیٹر میرے بڑے دوست ہیں اگر ممکن ہو تو انہیں کوئی مضمون عنایت فرما دیں ۔

۱۶ ر فروری ۴۷ء دہلی   شاہین صاحب کو آداب ۔   خاکسار

محمد حسن عسکری

مکتوب شادانی   (۲۴)   مکتوب الیہا ممتاز شیریں

عزیزہ من !

بیگانوں میں شاید اس طرح مخاطبت کا دستور نہیں مگر بات یہ ہے کہ میں آپ کو ایک بیگانہ سمجھ کر یہ خط نہیں لکھ رہا ہوں ۔ میرا خیال ہے کہ جو لوگ اردو زبان و ادب کی ترویج و اشاعت سے دلچسپی رکھتے ہیں وہ سب ایک خاندان کے افراد ہیں اور اسی بنا پر میں نے آپ کو عزیزہ کہا اور ایسا ہی سمجھتا ہوں ۔ اتنی تمہید کافی ہے ۔ اب مطلب کی بات سنیئے ۔

جو لوگ یہاں کے حالات سے واقف ہیں اُن سب کی متفقہ رائے یہی ہے کہ اس زمانے میں اردو زبان و ادب کی اشاعت جس درجہ مشرقی پاکستان میں ضروری ہے اتنی اور کہیں نہیں ۔ اس بنا پر میں نے اور میرے رفقا نے یہ تہیہ کیا ہے کہ آئندہ جنوری سے اردو کا ایک اچھا اور معیاری ماہنامہ ڈھاکہ سے جاری کیا جائے ۔ اس کا نام " خاور " ہوگا ۔ میری خواہش ہے کہ خاور کے پہلے نمبر کے لئے آپ ایک اچھا سا مختصر افسانہ لکھ دیں ۔ میں بھی ممنون ہوں گا اور اردو زبان پر بھی آپ کا احسان ہوگا ۔

خوش قسمتی سے یہاں خاصی تعداد میں پڑھے لکھے لوگ جمع ہو گئے ہیں جن کا تعاون مجھے حاصل رہے گا ۔ یہ لوگ خاور کے لئے اچھے سے اچھے تنقیدی تحقیقی اور دوسری قسم کے مقالات لکھیں گے لیکن افسانہ نگار ان میں کوئی نہیں ۔ کیا میں امید رکھوں کہ اس اہم خدمت میں آپ میرا ہاتھ بٹائیں گی ۔ جواب کا انتظار کروں گا ۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا ۔ والسلام ۔ دعاگو ۔

۲۰ ر دسمبر ۱۹۵۱ء   ۳۱ ۔ نیل کھیت روڈ ۔ رمنا ۔ ڈھاکا ۔   شادانی

مجھے آپ کا پتا معلوم نہیں اس لئے یہ خط کشفی صاحب کی معرفت بھیج رہا ہوں ۔ فقط ۔

(٧٨)

باقی ہیں جن کے ساتھ اس قدر ذہنی ہم آہنگی کا احساس ہوا ہے۔ جس قدر "نیا دور" سے

مخلص

راشد

ریڈیو پاکستان لاہور ۱۲ نومبر ۱۹۴۹

(۳۹)

مکتوب کرشن چندر — مکتوب الیہ صمد شاہین

محترمی، تسلیم و نیاز۔

آپ کا خط ملا۔ لاہور سے دس روز کے بعد آپ کا بھیجا ہوا رجسٹرڈ پیکٹ ملا۔ ڈاکئے نے وارڈ رسے کھول لیا تھا۔ یا شاید ان سے خود کھل گیا تھا۔ بہرحال نیا دور کی ایک جلد اور آپ کے مضامین بھی مجھے مل گئے۔ محترمہ ممتاز شیریں کا افسانہ میں "سنئے فسانے" کی دوسری جلد میں شامل کر رہا ہوں۔

نیا دور کے لئے میں ضرور لکھوں گا۔ لیکن کچھ اور مہلت دیجئے۔ تیسری جلد کے لئے کوئی مضمون یا کہانی بھیج سکوں گا۔ اس رسالے کو آپ ایک سہ ماہی میں کیوں تبدیل نہیں کر دیتے اور اس میں آپ ہندوستان کے تمام اردو رسالوں کے بہترین مضامین۔ افسانے۔ ڈرامے۔ نظمیں وغیرہ شامل کیجئے۔ اردو میں اب تک کوئی اچھا (LITERARY DIGEST) موجود نہیں۔ یا آپ اسے دو ماہی رکھئے گا اس سے کام وہ لیجئے جو مغرب میں (DIGEST) سے لیا جاتا ہے غالباً آپ کا ارادہ اسے ہیرالڈ ٹریبیون اور ڈائجسٹ کے بیچ کی چیز بنانے کا ہے؟ — ابھی میں نے رسالہ ختم نہیں کیا اس لئے مفصل رائے پھر لکھ بھیجوں گا۔ نظموں کا انتخاب خاص طور پر لائق تحسین ہے۔ حضرت حسرت موہانی کی غزل مقطع کے سوا ہر لحاظ سے مرصع ہے خورشید اسلام کی نظم انا کی ایک دلچسپ تفسیر ہے۔ لیکن یہ ایک ایسی ذہنی واردات ہے کہ جس کی تخلیق غالباً عمر کے پچیس سال گزر جانے کے بعد نہیں ہو سکتی۔ آپ کی بیگم صاحبہ نے ۱۹۴۳ء کے افسانوی ادب کو بہ نظر غائر دیکھا ہے۔ یہ جائزہ ایک مستقل ادبی حیثیت رکھتا ہے "ٹکڑے" کے بارے میں ان کی رائے کس قدر صحیح ہے۔ مسرت ہوتی ہے۔ جب میں نے افسانہ لکھا تھا۔ تو میں اس کے ٹکڑوں سے مطمئن نہ تھا۔ اسے بار بار دیکھنے اور پڑھنے کے بعد بھی میں ان دو ٹکڑوں سے غیر مطمئن ہی رہا۔ لیکن اس کے باوجود میں اپنے افسانے میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کر سکا۔ شاید ہی ایسا ہوتا ہے کہ میں اپنے افسانے میں کسی قسم کی تبدیلی پیدا کر سکوں جو ایک دفعہ لکھا جاتا ہے۔ لکھا جاتا ہے۔ اور بعد میں تصحیح کی نوبت کم گنجائش رہتی ہے اور ذہن افسانے کی طرف سے غیر مطمئن رہتے ہوئے بھی یا کسی سقم کو محسوس کرتے ہوئے بھی کوئی تبدیلی گوارا نہیں کرتا۔ بلکہ کہ عجیب مصیبت ہے! چند روز ہوئے اختر الایمان۔ دشوار تر کال۔ مہندر ناتھ۔ مدھوسودن بمبئی سے

ہے... وہ کون سی؟ امید ہے کہ آپ نے انشا پریس دہلی سے اس کے شائع کرنے کی اجازت لے لی ہوگی۔ پچھلی
مرتبہ ہماری گلی کے شائع ہونے پر وہ خوش نہیں تھے۔

میں نے عرصہ کے بعد ایک طویل افسانہ لکھا تھا وہ عنقریب انشا پریس دہلی سے الگ کتابی صورت
میں شائع ہونے والا ہے اور کتاب باتصویر ہوگی۔ عنوان "موت سے پہلے" ہے اگر آپ ریویو کریں یا میرے
افسانوں پر مجموعی طور سے ریویو میں شامل کریں تو انشا پریس کو لکھ کر بھجوا دوں گا اور کوئی چیز اردو میں
نہیں لکھی۔ آج کل اردو شاعری پر انگریزی میں کام کر رہا تھا اور ایک انتخاب کر کے انگریزی نظم میں ترجمہ کیا
ہے۔ ولی سے لے کر داغ تک مشہور غزل گو شعرا کے کلام کا انتخاب ہے۔ ولایت جلد بھیجنے کا ارادہ ہے
اگر اردو میں کوئی چیز لکھی تو ضرور خیال رکھوں گا۔

اگر ۴ یا ۵ اکتوبر سے پیشتر نیا دور کے دونوں پرچے یعنی نمبر ۳ اور ۴ یہاں بھیج دیں تو ممنون ہوں گا
اس کے بعد کوئی مہینے بھر کے لئے [illegible] جانے کا ارادہ ہے

نیاز مند،

کلکتہ ۱۳ ستمبر ۱۹۴۵ء احمد علی

(۴۲)

مکتوب راجندر سنگھ بیدی — مکتوب الیہا ممتاز شیریں

محترمہ، آداب

منٹو میموریل کے سلسلے میں جو آپ کام کر رہی ہیں نہایت قابلِ تحسین ہے میں بھی چاہتا تھا کہ
کوئی ایسا قدم اٹھائے جس سے ہمارے عزیز مرحوم کے لواحقین کی کسی طرح مدد ہو۔ چنانچہ اس خیال کے
پیش نظر میں نے کسی رسالے کے لئے مضمون نہیں لکھا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اخبار رسالے والوں اور ناشروں
کو منٹو کی وفات کا غم نہیں ہوا۔ لیکن ان میں سے اکثر و بیشتر نے اس سانحہ کو پرچہ بیچنے کا ذریعہ بنا لیا۔ اور یہ
بات بہت ہی افسوس کے قابل ہے جو کام کرنے لائق تھا وہ نہیں کیا۔ ایسی مایوس کن ہمدردی کے سلسلے
میں مجھے ذوق کا شعر یاد آتا ہے

نگاہِ دوست کچھ ایسی پھری ہم بدنصیبوں سے
کہ اب تو جس کو جی چاہے وہی غمخوار ہو جائے

آپ یہ کتاب کب تک شائع کر رہی ہیں۔ کب تک میرا مضمون مل جانا چاہئے
اگر [illegible] مکمل ہو چکی چل بھی چکی۔ اچھی [illegible] کے مالکوں نے اسے [illegible] لیکن چونکہ

ہمارے پروڈیوسروں نے عوام کے مذاق کو بگاڑ کر دیا ہے۔ اس لئے یہ تصویر مقبولِ عام نہ ہو سکی، جب بھی میں اسے اپنی ہی کوتاہی سمجھتا ہوں ان کا قصور نہیں گردانتا فلم کو ENTERTAINMENT کا ذریعہ ہونا ہی پڑتا ہے۔

آپ نے نیا دور کے زمانے میں بے حد خوبصورت کام کیا ہے اب بھی کسی ایسے ہی کام کی سبیل نکال لیتے گا۔

زیادہ آداب، راجندر سنگھ بیدی

(۴۳)

مکتوب الیہا ممتاز شیریں

مکتوب غلام عباس

السلام علیکم۔ میں سخت نادم ہوں کہ اس سے قبل آپ کو خط نہیں لکھ سکا اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے دل میں عہد کر رکھا تھا کہ خط تبھی لکھوں گا جب افسانہ بھیجوں گا۔ اس سے افسانہ لکھنے کی تحریک ہوگی مگر آپ کے خط نے مجھے اس عہد کو توڑنے پر مجبور کر دیا ہے جب سے لندن آیا ہوں بی بی سی کے کاموں میں اس قدر منہمک رہا ہوں کہ ایک سطر تک نہیں لکھ سکا ہے میرے سارے احباب مجھ سے ناراض ہو گئے ہوں گے۔ اور غالباً آپ بھی اگر ایسا ہے تو از راہِ کرم آپ مجھے معاف کر دیجئے۔ آپ کی ناراضی میرے لئے سخت تکلیف کا باعث ہے کیونکہ آپ نہ صرف میرے عزیز و محترم دوست ہیں بلکہ محسن بھی۔

تین چار روز سے میں نے آپ کے لئے ایک چیز لکھنی شروع کی ہے۔ امید ہے کہ اس سال کے ختم ہونے سے پہلے پہلے میں اسے آپ کے پاس بھیج دوں گا خدا کرے کہ اب کے میں اس وعدے کو نبھا سکوں۔

لندن میں آکر مجھے زیادہ تر مایوسی ہی ہوئی۔ البتہ کتابوں کی بہتات ہے۔ اور کرڑیوں کے دام صرف یہی ایک جاذبیت ہے جو مجھے لندن میں رہنے پر اکسا رہی ہے۔ ورنہ میں اب تک واپس آگیا ہوتا۔

نیا دور کا پرچہ مل گیا تھا بہت بہت شکریہ۔ یہاں بہت سے لوگوں نے اسے ذوق و شوق سے پڑھا منیب الرحمٰن اکثر بی بی سی میں آتے رہتے ہیں۔ اور کام بھی کرتے ہیں۔ مندرجہ ذیل پتہ کی معرفت خط لکھیے انہیں مل جائے گا۔ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بلا تکلف لکھیے۔

بچوں کو بہت بہت پیار

والسلام غلام عباس

(۵۸)

زیادہ کامیاب ہے اور سجاد ظہیر کا ناول "لندن کی ایک رات" بدرجہا بہتر ہے — بہرحال یہ اپنی اپنی پسند ہے اور اپنی اپنی رائے — ان حضرت کے ناولوں کے متعلق جو میری ایمانداری سے رائے تھی وہ میں نے ظاہر کر دی۔

میری یہ مراد نہیں کہ ان میں سے کسی کو بھی اول درجہ کا انشا پرداز یا مصنف نہیں مانتا ہوں یہ سب اچھے لکھنے والے اور بہت اچھے لکھنے والے ہیں۔ اور مستقبل کا ادب ان کے دامنوں اور آنچلوں سے وابستہ ہے۔ میری عرض صرف اتنی ہے کہ اشک، عصمت، سجاد ظہیر، کرشن چندر نے بحیثیت ناول نویس کے کوئی ایسی جگہ ہمارے ادب میں نہیں حاصل کی ہے کہ ان کے متعلق، خواہ موافقت میں ہو یا مخالفت میں، دس بیس جملوں سے زیادہ لکھا جا سکے۔

نیا دور کا حصۂ نظم بہت وزنی ہے۔ نظمیں زیادہ پسند آئیں۔ سوائے قاضی نذر الاسلام اور شفیع منصور کی نظموں کے سب میں بلا کی یاسیت ہے۔ اور میں یاسیت کو ترقی پسندی اور نوجوان ترقی پسندی کی ضد سمجھتا ہوں۔ اشتہاراں نے "قلندر" کو رد کر دیا۔ ضرورت ہے کہ اس کا انداز تکلم اور لب و لہجہ اب بدل دیا جائے — اسی لئے میں آپ کی وساطت سے حضرت یوسف ظفر سے عرض کروں گا کہ وہ اپنی نظم "ہمزاد" کی سرخی بدل دیں اور اس کا تغییر مبتداء سے نکال دیں۔ وہ ایک فلسفیانہ چیز تو یقینی نہ رہے گی لیکن ایک ایسا نگینہ بن جائے گی جس میں نام کا بھی دھبہ نہ ہوا

حصۂ نثر گرانبہا ہے۔ قاضی عبدالغفار کا ترجمہ پرانے ڈھنگ کا ہے مگر ایک ایک جملہ جچا تلا ہوا۔ عاشق کی سادگی میں بلا کی نشتریت ہے۔ آپ کا ابھرے بھٹکے "جنگ" نے تازہ اٹھانے والے "سرمایہ داروں کی اچھی تصویر ہے اور رادھا کرشن کا "ایک لاکھ ستائیس ہزار آٹھ سو اٹھاسی" ادب و تاریخ و طنز کا ایک غیر فانی امتزاج!
— رہیں ممتاز شیریں اور ان کا "۴۷ کا افسانوی ادب" تو حضرت ان کی محنت و کاوش کی داد نہیں دی جا سکتی۔ انہوں نے رطب و یابس سب کچھ پڑھ ڈالا ہے۔ بلا کی جانفشانی کی ہے۔ انداز نگارش و انتقاد بھی گو غیر پختہ ہے مگر خوب ہے — لیکن ایک بات کھٹکتی ہے۔ وہ اپنی اردو میں جابجا انگریزی کے پیوند لگاتی ہیں یہ انگریزی دانی کا مظاہرہ نہیں ہے بلکہ اردو میں اظہار مدعا کی بے بسی کا — اگر یہ واقعہ ہے تو بطور مدیر کے یہ آپ کا فرض ہے کہ آپ ایسے مقامات کو اردو کا جامہ پہنا دیا کریں۔ اور ان کے اس طرح کے مضامین کو جو وسعت مطالعہ عمیق نظر اور جگر کاوی کے حامل ہوں، خالص اردو والوں کے لئے خارزار بننے سے بچا لیں۔ اردو کے ایک پرانے خادم کی طرف سے ممتاز شیریں صاحبہ کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کر دیجئے گا — وہ مستقبل قریب ہی میں اردو کے صفِ اول کے ناقدوں میں شمار کی جانے لگیں گی! نیا دور آپ جس سلیقے سے نکال رہے ہیں وہ حد درجہ قابل ستائش ہے۔ ہر نمبر صوری و معنوی دونوں حیثیتوں سے بیش بہا اور گرانمایہ ہوتا ہے۔ خدا کرے یہ استقلال سے جاری رہے!

مسولی پور، بارہ بنکی ۱۳/ستمبر ۴۵ء

ع۔ عباس حسینی

FANTASTIC ACCIDENT

ACCIDENTAL UNNOSUAL UNKEE

CLIMAX

DEPRESSION

BASIC CAIITY

VERDICTS

REPRODUCE

DETAILS

DEFEND

STRUCTURE

SOMTHING MUST HAPPEN

CLIMAX

TWISTS

VALUE

STORY

TOPICAL

VICTORY DAY

SAMUDRA TARANG, CADELL ROAD, BOMBAY 28.

مکتوب نگار ممتاز مفتی (۴۹) مکتوب الیہا ممتاز شیریں

محترمہ۔

آپ کا خط ملا۔ مجھے آپ کو جان کر بے حد خوشی ہوئی - اس لئے کہ میری طرح آپ کا بھی کچھ پتہ نہیں چلتا۔ آپ کہیں گی یہ فقرہ نئے دور سے چوری کیا گیا ہے - میں کہوں گا "وہ کردار" بانو سے چوری کیا گیا ہے۔ جھگڑا بڑھا تو شاہین صاحب کو منصف بنایا جائے گا ظاہر ہے کہ وہ میری طرف داری کریں گے - اس لئے میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ آپ مجھ پیچیدگی کا الزام نہ لگائیں - رہی بات آپ کا کچھ پتہ نہ چلنے کی تو دیکھ لیجئے کبھی آپ مجھے خط نہیں لکھتیں !! اور کبھی خط لکھ دیتی ہیں !!! آپ کی لکھائی چھپائی مجھے ناپسند ہے - اور نقد و نظر کا حصہ پھیکا ہے - پھیکا اور کھوکھلا - انداز تحریر میں رسمی وقار ہے اور بس قصہ ختم - اور آپ کی وہ نظم "—— کے نام" !! پھر آپ مجھ سے کہتی ہیں من گھڑت قصے نہ لکھا کرو !!! مانا کہ نفس کشی اور صبر اچھی خصوصیات ہیں لیکن کوئی کہاں تک بات کو دل میں دبا رکھے۔

نئے دور کے لئے کہانی طلب کرنا فضول ہے - میرا مطلب ہے تمہید باندھنے کی ضرورت نہیں - اگر اور جب بھی آپ چاہیں ۱۵ دن کی مہلت اور ایک خط - بس - اگر میں سستی کروں تو ایک "تحریری جھنجھوڑ" جھوٹ موٹ کی ہو - سچی نہیں -

یہ رسالہ بازی کی بیماری عام ہوتی جارہی ہے - ممکن ہے میں بھی اس کی لپیٹ میں آجاؤں اگر خدانخواستہ ایسا ہوگیا تو پرچے کا نام ہوگا فرمان (بے معنی) - کوشش کی جائے گی کہ ادب سے کنارہ کش رہیں - صرف قلم کا رونا روئیں - ملک حبیب احمد - فکر تونسوی اور ممتاز مفتی - مدیر ہوں گے - اور ممتاز شاہین مضمون نگار ہوں گی اگر یہ پرچہ حقیقت کی شکل اختیار کرسکا تو وہ نئے دور کو تعزیت دینے کی کوشش کریگا - ایڈیٹران آپ کے پرچے کے معاون ہوں گے - بات طے ہونے پر آپ کو اطلاع دی جائے گی -

اب رہی بات انحراف زدہ کرداروں کی تو میں آپ سے کہہ دوں کہ آج تک میں کسی NORMAL کردار سے نہیں ملا - میرا تجربہ ہے کہ NORMAL محض ایک خیالی چیز ہے - ممکن ہے غلط ہو - بہر حال میں کوشش کروں گا کہ آئندہ [illegible] سوشل چیزیں لکھوں -

فوٹو —— امید ہے بھیج سکوں گا -

اشتہار کا شکریہ ادا کرنے کو جی چاہتا ہے - لیکن آپ کہیں گی "رسمی بات" -

میں نے کہا آپ کے شاہین صاحب خط لکھنے سے ہچکچاتے ہیں کیا - آج تک صرف ایک پوسٹ کارڈ لکھا ہے انہوں نے - انہیں میرا سلام دیجئے اور کہئے - ایک ایسے مشہور جریدہ کے ایڈیٹر کو ایسا نہیں ہونا چاہئے - میرا مطلب ہے - وقت یہ ہے کہ میں اپنا مطلب واضح کرنا جانتا ہی نہیں - یہ ہے ان لوگوں کا حال جنہیں آپ ادیب کہتے ہیں -

آپ کہئے ؟

۲۷ نومبر ۱۹۴۶ء بازار - اچھرہ - لاہور

ممتاز مفتی

مکتوب بلونت سنگھ
(٥٠)
مکتوب الیہا ممتاز شیریں

دیدی جی۔

گرامی نامہ ملا ۔ شکریہ ۔ یقیناً میرے لئے خوشی کا مقام ہے کہ آپ کو میری کہانی "لمحے" پسند آئی ۔ چند دن کے سالنامے میں "گرینڈ ہوٹل" اور شاہراہ ۲ء میں "ویلے ۳۸" شائع ہو چکی ہیں ۔ اگر آپ کی نظر سے گزریں تو اپنی قیمتی رائے سے مطلع فرمایئے گا۔

نیا دور کے لئے ایک طویل مختصر افسانہ لکھ رہا ہوں ۔ مجھے امید ہے کہ بہت جلد آپ کی خدمت میں ارسال کر سکوں گا۔ حالاتِ زندگی کے متعلق گزارش ہے کہ جناب فکر تونسوی میرا کریکٹر اسکیچ لکھ رہے ہیں ۔ اس مضمون میں میرے فن پر بحث نہیں ہوگی ۔ اس سلسلے میں میں نے انہیں معلومات بہم پہنچائی تھیں ۔ چنانچہ اب میں نے انہیں خط لکھا ہے کہ میرا اعمال نامہ واپس بھیج دیں تاکہ آپ کے کام آئے ۔ منتظر ہوں ، ورنہ از سرنو لکھ کر آپ کو بھیج دوں گا ۔ میری زندگی کا مختصر سا خاکہ بشیر ہندی کی مرتب کردہ کتاب "میرا پسندیدہ افسانہ" میں شائع ہوا تھا اگر وہ حاصل ہو جائے تو خوب ہو۔

صمد صاحب کی خدمت میں آداب۔

، رمئی ۱۹۴۹ء (دہلی)

بندہ بلونت سنگھ

مکتوب عزیز احمد
(٥١)
مکتوب الیہا ممتاز شیریں

محترمہ تسلیمات ۔

گرامی نامہ کا بہت بہت شکریہ ۔ میں نے فراق صاحب کو لکھ دیا ہے کہ ان کی نظموں پہ جو ریویو میں نے لکھا ہے وہ آپ لوگ "نیا دور" میں شائع کر رہے ہیں۔

آپ نے مجھ سے "نیا دور" نمبر ۵ اور اس سے پہلے کے نمبروں کے متعلق رائے دریافت کی ہے میرے خیال میں "نیا ادب" بمبئی کے بعد ترقی پسند ادب کی نمائندگی آپ کے رسالے سے بہتر اور کوئی ادبی مجلہ نہیں کرتا ۔ ساقی کا معیار اب سوقیانہ ہو گیا ہے ، اور "ادب لطیف" کا معیار بھی غالباً اس کے ایڈیٹروں کی تاجرانہ ذہنیت کی وجہ سے گرتا جاتا ہے ۔ اس لئے ایک ایسے رسالے کی بڑی سخت ضرورت تھی جس کی زمام سلجھے ہوئے ذہن کے نوجوانوں کے ہاتھ میں ہو ۔ میرے خیال میں بڑی ضرورت اس کی ہے کہ آپ اس رسالے کو ماہوار کر دیں۔

نمبر ۵ کا تنقیدی حصہ بہت اچھا ہے ۔ احتشام کا مضمون اقبال پر بہت اچھا ہے ۔ جزئیات میں مجھے ان سے اختلاف ہے اور میں نے اس مضمون کے متعلق انہیں ایک بہت تفصیلی خط لکھا ہے ۔ اسی طرح عطا محمد صاحب کا مضمون فراق کی تنقید وں پہ اچھے معیار کا ہے ، اور بہت سی تنقیدی خوبیوں کا حامل ہے ۔ میرے خیال میں وہ فراق کی تنقیدی خصوصیات کو جانچنے میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہیں ۔ سروری صاحب میرے پرانے استاد ہیں ۔ اور جدید اردو شاعری ان کا خاص موضوع ہے ۔ ظفر علی خاں کے متعلق ان کا مضمون دلچسپ ہے بلی عباس

حسینی صاحب کے مضمون میں البتہ مجھے ذرا سطحیت معلوم ہوتی ہے۔ مجھے اور کرشن چندر دونوں کو انہوں نے "جنس نگاری" کی بنا پر ملزم ٹھہرایا ہے۔ مجھے تو اس الزام سے انکار نہیں مگر بچارے کرشن چندر پہ یہ الزام لگانا ذرا زیادتی ہے۔ انہوں نے قیسی رامپوری کی طرف بہت زیادہ توجہ کی ہے، جن کا نام شاید کوئی اردو مؤرخ اپنی کتاب میں شامل بھی نہ کرنا چاہے، اور کرشن چندر کو صرف ایک چھوٹے سے پیراگراف میں ختم کر دیا ہے۔ اپنی حد تک مجھے ان سے یہ بھی شکایت ہے کہ غالباً انہوں نے "گریز" کو یہ مضمون لکھتے وقت نہیں پڑھا تھا حالانکہ اس کا نام انہوں نے دیا ہے۔

اس مجموعے میں جو افسانے ہیں ان میں قرۃ العین حیدر کا "ہم لوگ" مجھے بہت پسند آیا۔ قرۃ العین حیدر کے افسانوں میں بیکرڈ اور بوک وغیرہ تو ضرورت سے زیادہ ہوتی ہیں اور شاید ہی ان کے افسانے کسی گوشے سے "ترقی پسند" (بجز ایک طرح منفی معنوں کے) قرار دیئے جائیں مگر اس لڑکی میں اپنے خاص ماحول کی زندگی کے مشاہدے اور اس کے بیان کی ایسی خداداد صلاحیت ہے جو میرے خیال میں ہندوستانی ہی کیا بہت کم نوجوان مغربی خاتون افسانہ نگاروں میں ہوگی۔ اس تبدیلی کے دور میں CONVENT کی پڑھی ہوئی لڑکی کی تصویر سے اردو ادب خالی ہی رہ جاتا اگر قرۃ العین حیدر نے اس کی مصوری نہ کی ہوتی۔

اس کے بعد مدھو سوان کا افسانہ ہے۔ مدھو سوان کے افسانوں کا ماحول اگرچہ دلچسپ ہے مگر ذرا محدود سا ہو کر رہ گیا ہے۔ یہ افسانہ جو نمبر ۵ میں شامل ہے، اس ذہنی جنسی گورکھ دھندے کی ابتدا ہے۔ اور سمندر اور تین کرسے انتہا۔ مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کے افسانے دلچسپ ہیں اور ان میں زندگی ہے۔

نہندر ناتھ کے اور امرت رائے کے افسانے میں بجز پروپاگنڈا کے اور کچھ نہیں۔ ان کے موضوع اور طرزِ خیال سے ظاہر ہے۔ ہر روشن خیال آدمی کو ہمدردی ہوگی، لیکن بہرحال "زندگی" سے یہ دونوں افسانے خالی ہیں۔ ان میں کوئی واقعہ نہیں کوئی روئداد نہیں، کوئی کردار سے البادی اور ٹھوس نہیں۔ سرلا دیوی کے "کلنک" میں پھر تھوڑی بہت جان ہے۔

نظموں میں مجھے احمد ندیم قاسمی کی "عزم و عمل" خصوصیت سے پسند آئی۔ وہ اگر رومانی افسانے لکھنا چھوڑ کے نظم ہی کی طرف توجہ کریں تو ممکن ہے کہ ان کا نام باقی رہ جائے۔

بحیثیت مجموعی جیسے کہ میں کہہ چکا ہوں "نیا دور" کا معیار بہت اچھا ہے۔ خدا مستقبل میں اسے اور ترقی دے۔

شاہین صاحب کو سلام

۲۹ نومبر ۱۹۴۶ء　　معرفت بیلا پرشا حیدرآباد دکن　　مخلص عزیز احمد

مکرر۔ امید ہے کہ "گریز" اور "ترقی پسند ادب" پہ نمبر ۶ میں آپ یا شاہین صاحب ریویو فرمائیں گے

مکتوب قرۃ العین حیدر　　(۵۲)　　مکتوب الیہا ممتاز شیریں

اے بھائی ممتاز شیریں۔

بعد دعاؤں و تسلیمات فدویانہ کے واضح ہو کہ میں خیریت سے ہوں اور خیریت آپ کی مع اہل و عیال خداوند کریم

سے نیک مطلوب ہے۔ دیگر احوال یہ ہے کہ پچھلے ہفتے آنا اس کمترین ناچیز کا طرف کوئٹے کے ہوگیا جہاں اس خاکسار کا ارادہ رہنے کا چار دن تک ہے۔ موسم ابھی سے بہت خنک ہے۔ اور مقام یہ بہت سرسبز و شاداب ہے۔ چاروں طرف پھلوں پھولوں کی کثرت دیکھ کر آنکھوں کو نور اور دل کو سرور حاصل ہوتا ہے اور مقابلے میں کراچی کے یہ مقام بہت نفیس معلوم ہوتا ہے اور قدرت اُس پاک پروردگار کی یاد آتی ہے جس نے بلوچستان کے ان چٹیل پہاڑوں میں اس وادی کو پیدا کیا۔ برف گرنے سے پہلے پہلے ارادہ ہے کہ زیارت کی سیر کر آویں جو یہاں سے ستر میل کے فاصلے پر چھوٹا سا ایک ہل اسٹیشن ہے۔ جہاں قائداعظم پچھلے سال رہے تھے۔

دیگر یہ کہ یہاں بھائی احمد ندیم قاسمی صاحب بھی جلوہ افروز تھے لیکن ہمارے آنے سے قبل ہی وہ روانہ طرف لاہور کے ہوگئے۔ جس کی وجہ سے نیاز ان سے نہ حاصل ہوسکا۔ جس کا از حد قلق اس ناچیز کو ہے۔

دیگر یہ کہ نیا دور آپ اس خاکسار کو اگر اوپر کے پتے پر ارسال فرما دیں تو دعائے خیر سے یہ ناچیز مع جملہ متعلقین کے یاد کرے گا۔

دیگر یہ کہ باقی سب خیریت ہے۔ خدا حافظ۔ فقط

۲۳ اگست ۱۹۴۹ء

ایکی عفی عنہا

مکتوب جناب امتیاز علی　　(۵۴)　　مکتوب الیہا بیگم نصیح اللہ خاں

پیاری بہن۔

محبت نامہ پہنچا شکریہ۔ آپ اتنی جلدی نینی تال سے اتر رہی ہیں؟ نینی تال حسین تو ہے مگر گیلی گیلی جگہ ہے اس لئے میں زیادہ پسند نہیں کرتی نسبتاً شملہ کو پسند کرتی ہوں۔ مسوری باوجود بارشوں کے دلچسپ بہت ہے اس دفعہ مسوری جا رہی تھی۔ کوٹھیوں کے نقشے بھی منگوائے تھے کہ ڈاکٹر نے کہا کہ کشمیر جائیے۔ وہاں کی اون دو کوٹھیوں کو لکھا جن میں پہلے رہ چکی تھی کہ اب ڈاکٹر کا خیال ہوا کہ میں سمندری مقام پہ جاؤں تو میرے لئے مفید ہوگا۔ چنانچہ انشاء اللہ اب ۳ جولائی کو کراچی جا رہی ہوں نومبر تک کے لئے۔ وہاں سے بمبئی پونا بڑودہ ہوتے ہوئے واپس آؤنگی۔

آپ کی محبت کا شکریہ۔ مگر آموں کی تکلیف کا خیال نہ کیجئے۔ آخر گذشتہ سال آپ نے پارسل بھیجا ہی تھا اب اس دفعہ بھیجیں گی تو مجھے بہت ہی شرم آئے گی۔ اس لئے منع کرتی ہوں اور تکلف کی تو ضرورت بھی نہیں ہے۔ آپ نے بھیجنے کا خیال کیا اور میں نے شکریہ ادا کیا بات وہی ہوئی۔

ہاں کہئے نینی تال میں کیا کیا؟ اس دفعہ گرمی لاہور میں غیر معمولی پڑی اور میں جون میں اتنی دیر تک لاہور میں کبھی نہیں رہی اس دفعہ یاسمین کو چونکہ سکول میں داخل کرایا تھا اس لئے اس کی چھٹیوں کا انتظار کر رہی تھی۔ اب ۲۷ کو چھٹیاں شروع ہو رہی ہیں۔

مسز ہاشمی کے نام ضمیر صاحب کا خط آیا تھا جس میں لکھا تھا کہ وقت آنے پر آپ کا خاص خیال رکھا جائے گا۔

یاسمین آپ کو یاد کرتی ہے۔

(۵۵)

(۶۵)

اپنے زیر ترتیب مجموعے میں آپ "مکھی" ضرور شامل کر سکتی ہیں۔ لیکن یہ افسانہ میری کتاب "بوچھار" میں بھی ہے۔ جس کے دائمی حقوق دے چکی ہوں۔ اس لئے آپ کو میرے ناشر چودھری رشید احمد صاحب مکتبۂ جدید سے اجازت لینا ہوگی۔ میں بھی انہیں خط لکھ دوں گی کہ وہ آپ کو اس افسانے کی اجازت ضرور دے دیں۔

ہاجرہ مسرور کا جو افسانہ آپ کو پسند ہو لے لیجئے مگر میری رائے یہ ہے کہ آپ ان کے کچھ نئے افسانوں کا انتظار کیجئے۔ یہ وہ افسانے ہیں جو انہوں نے ادبی دنیا سے کنارہ کشی کرنے سے قبل لکھے تھے۔ اب وہ شائع ہوں گے۔ "سرگوشیاں" "پچھے چوری" "بھالو" اور "تاریک دھرتی" یہ سب بہت اچھے افسانے ہیں۔ "تاریک دھرتی" تو خصوصیت سے۔ یہ افسانہ انہوں نے ۱۶ / اگست ۱۹۴۶ء کے راست اقدام والے دن سے متاثر ہو کر لکھا ہے اس میں نہ صرف فسادات کا ذکر ہے بلکہ قحط بنگال اور جہازیوں کی ہڑتال کے واقعات بھی بڑی خوبصورتی سے پیش کئے ہیں۔ یہ افسانہ غالباً "سویرا" لاہور میں شائع ہوگا۔ سرگوشیاں بھی غالباً آپ کو بہت پسند آئے گا۔ کم ازکم یہ افسانہ مجھے تو بہت اچھا لگا۔ یہ افسانہ "ادب لطیف" لاہور میں شائع ہوگا۔ ویسے اگر "آپ" آپ ہی کی دنیا کا ذکر ہے... لینا چاہتی ہیں تو لے لیجئے۔ مگر ہاجرہ نے اپنی نئی کتاب کے مجموعے کی ترتیب کے سلسلے میں اس افسانے میں تھوڑا سا رد و بدل کر دیا ہے۔ اس صورت میں لیں تو زیادہ بہتر رہے گا۔

مختصر حالات زندگی اور تصویروں کی شاید آپ کو جلدی نہ ہوگی۔ کیونکہ فسادات کی وجہ سے حالات ایسے ہو رہے ہیں کہ لاہور کا کوئی ناشر فی الحال اشاعتی کام نہیں کر رہا ہے۔ دوسرے ہم لوگ بھی کافی پریشان ہیں۔ شاید آپ کو اخبارات سے معلوم ہوتا رہتا ہوگا۔ کہ بھڑکی ہوئی آگ کی لپیٹ میں یو پی بھی آگیا ہے۔ خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے۔ جن سے یہ ہولی کھیلی گئی وہ تو ٹھنڈے ٹھنڈے سدھار گئے۔ مگر جن سے ابھی نہیں کھیلی گئی وہ اس درجہ پریشان کہ ذہن مفلوج ہوئے جاتے ہیں۔ ہم لوگوں کا خیال ہے کہ یہاں سے اپنی فیملی کو لاہور میں تبدیل کر دیں مگر سفر بھی کچھ کم خطرناک نہیں۔ ہوائی اڈوں تک پر حملہ کرنے سے نہیں چوکا جا رہا ہے۔ بہرحال ارادہ یہی ہے کہ کسی طرح یہاں سے بچ کر نکل جائیں۔ لکھنؤ کی حالت بھی اچھی نہیں کہا نہیں جا سکتا کہ کس وقت فساد شروع ہو جائے۔ طبیعت بیحد پریشان ہے۔ ایسی حالت میں کچھ لکھنا پڑھنا بڑا مشکل کام ہے۔ بہرحال مجھے امید ہے کہ آپ کو سوانح حیات کا زیادہ انتظار نہ کرنا پڑے گا۔ اور اگر دیر ہو جائے تو معاف کر دیجئے گا۔ ہاجرہ مسرور اچھی ہیں۔ اور آپ کو اور شاہد صاحب کو سلام کہتی ہیں۔ میرا بھی سلام کہئے گا۔ امید ہے کہ آپ دونوں بعافیت ہوں گے۔

۱۲ / ستمبر ۱۹۴۶ء — معرفت ایم علی صدیقی جھوائی ٹولہ۔ لکھنؤ۔ — کمترین خدیجہ مستور

مکتوب تسنیم سلیم چھتاری — (۵۶) — مکتوب الیہ اختر انصاری

کل شام مجھے آپ کا خط ملا۔ میں آپ کی شکرگزار ہوں!

آپ نے اپنے متعلق جو کچھ تحریر کیا اس کا مجھے آپ کے اظہار سے قبل ہی کچھ کھٹکا تھا! میں نے دیکھا ہے کہ اگر میں کسی انسان سے متاثر ہوں میرے دل میں اس کی وقعت ہو مجھے اس سے عقیدت ہو جائے تو وہ ضرور کوئی پریشان!

(۷۵)

(۷۵)

۶۸۰۱

کہتے تو آپ نے بھی سنا ہوگا۔ لکھنؤ کے مشہور ڈرامہ نگار منشی احسن اپنے گھر میں اچھن صاحب کہلاتے تھے۔
بہر حال میں خوش ہوں کہ آپ نے شہر خبرو کا پہلا پروگرام نہیں سنا جس میں وجہ تسمیہ تھی ورنہ اس دلچسپ طنز سے محروم رہنا پڑتا۔
امید ہے کہ مزاج بخیر ہوگا۔

۱۱ر دسمبر ۵۴ء - ریڈیو پاکستان - لاہور

آپ کا عقیدت کیش شوکت تھانوی

(۵۹)

مکتوب جذبی

مکتوب الیہ باقر مہدی

باقر صاحب!
میرا خط دیکھ کر غالباً آپ کو حیرت ہوگی۔ مجھے خلیل صاحب کی نظم "ارض دکن" کی ضرورت ہے۔ شاید میں خلیل صاحب کے کچھ کام آسکوں۔ ازراہِ کرم جلد سے جلد بھیج دیجئے۔
ہاں آپ کی گندی سیاست کا علم آپ کے جانے کے بعد ہوا۔ آپ غالباً یوسف صاحب کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر تو سوچئے کہ آپ کا رویہ میری جانب کہاں تک ایماندارانہ ہے۔ مخالفت وہی اچھی ہے جو کسی اصول پر مبنی ہو۔ حق و صداقت کا دامن اگر آپ نے چھوڑ دیا، تو خود آپ ہی کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ آپ میرا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے۔
یہ بھی یاد رکھئے کہ آپ میرے طالب علم ہیں۔ اور غالباً یہی سمجھ کر آپ کی بعض ایسی باتوں کو بھی میں نے نظر انداز کیا جو نظر انداز کرنے کے قابل نہ تھیں۔ آپ شاعر اور ادیب بننا چاہتے ہیں اور شہرت کے بھی طلبگار ہیں۔ لیکن شاعر اور ادیب بننے سے پہلے آپ کو ایک اچھا انسان بننا پڑے گا۔ اتنا اچھا انسان بننا پڑے گا کہ مخالفوں کی اچھی باتوں کو بھی آپ سراہنے لگیں۔ آپ کی شخصیت جس قدر بلند ہوگی، آپ تعصبات سے جس قدر پاک ہوں گے، آپ اپنے نفس کا جس قدر احتساب کر سکیں گے، اسی قدر آپ میں خلوص کا وہ جوہر پیدا ہوگا جو آرٹ کے لئے ضروری ہے، ادیب اور سازش، دو متضاد چیزیں ہیں۔ جو ادیب اپنے ضمیر کی آواز دباتے ہیں، وہ آج تک اچھے نہیں ہو سکے۔
ایک بات اور عرض کروں۔ سستی شہرت کے پیچھے نہ دوڑئیے۔ رسالوں میں نظم یا تصویر کا چھپ جانا اس امر کی دلیل نہیں کہ آپ اچھے ادیب بھی ہیں۔ صاحب ذوق نقاد بہت ہی کم ہیں۔ لیکن ہمیں انہیں کی رائے پر اعتماد چاہئے۔ خواجہ منظور کے جانے کے بعد، ہندوستان میں ایسے بے غرض نقاد آپ کو شاید ہی ملیں لیکن ادیب ایسے ہی نقادوں کی بدولت ترقی کرتا ہے۔ ایسے ہی نقادوں کو ڈھونڈئیے جو آپ کی تعریف کرنے کے بجائے آپ کی خامیوں پر روشنی ڈالیں۔ ادیب کو اپنی خامیوں کا پتہ ذرا مشکل ہی سے چلتا ہے۔
آپ کہیں گے کہ میں نے نصیحت کا دفتر کھول دیا ہے۔ یقین کیجئے کہ یہ نصیحتیں نہیں ہیں مشورے ہیں میں آج بھی آپ کا بہی خواہ ہوں۔ جس طرح یوسف صاحب کو میں نے سمجھایا تھا، اسی طرح آج آپ کو بھی سمجھا رہا

ہوں۔ جس طرح یوسف صاحب اپنی گذشتہ حرکتوں پر آج پشیمان ہیں اُسی طرح آپ کو بھی پشیمانی ہوگی بشرطیکہ آپ نے ضمیر کی آواز کو ہمیشہ کے لئے نہ دبا دیا۔

آپ میرے چکر میں نہ پڑیئے اور مجھے اپنے لئے ایک مسئلہ نہ بنایئے۔ اس سے آپ کو کچھ حاصل نہ ہوگا۔ آپ کے تبرے سے میرا کیا بگڑے گا۔ لیکن خود آپ کا بہت کچھ بگڑ جائے گا۔ خود آپ کی شخصیت میں بعض ایسی چیزیں پیدا ہو جائیں گی جن کی وجہ سے آپ میں نہ بلند نظری پیدا ہو سکے گی اور نہ کشادہ دلی۔ آپ جن حضرات کے اشاروں پر اس گندی سیاست میں پڑے ہیں، اُن میں سے بعض کے متعلق آپ کو خود تجربہ ہو جائے گا کہ وہ کس قدر تنگ نظر، تنگ دل، عامیہ اور خود پرست ہیں۔ ان کی صحبت میں آپ کو یہی چیزیں حاصل ہو سکتی ہیں۔ زندگی کی راہ ذرا سوچ سمجھ کر طے کیجئے۔ اور پھر ادیب کی زندگی کی راہ تو اور بھی مشکل ہوتی ہے۔

اب انجمن کے متعلق سنئے۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ یوسف صاحب کے اصرار سے میں پہلے پہل اس انجمن میں شریک ہوا۔ خدا جانے اُنہیں مجھ سے اس قدر عقیدت کیوں تھی۔ بہرحال اس انجمن سے میں نے بارہا الگ ہونا چاہا لیکن آپ نے اور خلیل صاحب نے مجھے باندھے رکھا۔ اس سال بھی سلامت صاحب کے صدر ہونے کے بعد میں نے کئی بار کوشش کی کہ اس انجمن سے الگ ہو جاؤں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ میٹنگ میں برابر شریک ہوتے رہنا میرے لئے کچھ دشوار سا ہے۔ یہ میرے مزاج کی اُفتاد ہے۔ میں آزاد رہنا زیادہ پسند کرتا ہوں۔ لیکن اب آپ حضرات کی سازشوں کو دیکھتے ہوئے میں نے طے کر لیا ہے کہ آپ کی انجمن ترقی پسند مصنفین سے کسی قسم کا ربط نہ رکھوں۔

ایک چیز اور واضح کر دوں۔ آپ مخالفت کی دھن میں بہت آگے بڑھ گئے ہیں۔ علیگڑھ کی انجمن ترقی پسند مصنفین صرف طلبا کی انجمن ہے۔ صدر اور مجلس عاملہ کا انتخاب لڑکے ہی کرتے ہیں۔ اساتذہ اور دوسرے حضرات اس میں حصہ نہیں لیتے چنانچہ اِن پر وہ پابندی عائد نہیں ہو سکتی جو طلبہ پر ہوتی ہے۔ صدر کا انتخاب اس لئے ہوتا ہے کہ وہ طلبہ کے آپس کے جھگڑوں کا فیصلہ کرتا رہے۔ طلبہ کے علاوہ جو لوگ انجمن کی فیس دیتے ہیں، وہ محض آپ کے ہمدرد ہیں اور مجلس عاملہ کے JURISDICTION میں نہیں آتے۔ دوسرے آپ حضرات نے ابھی تک کوئی دستور مرتب نہیں کیا ہے حالانکہ میں نے بارہا اس سال آپ حضرات کو اس طرف متوجہ کیا۔

بہرحال آپ اور خورشید صاحب دونوں میری اس علٰحدگی پر خوش ہوں گے۔ خورشید صاحب تو خاص طور سے میرے استعفے کے متمنی تھے اور کئی بار اس خواہش کا اظہار کر چکے تھے۔ میں جانتا تھا کہ وہ آخر میرے استعفیٰ دینے پر اس قدر مُصِر کیوں ہیں۔ یہی نا کہ میرے خلاف رجعت پسندی کا الزام لگا کر پروپیگنڈا کر سکیں۔ حالانکہ چاہئے یہ تھا کہ اگر میں انجمن سے الگ ہونے کی کوشش بھی کرتا، تو وہ مجھے علٰحدہ نہ ہونے دیتے خواہ ذاتی طور پر کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہوتا۔ کم از کم میں نے ذاتی اختلافات کو اپنی صدارت کے زمانہ میں انجمن کے کاروبار میں کبھی داخل نہیں ہونے دیا۔ پار سال بھی فریدہ کو میں نے خاص طور سے خورشید صاحب کے پاس ممبر بنانے کے لئے بھیجا تھا۔ اور فریدہ نے خود میرے سامنے خورشید سے باتیں کی تھیں، لیکن وہ ممبر نہ ہوئے۔

بہرحال آئندہ سال میں ممبری کی تجدید نہیں کروں گا۔ میری ترقی پسندی یا رجعت پسندی کا دارومدار میری شاعری پر ہے۔ وہی کہوں گا جو میں اپنے نزدیک صحیح سمجھتا ہوں۔ آپ حضرات اگر میرے خلاف پروپگنڈا کرنا چاہیں تو یاد رکھئے میں اس کا کوئی جواب نہ دوں گا۔ گالی کا جواب گالی سے کیوں دیا جائے خاموشی ہی کافی ہے۔

ایک بات اور رہ گئی۔ آپ یا خورشید صاحب میرے حریف نہیں ہو سکتے۔ میرے حریف میرے ہم عمر شعرا اور ادیب ہیں۔ آپ تو خیر بہت چھوٹے ہیں آپ کے منہ لگنا ایسا ہی ہے جیسے میں کسی طالب علم کے منہ لگوں۔ لیکن خورشید، سلام مچھلی شہری یا فکر تونسوی کے منہ لگنا بھی میں اپنی توہین سمجھتا ہوں۔ یہ نہ سمجھئے کہ میں از راہِ غرور کہہ رہا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرات ہر اعتبار سے مجھ سے چھوٹے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ ادب میں میری کیا جگہ ہے۔ اور اس سلسلہ میں میں کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہوں۔ میں نے کوئی بڑا کارنامہ نہیں پیش کیا ہے۔ لیکن اُس کی تیاری میں ضرور مصروف ہوں۔ یہ تو ساری عمر کی محنت ہے۔ اُس کے بعد ہی کچھ کہا جا سکتا ہے کہ میں نے کیا کیا ——— مخلص

۱۰۶ امیر نشاں سول لائنس۔ علیگڈھ　　　　جذبی

میں نے جو کچھ لکھا ہے اُس کے متعلق کسی بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔ میں غالباً آپ کو ایک حرف بھی نہ لکھتا، لیکن یہ سوچ کر کہ آپ ابھی بچے اور بڑی حد تک جذباتی بھی ہیں، آپ کو متنبہ کر دیا۔ اب آپ جانیں۔

اُمید ہے کہ آپ اس خط کو ٹھنڈے دل سے پڑھیں گے، اور ٹھنڈے دل سے سوچیں گے۔ خلیل صاحب کی نظم ضرور بھیج دیجئے۔

علیگڑھ سے اس ضمن میں درخواستیں آچکی ہیں۔ اور عنقریب اس سلسلے میں انتظامی کمیٹی حلقے کی رضامندی سے مناسب قدم اٹھائے گی۔

۲۔ حلقے کا جو قرض میرے ذمے ہے۔ اس کے متعلق شیر محمد اختر کا ایک خط آیا تھا، اس میں لکھا تھا کہ مقروض حضرات کے نام کھلے اجلاس میں سنا دیئے جائیں گے۔ غالباً ۶ دسمبر کو، ۳ دسمبر کو میں ملازم ہوگیا تھا، اس سے پہلے کے چیک تو پہلے ہی ڈوب چکے تھے اس لئے چھ سے پہلے تو کسی صورت میں میں قرض ادا نہ کرسکتا تھا دوسرے مجھے یہ بھی خیال آیا کہ دیکھیں میراجی سے ذاتی تعلق آپ لوگوں کی کمزوری دکھاتا ہے یا جس طرح میں جب وہاں تھا اب بھی آپ لوگ ہر صورت میں حلقے کی اصول پرستی کو قائم رکھتے ہوئے بغیر جھجک کے نام پڑھ کے سنا دیتے ہیں۔ معلوم نہیں اس سلسلے میں معاملہ کس منزل پر ہے۔ میں تو ابھی دو ایک ماہ تک شاید قرض ادا نہ کرسکوں۔ کیونکہ گزشتہ پہلی تنخواہ مکمل اماں جان کی نذر کی تھی (وہ آجکل یہیں ہیں) نیز تمام کاکے وغیرہ کا عملہ یہاں آیا تھا، اب رہا دوسری تنخواہ فروری یکم کا معاملہ تو اگر حلقے کے جلسے پر میں لاہور آؤں تو اس بار بھی کچھ نہ ہوسکے گا اور حلقے کے جلسے پر میں ضرور آنا چاہتا ہوں، تم اس معاملے میں مفصل مشورہ لکھو۔

۳۔ حلقے کا سالانہ اجلاس کس تاریخ کو ہے۔ مجھے کن تاریخوں کے لئے لاہور آنا چاہیئے، یہ سب باتیں بھی مفصل لکھو تاکہ میں ابھی سے ان تاریخوں کا کام پہلے سے کرنے کا انتظام کرلوں۔ نیز رخصت کا معاملہ بھی طے کرنے کے لئے درخواست دے دوں۔

۴۔ آدرش کی صحیح کاپی ارسال ہے اس کے مطابق تصحیح کرادو اگر کتابت ہو چکی ہو، کیا کتاب حلقے کے سالانہ اجلاس پر موجود ہوگی، اس دفعہ انتخابی کمیٹی کون سی تھی، کتنی کل نظمیں چنی گئیں، کتنی جلدیں کتاب کی چھپ رہی ہیں، کتاب کی قیمت کیا ہے، اس سلسلے کی تمام باتیں بھی لکھو۔

۵۔ سالانہ اجلاس پر میں مضمون کیا پڑھوں گا، ہاں اگر کوئی معقول تجویز نہ ہوسکی تو میرے خیال میں شاید یہ بہتر ہے کہ ایک رنگا رنگ پروگرام کیا جائے یعنی مختلف ارکان پندرہ پندرہ بیس بیس منٹ کے مضامین پڑھیں جن کے موضوع وقت یعنی زمانے کی رفتار متعلقہ ادب اردو اور مصنفین اور حلقے سے تعلق رکھتے ہوں مثلاً

جنگ اور ادب
جنگ کے زمانے میں حلقہ ارباب ذوق کی سرگرمیاں وغیرہ
جنگ اور شاعری
جنگ کا اثر مصنفین کی شخصیت پر،

یہ قطعاً ضروری نہیں کہ جنگ کا لفظ ہر مضمون کے عنوان میں آئے کیوں کہ یوں تو تمام پروگرام جنگ نامہ بن کر رہ جائے گا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ جنگی حالات یا جنگی زمانے میں جو اہم مسئلے مصنفین اور کسی زبان کے ادب کو پیش آتے ہیں۔ ان کے بارے میں خیال آرائی کی جائے جیسے روس کے ادب کو جنگ نے کیا کیا، سپین کی اس سلسلے

LOVE IN WAR TIME

(٨)

(١)

ہے لکھنے بیٹھوں تو کچھ سوجھ جائے۔ اگر ناکام رہا تو آپ کو مطلع کر دوں گا۔

فسادات نمبر کے مضامین کی فہرست کافی مرعوب کن ہے۔

محبوس عورتوں پر شاید اب میں اور کچھ نہ لکھ سکوں۔

شاہین صاحب کی خدمت میں آداب۔ عسکری آپ کو علیحدہ خط لکھیں گے۔

۳ ر اگست ۱۹۴۸ء

خاکسار سعادت حسن منٹو

---

(۳)

__بنام ممتاز شیریں__

خاتونِ مکرم

السلام علیکم۔ عرصہ ہوا آپ کا ایک خط ملا تھا۔ جس میں درج تھا کہ آپ فسادات نمبر بھیج رہی ہیں۔ افسوس ہے کہ یہ ابھی تک مجھے نہیں ملا اس لئے میں اپنی رائے لکھنے سے معذور ہوں۔

"اردو ادب" کا عتاب زدہ پہلا شمارہ اب شائع ہو چکا ہے۔ امید ہے مل گیا ہوگا۔ مجھے افسوس ہے کہ یہاں کی پراگندہ ادبی فضا کے باعث میں اور عسکری کوئی خاص چیز پیش نہیں کر سکے۔ بہرحال جو کچھ بن پڑا ہے حاضر ہے۔ ایک افسوس اور ہے کہ "سویرا" والوں نے دو مضمون چرا کر شائع کر دیئے ـــــ ہو سکتا ہے یہ ترقی پسندی ہو۔

"اردو ادب" کا دوسرا شمارہ زیر ترتیب ہے۔ براہ کرم فوراً ہی اپنے افسانے یا تنقیدی مضمون سے ممنون و متشکر فرمایئے۔

لاہور کی عدالت میں "ٹھنڈا گوشت" کا مقدمہ پیش ہے۔ میں نے آپ کو اور صمد شاہین صاحب کو صفائی کے گواہ کے طور پر طلب کیا ہے۔ لاہور آیئے گا تو اسی بہانے آپ دونوں سے شرفِ ملاقات بھی حاصل ہو جائے گا۔

امید ہے آپ دونوں بخیریت ہوں گے۔ صمد صاحب کی خدمت میں سلام۔

خاکسار سعادت حسن منٹو

ANTHOLOGY

(۸)

(۱)

(۳)

یا قطب العارفین!

"نیا ادب" سے یہ تمہارا تغافل سمجھ میں نہیں آتا۔ ارے بھئی کوئی کہانی اِس طرف ہوئی، تو بھیج دو نا! ۔ یا پھر اُس قسم کے قطعات وغیرہ ۔ کچھ تو ہمارے لئے بھی کرو۔

تمہارے ایک قطعہ نے بہت تڑپایا۔ سامنے ہوتے تو لپٹ جاتا۔ "شباب اور فرصت کی سازش تھی وہ" کیا مصرعہ دیا ہے۔ یعنی کیا زندہ نہیں رہنے دو گے۔

کبھی کبھی یاد ہی کر لیا کرو گے۔ لکھنؤ کی طرف کب آ رہے ہو جب ہم علیگڈھ آ رہے ہوں گے؟

جواب دو گے؟

تمہارا
مجاز

۲۱ر اکتوبر ۳۹ء لکھنؤ

ننھے گڑکی کا کیا حال ہے ملے تو پیار کہہ دینا۔

بنام اختر

(۴)

بھئی اختر

تم نے وہ کہانی ابھی تک نہیں بھیجی ۔ یہ زیادتی ہے ۔ تم نصف سے زیادہ نقل کرا چکے تھے ۔ پھر کیا حادثہ پیش ہو گیا۔

جلد از جلد ______

تمہارا
مجاز

۱۴ر نومبر ۴۱ء لکھنؤ

بنام رعنا انصاری

(۵)

پیارے رعنا،

تمہارا خط ملا ۔ جو میری غیر موجودگی میں یہاں آ گیا تھا۔ میں ان دنوں لاہور چلا گیا تھا۔ ابھی آیا ہوں نوکری کی ہے۔ تفصیل سے ملاقات ہونے پر بتاؤں گا۔

جواب میں دیر ہونے کی بھی یہی وجہ ہوئی — کہ ابھی آیا ہوں۔ اچھا تو حالات یہ ہیں۔ کہ یہاں سے ایک شاندار قافلہ یعنی شوکت، مادام زہرہ، ایک آدھ کامریڈ اور ہم خود بھی ۲۱ر مئی کی صبح کو جمعہ کے دن جی آئی پی سے روانہ ہو رہے ہیں۔ یہ جھانسی سے شام یا رات کو گزرے گی۔ تم بھی اس طور پر چلو کہ ہمیں جھانسی پر مل جاؤ۔ وہی گاڑی تمہیں جھانسی سے بمبئی کے لئے ملے گی۔ وقت دریافت کر لینا۔ یہاں سے تو ۹ بجے صبح کو روانہ ہوتی ہے۔ ساتھ ہو جائے گا تو سفر اچھا رہیگا
تو گویا تم جھانسی میں مل رہے ہو۔ سبط کو کیا کیا جائے اور کیا کہا جائے۔ ہم تو چار دن ہی کام کر کے چھٹی کر جا رہے ہیں۔ لہذا سعادت مندی مسلّم۔

اچھا فی الحال خدا حافظ

تمہارا مجاز

۲۱۔ راجپور روڈ۔ دہلی ۔ ۱۹ مئی ۴۳ء

آج سنا ہے کسی کے نام خط آیا ہے لیکن ہم قسم کھاتے ہیں ہم نہ دیکھیں گے اور نہ پوچھیں گے۔

(۶)

یا قطب العارفین،

ایک گنہگار کا سلام قبول ہو۔

بیمار تھا۔ معلوم ہوا ہوگا۔ اب اچھا ہوں۔ یہ معلوم ہو کہ یقینی یوں کہ نہ جانے کب علی گڑھ بھی آ سکوں۔ ابھی تو نہیں۔ دو ماہ کی چھٹیاں گزاری ہیں۔

رسالہ ادیب کے لئے ——— مضمون۔ کہانی۔ قطعہ۔ نظم۔ غزل۔ کچھ بس بھیجدو۔ شدید انتظار رہے گا۔ مفصل باتیں بعد کو ہوں گی۔ بہت سی باتیں تفصیل سے لکھنی اور کرنی ہیں۔

جواب کا انتظار نہیں چیز کا انتظار کروں گا۔ اور دیگر احوال کیا ہیں۔ یہاں تو وہی عالم ہے۔

تمہیں ایک مطلوبہ رسالہ بھجوا دیا تھا۔

تمہارا
مجاز

۱۱ ستمبر ۴۳ء — دہلی

عطیات

ذیل میں ان کرم فرماؤں کے نام اور خطوط کی تعداد درج ہے جن کے علمی اور دلی تعاون سے یہ پرچہ ترتیب پایا۔

نام	تعداد
ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو	۱۱۲ خطوط
ڈاکٹر محی الدین قادری زور	۱۷۵ خطوط
محمد عبداللہ قریشی صاحب	۱۲۲ خطوط
سید رفیق صاحب مارہروی	۱۲۳ خطوط
نواب سید شمس الحسن صاحب	۷۳ خطوط
مسلم یونیورسٹی علیگڑھ	۵۸ خطوط
غلام رسول صاحب مہر	۲۹ خطوط
امتیاز الدین صاحب اٹاوہ	۲۹ خطوط
مرتضیٰ حسین صاحب بلگرامی	۵ خطوط
سید الطاف علی صاحب بریلوی	۳۳ خطوط
رئیس احمد صاحب جعفری	۱۴ خطوط
حسن مثنیٰ صاحب	۲۱ خطوط
مالک رام صاحب	۶۹ خطوط
پروفیسر محمد مسلم صاحب ـ پٹنہ	۱۶ خطوط
تمکین کاظمی صاحب ـ حیدرآباد دکن	۳۲ خطوط
طاہر فاروقی صاحب ـ پشاور	۱۴ خطوط
نصیر الدین صاحب ہاشمی	۷۵ خطوط
حضرت دل شاہجہان پوری	۳۴ خطوط
محمد اظہار الحسن صاحب ـ جہلم	۴۳ خطوط
پروفیسر آغا صادق حسین صاحب ـ کوئٹہ	۱۶ خطوط
سید امتیاز علی صاحب تاج ـ لاہور	۳۲ خطوط
محمد احمد صاحب عباسی	۱۲ خطوط
حکیم سید امیر احمد صاحب انجم ترمذی	۷ خطوط
یٰسین علی خاں صاحب ـ حیدرآباد دکن	۴۰ خطوط
غلام یزدانی صاحب ـ حیدرآباد دکن	۸ خطوط
پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب	۱۶ خطوط
ڈاکٹر سید محمد عبداللہ صاحب ـ لاہور	۳۷ خطوط
ڈاکٹر وحید قریشی صاحب	۲۱ خطوط
جلیل احمد صاحب قدوائی	۹ خطوط
امتیاز علی خاں صاحب عرشی	۴۵ خطوط
سید دل محمد صاحب فضا جالندھری	۱۹ خطوط
شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی	۸ خطوط
آغا محمد باقر صاحب ـ لاہور	۱۴ خطوط
بزمی چریاکوٹی صاحب	۸ خطوط
جناب شفا گوالیاری	۲۹ خطوط
عبدالمجید صاحب سالک ـ لاہور	۱۲ خطوط
اعجاز سکندر صاحب نازش	۱۹ خطوط
ایم حبیب خاں صاحب	۱۱ خطوط

[illegible] خاں صاحب	۲۶ خطوط
حامد حسن صاحب قادری	۳ خطوط
سید اصغر حسین صاحب راغب مرادآبادی	۱۱ خطوط
وفا راشدی صاحب ۔ حیدرآباد سندھ	۱۱ خطوط
اے ۔ ڈی ۔ عراقی صاحب ۔ کانپور	۲ خطوط
مولوی محمد وارث صاحب کامل	۳ خطوط
اقبال عظیم صاحب ۔ چٹاگانگ	۱ خط
نثار احمد فاروقی صاحب	۳ خطوط
وحید احمد صاحب شیخوپورہ	۷ خطوط
قیوم نظر صاحب ۔ لاہور	۸ خطوط
محترمہ نیّر جہاں شعاع صاحبہ	۲ خطوط
مولوی محمد حسین خاں صاحب زبیری	۱۳ خطوط
ظہیر احمد صاحب ایم اے ۔ دہلی	۸ خطوط
احمد جمال پاشا صاحب ۔ لکھنؤ	۴ خطوط
پروفیسر عبدالصمد صاحب صارم	۱ خط
محمد علی خاں صاحب	۴ خطوط
فصیح اللہ خاں صاحب ملیسی ۔ ملتان	۱ خط
سخاوت مرزا صاحب ۔ حیدرآباد دکن	۱ خط
مقبول احمد صاحب مقبل	۱ خط
اکبر علی خاں صاحب	۱ خط
عبدالقوی صاحب دسنوی ۔ بمبئی	۳ خطوط
الطاف علی صاحب ۔ بریلوی	۱ خط
انیس احمد صاحب	۵ خطوط

یوں تو میرے نزدیک اس نمبر میں شامل ہر خط کی بڑی قیمت ہے۔ مگر زیادہ قیمتی خطوط جن دوستوں نے مرحمت فرمائے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔

(۱) ڈاکٹر مختارالدین آرزو (۲) ڈاکٹر محی الدین زور (۳) مولانا غلام رسول مہر (۴) مولوی عبداللہ قریشی (۵) سید رفیق مارہروی (۶) سید نواب شمس الحسن (۷) امتیاز الدین (اٹاوہ) (۸) الطاف علی بریلوی (۹) رئیس احمد جعفری (۱۰) حسن مثنیٰ صاحب اور (۱۱) مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

غالب کے ۴۳ خط مختارالدین آرزو نے مرحمت فرمائے۔ ایک مالک رام صاحب نے۔ ایک مقبول احمد صاحب مقبل نے۔ ایک محمد اسحٰق صاحب حقانی نے اور ایک اکبر علی خاں صاحب نے۔

زندہ ادیبوں کے خطوط اس فہرست میں شامل نہیں ہیں۔ جو اپنے مواد کے اعتبار سے بڑے قیمتی ہیں انشاءاللہ انہیں الگ نمبر کی صورت میں آئندہ پیش کیا جائے گا۔ پروگرام کے مطابق ہم خطوط کے چار نمبر پیش کریں گے جن میں سے ایک یہ ہے۔

اگر کسی دوست کے پاس اور بھی قیمتی خطوط ہوں تو وہ بھی ہمیں عنایت فرمائیں تاکہ وہ محفوظ ہو جائیں۔

[مرتب]

مطبوعات

ادارۂ فروغِ اردو۔ لاہور

جس نے آپ کے لیے ہمیشہ معیاری اور خوبصورت کتابیں چھاپیں

ہماری داستانیں اُردو ادب کی سب سے دلچسپ صنف ہماری قدیم داستانیں ہی ہیں جو ہزاروں صفحوں پر پھیلی ہوئی ہیں۔ ان داستانوں سے ہر شخص لطف اندوز ہوتا ہے۔ بچوں سے لے کر بوڑھوں تک نے اگر کوئی داستان شروع کر لی ہے تو دن رات لگا کر اُسے ختم ہی کیا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ کسی نے اسے بیچ میں چھوڑ دیا ہو۔ اتنی دلچسپ صنف ادب کے بارے میں اب تک کوئی تنقیدی کتاب نہ تھی۔ اس تصنیف سے نہ صرف یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں داستان کا خلاصہ کیا ہے بلکہ یہ بھی کہ اس کا ادب میں کیا مقام ہے اور کیوں۔ ۵/-/-

ید بیضا سید عابد علی عابد کے دل نشین ڈراموں کا مجموعہ۔ آغا حشر فنِ ڈرامہ نگاری کے امام تھے۔ ان کے ڈراموں میں الفاظ کی شان و شوکت اور قافیہ پیمائی کی معجزانہ کرامات تو تھیں مگر نرم و نازک احساسات کا فقدان تھا۔ عابد صاحب نے اپنے ڈراموں میں اس خامی کو نہ صرف دُور کیا ہے بلکہ اُردو ڈرامے کے فن کو اوجِ کمال پر پہنچا دیا ہے۔ اگر آغا حشر کے ڈرامے ماضی کی دلکش یادگار ہیں تو عابد صاحب کے ڈرامے حال اور مستقبل کا سرمایہ ہیں۔ اُردو ادب میں ان سے بہتر ڈرامے آج تک پیش نہیں کیا جا سکے۔ ۵/-/-

خلفائے محمد ابو النصر شام کا سب سے بڑا مورخ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے جتنی بھی سوانحی کتابیں لکھیں۔ اُن کا ساری دنیا میں کوئی ثانی نہیں ہے خلفائے محمدؐ میں اس نے ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ پر دنیا بھر کی کتابیں پڑھ کر ایک ایسی کتاب لکھ دی ہے جو ان خلفا پر سب سے معیاری اور مستند کتاب ...

بازارِ حیات یہ احمد ندیم قاسمی کے خوبصورت افسانوں کا مجموعہ ہے قیامِ پاکستان کے بعد جتنے معیاری افسانے ندیم نے لکھے ہیں۔ اتنے اور کسی افسانہ نگار نے نہیں لکھے۔ اس مجموعے میں اُن کے وہ تمام تازہ افسانے شامل ہیں جن پر ندیم کو اور اُردو افسانے کو فخر ہونا چاہیے افسانوی ادب میں یہ مجموعہ ناقابلِ فراموش ہے۔ ۳/۸

اُردو غزل گوئی اُردو تنقید میں غزل پر اتنی کامل کتاب اور نہ تھی اس لیے کہ اس کا مصنف فراق گورکھپوری غزل کا بہت بڑا شاعر ہے۔ فراق جتنا بڑا شاعر ہے اتنا ہی بڑا نقاد ہے۔ مغربی تنقید اور مشرقی تنقید کا رچا ہوا مذاق فراق کا ہے۔ اتنا اُردو کے نہ کسی شاعر کو نصیب ہوا اور نہ کسی نقاد کو۔ ۲/-

اندازے مصنفہ فراق گورکھپوری۔ فراق جتنا بڑا شاعر ہے۔ اتنا ہی بڑا نقاد ہے۔ اندازے ان کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے۔ پچھلے بیس برسوں میں اُردو کے تنقیدی سرمائے میں اس سے بہتر کتاب پیش نہیں کی جا سکی۔ اب اس مجموعہ کو بڑی اہم تبدیلیوں اور کئی نئے مضامین کے اضافے کے ساتھ پیش کیا گیا ہے ۵/-/-

تذکرہ شعرائے متغزلین شیخ محمد اسماعیل پانی پتی۔ یہ تذکرہ غزل گو شعرا کے حالاتِ زندگی اور کلام پر تبصرہ ہے۔ یہ مختصر سا جائزہ پہلے نقوش کے غزل نمبر میں شامل تھا اب اسے الگ صورت میں بھی پیش کر دیا گیا ہے ۱/۸

سنت الٰہیہ امام ابن تیمیہ کی یہ معرکۃ الآرا تصنیف اس نے ...

ادب کے بارے میں اپنے نظریات کا بھی اظہار کیا ہے۔ یہ مجموعہ اتنا دلچسپ اور اتنے کام کا ہے کہ کبھی بھلایا ہی نہیں جا سکتا۔

تقریباً تمام افسانہ نگار خواتین کے فوٹو بھی شامل ہیں جس سے اس کتاب کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔ ۶/-

مضامین جمال الدین افغانی جمال الدین افغانی ایسا نڈر اور بے باک رہنما تھا جس سے انگریزوں کی سلطنت کانپ اٹھی تھی۔ ان جیسا انگریزوں کا دشمن اور مسلمانوں کا خیرخواہ ڈھونڈے سے نہیں ملے گا۔

مسلمانوں کو ایک مرکز پر لانے کے لیے انھوں نے عربی میں ایک اخبار "العروۃ الوثقیٰ" کے نام سے جاری کیا تھا۔ اس میں جتنے بھی مضامین نکلے تھے۔ وہ سب اس کتاب کی زینت ہیں۔ ان کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کو ایک مرکز پر لا کر تمام دنیا کی سرداری کا جو خواب انھوں نے دیکھا تھا وہ آج بھی پورا ہو سکتا ہے۔ ۵/-

انتقاد سید عابد علی عابد کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ، عابد صاحب نامور شاعر، بہترین انشا پرداز اور بے مثل نقاد ہیں۔ ان کی تنقید میں روائتی نقادوں کی طرح نقات اور یاوہ گوئی نہیں ہوتی۔ سیدھی بات کہنا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے مناسب الفاظ ڈھونڈتے ہیں اور سچی تلی بات کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تنقید دل میں شعروں کی سی مٹھاس اور فیصلوں میں تلوار کی سی کاٹ موجود ہے۔ ان کے نزدیک کسی لفظ کا غلط استعمال گناہ ہے اور یہ بھی گناہ ہے کہ نقاد اپنے ساتھ قاری کو بھی الجھا دے۔ ۳/-

تصانیف شوکت تھانوی

مولانا	۳/۸	سسرال	۲/۴
غزالہ	۶/-	کارٹون	۳/۸
بے قاعدہ	۲/-	نابدولت	۳/-
بارِ خاطر	۳/-	بقراط	۲/۸
خدانخواستہ	۳/-	جوڑ توڑ	۴/-
سودیشی ریل	۲/-	مضامینِ شوکت	۲/۸
کنیا	۲/۸	غالب کے ڈرامے	۲/۸
سانچ کو آنچ	۳/۸	قاضی جی (۳ حصے) فی حصہ	۲/۸

ادارۂ فروغِ اردو، ایبک روڈ، لاہور

ا ب ت
بچوں کی پرورش کا پہلا سبق
بچے نازک، ناتواں اور بڑی دیکھ بھال کے محتاج ہوتے ہیں۔ تاہم ان کے اندر نشوونما کی زبردست صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ مناسب نگہداشت، اچھی غذا اور عمدہ ٹانک کے استعمال سے ان کو پھلنے پھولنے اور زندگی سے بھرپور جسم کو پوری پوری افزائش کا موقع مل سکتا ہے۔
نونہال کے باقاعدہ استعمال سے آپ کے بچے کو وہ تمام اجزا مناسب مقدار میں مہیا ہوتے رہیں گے جو اس کی نشوونما اور آئے بیماریوں سے بچانے کے لئے ضروری ہیں۔
نونہال
بچوں کی صحت کا محافظ
گرائپ مکسچر
(نیلے رنگ کے ڈبے میں)
مندرجہ ذیل امراض کے لئے
قبض، پیچش اور اپھارا، دودھ ڈالنا، دست و پیچش، دانت نکالنا، جگر اور تلی کا بڑھنا، منہ آنا اور رال بہنا، چنونے اور کیڑے، پیٹ درد کی شدت۔
بے بی ٹانک
(سرخ رنگ کے ڈبے میں)
مندرجہ ذیل امراض کے لئے
عام جسمانی کمزوری، سوکھا (دق الاطفال)، ہڈیوں کا نرم و ٹیڑھا ہو جانا، مسوڑھوں کی سوجن، مرض کے بعد کی کمزوری، کمزوری جلد، جوڑوں کی سوجن، منہ آنا، نزلہ و زکام۔
"گرائپ مکسچر" و "بے بی ٹانک" ہر موسم میں یکساں طور پر مفید ہیں
ہمدرد